بطوافِ کعبہ رفتم

(سفرنامۂ حج)

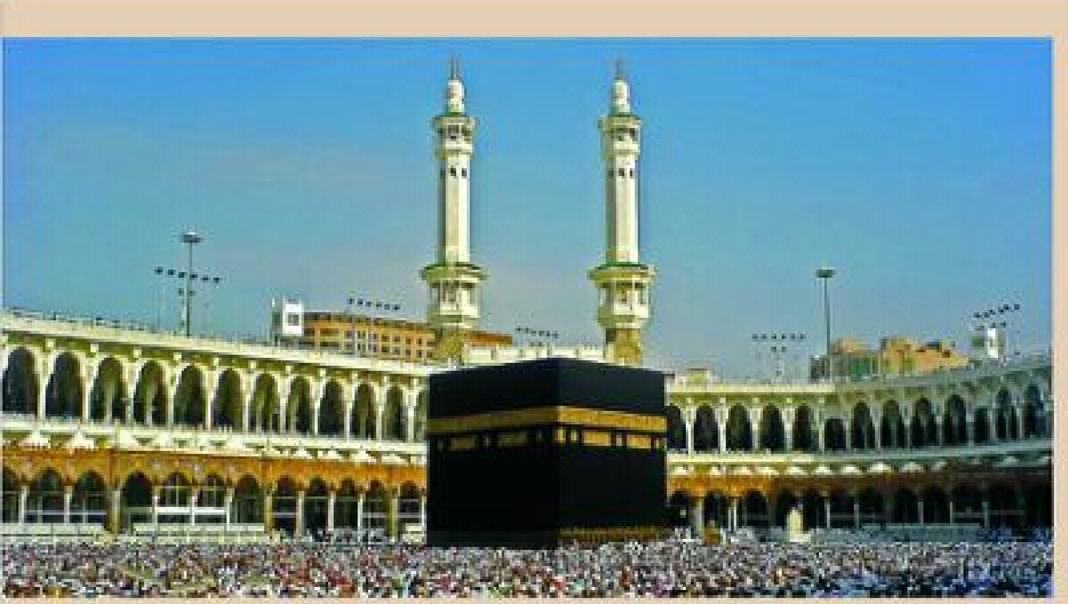

مؤلف
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
([illegible])
(بانی مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی)

مرتب
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد ضلع مئو (یوپی)

بطوافِ کعبہ رفتم (سفرنامۂ حج)
مؤلف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
مرتب مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

بطواف کعبہ رفتم

(سفرنامۂ حج)

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ (م: ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۳ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی)
پن کوڈ: 276403 موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب : بطوافِ کعبہ رفتم (سفرنامۂ حج)
مؤلف : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
مرتب : مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
صفحات : 464
طبع اول : ۱۹۹۷ء
طبع دوم : ۲۰۰۷ء
طبع سوم : ۲۰۱۵ء
ناشر : مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت : 300/=

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی 9235327576
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئو ناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دار ارقم، اسلام آباد (ڈکھا) جون پور 9554983430

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ (ضیاء الحق خیرآبادی)	۶
۲	تقریظ حضرت مولانا نثار احمد صاحب بستوی مدظلہ	۱۱
۳	کتاب سے پہلے (حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ)	۱۵
۴	پہلا سفر حج	۱۹
۵	رودادِ حرمین شریفین (۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء)	۱۵۷
۶	سفر حج (۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء) (بقلم: ضیاء الحق خیرآبادی)	۱۶۹
۷	التجائے عرض کا جواب	۲۰۲
۸	رودادِ حرمین شریفین (۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۳ء)	۲۰۶
۹	رودادِ حرمین شریفین (۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۶ء) بقلم: الحاج نور اللہ صاحب	۲۲۱
۱۰	رودادِ حرمین شریفین (۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء)	۲۳۰
۱۱	ذکر حج و مکہ مکرمہ	۲۳۰
۱۲	ذکر مدینہ طیبہ	۲۳۹
۱۳	سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے	۲۴۸
۱۴	سفر قدس (۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء)	۲۶۰
۱۵	سفر حج (۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء) (بقلم: ضیاء الحق خیرآبادی)	۳۳۱
۱۶	سفر حج (۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء) (بقلم: مولانا محمد عرفات اعظمی)	۳۶۵
۱۷	سفر حج، بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح	۴۱۴
۱۸	سفر حج: حجاج کرام سے کچھ گزارشیں	۴۳۳

◆

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند
تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

◆

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

(عراقیؔ)

- میں طوافِ کعبہ کے واسطے حاضر ہوا، مگر مجھے حرم میں آنے کی اجازت نہیں ملی۔ آخر تم نے دروازے کے باہر کون سا عمل کیا ہے کہ گھر کے اندر آ رہے ہو۔
- میں نے زمین کے اوپر سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی، کہ تو نے سجدۂ ریائی سے مجھے خراب کر دیا۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

(سورۂ بقرہ:۱۹۶)

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر آرزو اور تمنا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حج بیت اللہ کی سعادتِ عظمیٰ اور زیارت مدینہ منورہ زادھا اللّٰہ تشریفاً وتکریماً کی دولتِ بے بہا سے بہرہ ور ہو، ہر سال لاکھوں خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جنھیں یہ سعادتِ عظمیٰ اور دولت بے بہا حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سے ایسے صاحب قلم بھی ہوتے ہیں، جو اپنے مشاہدات وتاثرات اور قلبی واردات کو سینے سے سفینے پر منتقل کر دیتے ہیں، یہ سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے۔

کسی ہندوستانی عالم کے قلم سے جو قدیم ترین سفرنامہ اس وقت دستیاب ہے وہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ’’جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب‘‘ ہے جو فارسی زبان میں لکھا گیا اور یہ بھی سفرنامہ سے زیادہ مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ حضرت شیخ ١٠٠١ھ مطابق ١٥٩٣ء میں اس سفر سعادت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد فارسی ہی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنا سفرنامہ ’’فیوض الحرمین‘‘ کے نام سے تحریر فرمایا، حضرت شاہ صاحب کو یہ سعادت ١١٤٣ھ مطابق ١٧٣١ء میں حاصل ہوئی۔ ان کے شاگرد رشید مولانا رفیع الدین صاحب مرادآبادی نے ’’سوانح الحرمین‘‘ کے نام سے اپنے سفر حج کی روداد لکھی، جو ١٩٦١ء میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے اردو ترجمہ کے بعد شائع ہوئی، جبکہ مولانا موصوف کو ذی الحجہ ١٢٠١ھ مطابق ١٧٨٧ء میں یہ شرف حاصل ہوا تھا۔

اردو زبان کا پہلا مطبوعہ وغیر مطبوعہ سفرنامۂ حج کون ہے؟ اس سلسلے میں محمد شہاب الدین صاحب...... جنھوں نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب ’’اردو میں حج کے سفرنامے‘‘ لکھی ہے...... رقم طراز ہیں:

> ’’اردو میں حج نگاری کی تاریخ ۱۸۴۸ء سے شروع ہوتی ہے، جب سیّد شاہ عطا حسین فانیؔ گیاوی نے ’’دید مغرب المعروف بہ ہدایت المسافرین‘‘ (قلمی) کے نام سے اپنا حج نامہ تحریر کیا۔ البتہ اردو کا اوّلین مطبوعہ حج نامہ ۱۸۷۱ء میں ’’ماہ مغرب المعروف بہ کعبہ نما‘‘ کے نام سے میرٹھ سے طبع ہوکر سامنے آیا، جس کے مصنف حاجی منصب علی خان تھے۔ ’’دید مغرب‘‘ سے حج نامہ نگاری کا شروع ہونے والا سلسلہ اس قدر فروغ پایا کہ تاحال اردو میں لکھے جانے والے حج ناموں کی تعداد چار سو سے متجاوز ہوچکی ہے۔‘‘ (جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ وثقافت ہندوستانی سفرناموں کی روشنی میں، ص: ۲۴۴)
>
> بعض محققین نے نواب صدیق حسن خاں کے سفر نامہ حج ’’رحلة الصديق الى البيت العتيق‘‘ کو اردو زبان کا پہلا حج نامہ قرار دیا ہے، لیکن اس سلسلے میں انھیں غلط فہمی ہوئی ہے، نواب صدیق حسن خاں کا سفر نامہ حج عربی زبان میں ہے، اردو میں نہ تو انھوں نے کوئی طبع زاد حج نامہ خود لکھا نہ ہی ان کے سفر نامہ حج (عربی) کا اردو زبان میں کوئی ترجمہ موجود ہے۔ (حوالہ بالا، ص: ۲۱/۲۲)

اس کے علاوہ قاضی سلیمان منصور پوری کا سفر نامہ حج ’’تاریخ الحرمین‘‘۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا ’’الفوز العظیم‘‘ مولانا عبد الماجد دریابادی کا ’’سفر حجاز‘‘ مولانا مناظر احسن گیلانی کے سفر حج کی روداد مدینہ ’’دربارِ نبوت کی حاضری‘‘ مولانا ابوالحسن علی ندوی کا سفر نامہ ’’اپنے گھر سے بیت اللہ تک‘‘ وغیرہ اردو زبان میں حج کے بہترین سفر نامے ہیں۔ تفصیلات کیلئے شہاب الدین صاحب کی کتاب ’’اردو میں حج کے سفر نامے‘‘ ملاحظہ فرمائیں، جو اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے۔

زیرِ نظر سفر نامہ ’’بطوافِ کعبہ رفتم ۔۔۔‘‘ استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کے سفر حج کے مشاہدات وتاثرات اور قلبی واردات ودلی جذبات کا آئینہ دار ہے، مؤلف نے اپنے محسوسات کو الفاظ وحروف کے پیکر میں ڈھال دیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۷ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے شائع ہوا تھا، جو ۱۶۰/ صفحات پر مشتمل

تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن غیر معمولی اضافے اور ترمیم کے ساتھ ۲۰۰۸ء میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا جو ۳۶۰ صفحات پر مشتمل تھا، جس کی تفصیلات یہ تھیں:

(۱) یہ روداد سفر یعنی پہلی اشاعت کی روداد مؤلف کے پہلے حج (۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء) کی ہے، اس کے بعد مؤلف کو کئی بار اس سفر سعادت کی توفیق بخشی گئی، اور انھوں نے ان اسفار پر جو کچھ تاثرات تحریر فرمائے اسے بھی جزوِ کتاب بنا دیا گیا ہے۔

(۲) دوسرا حج مؤلف نے ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں کیا، اس کی روداد بھی شامل ہے۔

(۳) ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء کے سفر حج میں ...... جو منیٰ کی بھیانک آتش زدگی کی وجہ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے...... احقر مرتب کو بھی معیت و ہمراہی کی سعادت حاصل تھی، اس سال کی روداد احقر کے قلم سے شامل کتاب ہے۔

(۴) چوتھا حج ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں کیا، اس کی روداد بھی شامل کتاب ہے۔

(۵) ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۶ء کے سفر حج میں مؤلف کے دوست الحاج نور اللہ صاحب دربھنگوی ہمراہ تھے، اس سال کی روداد سفر ان کے قلم سے ہے۔

(۶) ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں مؤلف چھٹی مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے، اور واپسی کے بعد قدرے تفصیل سے انھوں نے احوال سفر ماہنامہ ضیاء الاسلام کے لئے تحریر فرمائے، اسے بھی جزو کتاب بنا دیا گیا ہے۔

(۷) حج کے سلسلے میں مؤلف کی ایک اہم تحریر دو تین سال قبل ’’**سفر حج**‘‘ بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح‘‘ کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اور بڑی اہمیت کی حامل ہے، اسے بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر کتاب کا جزو بنا دیا گیا ہے۔

(۸) تین شخصیتوں کا تذکرہ مؤلف نے بڑے والہانہ اور غیر معمولی انداز میں کیا ہے۔ ایک اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم، دوسرے احقر کے والد ماجد الحاج عبد الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ، تیسرے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب مہاجر مدنی علیہ الرحمہ۔ بعد میں مؤلف کے قلم سے ان تینوں حضرات پر تفصیلی مضامین شائع ہوئے، انھیں بھی شامل کتاب کر دیا گیا، اب یہ ایڈیشن ۳۶۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔

طبع دوم کے بعد تین مرتبہ مزید حضرت مولف مرحوم ومغفور اس سفر سعادت سے بہرہ ور ہوئے، ۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۱ء میں۔

۲۰۰۷ء کی روداد انھوں نے ڈائری کے انداز پر ''سفر قدس'' کے عنوان سے خاصی تفصیل کے ساتھ لکھی جو ماہنامہ ضیاءاالاسلام میں شائع ہوئی۔

۲۰۰۸ء والے سفر میں اس حقیر کو دوبارہ ہمرکابی کی سعادت حاصل ہوئی، اس سال کی روداد میں نے لکھی۔

۲۰۱۱ء میں حضرت مولف کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد عرفات سلّمہٗ کو معیت کا شرف حاصل تھا، میری گزارش پر اس سال کی روداد انھوں نے لکھی، اس طرح مولف مرحوم نے اب تک جتنے سفر کئے سب کی روداد اس کتاب میں آگئی ہے، شاید اس حیثیت سے یہ پہلا سفرنامہ حج ہو کہ کسی کے تمام اسفار حج کی روداد.......اجمالاً ہی سہی......قلم بند کی گئی ہو۔

گزشتہ اشاعت میں جن تین بزرگوں کے تذکرے شامل اشاعت کئے گئے تھے ضخامت کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس اشاعت میں شامل نہیں کئے گئے، وہ مولف کی کتاب ''کھوئے ہوؤں کی جستجو.....میں ہیں، اسے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

گزشتہ اشاعت میں ضمیمہ کے طور پر کتاب کے اخیر میں ''سفر حج: بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح'' شامل اشاعت تھی، اسے باقی رکھا گیا ہے اور ضمیمے میں ایک اور تحریر شامل کی گئی ہے جو ۲۰۰۸ء کے حج کے بعد لکھی گئی تھی، ''سفر حج: حجاج کرام سے کچھ گزارشیں'' یہ تحریر بھی ضمیمہ کی پہلی تحریر کی طرح بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

اس امید کے ساتھ یہ تحریریں شائع کی جارہی ہیں کہ ان کو پڑھ کر اس اہم عبادت یعنی حج کا صحیح ذوق پیدا ہو، اور اس سفر سعادت کے کیا تقاضے اور مطالبے ہیں ان سے آگاہی حاصل ہو اور ان پر عمل کا جذبہ بیدار ہو۔

باری تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازیں، اور جو نیت وارادہ اس کی اشاعت سے ہے اسے پورا فرمائیں اور اس کے ذریعہ اپنی اور اپنے دونوں محترم دیار کی محبت

ہمارے قلوب میں پیدا فرمائیں۔ اسے مولف، جامع اور کاتبین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ **آمین یارب العالمین**

میں اپنے مخلص رفیق مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاسمی، مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی (استاذ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد) اور عزیزان مولانا محمد راشد و مولانا محمد عرفات سلّمہما کا حد درجہ شکر گزار ہوں کہ ان کے تعاون سے کتابت سے لے کر طباعت تک کے تمام مراحل بسہولت طے ہوگئے، اور اخیر میں اپنے مخدوم بزرگ اور حضرت مولف علیہ الرحمہ کے مخلص دوست اور قدرداں دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے صدر الاساتذہ حضرت مولانا نثار احمد صاحب بستوی مدظلہ کا بہت ممنون کرم ہوں کہ انھوں نے میری درخواست پر ایک عمدہ تحریر قلم برداشتہ لکھ کر اپنی دیرینہ رفاقت کا حق ادا کردیا، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

ضیاء الحق خیرآبادی

۲۰/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/فروری ۲۰۱۵ء

سہ شنبہ

☆☆☆☆☆

عازمین حج کے لئے ایک انتباہ

سفر حج کا ساتھ بڑا نازک ساتھ ہوتا ہے۔ اچھے اچھے گہرے دوستوں کی مدت العمر کی دوستیاں اس سفر میں ٹوٹتے دیکھی ہیں، اور بھائی سے بھائی کو، باپ سے بیٹے کو، پیر سے مرید کو اس سفر میں چھوٹ جاتے سنا، اسی خوف سے شروع ہی سے بڑی احتیاط رکھی گئی کہ قافلہ بڑا نہ ہونے پائے، اور جو لوگ ساتھ ہوں وہ بھی حتی الامکان اپنا اپنا انتظام ایک دوسرے سے علٰیحدہ رکھیں۔

آئندہ کے تمام عازمین حج کی خدمت میں یہ مخلصانہ گزارش ہے کہ جب تک کسی دوست یا عزیز پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ غیر معمولی تحمل و بے نفسی اور صفات اطاعت وانقیاد کا مالک ہے، ہرگز اسے شریک قافلہ نہ بنایا جائے، اور کھانے پینے، رہنے سہنے کا الگ الگ انتظام تو واجبات میں سے ہے۔ (سفر حجاز، ص: ۳۷۔ مؤلفہ: مولانا عبدالماجد دریابادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صدر المدرسین دار العلوم الاسلامیہ بستی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم   امابعد!

بطوافِ کعبہ رفتم ..... یہ اسی کعبہ کی زیارت ودیدار کی عجیب وغریب اور موثر داستان ہے جس کی طرف ہر ایمان والا ہر نماز میں اپنا چہرہ کرکے اپنی پنجوقتہ نمازوں کو مقبول بناتا ہے۔ یہ وہی بیت اللہ ہے زادہ اللہ تشریفاً وتکریماً وھیبةً واجلالاً جس کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ فرماتے ہیں: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ (آل عمران:۹۶) بے شک جو گھر پہلے پہل لوگوں کے لئے عبادت خانہ کے طور پر وضع کیا گیا وہ مکہ میں ہے، برکت والا اور ہدایت والا ہے دنیا جہاں کے لئے۔ جو دنیا آباد ہونے سے پہلے قدسیوں کی جلوہ گاہ رہا ہے، جس کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سجدوں سے آباد کیا، اور تسلسل کے ساتھ تمام انبیاء ورُسل اس کے دیدار وزیارت کی تڑپ لے کر سر کے بل حاضر ہوتے رہے، اگرچہ کعبہ کی ظاہری دیواریں مرورِ ایام کے ساتھ متاثر ہوتی رہیں اور بنتی رہیں، یہاں تک کہ اس کی نشاۃ ثانیہ معمار کعبہ موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں ہوئی، اعلانِ عام بھی انھیں کی زبان سے کرادیا گیا: وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (سورہ حج:۲۷) کہ (اے پیغمبر ابراہیمؑ) آپ لوگوں میں اس گھر کی زیارت

وحج کا اعلان کردو (اس کے بعد) لوگ آپ کے پاس ہر گلی کوچے سے آئیں گے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر۔ اور اس راز کو بھی فاش کر دیا گیا: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْنًا (سورہ بقرہ: ۱۲۵) اب اسی گھر کو ہم نے مرجع و مرکز اور جائے امن بنا دیا ہے۔ اب یہ گھر صبح قیامت تک اپنی اسی مرجعیت و مرکزیت کے ساتھ باقی رہے گا اور قیامت آ ہی نہیں سکتی جب تک اس کو آسمانوں پر اٹھا نہ لیا جائے، اور اس کے متعلق یہ حکم بھی دیدیا: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی ...... وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (سورہ بقرہ: ۱۲۵) اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اور یہ بھی حکم دیا ابراہیم و اسماعیل (علیہما الصلوۃ والسلام) کو کہ میرے گھر کو پاک وصاف رکھو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے۔

جس گھر کی، جس قبلہ وکعبہ کی اللہ یہ اہمیت وعظمت بیان کر رہا ہے اس کے دیدار وزیارت کی تمنا اولادِ آدم، ذریتِ نوح اور خانوادۂ ابراہیم کے کس فرد کے دل میں اولین آرزو نہ ہوگی، لیکن یہ آرزو جب زمانۂ طفولیت کے معصوم عہد میں معصوم زبان سے دعا بن کر نکل جاتی ہے اور ایک خار بن کر برابر خلش پیدا کرتی ہے تو رب کریم اس کو شرف قبول عطا فرماتے ہیں اور ظاہری و باطنی دونوں ہاتھوں سے قبول فرما کر شرمندۂ تعبیر کر دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے اس کتاب کے مصنف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے ساتھ۔

مولانا موصوف نے بچپن ہی سے عجیب درد وسوز، محبت ومودت اور ہمدردی وغمخواری کی طبیعت پائی تھی جس کا ایک ہلکا اندازہ موصوف کی خودنوشت سوانح "حکایت ہستی" کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔ آپ سراپا محبت تھے بلکہ بحر عشق ومحبت کے غواص تھے، اپنی اسی افتادِ طبع کی بنا پر جو سخت سے سخت حالات آئے اس کا پامردی اور استقلال کے ساتھ سامنا کیا اور اپنے لئے جو راہ متعین کر لی اس سے سرمو انحراف نہ کیا۔

اس محبّ صادق اور عاشق زار کو حالات کی گردشوں نے اتنا پختہ بنادیا تھا کہ بلائیں سہتے سہتے اور اپنے حالات پر ملامتیں سنتے سنتے سینہ سپر اور مضبوطی میں پہاڑ بن گئے تھے، غرضیکہ مولانا کو اس منزل تک پہونچنے میں کہ تخلق باخلاق اللہ کی صفات کا ظہور مخلوق کے سامنے ہونا تھا، عرفان ومحبت کے راستے میں بڑی بڑی رخنہ اندازیاں تکوینی طور پر ہوتی رہیں، آخر وہ محبت ہی کیا ہے جس میں کیل کانٹے نہ ہوں............. میں نے مولانا کی محبت میں بات طویل کردی، قلم پر قابو نہ پاسکا، معاف فرمائیں۔

اب ایک طرف مولانا کی دلنواز طبیعت اور دلکش شخصیت ہے، دوسری طرف اعزاء واقرباء، محبین ومخلصین اور عقید تمندوں اور طلبہ کا ہجوم ہے، پھر ہمسفر کارواں کی خواہشات و جذبات سب کے ساتھ حضرت والا کا برتاؤ ہے۔ لوگ حالت اقامت میں حقوق کی رعایت نہیں کرپاتے حالت سفر میں تو اور رخصت کے طالب ہوتے ہیں۔ لیکن آپ اس کتاب میں پائیں گے کہ جہاں لوگ ہیبت کی وجہ سے حواس باختہ اور سراسیمہ ہوجاتے ہیں وہاں شریعت کا پورا پورا پاس ولحاظ ہے، خدماتِ خلق کا اعلیٰ جذبہ کارفرما ہے، مقامات مقدسہ کے ساتھ تاریخی آداب کا لحاظ ہے، سفر کی دشواریوں میں ہر مشکل کا حل منجانب اللہ کس طرح ہوتا ہے۔

سب کو جسمانی وروحانی غذادی جارہی ہے، ہر ایک اپنی جگہ پر مطمئن ہے کہ ہم بہرہ ور اور خوش نصیب ہیں کہ ایک مقبول ومحبوب بندے کی صحبت سے شب وروز فیض پارہے ہیں

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد　　برنگ اصحاب صورت را بہ بو اصحاب معنیٰ را

بطوافِ کعبہ رفتم ...... مسائل ودلائل کی روشنی میں نہ سہی لیکن اس حیثیت سے کہ ایک عارف کامل، ایک محبّ صادق اور خدا اور سول کے عشق میں وارفتہ شخص کا عاشقانہ اور نیازمندانہ سفرنامہ ہے، اس میں اسے وہ سب کچھ ملے گا جو احوال وکوائف اور تنبیہات ایک حاجی کو مطلوب ہیں، یہ ایک ایسے رفیق کی ضرورت پوری کرتی ہے جو موقع بموقع اپنے ہمسفر کو نرم اور گرم کرتی رہے اور رہنمائی کرے۔ حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام اس

شان سے باندھا، لبیک یوں کہا، یہ حدود حرم ہے، جائے ادب ہے، طواف اس طرح کیا، سعی یوں فرمائی، وقوف منیٰ وعرفات اور وقوف مزدلفہ اس طرح کیا، دن ایسے گذرا، رات یوں گذری، یہاں یہاں دعائیں کیں اور رب کے حضور روئے اور اس جگہ تھوڑا آرام کیا۔

بہرحال یہ کتاب مقامات مقدسہ کے دیدار وزیارت اور اس سفر میں پیش آمدہ واقعات وحالات اور مشاہدات وکیفیات کی یادگار ہے جو ہر ایک کے لئے دیدار وزیارت کا نعم البدل ہے، مصنف کے سوز دروں سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہاں ایک بات اور جو بے حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آج کل عازمین حج اس مبارک ومقدس سفر کی تاریخ کے آجانے کے بعد ظاہری اور باطنی طور پر جذبات مسرت میں آکر بہت سی بے اعتدالیوں کا ارتکاب کرجاتے ہیں، ان کی اصلاح کے لئے اس کتاب کا ایک خاص حصہ ''سفرحج: بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح'' اور ''سفرحج: حجاج کرام سے چند گزارشیں'' بطور خاص پڑھ لیں تاکہ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے اس پر عمل کریں تو حج کا لطف آجائے گا، آپ نیتوں کو خالص کریں، اس سفر کو اللہ کا حکم پورا کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کریں، اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔ **وھو الموفق والمعین**

رب کریم جزائے خیر دے مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم کو دراصل حضرت مصنف مرحوم ومغفور کے علوم ظاہری وعلوم باطنی کے امین ہیں، جن کی کوششوں سے ہم حضرت کے علوم سے فیضیاب ہورہے ہیں، اب اس کتاب کی دوبارہ طباعت کا سارا بار اٹھا کر منظر عام پر لارہے ہیں، جس میں تین اسفار کے اضافے کئے گئے، رب کریم ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کے فیض کو عام وتام کرے اور اس کے طابع وناشر، ساعی ومعاون کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

ثاراحمد قاسمی

(صدرالمدرسین دارالعلوم الاسلامیہ بستی)

۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ ۱۲/فروری ۲۰۱۵ء جمعرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب سے پہلے

مجھے حجِ بیت اللہ کا شوق تھا، لیکن سفر حج لکھنے کا کوئی خیال نہ تھا۔ حج کی دعائیں میں اس وقت سے کر رہا تھا، جب ظاہری وسائل واسباب کا سرے سے پتہ نہ تھا، اور نہ اس وقت اس عمر کا کوئی لڑکا حج کی بابت سوچ سکتا تھا، پھر جب کسی قدر شعور وآگہی حاصل ہوئی، اور اپنے دامنِ دل پر نظر پڑی، اور وہ گناہ کے داغ دھبوں سے بھرا نظر آیا، تو شرم سی آنے لگی کہ ان گندے داغوں اور بدبودار دھبوں کو لئے ہوئے، اس دربار میں حاضری کیونکر ہوگی؟ پیاز کی بو، مسجد میں اللہ کے رسول (ﷺ) کو گوارا نہ تھی، تو معاصی کی گند کو بیت اللہ الحرام میں کیونکر برداشت کیا جائے گا۔ اس شرم کی وجہ سے زبان کی دعا موقوف ہوگئی، مگر وہی دعا دل میں خارِ تمنا کہئے یا خارِ حسرت بن کر چبھ گئی، جو اکثر وبیشتر میرے وجود کو کچو کے لگاتی رہتی۔ پھر قافلے جاتے رہے، آتے رہے اور میں تمنا وحسرت کے درمیان تہ وبالا ہوتا رہا، مگر میرے مالک نے کرم فرما ہی دیا، وہی جس کے پاس اسباب نام کی کوئی چیز اب بھی نہ تھی، یکا یک اٹھا اور حرمِ کعبہ میں جا اترا۔ یہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء کی بات ہے۔ اب سوچتا ہوں تو دیوانے کا خواب محسوس ہوتا ہے، مگر ایک واقعہ ہو چکا ہے، وہ خواب نہیں بن سکتا۔

حج سے واپسی ہوئی، خوشی تو تھی ہی، اور ہونی بھی چاہئے، ایک گنہگار بندہ مالک کی جلوہ گاہِ خاص پر پہونچا اور بخیریت واپس آیا، اس پر خوشی نہ ہو تو اور کیا بات خوشی کی ہوگی؟ مگر جتنی خوشی تھی، اتنی ہی ندامت بھی تھی۔ نہ جانے یہ جانا اللہ تعالیٰ کے یہاں کس مد میں جائے

گا، دل کے داغوں میں کمی کیا محسوس ہوتی وہ اور چمک اٹھے، فرطِ ندامت سے دل کو تاب نہ تھی کہ وہ گردن اٹھاتا، ایسی صورتِ حال میں سفر نامہ کیا لکھا جاتا، پھر سفر نامہ وہ لکھے جس نے کچھ دیکھا ہو، جسے کچھ معلومات ہوں، جس کا مشاہدہ قوی ہو، جس کا اِدراک صحیح ہو، اور اس کا قلم مشاہدات کی صحیح طور سے اور ہو بہو تصویر کشی پر قادر بھی ہو، اور یہاں حال یہ تھا کہ

جو پڑھا لکھا تھا نیاؔز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

جو شخص ہر جگہ اور ہر مقام پر اپنے دل سے الجھتا اور جھگڑتا رہا، وہ سفر نامہ کیا لکھے، اسے باہر کی چیزیں نظر ہی کب آئیں؟ اور اپنے باطن میں جھانکتا تو خطرناک قسم کے کیڑوں مکوڑوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیتا، تو بھلا جو نہیں دیکھا، اسے کیونکر بتائے، اور جو دیکھا ہے وہ اس لائق کب ہے کہ اسے بیان کرے؟

پس میں حج سے واپس آیا، تو سرے سے لکھنے لکھانے کا وسوسہ بھی نہیں پیدا ہوا، مگر بعض دوستوں نے باتوں ہی باتوں میں کبھی اس بات کا بھی ذکر کر دیا کہ کچھ لکھنا چاہئے۔ میں اس کا کیا جواب دیتا، خاموش رہ جاتا، واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد کسی ضرورت سے مبارک پور جانا ہوا، وہاں میرے ایک پرانے کرم فرما مولانا عبد الرؤف صاحب نے نہ جانے کس ساعت میں اور کس سُر میں فرمائش کی کہ اس کا خیال دل میں اتر گیا، اور اب میں ارادہ کر کے نکالنا چاہتا ہوں، تو بھی نہیں نکلتا، بہت ٹالا، اپنی نالائقی کا استحضار کیا، اپنی بے علمی یاد دلائی، کیا لکھوں؟ اس سلسلے میں اپنی بے بسی کو میں سامنے لایا، بے ربط، اوٹ پٹانگ تحریر پڑھ کر لوگ ہنسیں گے، رُسوائی ہوگی، مُستقبل کے اس حال کو پیش نظر کیا، مگر دل تھا کہ مصر رہا کہ لکھو، چھپوانے کی کیا ضرورت؟ لکھ کر رکھ لو، حافظہ دغا دے گا تو کاغذی نقوش حافظہ کی قائم مقامی کریں گے، اس اصرار کے ہاتھوں میں مجبور ہوا، اور لکھنے کا آغاز کر دیا، اور پھر لکھتا چلا گیا۔ لکھنے کے دوران نہ ربط کا خیال رہا، نہ عنوانات کا دھیان رہا، نہ تاریخ کا اہتمام رہا۔ بس جو کچھ بیتی تھی، اسے الفاظ کے پیکر میں ڈھالتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ ایک کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔ قیامِ مدینہ کے آخری حالات تک قلم پہونچا تھا کہ طبیعت رُک گئی، اور

پھر سناٹا چھا گیا۔ پھر مسودہ پڑا رہا، بعض دوستوں نے مطالعہ کے لئے مانگا، ان کے پاس گیا، پھر میرے پاس آیا، پھر وہ گم ہوگیا مگر نہ جانے کیسے مل گیا، غرض حوادثِ زمانہ کے الٹ پھیر اور ہاتھوں کے تنقل وتبدل کے باوجود اُعجوبہ ہی ہے کہ وہ محفوظ رہ گیا۔ حضرت قاری ولی اللہ صاحب سے اس کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی کتابت اپنی نگرانی میں کرالو، میں چھپوادوں گا، میں نے نظر ثانی کا ارادہ کیا اور دو سال تک وہ ارادہ شرمندۂ عمل نہیں ہوسکا، پھر گھر بیٹھے ایک کاتب عزیزم مولوی قمرالدین معروفی سلّمہٗ مل گئے، انھوں نے بالکل خلافِ توقع اور کاتبوں کی عادتِ قدیمہ کے قطعاً برعکس بہت جلد اور بہت عمدہ کتابت کردی، جہاں تک لکھ چکا تھا، دو تین صفحے اور اس میں اضافہ کرکے میں نے کتاب مکمل کردی۔

حج کی سعادت میسر آئی ۱۴۰۹؁ھ میں۔ یہ تحریر اختتام کے قریب پہونچی ۱۴۱۰؁ھ میں۔ اس کی تکمیل اور کتابت کی نوبت آئی ۱۴۱۶؁ھ میں۔ نہ جانے چھپتے چھپاتے کتنے دن اور بیتیں گے۔ اس طرح یہ ایک باسی اور روکھی پھیکی تحریر ہے، جو قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرنے کے لائق ہرگز نہیں، مگر شاید قارئین سے زیادہ اپنی یاد کو باقی رکھنے کا بہانہ ہے ورنہ اس داستان سرائی کا کچھ حاصل نہیں۔ اقبال مرحوم نے شاہین کے متعلق کہا ہے ؂

جھپٹنا پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا ‌ ‌ ‌ لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

اسی طرح میری یہ کدوکاوش میرے حق میں یادوں کی محفل کے گرم رکھنے کا اک بہانہ ہے، لیکن قارئین کے حق میں نہ جانے کیا ہے؟ سفرنامہ ہے؟ آپ بیتی ہے؟ ذکرِ احباب ہے؟ ہنگامہ خیزیٔ دل کی داستان ہے؟ بداعمالیوں کی رپورٹ ہے؟ کیا ہے؟ میں کچھ نہیں بتا سکتا، میرے خیال میں ان میں سے کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ ہے اس کے لئے اُردو میں ''مہمل'' کے لفظ سے زیادہ بامعنی کوئی لفظ نہیں ہے۔

پس اگر اس مہمل تحریر کو پڑھنے سے طبیعت انکار کرے، تو بجا ہے، سو بار بجا ہے، اور اگر اس کے باوجود آپ نے اس کو پڑھ لیا تو آپ کے لئے صبر ایوب کی سند ہے۔ لکھنے والا لکھ کر شرمندہ ہے، وہ آپ سے داد کا طالب کیا ہوتا؟ ہاں دعا کا طالب ضرور ہے، اور وہ پسندو

ناپسند ہر صورت میں ہو سکتی ہے۔

اس تحریر میں احکام و مسائل کی تلاش مت کیجئے، اسے قصداً ترک کیا گیا ہے، خاص خاص مواقع کی دعائیں بھی نہیں لکھی گئی ہیں، اس کے لئے حج کے موضوع پر چھوٹی بڑی متعدد کتابیں ملتی ہیں، ان سے استفادہ کریں۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی علیہ الرحمہ کا مختصر رسالہ زبدۃ المناسک، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی علیہ الرحمہ کا مختصر ترین اور سہل رسالہ ''رہبر حجاج''، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ کی کتاب ''آپ حج کیسے کریں'' اور آسان حج'' کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اس سے زیادہ مفصل جزئیات کے احکام و مسائل معلوم کرنے ہوں، تو مفتی سعید احمد سہارنپوری علیہ الرحمہ کی جامع کتاب ''معلم الحجاج'' کا مطالعہ کریں۔ (۱) اور ان سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کسی معتبر اور صاحب دل عالم کی معیت حج میں تلاش کرلیں، اور اس کے پاؤں کی خاک بن کر رہیں، انشاء اللہ حج کا لطف آجائے گا۔

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ
۲۶؍صفر ۱۴۱۶ھ

☆☆☆☆☆

---

(۱) اس سلسلے میں مولانا مفتی شبیر احمد صاحب استاذ مدرسہ شاہی، مرادآباد کی کتاب ''انوار مناسک'' بہت مناسب ہے، یہ کتاب دورِ حاضر کے بھی مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔ (مرتب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پانچ چھ سال کا عرصہ گذرا، میں اپنے ایک بوڑھے، لیکن بے تکلف دوست کے ساتھ الہ آباد جارہا تھا، میری منزل الہ آباد تھی، لیکن ان بوڑھے دوست کی منزل؟ آپ کو کیا بتاؤں کہ وہ کہاں جارہے تھے، وہ اس دیارِ پاک کا عزم رکھتے تھے، جس کا محض تصور ہی ایک مومن کی روح میں اہتزاز اور طبیعت میں انبساط پیدا کرتا ہے۔ ان کے لئے حج وزیارت کا فیصلہ عالم قدس میں ہو چکا تھا، وہ اپنی خوش بختی پر مسرور تھے اور نازاں! اور میں اپنی تیرہ بختی پر رنجور تھا اور گریاں! میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، میں نے ضبط کی کوشش کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اس دیارِ قدس میں، میں اپنی اس آلودگی اوز بوں حالی کے ساتھ حاضری کے تصور سے بھی گھبراتا ہوں لیکن کیا عجب کہ نوازش ہو جائے، اگر کبھی خیال آجائے تو اس دورافتادہ کے لئے ایک آدھ دعا کر دیجئے، یہ کہہ کر میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے مصافحہ کیا، کانپتی زبان سے الوداع کہا، اور حسرت بھری نگاہ سے جانے والے مسافر کی پیشانی چومی۔

اللہ اللہ! یہ بوڑھا کیسا خوش نصیب ہے؟ یہ وہاں جارہا ہے جہاں نصیبے والے ہی جاتے ہیں، کیا کبھی وہ وقت بھی آئے گا کہ یہ حرماں نصیب بھی عزم سفر کریگا............نہیں نہیں............تمہارے پاس کیا ہے؟ نہ ایمان کا کمال ہے، نہ طاعتوں کا جمال! نہ تقویٰ ہے نہ طہارت! نہ یقین ہے نہ عبادت! پھر نہ اسباب ہیں نہ ساز وسامان! جاؤ گے تو کیونکر؟

لیکن اندر سے ایک ناشنیدہ سی آواز آرہی تھی کہ یہ سب چیزیں نہیں ہیں تو نہ سہی، لیکن آخر تم ایک بندہ ہو اور وہ پروردگار! بندہ کے ہاتھوں میں کچھ نہیں، پروردگار کے ہاتھ میں

تو سب کچھ ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ لوگ تو اپنے ساز وسامان اور مال ودولت کے سہارے جائیں، اور لے جانے والا تم کو یونہی پہونچادے، پھر یونہی پہونچائے جانے والوں کا ایک طویل سلسلہ ذہن ودماغ اور تخیل وتصور کی نگاہوں میں پھرنے لگا کہ شوق میں چلے جارہے ہیں، ہاتھ بھی خالی، جیب بھی خالی، لیکن دل غیبی توکل سے مالا مال ہے۔

مگر لاحول ولاقوۃ .... کہاں وہ اہل شوق کا قافلہ؟ اور کہاں تم بے زادوراحلہ! ان کے پاس شوق وتمنا اور اعتماد وتوکل کا توشہ تھا، اور تمہارے پاس کیا ہے؟ خبردار! ادب کا مقام ہے، تم نے اگر اس قافلہ کی ریس کرنی چاہی تو یہ بڑی بے ادبی ہوگی، یہی خیالات تھے اور نہ جانے کیا کیا؟ وہ سب حسرتیں اب کہاں یاد؟ بس آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

بڑے میاں نے چلتے چلاتے کہا تھا کہ جب اس دیارِ پاک کا خیال آئے اور جب حج وزیارت کا شوق بے تاب کرے تو دل ہی دل میں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ، پڑھ لیا کرو۔ میں عرصہ سے یہی عمل کررہا تھا، پھر حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا، میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ کیا ایسا کروگے؟ جواب آیا کہ ہمت نہیں ہے، میرا یہ منہ نہیں ہے کہ وہاں حاضری کا حوصلہ کرسکوں، دل کہہ رہا تھا کہ تم حقارت اور نکمے پن کی اس پستی میں ہو کہ وہاں کا تصور کرنا بھی تمہاری حیثیت سے زیادہ ہے ...... باادب، باملاحظہ، ہوشیار ...... میں مرجھا کر رہ گیا۔ دل کے قویٰ جواب دے گئے، طبیعت نڈھال ہوگئی، اور میں منہ لٹکا کر واپس ہوگیا۔

دن پر دن نہیں، برس پر برس گذر گئے، دل کے کسی گوشے میں جو تمنا دبکی، سہمی پڑی تھی، اسے کبھی یارا نہ ہوا کہ سر اٹھاتی، وہ دبی ہوئی تمنا تھی مگر خام نہ تھی، وہ ایک ہلکی سی آرزو تھی مگر ناتمام نہ تھی، البتہ ایک کشمکش میں پھنسی ہوئی تمنا اور حیرت میں ڈوبی ہوئی آرزو تھی، سمجھ میں نہیں آتا اسے کس طرح تعبیر کروں؟

شعبان ۱۴۰۸ھ کی کوئی صبح تھی، ہوائی جہاز سے فارم بھرنے کی تاریخ گذر چکی تھی، لیکن پانی کے جہاز کا اعلان اب ہوا تھا، میرے ایک اور دوست کہ وہ بھی بڑھاپے کی

سرحد پر پہونچ رہے ہیں۔ ایک بار حج کر چکے ہیں، دوسری مرتبہ کا شوق دل میں لئے ہوئے ہیں، (۱) مجھ سے کہہ رہے تھے کہ سوچتا ہوں کہ حج کا فارم بھر دوں، لیکن جی چاہتا ہے کہ آپ بھی ساتھ ہوں، میری دبی ہوئی تمنا نے انگڑائی لی، سمٹی سمٹائی آرزو نے کروٹ بدلی، جذبۂ دل قابو سے باہر ہوا ہی چاہتا تھا کہ میں سنبھل گیا، اور ضبط کرتے ہوئے کہا کہ ضرور بھر دیجئے، اور میرا بھی! انھوں نے کہا کہ انتظام کیا ہوگا، میں نے کہا جس خدا نے آرزو دی ہے، وہی تکمیلِ آرزو کا سامان بھی کرے گا۔

پھر فارم کے سارے مرحلے طے ہوگئے، فارم بھیج دیا گیا، اور منظوری کے دن گنے جانے لگے، آج قرعہ اندازی ہو رہی ہوگی .... آج نتائج مرتب ہو رہے ہوں گے .... آج ڈاک کے حوالے ہو رہے ہوں گے .... انتظار پر انتظار ہوتا رہا، میں اپنی بدحالی کی وجہ سے خائف ہو رہا تھا کہ کہیں میری وجہ سے دوسرے نصیبہ وروں کا نصیبہ بھی جواب نہ دے جائے، انتظار ختم ہوا، اور نتیجہ جو نکلنا تھا، نکلا، یعنی ایک کی وجہ سے چار اور محروم ہوئے۔

لیکن ہمارے دوست بھی دھن کے پکے ہیں، فلاں ایم پی صاحب بہت رسوخ رکھتے ہیں وہ ضرور منظور کرا دیں گے، پھر نہ پوچھئے کتنی محنت کر ڈالی گئی، اعظم گڈھ اور دلی کی طنابیں ملا دی گئیں، لیکن بگڑی تقدیر کو کس کی تدبیر بنا سکتی ہے۔ آہ! ایک شخص کی سیہ بختیوں نے کئی ایک کی امیدوں کی شمع کو بجھا کر رکھ دیا۔ یہ سال نکل گیا، اب دوسرے سال انشاء اللہ فارم بھرے جائیں گے۔

اگلا سال آیا (۱۴۰۹ھ) اخبارات میں حج کا اعلان شائع ہوگیا، خیال تھا کہ آخری تاریخوں میں فارم بھر دئے جائیں گے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ میرے دو نہایت مخلص دوست (۲)

---

(۱) حاجی عبد الرحمٰن صاحب خیرآباد، ضلع مئو کے رہنے والے، ایک مخیّر اور صاحب دل تاجر! اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے، ان کا ذکر اس سفرنامہ میں بار بار آئے گا۔ احقر مرتب کے والد محترم!

(۲) میرے محبوب دوست مولانا عبد الرب صاحب اعظمی اور بدرِ عالم جہانا گنج، ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی...... جہاں میں مدرس تھا......آئے، اور ایک سفر کا پروگرام لے کر آئے، گورینی سے الہ آباد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی علیہ الرحمہ کی خدمت میں، پھر وہاں سے ہتھورا حضرت مولانا سیّد صدیق احمد صاحب کی بارگاہ میں، اور وہاں سے وہ لوگ بمبئی چلے جائیں گے، میں نے باندہ تک کی حامی بھر لی۔ یہ بزرگانِ دین، ان کے انفاس واوقات غنیمت ہیں، جتنی دیر ان کی معیت وصحبت میں وقت گذر جائے وہی حاصل زندگی ہے، پھر دونوں دوستوں میں نہ جانے کیا کھچڑی پکی کہ مجھے اطلاع سنائی گئی کہ آپ کو بھی بمبئی چلنا ہے، مجھے دونوں کی دلداری منظور تھی، بمبئی گیا اور دو روز ٹھہر کر واپس آ گیا، مگر ع

یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

واپسی پر اطلاع ملی کہ میرے احباب نے وقت کی تنگی کے باعث فارم بھر دئے اور اب وقت باقی نہیں رہا، نہ پانی کے جہاز کا اور نہ ہوائی جہاز کا۔

ہائے رے قسمت! پہلے بھرا بھرایا فارم واپس کر دیا گیا، اس سال اس کی نوبت ہی نہیں آئی، ہاتھ مل کر اور دل پکڑ کر رہ گیا، جو گذرنی تھی وہ تو خیر گذر ہی گئی، ذرا ہوش بجا ہوئے، تو ایک طرح کی خوشی دل میں محسوس ہوئی، اس خیال سے کہ میرا فارم دوستوں کے فارم میں شامل نہیں ہوا ہے، اس لئے امید ہے کہ ان کے حج کی قبولیت کا پروانہ آ ہی جائے گا، چنانچہ یہی ہوا، فارم منظور ہو کر آ گئے۔

مجھ پر حج ہی کہاں فرض ہے؟......اخراجات کا انتظام کیونکر ہوتا......اچھا ہوا ایک بوجھ سے بچ گیا، میں اتنا عاصی اور گنہگار! اس دیارِ پاک کا حوصلہ ہی کیوں کیا؟ اچھا ہوا ایک طمانچہ لگ گیا..........اب ہمت نہ کرنا......آخر مدرسہ کا اور طالب علموں کا نقصان ہوتا...... دو ماہ کا ناغہ ہوتا، اسباق چھوٹتے......اب اسباق کا نقصان نہیں ہوگا وغیرہ.......... یہ اور اس طرح کے بہت سے مذبوحی خیالات جن میں، میں زیر وزبر ہوتا رہا، اسی پیچ وتاب میں ایک خط بھی حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے نام لکھ ڈالا۔ اسے بھی ملاحظہ کرنا چاہئے!

محترم ومکرم جناب حاجی صاحب! زید مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

کل شام کو ابرار احمد سلّمہٗ نے ایک خبر سنائی، یہ خبر تھی یا بجلی جو قلب وجگر پر گری اور ؎

آگ اس گھر میں ایسی لگی کہ جو تھا جل گیا

میں آوارہ گردی اور کوچہ نوردی میں مبتلا تھا، اور یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا۔ آپ نے حج کا فارم بھر دیا اور اب وقت بھی باقی نہ رہا۔ اسی وقت سے دل کا عجیب حال ہے، ایک بے نام سی کیفیت دل پر دھواں بن کر چھائی ہوئی ہے، وہ کیفیت کیا ہے؟ ہائے کیا بتاؤں؟ نہ رنج وغم ہے، نہ حسرت وافسوس ہے، نہ پریشانی وبدحواسی ہے، نہ گریہ وبکا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا نام دوں؟ کس عنوان سے تعبیر کروں؟ بس یوں کہہ سکتا ہوں کہ ایک تحیر کا سا عالم ہے، دل میں ہلکا ہلکا ناقابل برداشت سا درد ہو رہا ہے، جس میں لذت وحلاوت بھی ہے، شوق وبے تابی بھی ہے، حسرت واندوہ بھی ہے، ناقابل فہم سی حیرت بھی، اور غم کے ساتھ آمیز ایک خوشی بھی ہے، اور نہ جانے کیا کیا ہے ؎

بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

جیسے کوئی صحرا وبیابان میں اچانک لٹ گیا ہو، اس کے بدن پر پہننے کے کپڑے تک نہ باقی ہوں، اور اس پر ایک تحیر کا عالم چھا گیا ہو۔ سوچتا ہوں کہ یہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کچھ نہیں ہوا۔ صرف ایک بات ہوئی۔ ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

(میں چلا کہ پاؤں سے کانٹا نکالوں، اتنے میں کجاوہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، میں ایک لمحہ کیلئے غافل ہوا، اور سو سال کی راہ دور ہو گئی)

میری ایک بے معنی رہ نوردی ایک پُر مغز اور بامعنی سفر سے مانع بن گئی، اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو میرا نام بھی شیدائیوں، تمنائیوں اور آرزومندوں کے دفتر میں لکھا گیا ہوتا، لیکن

میں کوچہ وصحرا کی خاک چھانتا رہا، اور خوش بختوں کا گروہ امید وشوق کا سہرا باندھ کر تیار ہوگیا۔ حق تعالیٰ کو شاید یہی منظور ہے کہ بامرادوں کی جماعت میں نامراد گھسنے نہ پائے، کہیں اس کی نامرادی دوسروں کے لئے باعث محرومی نہ بن جائے۔

اچھا ہی ہوا، میرا کیا منہ تھا کہ میں نے حاضریٔ آستانہ کا حوصلہ کرلیا تھا۔ کہاں وہ خاکِ پاک جوفرشتوں کے لئے سرمۂ نگاہ ہے، اور کہاں یہ وجودِ ناپاک، جوسرے سے بےننگ ونام ہے، میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ میرا حوصلہ بیجا ہے، میری آرزو بےسود ہے، میری سعی رائیگاں ہے، جانتا تھا کہ استحقاق کیا چیز ہے؟ شائبۂ اہلیت بھی نہیں ہے، پرسوچا کرتا تھا کہ وہ ذاتِ پاک نااہلوں کو بھی نواز دیتی ہے، مگر اب کھلا کہ یہ نااہلی بحدے رسیدہ کہ اس نے اس کی بخشش وعطا کے دروازے تک بند کردیئے ہیں، اچھا ہوا کہ یہیں روک دیا گیا، خدانخواستہ اگر وہاں پہونچ جاتا اور پھر الٹا واپس کردیا جاتا تو ذلت ورُسوائی کی ناقابل محومہر لگ جاتی۔ میں راضی ہوں، دل سے راضی ہوں، محبوب تعالیٰ کی جو مرضی ہو! بندہ ہوں کیا دم مارسکتا ہوں۔ انھوں نے نہ چاہا، پہلے باوجود کوشش کے کچھ نہ ہوا، اب سعی وجہد کا موقع ہی نہ دیا، بس سلا دیا، اور قافلہ کو گزار دیا۔ اب آنکھیں مل رہا ہوں اور گردِ کارواں دیکھ رہا ہوں، بہتر ہے، ؎

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا

شوق ناتمام تھا، حوصلہ برائے نام تھا، جذب ناقص تھا، ہمت ادھوری تھی، پھر سر فروشوں اور جاں سپاروں کی بزمِ ناز میں کہاں گنجائش ہوتی، اور ہو بھی جاتی تو ناکام ونامراد لوٹنا پڑتا۔ اس لئے اچھا ہوا کہ باہر ہی رکھا گیا۔ اب شاید تازیانہ لگے، شوق کو مہمیز ہو، حوصلہ چوٹ کھا کر لہرائے، جذب میں گیرائی پیدا ہو، شاید ایسا ہو، شاید اس لئے کہ اپنی طبع آرام پسند پر نظر پڑتی ہے تو سب آرزوئیں شکست کھا جاتی ہیں، یہ ایک بےجان اور مردہ طبیعت ہے، جو شوق ومحبت سے بےپروا، حوصلہ وہمت سے خالی، آرزو وتمنا سے بےنیاز اور سعی وجہد سے یکسر برکنار ہے، اس سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ پڑ جائے اسے بھگت لینے کی عادی ہے، لیکن ماضی سے سبق حاصل کرے اور مستقبل پر نگاہ جمائے، اس کا یارا اسے نہیں، بس جہاں ہے وہاں ہے، نہ پیچھے مڑ کر

دیکھے، نہ آگے جست لگائے، ایسی کاہل اور بے مزہ طبیعت کے ساتھ زندگی کا سفر کوئی کیسے قطع کرے، بس یونہی پڑا رہے، اور مرجائے، یہی اس کی قسمت ہے۔

خیر جانے دیجئے، یہ حکایت خونچکاں اور شکایت بیکراں کہاں تک کہئے، یہ بھی ایک دفتر بے معنی ہے، جسے حافظ شیرازی نے ''غرق مے ناب اولیٰ'' کہا ہے، لیکن مے ناب کہاں میسر؟ اسے چھوڑیئے، اور یہ بتائیے کہ کیا ارادہ ہے، تیر کر جائیے گا، یا اُڑ کر پہونچئے گا۔ اب میں خلوص دل سے دعا کروں گا، اب آپ کا یہ ارادہ میری غرض کے شائبہ سے پاک ہے، ان شاء اللہ آپ ضرور جائیں گے، اور ہم کو بھی یاد رکھیں گے۔

فقط والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

وقت کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا۔ شعبان گذر گیا، رمضان بیت گیا، شوال بھی ختم ہوا، ذیقعدہ آلگا۔ اب صرف ایک ماہ وقت باقی ہے، اب کیا ہوسکتا ہے، حوصلہ منداحباب کہتے رہے کہ کچھ نہ کچھ ہورہے گا، مگر اب وہ بھی مایوس ہوچکے تھے۔ ایک روز ڈاک آئی، ڈاک تو روزانہ ہی آتی رہتی ہے، آج آئی تو کیا؟ لیکن کھولا تو ایک ایسا خط تھا جو کبھی اور نہیں آیا تھا، زندگی میں پہلی مرتبہ آیا۔ یہ میرے عزیز دوست حافظ نسیم الحق کا خط تھا، حافظ نسیم الحق خط کیا لکھتے ہیں، ٹیڑھی میڑھی لکیریں بناتے ہیں، لیکن آج ان ٹیڑھی میڑھی لکیروں میں صراطِ مستقیم کا پتہ مضمر تھا، آج وہ بے ربطی نہ تھی جو ہمیشہ رہا کرتی تھی، اس میں تمام ربط ہی ربط تھا۔

اطلاع تھی کہ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اپنا بھی اور آپ کا بھی حج کا فارم ہوائی جہاز سے بھر دیا ہے، منظوری یقینی ہے۔ بس خیالات کی دنیا ایک دم بدل گئی، تصورات کا دھارا دوسرے رُخ پر بہنے لگا، کیا یہ واقعہ ہے کہ میرا سفر ہوگا؟ کس دل سے سرزمین عرب پر اتروں گا، وہ قدم کہاں سے لاؤں گا، جو اس پاک سرزمین پر چل سکے، کیا میری گنہگار آنکھیں کعبہ کا جلال وجمال دیکھیں گی، کیا مسجد نبوی کی مقدس فضا میرے نصیب میں ہے،

کیا گنبدِ خضراء کی دید وزیارت سے قلب ونظر کو آسودگی ملے گی، کیا یہ سب ہوگا، الٰہی! میں خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ بیداری ہے۔

حیران ہوں کہ کیونکر وہاں پہونچوں گا؟ کہیں راستہ ہی سے نہ لوٹا دیا جاؤں؟ اچھا تھا کہ نہ منظور ہوتا، دل کے قدم ڈگمگا رہے ہیں، حوصلہ بیٹھا جا رہا ہے، ارادے پانی کے بلبلے کی طرح بن اور ٹوٹ رہے ہیں، خیالات کی رَو آرہی ہے اور جارہی ہے، اور طبیعت تھکے ہارے مسافر کی طرح بیدم پڑی ہوئی ہے۔

دوسری اطلاع آئی کہ بمبئی سے ۳؍ جولائی ۱۹۸۹ء کی فلائٹ ہے، اب تو کوئی شبہ نہ رہا۔ الہ آباد سے دو ٹکٹ ریزرو کرالئے۔ حافظ نسیم الحق پورہ معروف آئے ہوئے ہیں، ان سے جا کر ملاقات کی، بہت زیادہ بیمار تھے، اب کسی قدر رُو بصحت ہیں، ۲۹؍ جون کا ٹکٹ ہے، ابھی چند روز گھر رہنا ہے، اس سے پہلے غازی پور اور فیض آباد جانا ہے۔ اس سفر میں میرے بزرگ دوست حاجی عبد الاحد صاحب معروفی ....جنھوں نے لبیک کی تلقین کی تھی ....ساتھ تھے، ان کی معیت بڑی مفید رہی، انھوں نے دو حج کے تجربوں کا خلاصہ بتادیا۔ بزرگوں، دوستوں، خیر خواہوں سے ملتا ملاتا، دعائیں لیتا اور دعاؤں کا وعدہ کرتا کراتا ۲۵؍ جون کو گھر پہونچا۔ گاؤں گھر دوستوں، اقرباء اور اہل خاندان کو شکایت رہی کہ گھر پر وقت بہت کم دیا، شکایتوں، حکایتوں اور آرزوؤں میں یہ دو دن بھی کٹ گئے۔

۲۸؍ جون کو ایک اچھے خاصے قافلے کے ساتھ مدرسہ ریاض العلوم گورینی آیا، ۲۹؍ جون کو مدرسہ کے احباب، اساتذہ وطلبہ سے دعائیں لے لوا، اسی قافلے کے ساتھ جو گاؤں سے آیا تھا، اور اب مزید چند احباب اس میں اور شامل ہوگئے تھے، بذریعہ بس الہ آباد کا سفر شروع ہوا، ۳؍ بجے دن میں مہانگری ایکسپریس ہے، اس سے پہلے حضرت مولانا محمد احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا ہے، مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامی سے ملنا ہے، الہ آباد ساڑھے گیارہ بجے پہونچے، مولانا محمد احمد صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی، وہ کل ہی سے منتظر تھے، بہت خوش ہوئے، خوب دعائیں دیں، از راہِ تواضع اپنے لئے دعاؤں

کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر رُخصت ہوکر مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامؔی کی خدمت میں حاضری دی، مولانا عرصہ سے بیمار ہیں، چلنے پھرنے سے لاچار ہیں، بیماری نے اچھا خاصا جسم گھلا کر رکھ دیا ہے، ضعف ایسا ہے کہ کروٹ بدلنی دشوار، مگر ذہن ودماغ تازہ اور نشیط، دیکھتے ہی مسکرائے اور فرمایا ’’صورت ببیں حالت مپرس‘‘ میری صورت ہی درخواست دعا ہے، زبان سے کیا کہوں؟ ان کے حال سے طبیعت بہت متاثر ہوئی، دل پر ایک بوجھ لئے وہاں سے اٹھا، مدرسہ میں مولانا محمد نعمان صاحب معروفی سے ملاقات ہوئی۔

سب سے مل ملا کر اسٹیشن آگیا، ساتھ میں میرے ایک عزیز دوست، جو نہایت سلیقہ مند رفیقِ سفر ثابت ہوتے ہیں، حافظ عبدالقادر سلّمہٗ وہ بھی اسٹیشن تک پہونچانے آئے، یہ الہ آباد میں غلہ وغیرہ کی دکان کرتے ہیں، دکان بند کرکے مجھے اسٹیشن چھوڑنے آئے تھے، باتوں باتوں میں مَیں نے خواہش ظاہر کی کہ بمبئی تک ساتھ چلتے تو مجھے سہولت ہوجاتی، یہ ٹھہرے مستعد! بے تکلف تیار ہوگئے، بمبئی تک ان کی رفاقت خوب کام آئی، ہر وقت ہر خدمت کے لئے آمادہ، بیحد چاق وچوبند، بمبئی سے تیسرے روز واپس آئے، بعد میں انھوں نے بتایا کہ سائیکل جس سے وہ اسٹیشن تک آئے تھے، وہ تین دن تک اسٹیشن کے باہر کھڑی رہی، یہ واپس آئے تو اسی سائیکل سے اپنی دکان پر پہونچے، اللہ کی حفاظت تھی کہ وہ بے حفاظت جگہ محفوظ رہی۔

حافظ نسیم الحق اپنی علالت کی وجہ سے ہوائی جہاز سے آنے والے تھے، میرے پہونچنے سے پہلے وہ آلئے تھے، اب ان کی طبیعت بہتر ہے۔ میں ۳۰؍ جون کو بمبئی پہونچا تھا، ۳؍ جولائی کو روانگی ہے، دودن میں ضروری سامان خریدنے ہیں، احرام کے دو تولئے، کمر میں باندھنے کیلئے ایک بیلٹ، جس سے احرام کی لنگی باندھی جاسکے، اور ضروری اخراجات کے لئے روپئے رکھے جاسکیں، ایک چٹائی جو ہوائی اڈہ پر بھی کام آئے، اور منیٰ وعرفات ومزدلفہ میں بھی کارآمد ہو۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ اسی جہاز سے بمبئی کی نور مسجد کے مشہور امام حضرت مولانا

قاری ولی اللہ صاحب بھی تشریف لے جانے والے ہیں، قاری صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنھیں ہر سال حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوتی ہے، نہایت ذی استعداد عالم دین، بہترین حافظ وقاری، نیک اور صالح، ذہین وتجربہ کار اور سفر حج کی رفاقت نے ثابت کردیا کہ اعلیٰ درجہ کے حوصلہ مند وخدمت گزار! فتح پور تال نرجا، ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے، جو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا وطن ہے، بلکہ حضرت شاہ صاحب کے عزیز قریب! قاری صاحب جن کمالاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں، انھیں بیان کرنے سے قلم عاجز ہے، اس سفرنامہ کے پڑھنے والے قدرے ان کے اوصافِ عالیہ کا اندازہ کرلیں گے۔

۳ر جولائی کو ایک بجے دن کی فلائٹ ہے، ہوائی جہاز کے قواعد کا حکم ہے کہ کم از کم بارہ گھنٹے پہلے ہوائی اڈہ پر پہونچ جاؤ، لیکن ہم لوگوں کے حق میں یکم جولائی کو ہی حکم صادر ہوگیا کہ رات کے بارہ بجنے سے پیشتر ہی سب لوگ ہوائی اڈہ پر حاضر ہوجاؤ۔ ۱۲ر گھنٹے پیشتر نہیں، ۲۴ر گھنٹے بھی نہیں، ۳۷/۳۸ر گھنٹے پہلے! ایسا کیوں؟ بظاہر یہ حکم اس لئے ہوا کہ ۲ر جولائی کو مہاراشٹر کی مشہور فرقہ پرست جنونی جماعت شیوسینا نے بمبئی بند کا اعلان کر رکھا تھا، یہ ایسی ہنگامہ پرور جماعت ہے کہ اگر اس نے بمبئی بند کا اعلان کیا ہے تو سڑک پر چلنے والے ایک عام فرد سے لے کر ایوانِ بالا کے حکام تک کو اندیشہ ہے کہ فتنہ وفساد اور خونریزی وغارت گری کا دروازہ کھل کر رہے گا، شرارت کے سامنے انتظامی طاقت بھی بے بس ہے، لیکن انتظامی طاقت میں بھی تو یہی فرقہ پرستی بھری ہوئی ہے، حکومت کہتی ہے کہ یہ حاجی اپنے وقت پر روانہ ہوں، ہم حاجیوں کو امن وامان کے ساتھ ہوائی اڈہ تک پہونچانے کی ذمہ داری لیتے ہیں، مگر حج کمیٹی کو اس پر اطمینان نہیں، خدانخواستہ اگر کوئی رُکاوٹ پڑگئی، اور پولیس ہی قابل اطمینان کہاں ہے، اگر ایسا ہوا تو سینکڑوں حاجی رہ جائیں گے، اس لئے حج کمیٹی نے اعلان کردیا ہے کہ ۲/۳ر جولائی کے حجاج آج ہی ۲ر جولائی شروع ہونے سے پہلے ہوائی اڈہ پہونچ جائیں، ہم نے بھی لبیک کہی۔

حج کا سفر عشق و مستی کا سفر ہے، شوق و بے تابی کا سفر ہے، گوکہ موجودہ ایجادات نے سفر کو آسان تر کر دیا ہے، مگر عشق و شوق کا بھی ایک خاصہ ہے جو اس کے خمیر میں داخل ہے، وہ ہے عاشق کی کٹھن آزمائش، صبر و تحمل کا امتحان، مشکلات و مصائب کی یلغار، قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا اور انتظار کی سختیاں! زمانہ خواہ جس قدر ترقی کرے، اس کے قدم خواہ جتنے آگے بڑھ جائیں، اقدار و تصورات چاہے جتنے بدل جائیں، مگر ایک عشق و محبت کی دنیا ہے، جس کے آثار و لوازم میں تبدیلی ممکن نہیں، حاجیوں نے محبت کا دم بھرا ہے، شوق کی زبان سے لبیک پکارا ہے، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے عشق اپنی تمامتر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ طراز نہ ہو، چلو! حاجیو! امتحان دو، عشق و محبت کا، چلو! اب دنیا والوں نے صحراء و بیابان ختم کر دیئے ہیں، پہاڑوں کو شہروں میں تبدیل کر دیا ہے، ویرانے آباد ہو چکے ہیں، اب فرشتۂ عشق نے تمہارے لئے ہوائی اڈہ ہی کو صحرا بنا دیا ہے، ہوائی اڈہ پر جاؤ، وہاں مشکلات اور بدحواسیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں، دشواریاں اور پریشانیاں تمہارے امتحان کی تکمیل کرائیں گی، لیکن انسانی طبیعت کو کیا کہئے دم بھرا ہے جنون و سرمستی کا، مگر خیال ہے کہ دشواریوں کو حتی الامکان طرح دیجئے، مشکلات سے بچ کر نکلئے، امتحان کی سختیوں سے گریز کیجئے، دوستوں سے مشورے کئے، تجربہ کاروں سے پوچھا کہ احرام باندھ کر ہوائی اڈہ کا قصد کریں، یا وہاں پہونچ کر احرام باندھیں، کس میں سہولت ہوگی، کسی نے کہا یہیں نہادھو کر احرام باندھ لو، ہوائی اڈہ پر اس کی سہولت نہیں ہے، سنت کے مطابق احرام باندھنے میں خاصی دقت ہوگی، ہوائی اڈہ پر رُخصت کو کام میں لانا ہوگا، ارے! ہم لوگ کہاں کے صاحب عزیمت ہیں، رُخصت پر ہی عمل ہو جائے تو بسا غنیمت ہے، کچھ لوگوں نے رائے دی کہ ہوائی اڈہ پر احرام باندھا جائے، احرام کی پابندیاں سخت ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ کی آزاد طبیعت ان پابندیوں کی خلاف ورزی کر جائے اور خدائی عتاب کی مورد بنے، احرام کی مدت کم ہوگی تو سہولت پسندوں کیلئے راحت ہوگی۔

دل نے فیصلہ کیا کہ یہیں قیام گاہ سے احرام باندھو، شروع ہی سے رخصت کی سستی

کیوں؟ کے دن کا احرام ہوگا؟ ہوائی جہاز کا تو سفر ہے، ۲؍ اور پھر ۳؍ جولائی کو دیارِ پاک میں حاضر ہو ہی جائیں گے، ۴؍ کی صبح کو عمرہ کر کے احرام اتار دیں گے، صرف ڈھائی روز کے لئے اتنا خوف اور اتنی کم ہمتی!

عشاء کی نماز مرغی محلّہ کی مسجد میں ادا کی، ۱۰؍ بجے غسل کیا، احرام کے تولئے لپیٹے، دو رکعت نماز پڑھی، عمرہ کی نیت کی، اور زبانِ شوق سے کہا: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکُ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

احرام باندھنا تھا کہ دنیا بدل گئی، دل کا عالم بدل گیا، ابھی کیا تھا اب کیا ہوگیا۔ ایک عجیب سی حرارت! جسم و جاں میں سرایت کرتی ہوئی پُر کیف رسمساہٹ، یہ کیا ہوگیا؟ میں نے دل سے پوچھا، آواز آئی...... ایک ناشنیدہ آواز...... میں خود حیران ہوں، مجھ سے نہ پوچھو، میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ کیا ہوا؟ بس اتنا خیال ہے کہ پہلے ہوش تھا اب اس کا پتہ نہیں، البتہ محبت کی موجیں اُمڈتی چلی آرہی ہیں، عشق کی آگ لگتی اور پھیلتی چلی جارہی ہے، جنون کا زور ہے، وارفتگی پُرشور ہے، شوق بے قرار ہے، وصل کا انتظار ہے، مجھ سے نہ پوچھو، عقل سے دریافت کرو شاید اسے ہوش ہو! لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکُ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

میں نے عقل کی طرف اشکبار آنکھیں اٹھائیں، تو اس کا حال اور زار و نزار تھا، اس کی زبان گنگ تھی، اس کے پاس بجز آنسوؤں کے کچھ نہ تھا، اس کی آنکھیں کھلی تھیں، مگر ٹکٹکی کہیں اور بندھی تھی، نہ وہ سوال سن رہی تھی، نہ جواب کی تاب رکھتی تھی، دل کا جادو عقل پر چل چکا تھا، وہ حیران تھا تو یہ بے زبان تھی، وہ سمجھنے سے قاصر تھا، تو یہ حرکت سے بھی عاجز تھی، وہ درماندہ تھا، تو یہ بھی واماندہ تھی، میں نے سوال دہرایا تو لبیک پکار کر خاموش رہ گئی۔ اشارہ کیا کہ شریعت سے رہنمائی چاہو، میں نے علم اور شریعت سے دریافت کیا، اس نے بتانا شروع کیا:

اَزَل میں تم نے اپنے مالک و مولیٰ سے ایک عہد و پیمان کیا تھا، کہ اسی کی محبت میں

جیو گے اور اسی کی محبت میں مرو گے، مگر تم دنیا میں اس عہد و پیمان سے انحراف کر گئے، اور ضرورت کی سادگی چھوڑ کر تم نے طرح طرح کی بے ضرورت قیدوں میں خود کو گرفتار کر لیا، کسی نے تہذیب وتمدن کی مصنوعی نمائشیں ایجاد کیں، کہیں خاندان ومعاشرت کی امتیازی زنجیریں ڈھالی گئیں، کہیں قوم ووطن کے بت تراشے گئے، لباس ووضع کی پابندیاں لادی گئیں۔ اب بہتوں نے تو حد سے تجاوز کر کے مولیٰ کی محبت سے ہی انکار کر دیا اور دوسرے معبود گڑھ لئے۔ ایسے میں حق تعالیٰ نے تمہارے ازلی عہد وپیمان کو یاد دلانے کے لئے انبیاء کا سلسلہ قائم فرمایا، یہ حضرات فطرت کی سادگی پر ہوتے یہ تمام مصنوعی حد بندیاں توڑتے اور ایک خدا کی محبت وعبادت کی دعوت دیتے ان کی تہذیب فطری تہذیب ہے، اور ان کا لباس فطری لباس ہے، جو سینے اور بدن کی ساخت پر قطع کرنے سے بے نیاز ہے۔

ان کے آخری نمائندہ جو تمام انبیاء کی تعلیم وتہذیب کے جامع تھے، محمد رسول اللہ ﷺ وہیں مبعوث ہوئے جہاں کا اس وقت تم عزم سفر کئے ہوئے ہو، انھوں نے بھی تمام مصنوعی بتوں کو توڑ کر ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی، انھوں نے تمام انسانی امتیازات باطل کر دیئے، اور آدمیوں کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی دیواروں کو ڈھا دیا، ان کا پسندیدہ لباس اور پسندیدہ وضع وہی تھی جو تمام انبیاء کرام کی تھی۔ آدم ونوح (علیہما السلام) نے بھی وہی لباس اختیار کیا، ہود وصالح (علیہما السلام) بھی اسی لباس میں تھے، ابراہیم ولوط (علیہما السلام) نے بھی یہی وضع اختیار کی۔ موسی وہارون (علیہما السلام) بھی اسی طرز پر تھے، یحییٰ وعیسیٰ (علیہما السلام) نے یہی لباس پہنا، آخر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کو اپنایا۔ انسانوں کے اگر تمام امتیازات فنا کر دئے جائیں تو جو لباس ان کے لئے تجویز ہوگا، کوئی سوچ کر بتائے کہ ایک بے سلی لنگی اور ایک سادہ سی چادر کے علاوہ اور کیا ہوگا۔

دربارِ خداوندی عظیم ہے، پس اس کی اس عاشقانہ حاضری کا ادب یہی ٹھہرا کہ انسانوں نے آپس میں مصنوعی حد بندیوں کی جو دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں، انھیں خود اپنے ہاتھوں سے ڈھا کر عبدیت کا انبیائی لباس اختیار کر لیا جائے، حکم یہ ہے کہ پہلے غسل کے

ساتھ باطن بھی پاک ہولے، پھر یہ تصور کرتے ہوئے کہ میرے رب نے، میرے آقا نے، کائنات کے خالق نے، سب مہربانوں کے مہربان نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کے دربار میں اپنی خودی کو کھو کر اپنے امتیازات کو دھو کر اور مصنوعی بندشوں سے پاک ہو کر، مجھے حاضری دینی ہے۔ دل میں یہ استحضار ہو اور زبان پر لبیک کی پکار ہو، دل نے زبان کی موافقت کی اور زبان نے دل کی ترجمانی کی۔ خودی پیچھے ہٹ گئی، عقیدت ابھر آئی، تعلق دنیا مضمحل ہو گیا، عاشقی نکھر آئی۔ اب نہ گرد و پیش کی خبر ہے، نہ ماحول پر نظر ہے، عاشق جدھر گیا لبیک پکار آیا۔ دوستوں سے ملاقات ہوئی تو لبیک سے استقبال، مجمع سامنے پڑا تو لبیک کی صدا، نیچے آیا تو لبیک، اوپر چڑھا تو لبیک، سوار ہوا تو لبیک، سواری سے اترا تو لبیک۔ غرض حاضریٔ دربار کے ذوق وشوق نے کسی اور خیال اور دھیان کا نہ رکھا، نہ اس کی فکر کی کہ دنیا کیا کہے گی، نہ اس کا غم کہ دنیا والے ہنسیں گے۔ ایک دھن بندھی ہوئی ہے، جو رہ رہ کر دل کو ہولاتی ہے، اور طبیعت کو کھولاتی ہے، پھر زبان سے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ پڑھواتی ہے۔ احرام باندھ لیا، میری اور حافظ نسیم الحق کی رفاقت ہے۔ انھوں نے بھی جامہ احرام پہنا، لبیک پکارا "خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"۔ دونوں دیوانے لبیک پکارتے ہوئے مسجد کے باہر آئے، پیچھے پیچھے دوستوں اور رُخصت کرنے والوں کا ہجوم تھا، اور ہم ایک دھن میں مست، تصورات کی دنیا میں غرق۔ امنڈتی ہوئی امنگیں اور زبان پر آتی ہوئی لبیک کی صدائیں۔ وہاں پہونچے جہاں حج کمیٹی کی بس کھڑی تھی کہ حاجیوں کو ایر پورٹ پر لے جائے، ہم دونوں بس پر سوار ہوئے، تھوڑی دیر میں بس بھر گئی، رخصت کرنے والوں کی آنکھوں میں شوق وحسرت کے آنسو امڈ آئے، شوق اس بات کا کہ کاش انھیں بھی اس مبارک سفر کی سعادت نصیب ہو، اور حسرت اس بات پر کہ شیوسینا کے پیدا کردہ حالات میں مشایعت کیلئے ایر پورٹ تک نہیں جا سکتے۔ بس چلنے ہی والی تھی کہ دو عورتیں اس زور سے چیخیں کہ سارے مسافروں کے دل ہل گئے، ایک حج کیلئے جا رہی تھی اور دوسری کوئی اس کی

عزیزہ تھی، جو اسے رخصت کر رہی تھی، دونوں کے رونے نے کتنے دلوں کو اچھال کر آنکھوں تک پہونچا دیا، پھر بس کو ایک جھٹکا لگا، اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک کی صدائیں گونجنے لگیں۔ مسافروں نے سفر کی دعائیں پڑھیں، دل سے دعائیں کیں شہر کے ماحول پر الوداعی نگاہ ڈالنے کی کہاں فرصت، جسم یہاں تھا مگر قلب وروح اور خیال وتصور سب اس دیارِ پاک کے دیدار میں محو تھے، دیر کے بعد ایک جھٹکے سے بس رُکی، اور ایک بار لبیک کی گونج نے فضا کو پھر مرتعش کر دیا۔ یہ ایر پورٹ ہے، بہت سے لوگ پہلے آکر مختلف جگہوں پر قبضہ جما چکے تھے، ہم بھی اپنا سامان لے کر اندر گئے، سامنے حافظ محمد عمر جونپوری مل گئے، انھوں نے اس اجنبی ماحول میں بروقت رہنمائی کی۔ ایک مناسب جگہ پر ہمارا سامان رکھوایا، تقریباً بارہ بجے شب کا عمل تھا۔ یہاں ۳۷ر گھنٹے ٹھہرنا ہے، پرسوں ایک بجے طیارہ ہے، اللہ اکبر اتنا طویل وقت ایر پورٹ کے اس صحراء میں کیونکر گذرے گا۔ ایر پورٹ پر کھانے پینے کی دقت تو تھی ہی، سب سے بڑی مصیبت ایک مسلمان کے لئے یہاں کے بیت الخلاء ہیں۔ انگریزی طرز کے بنے ہوئے۔ اسلامی طریقۂ طہارت کے قطعاً منافی! آدمی پیشاب کہاں کرے، استنجا کیونکر کرے۔ بڑی دقت تھی، مگر کسی نہ کسی طرح یہ دقت حل کی گئی۔ میں کئی رات کا جاگا ہوا تھا، سوچا کہ کسی قدر سولوں، مگر مسافروں کی ہماہمی، حجاج کی آمد ورفت، اور آنے جانے والوں کی چیخ وپکار میں نیند کی کہاں گنجائش۔ تھوڑی دیر طبیعت کو بہلا کر اُٹھ گیا، استنجاء وضو سے کسی طرح فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہوا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ ننگے سر نماز پڑھ رہا ہوں، لیکن ہا! کیا لطف آیا اس نماز میں، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بندے اور رب میں کوئی فاصلہ نہیں رہ گیا تھا، فاصلہ تھا بھی کب؟ لیکن بندوں کے احوال وکیفیات فاصلہ پیدا کر دیتے ہیں، لیکن آج اس فطری لباس نے گویا بندہ کو آغوشِ رحمت میں پہونچا دیا ہے، کیا لطف تھا اس قیام میں، کیا مزہ تھا اس رکوع میں، اور کیا لذت ملی اس سجود میں۔ جی چاہ رہا تھا کہ رکوع وسجود کا یہ سلسلہ ختم نہ ہو۔ افسوس ہو رہا تھا کہ تھوڑا سا وقت لیٹ کر کیوں گزار دیا۔ نماز پڑھتے پڑھتے صبح صادق ہوگئی، میں نے وہیں اذان پکار دی، چند لوگ جمع ہوگئے، فجر باجماعت ادا

کی گئی، پھر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر سب وہیں پڑھتے رہے۔ نمازیں ہوتی رہیں، لبیک پکارتے رہے، دوستوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کچھ احرام میں تھے، کچھ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے احرام باندھیں گے۔

۳/ جولائی ۱۲/ بجے کا وقت ہے، ایرپورٹ کے قانونی رسوم کی ادائیگی ہو رہی ہے، معلوم ہوا کہ طیارہ اتر چکا ہے، دروازے پر آکر بس لگی، اور حجاج سوار ہونے لگے، تھوڑی دیر میں پورا قافلہ جہاز کے اندر تھا، سب حجاج ہی تھے، سب احرام میں! سب کے دلوں میں شوق کی گرمی! اور زبانوں پر لبیک کی پکار! جہاز کے پائلٹ نے احترام سے سلام کیا، جہاز کے قوانین بتائے۔ پھر اس نے بھی لبیک کی صدا بلند کی، اور جہاز دوڑنے لگا، دوڑتے دوڑتے اوپر اٹھا اور آن کی آن میں فضا میں معلق ہو گیا۔ اعلان ہوا کہ ٹھیک ساڑھے چار گھنٹے کے بعد جدہ پہونچ جائے گا۔ ایک بج کر دس منٹ پر جہاز اُڑا تھا، اعلان تھا کہ ۵/ بج کر ۴۰/ منٹ پر جدہ پہونچ جائیگا۔ میں اپنے خیالات میں گم تھا، خیالات کا سلسلہ کبھی کبھی ٹوٹ جاتا تھا، جب کوئی قریبی مسافر مخاطب کرتا یا ہوائی جہاز میں کوئی اعلان ہوتا۔ سوا پانچ بجے اعلان ہوا کہ اب جدہ آنے والا ہے، اتنا سنتے ہی نگاہیں جھک گئیں، اور شوق ابھر آیا، دل امنڈنے لگا اور آنکھیں بھیگ گئیں، کہاں میں گندہ و ناپاک اور کہاں یہ سرزمین پاک! اللہ اللہ نصیبہ جاگ اٹھا، یہ دولت ہاتھ لگی، دل جہاں کے لئے بچپن سے مچلتا تھا، کیا آج وہ خاکِ پاک اتنی قریب ہے کہ چند منٹ میں ہم وہیں ہوں گے، ایک خواب سا نا قابل یقین، ایک تعبیر سراپا تسکین، زبان گنگ ہوگئی، مگر دل نے آروز کرنے میں بخل نہیں کیا، نہ جانے وہ اپنے پروردگار سے کیا کیا مانگتا رہا، میں تو دم بخود تھا، کھڑکی کی طرف نگاہ کی تو سرزمین عرب کی وہ سیاہ پہاڑیاں نظر آئیں جن کے دامن سے ساری دنیا کو روشنی ملی، جہاز تیزی سے گذرتا چلا گیا، اور پہاڑی مناظر ابھرتے اور ڈوبتے رہے، یہاں تک کہ خیموں کا ایک وسیع و عریض شہر نظر آیا۔ کیا آج کے تمدن کے دور میں بھی بدویت باقی ہے، یہ خیموں کا وسیع سلسلہ کس نے قائم کیا اور کس کے لئے کیا ہے؟ کیا یہاں کوئی قافلہ ٹھہرا ہے، کیا اب بھی خانہ بدوش اور خیمہ

بردار کارواں صحرائے عرب میں چلتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ حجاج کے لئے ہوئی اڈہ ہے جو صرف حج کے زمانے میں استعمال ہوتا ہے، یہ کپڑے کے خیمے نہیں ہیں بلکہ کیمیاوی مسالوں سے تیار کی ہوئی خیمہ نما عمارتیں ہیں، جو دورِ قدیم کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ٹھیک پانچ کر۴۰؍ منٹ پر جہاز اتر گیا، ایرپورٹ میں داخل ہوئے تو دیوار میں لگی ہوئی گھڑی میں ۳؍ بج کر ۱۰؍ منٹ ہو رہے تھے، یہ کیا؟ کیا ہماری گھڑیاں غلط ہیں، یا یہ گھڑی بند ہے، لیکن جلد ہی یہ اِشکال حل ہو گیا کہ ہندوستان اور عرب کے وقت میں ڈھائی گھنٹے کا فرق ہے۔ پچھلے دور کی سادگی اور بے تکلفی اس دورِ تمدن میں کہاں باقی۔ قانونی مراحل کی تکمیل ایک ایسا بے مزہ اور اکتا دینے والا عمل ہے کہ ذوق وشوق کی ساری دنیا مضمحل ہو کر رہ جاتی ہے، کہاں وہ لطف کہ طبیعت میں تصورات کی جولانی تھی اور کہاں یہ بے لطفی کہ ایرپورٹ میں داخل ہوتے ہی ساری جولانی یکلخت کافور ہو گئی۔ جوں ہی اندر گھسے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ ہر حاجی کو انجکشن لگا رہے تھے، ایں! یہ کیا؟ ہم تو ہندوستان سے ٹیکے کے سرٹیفکٹ اور صحت کی سند لے کر آئے ہیں، کیا ہندوستان کی سند یہاں معتبر نہیں، معلوم ہوا کہ معتبر ہے، لیکن یہ ایک مخصوص بیماری کا انجکشن ہے، مجھے انجکشن والے طریقۂ علاج سے نہایت وحشت ہے، مگر کیا کیجئے یہاں کوئی شنوائی نہیں، یہاں قانون کا بہت احترام ہے، یہاں قانون رشوت کے چند سکوں کے عوض فروخت نہیں ہوتا۔ یہاں کا ڈاکٹر، یہاں کی پولیس، یہاں کے کارکن رشوت کے نام سے واقف نہیں ورنہ چند سکے دے کر اس ناگہانی مصیبت سے جان چھڑائی جا سکتی تھی، مگر ہندوستان کے اخلاقیات سے یہاں کے لوگ نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ ہم بھی لائن میں کھڑے ہو گئے، نوجوان شخص نہ جانے ڈاکٹر تھا یا کیا، مسکرا مسکرا کر انجکشن لگا رہا تھا، اس کی مسکراہٹ دل آویز تھی، اس کی حلاوت میں انجکشن کی تلخی گھل مل جاتی تھی۔ سرزمین عرب کا ہر فرد ہمیں محبوب ہے، وہاں کی بے رنگی میں بھی ایک رنگ ہے، ہمیں تو ہر چہرہ جانا پہچانا لگ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ لوگ ہمارے قدیم شناسا ہوں، بڑی نرمی اور لطافت سے وہ انجکشن لگا رہا تھا۔ لائن آگے بڑھ رہی تھی اور وہ مصروفِ عمل تھا، میں نے بھی اپنے بازو سے

آستین سرکائی، اوراس نے سوئی چبھودی، مگر کیا کچھ محسوس ہوا؟ بالکل نہیں ہوا! وہ چند سکنڈ میں اپنے کام سے فارغ ہوکر آگے بڑھ گیا۔ لائن بڑھتے بڑھتے جب دروازہ تک پہونچی جہاں پاسپورٹ کی چیکنگ ہورہی تھی، تو دروازہ بند ہوگیا۔ کافی دیر کھڑے کھڑے عصر کا وقت ہوگیا، ہم لائن سے عصر پڑھنے کیلئے نکل آئے، عصر کی نماز باجماعت ادا کرکے پھر لائن میں کھڑے ہوگئے۔ کافی دیر کے بعد ہمارا پاسپورٹ لیا گیا، چیک ہوا اور ہمیں اذنِ دخول ملا۔ اتنی دیر میں ہمارے میر کارواں قاری ولی اللہ صاحب اس مرحلہ سے گذر کر دوسرے مرحلے میں جاچکے تھے، جہاں سامان سفر کی تفتیش ہورہی تھی، تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد ہمیں بھی اس منزل میں داخلہ نصیب ہوا، مگر اس شان سے کہ پہلے ہمیں ایک پیچیدہ راہ داری سے گذرنا پڑا جہاں صرف دو آدمی تھے، ان میں ایک حبشی نژاد تھا، اس نے ہمارا نیچے سے اوپر تک جائزہ لیا، کمر پر بندھا ہوا بیلٹ کھول کر دیکھا اس میں چند روپئے تھے اور چند کاغذی رومال تھے، اس کے اظہارِ اطمینان کے بعد ایک بڑے ہال میں داخلہ ملا، وہاں حجاج کے سامان بکھرے پڑے تھے، وہاں ایک وسیع وعریض حلقہ میں آٹھ دس جگہوں پر سامان کی تفتیش ہورہی تھی۔ ایک ایک سامان کھول کھول کر دیکھا جارہا تھا، میدانِ محشر کا ہلکا سا نمونہ معلوم ہورہا تھا، منشیات اورکمیونسٹ لٹریچر پر پابندی ہے، پان کے پتے، کھانے کی پکی ہوئی چیزیں پھینکی جارہی تھیں، چھپی ہوئی چیزیں ضبط کی جارہی تھیں، تفتیش کے بعد واپس کردی جائیں گی، مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، تین گھنٹے بیت گئے۔ مغرب کی نماز بھی اس ہنگامۂ محشر میں قضا ہوگئی کیونکہ اس ہال میں وضو وغیرہ کا انتظام نہ تھا، اور باہر نکلنے کی کسی قیمت پر اجازت نہ ملی۔ تکلیف تو بہت ہوئی مگر اس جگہ کی حرمت نے دل اور زبان دونوں کو خاموش کررکھا تھا، پھر یہ بھی خیال عذر خواہ تھا کہ تفتیش کی یہ سختیاں ہمیں لوگوں کی نادانیوں کے باعث ہیں، اگر قانون کے دائرے میں لوگ سامان لاتے اور اپنی دیانت داری کا ثبوت دیتے تو یہ سختیاں کیوں ہوتیں۔ دوسال پہلے ایرانی حجاج اسلحے لے کر داخل ہوئے اور فساد مچایا تو اب یہ حکومت مجبور ہے، ہاں جن لوگوں پر اعتماد ہے ان کی چیکنگ میں اتنی شدت نہیں دیکھی گئی، ہم

ابھی وقت حساب کے انتظار میں کھڑے ہی تھے کہ انڈونیشیا کا ایک قافلہ رنگ برنگ کا لباس پہنے اترا۔ پستہ قامت لوگ، چہرے پر معصومیت برس رہی تھی، سر پر کالی ٹوپیاں، ان کے محاسبہ میں کچھ زیادہ سختی نہیں کی گئی، وہ خود ایک تہذیب وسلیقہ سے پیش ہو رہے تھے، اس قافلہ کی آمد نے مفتشین کی سرگرمی بڑھادی، حساب مختصر ہوگیا۔ اب لوگ جلد جلد گذرنے لگے، بالآخر ہم بھی پیش ہو ہی گئے۔ معمولی تفتیش کے بعد اذنِ رُخصت مل گیا، اس کڑی منزل کو جھیل کر باہر نکلے تو اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائیں۔ راہنما لوگ آگے جا چکے تھے، ہم کدھر رُخ کریں، لیکن واہ رے خدا کی کارسازی اور ہمارے میر کارواں کی ذرہ نوازی! جونہی ایک دوسری منزل گاہ میں پہونچے، جناب قاری ولی اللہ صاحب اپنی دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ ملے، انھیں دیکھتے ہی ساری گھبراہٹ دور اور پریشانی کافور ہوگئی، انھوں نے جھٹ ہمارا سامان اٹھایا اور لے لوا کر ایک طرف چل دیئے اور ایسی جگہ اتارا جہاں مکہ جانے والی بسیں تیار کھڑی تھیں، جونہی سامان رکھا عشاء کی اذان ہونے لگی، پہلے نماز پڑھی گئی، پھر کھانے کی فکر ہوئی، یہ عقدہ بھی حضرت قاری صاحب ہی کے ناخن گرہ کشا سے حل ہوا، انھوں نے اپنی زنبیل کھولی اور گھر کے بنے ہوئے کباب اور پراٹھے وافر مقدار میں نکالے، سیر ہو کر کھایا اور آسودہ ہو کر پانی پیا، اور اللہ کا شکر ادا کیا، حواس بجا ہوئے۔ ذوق وشوق کی جو کیفیت عارضی طور پر زائل ہوئی تھی، لوٹ کر آگئی، پھر وہی دل اور وہی ترانہ لبیک! کچھ دنوں پہلے یہ دستور تھا کہ حجاج اپنی مرضی سے معلم کا انتخاب کرتے تھے، اس کے لئے معلمین عازمین حج سے خط وکتابت کرتے، اپنی خدمات بتاتے، پھر بمبئی میں ملاقاتیں کرتے، جدہ میں وہ یا ان کے نمائندے موجود رہتے، ہر معلم حجاج کو اپنی طرف کھینچتا بلاتا، پھر حاجی جس کو چاہتا منتخب کرتا مگر اب صورتحال بدل گئی ہے، اب نہ معلم آزاد ہے نہ حاجی! وہی معلم معلّمی کرسکتا ہے جو سعودی گورنمنٹ کا منظور شدہ ہو، ان معلمین کے لئے الگ الگ نمبر مقرر ہیں۔ اصطلاح میں انھیں مکتب نمبر فلاں سے یاد کیا جاتا ہے اور حاجی بھی اب اسی معلم کے ماتحت رہتا ہے، جسے سعودی گورنمنٹ مکتب الوکلاء اور حج کمیٹی کے اشتراک سے طے کیا جائے۔

دوسال قبل تک رہائش کے باب میں بھی حجاج خود مختار تھے، اپنی پسند سے مکانات کرایہ پر لیتے تھے، کرایہ خود طے کرتے، حرم کے قرب وبعد اور سہولیات کے اعتبار سے کرایہ کم وبیش ہوتا، حجاج اپنے خرچ اور اپنی سہولت کی رعایت سے رہائش گاہیں منتخب کرتے، مگر دوسال سے اس کا قانون بھی تبدیل ہوگیا ہے۔ اب معلم سعودی گورنمنٹ اور حج کمیٹی کے مشترکہ انتخاب سے حجاج کے لئے رہائش گاہیں ملتی ہیں اور ان کا متعین کردہ کرایہ پہلے وصول کرلیا جاتا ہے۔ معلم کی فیس، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مکان کا کرایہ...... جدہ سے مکہ، مکہ سے مقامات حج کی آمد ورفت اور پھر مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے جدہ تک بسوں کا کرایہ، سب ایک ہی ساتھ وصول کرلیا جاتا ہے۔ حاجی کو زرمبادلہ کی اتنی رقم واپس کردی جاتی ہے، جو اسے اتنے دنوں کے خرچ کے لئے کفایت کرے۔ اس طریقۂ کار سے حاجیوں کو بسا اوقات بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر اس کے نہ ہونے کی صورت میں حکومت کو جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا، ان کے حل کی کوئی اور صورت بظاہر سمجھ میں نہیں آتی، البتہ اخراجات کا بار حاجی پر زیادہ پڑ جاتا ہے۔ خیر اس طریقۂ کار کی خوبی وخرابی ہمارے سفرنامہ کا موضوع بحث نہیں ہے، یہاں تو رہ نوردئ عشق ومحبت کی داستان دہرانی مقصود ہے، ہمیں بمبئ میں اطلاع مل چکی تھی بلکہ پاسپورٹ پر ہی مہر لگی ہوئی تھی کہ ہمارے لئے مکتب نمبر ۲۵ کا انتخاب ہوا ہے، رہائش گاہ اے کلاس ہے، بلڈنگ نمبر ۳۰۲، اور کمرہ نمبر ۱۰۱ ہے۔ رات کے گیارہ بج چکے ہیں، ایک بس ہمارے قافلہ کو لے کر دیارِ پاک مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ راہ میں نہ جانے کتنی جگہ رُکی اور چلی، کئی رات اور دن مسلسل بیداری میں گذرے تھے، بس چلنے سے ہواؤں کے جھونکے جو لگے انھوں نے جسم ودماغ پر گہری نیند مسلّط کردی، حالانکہ مجھے بیٹھ کر نیند بہت کم آتی ہے، مگر آج بے طرح سوگیا۔ جدہ سے مکہ مکرمہ ۷۰/۷۵/ کلومیٹر ہے، رات کا وقت تھا، اس لئے کوئی منظر دیکھنے کا موقع نہ تھا، پھر نیند نے اس کا دروازہ اور بند کردیا تھا۔ کافی دیر کے بعد ایک جھٹکے سے جو بس رکی تو آنکھ کھل گئی، معلوم ہوا کہ اب مکہ شریف قریب ہے، یہاں ہمارے پاسپورٹ وغیرہ کی انکوائری ہے، اور یہاں

سے ایک رہبر دیا جائے گا جو ہمیں ہماری قیام گاہوں تک پہونچائے گا۔ گرمی سخت تھی خوب پیاس لگ رہی تھی، اتنے میں دو آدمی پانی لے کر بس پر آ گئے سب کو سیر کر دیا، دل سے الحمد للہ نکلی، پلانے والے کو دعائیں دیں، کئی بسیں آگے پیچھے ٹھہری ہوئی تھیں، انکوائری میں کافی دیر لگ گئی۔ اس مرحلہ سے نجات ملی تو بس کے انجن میں کوئی خرابی پائی گئی، کئی لوگ مل کر اسے بنانے میں مصروف ہوئے، جب انجن بن گیا اور اُکتائی ہوئی طبیعتیں نشاط پر آئیں کہ اب چند لمحوں کے بعد منزل مقصود پر ہوں گے تو معلوم ہوا کہ صبر کا ایک اور مرحلہ باقی ہے، حجاج کو گنا گیا تو ایک صاحب کم تھے، ان کی ڈھونڈ پڑی، یا اللہ کہاں چلے گئے، کہیں پر جا کر سو گئے ہوں گے؟ راستہ گم کر دیا ہوگا؟ ایسے ہی وقت میں انھیں غائب ہونا تھا؟ نہیں استنجا کرنے گئے ہوں گے! غرض قیاس آرائیاں ہوتی رہیں، ڈرائیور اکتایا ہوا تھا مگر کیا کرتا، مسافر کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا۔ دیر پر دیر ہوتی جا رہی ہے، لوگ تلاش کر رہے ہیں، اکتا رہے ہیں مگر خوبی کی بات یہ تھی کہ کسی کا لہجہ تند نہ تھا، اگر کسی کے لہجے میں کچھ تندی آتی، تو دوسرے لمحہ میں وہی شخص اس کی طرف سے معذرت کا بھی کوئی کلمہ کہہ دیتا، سب کو اس کا خیال تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اس سفر میں مشقت خواہ کتنی ہی پڑے، اسے خندہ پیشانی سے جھیلنا ہے، یہ بھی ایک امتحان ہے عشق و محبت اور صبر وضبط کا، جس میں بہر حال کامیاب ہونا ہے، کافی دیر کے بعد وہ صاحب نمودار ہوئے، مگر واہ رے حاجیو! شاباش راہِ خدا کے مسافرو! تمہاری جبین شکن آلود نہیں ہوئی، کسی نے طنزیہ جملہ نہیں کہا سب کے منھ کھلے مگر ہمدردی کے ساتھ، سب کے ہونٹ ہلے مگر مہربانی کے ساتھ، اس غریب کو یہ خبر بھی نہیں ہوئی کہ میری گمشدگی سے کتنی اکتاہٹ ہو چکی تھی! اب ہماری بس چل رہی تھی مگر اندھیرے کا کہیں پتہ نہیں ہے، ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے، حکومت وقت نے اجالے کا ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ اندھیرا منہ چھپا کر روپوش ہو گیا ہے، مکہ مکرمہ کو اتنا قریب پا کر دل کی دھڑکن بڑھ گئی، بدن میں حدت پھیل گئی، طبیعت میں ایک عجیب سا کیف و سرور چھلکنے لگا۔ رات کے سناٹے میں سڑکیں خالی ہیں، موٹر انتہائی تیز رفتاری سے اُڑی جا رہی ہے کہ کھمبے بھاگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں،

چھوٹی بڑی پہاڑیوں کا سلسلہ مسلسل آگے پیچھے گذرا جارہا ہے، ننگی ننگی بے آب وگیاہ پہاڑیاں جہاں چند ہزار سال قبل آبادی کا نام ونشان نہ تھا، ان پہاڑیوں پر درخت اور گھانس کا دھبہ بھی نظر نہیں آیا، صرف کالی کالی چھوٹی بڑی چٹانیں، کھردری، بے ڈول، ناہموار، لیکن خدا جانے ان میں کس غضب کی دلکشی بھری ہوئی ہے، کیسی جاذبیت ان میں آمیز کردی گئی ہے، کیسا حسن انھیں بخشا گیا ہے کہ نگاہیں ایک سکنڈ کے لئے ادھر سے ہٹتی ہی نہیں، انھیں پہاڑیوں پر کبھی خدا کا نور چمکا تھا، اس کی چمک آج تک دلوں میں موجود ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ پتھر کی چٹانیں نہیں بلکہ دل کے ٹکڑے ہیں، حرارتِ ایمان اور نورِ یقین سے لبریز! جو ہر آنے والے کو اپنی حرارت اور اپنا نور بخش کر قلب کو روشنی اور جگر کو گرمی عطا کرتے ہیں! میری نگاہ حیرت سے چکرا رہی تھی، زبان پر بجائے لبیک کے اللہ اکبر کی صدا بے اختیار جاری تھی، آن کی آن میں ہماری بس مکہ مکرمہ کی کشادہ سڑک پر دوڑنے لگی، اونچے اونچے مکانات کے درمیان! میں ماضی کی یاد میں کھوگیا، میرا تخیل مجھے آج سے ہزاروں سال قبل لے کر چلا گیا اور اس نے گردوپیش سے بے خبر کردیا، اونچی اونچی بلڈنگوں بجلی کے تیز قمقموں، ہموار وشفاف سڑکوں اور خوبصورت ہوٹلوں کا پردہ نگاہوں سے ہٹ گیا۔

تین افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا قافلہ شمال کی طرف سے انھیں چھوٹی بڑی پہاڑیوں کو عبور کرتا ہوا چلا آرہا ہے، سالارِ قافلہ جواں ہمت پیر مرد ہے، جس کی پیشانی پر نورِ نبوت چمک رہا ہے، اس کے ساتھ ایک جواں مرد عورت اور عورت کی گود میں ہُمکتا ہوا ایک خوبصورت سا ننھا بچہ ہے، پیرمرد کے کاندھوں پر ایک تھیلی لٹکی ہوئی ہے، جس میں کچھ کھجوریں اور کھانے کا سامان ہے، اور ایک ہاتھ میں پانی کا مشکیزہ ہے، یہ ہے قافلہ اور یہ ہے اس کا زاد وراحلہ! یہ پہاڑیاں دم بخود کھڑی دیکھ رہی ہیں، کہ یہ پیرمرد خدا جانے کہاں جارہا ہے اور کہاں ٹھہرے گا؟ یہ کوہستانی سلسلہ اور یہ پہاڑی وادیاں عرصۂ دراز سے کسی انسانی قدم سے ناآشنا تھیں، کون آتا ادھر! نہ یہاں پانی کا چشمہ ہے نہ سایہ دار کوئی درخت ہے، پھر آمدورفت کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے، اوبڑ کھابڑ پہاڑیوں کی ایک طویل زنجیر ہے، اس زنجیر

میں کون آ کر الجھتا ہے، کیا یہ کوئی قافلہ ہے جو راستہ کی تلاش میں کبھی ان پہاڑیوں پر چڑھتا ہے کبھی نشیبی وادیوں میں اترتا ہے۔ نہیں یہ قافلہ بھٹکا ہوا نہیں ہے، فرشتوں کی رہنمائی میں چل رہا ہے اور خدا نے اسے بھیجا ہے، اور اس لئے بھیجا ہے کہ اب یہیں سے بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی ورہبری کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پہاڑیوں نے اپنی آغوش کھول دی، صفا ومروہ کے قریب اس پیر مرد نے قافلہ ٹھہرایا، ایک پہاڑی چٹان کے سائے میں اپنی جواں مرد خاتون ہاجرہ اور شیر خوار بچہ اسماعیل کو اتار دیا، اور وہ خود وہاں سے واپس چل پڑا۔ خاتون نے پکارا ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہو؟ پیر مرد حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے جواب دیا خدا پر۔ کیا خدا کا یہی حکم ہے؟ ہاں یہی حکم ہے، پھر ہمیں خدا ضائع نہیں کرے گا۔ اس مختصر مکالمہ کے بعد ابراہیم تو پہاڑیاں پھلانگتے ہوئے ادھر ہی چلے گئے جدھر سے آئے تھے اور ماں بیٹے نے اس خشک وادی میں آبادی کی بنیاد ڈال دی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ آبادی روز افزوں ترقی پر ہے۔ یہ بستی پھر کبھی زوال سے آشنا نہیں ہوئی، ایک وقت وہ تھا کہ آسمان کے علاوہ یہاں کوئی سایہ نہ تھا، اور ایک وقت یہ ہے کہ اونچی اونچی طویل وعریض عمارتوں نے پہاڑوں تک کو چھپا رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

بس چلتے چلتے ایک جگہ رکی، پکارنے والے نے پکارا: اعجاز احمد اعظمی اور نسیم الحق معروفی، معلوم ہوا کہ منزل آ گئی۔ حکم ہوا اتر جائیے، ایک لڑکا بس کے اوپر چڑھ کر سامان اتارنے لگا، سامان اتارا گیا اور بس روانہ ہوگئی۔ دو خادم ہمارا سامان اٹھا کر لے چلے، چند قدم پر ایک بلڈنگ کا دروازہ کھلوایا گیا، یہی ہماری رہائش گاہ ہے۔ دربان (جس کو یہاں حارس کہتے ہیں) کے حوالے ہم لوگ کئے گئے، وہ کمرہ نمبر ۱۰۱ میں لے کر گیا جو پہلی منزل پر تھا، اوسط درجے کا کمرہ تھا، اس میں پہلے سے نو آدمی موجود تھے، ہم دو کے اضافے نے گیارہ کر دیئے، جگہ تنگ تھی لیکن اسی میں رہنا تھا، ایک موٹے اور لمبے آدمی کے طول وعرض کا ایک ایک گدا ہر شخص کے لئے تھا، بس اتنی ہی جگہ میں گذر اوقات کرنی تھی، سامان رکھنے

کیلئے تھوڑی سی جگہ! باورچی خانہ بہت معمولی اور ناکافی سا! البتہ بیت الخلاء و غسل خانہ (باتھ روم) خوب کشادہ اور آرام دہ۔

دوستوں نے پہلے سے مشورہ دے رکھا تھا اور اسی کے مطابق پروگرام بھی بنایا گیا تھا کہ پہلے جا کر کچھ دیر آرام کریں گے، قدرے نیند کا خمار جاتا رہے اور تھکن زائل ہو جائے، تب مسجد حرام حاضر ہو کر عمرہ کیا جائے، چنانچہ قاری ولی اللہ صاحب سے یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ نماز فجر کے بعد باب الملک عبد العزیز کے سامنے میزان کے نیچے سب لوگ اکٹھا ہوں گے، اور انھیں کی رہنمائی میں پہلا عمرہ ادا کیا جائے گا، مگر کیا ایسا ہو سکا۔ شوق و انتظار کو اتنی تاب کہاں کہ سوئیں پھر اٹھیں، پھر نماز پڑھیں پھر باب عبد العزیز پر جائیں۔ نہایت بے تابی سے حارس سے پوچھا کہ حرم شریف کتنی دور ہے، اس نے غالباً ہمارے لہجے سے سمجھ لیا یہ شوق و اشتیاق سے معمور ہیں، یا اس لئے کہ اس کو اس کا سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے کچھ نہیں بولا، میرا ہاتھ پکڑا اور کہا نیچے چلئے، میں پوچھے جا رہا تھا وہ خاموش تھا، بلڈنگ سے باہر نکل کر اس نے انگلی کا اشارہ کیا، وہ دیکھئے حرم شریف کا مینارہ نظر آ رہا ہے، میری زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر کی صدا نکلی اور پھر سکتہ سا طاری ہوا۔ حرم اتنا قریب ہے بس چند منٹ کی راہ! میں دیر تک ٹکٹکی باندھے اونچے اونچے روشن میناروں کو دیکھتا رہا، کیا حسن تھا، کیس دلکشی تھی، یہ پہلی نگاہ تھی زبان و دل دونوں خاموش تھے، تصور کی رَو رُک گئی تھی۔ کوئی خیال نہ آ رہا تھا نہ جا رہا تھا، بدن کی تمام حسّیات اور روح کی ساری توانائی سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی تھی، میناروں کے جمال دلفروز نے بالکل مسحور کر لیا تھا، کچھ دیر کے بعد ہوش بجا ہوئے تو خاموشی ٹوٹی، حارس ہم کو اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا تھا، میں نے حافظ نسیم الحق سے پوچھا کہ اب سویا جائے، انھوں نے کہا وقت اچھا ہے، تھکن کا کوئی اثر نہیں ہے، نہ نیند کا غلبہ ہے، چلئے اسی وقت حرم میں حاضری دے لی جائے، یہی میرے دل کی بھی آواز تھی، اب راز کھلا کہ بس میں جو اتنی گہری نیند مسلط کر دی گئی تھی، وہ اس لئے تھی کہ یہاں آ کر پھر نیند اور تھکن کا بہانہ حاضریٔ حرم سے رکاوٹ نہ بن جائے۔

ہم نے وضو کیا، یا غالباً غسل کیا، اب اچھی طرح یاد نہیں آرہا ہے، اور شوق کے قدموں سے مسجد حرام کی جانب چل پڑے، ہم لوگ مشرق کی جانب چل رہے تھے، دو منٹ چل کر دائیں طرف مڑ گئے اور تین منٹ چلے ہوں گے کہ باب الملک عبدالعزیز پہونچ گئے۔

زندگی میں پہلی بار یہ سعادت حاصل ہوئی ہے، کہ خود کو اس بلدۂ طیبہ میں پا رہا ہوں، جس کے واسطے اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امن وامان اور اس کے رہنے والوں کیلئے محبوبیت اور رزق من الثمرات کی دعائیں کیں اور وہ بارگاہِ خداوندی میں اسی وقت قبولیت سے سرفراز ہوگئیں۔ وہ شہر جس کی محبت میں محبوب رب العالمین سیّد المرسلین ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، جب ایک ناگزیر حالت میں انھیں اس بلدۂ مقدس سے ہجرت کرنی پڑی تھی، اور اس کی فضیلت وعظمت کا نقطۂ معراج یہ ہے کہ خود ربِ کائنات نے اس کے تقدس وامانت کی قسمیں کھائی ہیں: وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ، لَاأُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ یہیں کی وادیوں میں خدا کا وہ عظیم نور چمکا، جس کی تابانی سے دنیا آج تک جگمگا رہی ہے، یہیں خدا کا وہ مقدس گھر ہے جس کی خشت اول فرشتوں کے ہاتھوں رکھی گئی، جس کی تعمیر انسان اول نے کی اور جس کی نشاۃ ثانیہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دست مبارک سے ہوئی، اور اس وقت سے آج تک ایسا کوئی لمحہ نہیں گذرا ہے جس میں اس کا طواف بند ہوا ہو۔

آج میری قسمت مسکرا رہی تھی، تقدیر جاگ اٹھی تھی، میرا دل دھڑک رہا تھا، باب عبدالعزیز پر کھڑے ہم دو ساتھی سوچ رہے تھے کہ خدا کے اس بزرگ ترین گھر کا سامنا کیسے ہوگا، پہلے اطمینان سے ایک جگہ محفوظ سمجھ کر پاؤں کے چپل رکھ دئے، پھر لرزتے قدموں اور کانپتے دل کے ساتھ دعائیں پڑھتے ہوئے مسجد حرام کے اندر داخل ہوئے، اس وقت ہمیں نہ مسجد کے حسن وجمال کی طرف التفات تھا، نہ اس کے طول وعرض کا خیال تھا۔ نگاہیں ہر طرف سے بند تھیں، دل کے خیال نے آنکھوں کو پابند کر رکھا تھا، جونہی اندر پہونچے پہلی نگاہ اس سیاہ پوش گھر پر پڑی، یہ نگاہ نہ تھی ایک بجلی تھی، جو طورِ قلب پر چمکی اور ہوش وخرد کو جلا کر رکھ دیا،

اس وقت جسم وجان کا ہوش کہاں؟ رگوں میں خون کے بجائے ایک حرارت دوڑ رہی تھی، سانس پھول رہا تھا، اس وقت محبت کا بھی خیال نہ رہا، ایک تحیر کی حالت تھی جس نے آنسو بھی خشک کر دیئے تھے میں اب تک سوچتا ہوں کہ دل اس وقت کہاں گم ہو گیا تھا جو آنسوؤں کی ایک دھار بھی نہ بھیج سکا، سکتہ کا عالم طاری تھا، مگر قدم رکے نہیں وہ بے ساختہ بڑھتے رہے، رات کے ڈھائی بج رہے تھے، لیکن روشنی کی وہ فراوانی تھی کہ بارہ بجے دن کا سماں ہو رہا تھا، تھوڑا فاصلہ طے کر کے ہم مطاف کے اندر تھے، حج کا زمانہ چونکہ قریب تھا اس لئے ہجوم بہت تھا۔

ہماری پہلی حاضری تھی، لیکن کتابوں کے مطالعے، طلبہ کے اسباق اور خود اپنے رات دن کے تخیل نے اس دار و دیار سے ایسا آشنا کر رکھا تھا کہ کہیں سے اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ عمرہ کا آغاز طواف سے ہونا تھا، اور طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرنی تھی، ہجومِ آرزو اور فرطِ مسرت نے اس وقت اتنی مہلت نہ دی کہ تخیل کے آئینہ میں کعبہ مقدسہ کی تعمیر میں مصروف دو بزرگوں کے ہاتھ دیکھ سکتا۔ اس وقت تو منظر ہی کچھ عجیب تھا، خداوند تعالیٰ سے بار بار دعائیں کی ہیں، بارہا ان کے سامنے جبین نیاز ٹیکی ہے، بار بار ان کے حضور آنکھوں نے آنسوؤں کا نذرانہ گزارا ہے، لیکن آج کعبہ مقدسہ کی مواجہت میں قرب کا جو احساس ہو رہا ہے یہ کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم کعبہ کا طواف نہیں براہ راست ربِ کعبہ کے گرد طواف کر رہے ہیں، وہ ہمیں بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں، اور خوش ہو رہے ہیں۔ ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں، انھیں اصطلاحِ شرع میں ''شوط'' کہتے ہیں، ہر شوط کی ابتداء اور انتہاء حجر اسود سے ہوتی ہے، بہتر تو ہے کہ ابتداء اور انتہاء میں حجر اسود کا بوسہ لیا جائے، لیکن ہجوم ہو اور بغیر مزاحمت کے وہاں پہونچنا ممکن نہ ہو تو پھر دور سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اس کی طرف کر کے یہ تصور کرتے ہوئے کہ انھیں حجر اسود پر رکھ دیا ہے، ہتھیلیوں کو چوم لینا بہتر ہے، یہ زمانہ ہجوم کا ہے، ہمیں دور ہی سے استلام پر اکتفا کرنا پڑا، طواف کے سات شوط کسی طرح پورے کر لئے، کچھ ہوش میں کچھ نیم بے ہوشی میں، کیا کیا دعائیں اس وقت کیں، اب کہاں یاد؟ بلکہ یہ بھی یاد نہیں کہ کچھ دعا کی بھی یا نہیں؟

کیونکہ ایسا بہت ہوا ہے کہ ہجومِ تمنا نے زبان خاموش کردی ہے، یونہی خیالات میں غرق چکر لگا تا رہا، طواف کے بعد نمبر تھا دو رکعت نفل پڑھنے کا، اس نفل کے لئے بہتر جگہ مقامِ ابراہیم کے قریب ہے۔ مقام ابراہیم بیت اللہ سے چند میٹر کے فاصلے پر ہے، طواف میں ہجوم ہوتا ہے تو وہاں نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوتی، ہمیں باوجود ہجوم کے مقام ابراہیم کے پاس تھوڑی سی جگہ دستیاب ہوگئی، ہم بہت خوش ہوئے اور ہاتھ باندھ کر وہیں کھڑے ہوگئے، اس وقت ہجوم میں کسی قدر کمی محسوس ہورہی تھی، لیکن تجربہ نہ تھا کہ ہجوم کے گھٹنے بڑھنے کا کیا انداز ہے۔ ایک رکعت پوری کرلی، دوسری رکعت کے سجدے میں تھے کہ اچانک طواف کی بھیڑ بڑھ گئی، ایک زبردست ریلا طواف کرنے والوں کا حجر اسود کی جانب سے جو چلا ہے بس کچھ نہ پوچھئے، وہ بھی جوش عشق اور شوق محبت میں سرشار تھا، ہجوم بھی زبردست تھا اسے احساس ہی نہ ہوا کہ دو کمزور انسان سجدے میں ہیں، ایک شخص کو میرے جسم سے ٹھوکر لگی، وہ میرے اوپر ہی گر گیا، اس کا گرنا تھا کہ کئی لوگ دھڑ ادھڑ الٹ گئے، میں اور قاری نسیم الحق دونوں لڑھک کر دوسری طرف جا پڑے، لیکن قربان جایئے حق تعالیٰ کی مہربانی اور کارسازی کے کہ اس ریلے میں ہم کو پس جانا چاہئے تھا، مگر الحمدللہ کسی شخص کا پاؤں ہم لوگوں کے بدن پر نہیں پڑا۔ نماز تو ٹوٹ گئی مگر جسم بچ گیا، ہم لوگ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور طواف حسب معمول آگے بڑھ گیا، ہم نے کہا کہ پورا مطاف نفل کی جگہ ہے ، اب پھر ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر نماز باطمینان ادا کی گئی۔ نفل ادا کرلینے کے بعد جستجو ہوئی زم زم کی، کتابوں میں پڑھا تھا کہ زم زم کا کنواں بیت اللہ کے قریب ہے، مگر اس لمبے چوڑے مطاف میں یہ کنواں نظر نہیں آیا، اِدھر اُدھر دیکھا، جب سمجھ میں نہیں آیا تو ایک عرب سے پوچھا کہ زم زم کدھر ہے؟ اس نے کہا پینے کے لئے ہم نے کہہ ہاں، بس اس نے ایک ثلاجہ کی طرف اشارہ کیا، ہم نے جا کر اس سے سیر ہو کر زم زم پیا، مگر کنویں کی صورت نظر نہ آئی اور دل میں خلش باقی رہ گئی۔ زم زم پینے کے بعد اب صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی تھی، مجھے یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اب مسجد حرام میں شامل ہوگئی ہیں، مگر یہ نہ معلوم تھا کہ وہ کدھر ہیں،

پوچھنے پر معلوم ہوا تو جا کر سعی میں سرگرم ہو گئے۔ اس وقت سعی میں بھیڑ کم تھی، صفا اور مروہ کے درمیان تقریباً آدھا کلومیٹر کا فاصلہ ہے، سات چکر اس کے بھی لگانے ہوتے ہیں، صفا سے شروع کر کے مروہ پر پہونچے، تو ایک شوط پورا ہو گیا، پھر مروہ سے صفا پر دوسرا شوط، اسی طرح سات شوط، آخری شوط مروہ پر ختم ہوتا ہے۔ ہم آخری شوط میں تھے کہ اذان ہونے لگی، یہاں اوّل وقت میں اذان ہوتی ہے، اور اذان کے بعد بمشکل دو رکعت پڑھنے کا موقع ملتا ہے کہ جماعت شروع ہو جاتی ہے، جونہی اذان ختم ہوئی تمام لوگ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، ہمیں مروہ تک پہونچنے میں ابھی تھوڑا فاصلہ تھا مگر اب ایک قدم چلنے کی گنجائش نہیں تھی، وہیں ہم نے سنت شروع کی دو رکعت پر سلام پھیرا ہی تھا کہ نماز شروع ہو گئی، جن امام صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی ان کی قرأت ہمیں کچھ زیادہ پسند نہ آئی۔ کچھ اکھڑے اکھڑے لہجہ میں پڑھ رہے تھے، سلام پھیرا ہی تھا کہ جنازہ کا اعلان ہو گیا، وہیں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، پھر باقی فاصلہ طے کر کے مروہ پر پہونچے، دعاء سے فارغ ہونے کے بعد حجام کی تلاش ہوئی کہ سر کے بال منڈوا دئے جائیں کہ یہ عمرہ کا آخری عمل ہے اور جامۂ احرام اتارنے کے لئے شرط ہے، ہم باب عبد العزیز سے داخل ہوئے تھے، چنانچہ تلاش کر کے ادھر ہی سے نکلے، چپل کو دیکھا تو ہجوم میں کہیں رل مل گئی، باوجود تلاش کے نہیں ملی، ننگے پاؤں باہر نکلے، گیٹ کے باہر ہمارے میر کارواں جناب قاری ولی اللہ صاحب ملے، ان کی دل آویز مسکراہٹ بڑی تسکین بخش ہوتی ہے، ہم نے معذرت کے لہجہ میں اپنے شوق کی بے تابی اور اس سے مجبور ہو کر عمرہ کی ادائیگی کی کہانی دہرائی، خوش ہوئے اور اشارہ سے بتایا کہ فلاں طرف حجام ملیں گے، ہم اس طرف گئے ہمیں کوئی دکان سمجھ میں نہیں آئی، بجلی کی تیز روشنی میں دھوکہ ہوا، ہم یہ بھول گئے کہ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا ہے، ساری دکانیں ابھی بند پڑی ہیں، اب ہم قیام گاہ کی طرف چل پڑے، ہمارے معلم کا دفتر بھی وہیں تھا، باہر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے، علیک سلیک کے بعد ان سے حجام کا پتہ دریافت کیا، ان کی بتائی ہوئی سمت پہ ہم تلاش کرتے ہوئے چل پڑے، کافی دور چلنے کے بعد ایک حجام کی

دوکان پر نظر پڑی، حجام ہندوستانی تھا، ہم نے سر منڈوایا، پانچ پانچ ریال اجرت دی، پھر ایک دکان سے چپلیں خریدیں اور قیام گاہ پر واپس آکر نہا دھو کر سو گئے۔

دو تین گھنٹے کے بعد جب آنکھ کھلی تو تھکن اور سستی کا نام نہ تھا، تازہ وضو کر کے مسجد حرام کی طرف چل پڑے، مسجد میں پہونچ کر خانہ کعبہ پر نگاہ پڑی تو ایک نیا منظر سامنے آیا، کافی دور تک پردہ اٹھا ہوا تھا اور دیواریں بے حجاب نظر آرہی تھیں، یہ چھوٹے بڑے چوکور پتھروں کی دیواریں ہیں جنھیں جوڑنے کے لئے سفید مسالہ استعمال کیا گیا ہے، ان میں دلکشی کے ساتھ بلا کا رُعب وجلال ہے، میری نگاہیں جم کر رہ گئیں، نور وسرور کی لہر تھی جو دل میں جذب ہوتی چلی گئی، ہیبت ومحبت کا ایک ملا جلا اثر تھا جو روح کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا، جلوۂ کعبہ بے حجاب تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آج یکم ذی الحجہ ہے، آج کعبہ مطہرہ کو غسل دیا جاتا ہے، صبح سات بجے یہ عمل ہوا ہے، بعض واقف کاروں سے غسل کی حقیقت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ غلاف کعبہ کو کسی قدر بلندی تک اٹھا کر زمزم کے پانی سے دھوتے ہیں، ہمیں اپنی نیند پر افسوس ہوا، اور یہاں کی تاریخ بھی معلوم نہ تھی ورنہ اس وقت ضرور حاضر ہوتے، اور ممکن ہے کہ غسالہ کا کچھ تبرک بھی حاصل ہوجاتا۔

☆☆☆☆☆

آج ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہے، ابھی مکہ میں سات روز قیام کرنا ہے، اتنے دنوں کی مشغولیت طواف اور حرم کی حاضری ہے۔ آیئے ذرا کعبۂ مطہرہ اور مسجد حرام کی سیر کرلیں، اس کی قدیم وجدید عمارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ سفرنامہ میں ناظرین اس کی تلاش نہ کریں کہ کعبہ کی مختلف زمانوں میں تعمیر اور مسجد حرام کی توسیع کو تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ نہیں یہ تو اپنے مشاہدات اور تاثرات کا ایک خاکہ پیش کرنا ہے لیکن جی چاہتا ہے کہ ظاہری آنکھیں بند کرلی جائیں اور تصور کی نگاہوں سے کعبہ مقدسہ کے دونوں مقدس معماروں کی زیارت کرلی جائے، کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مسجد حرام میں حاضری نصیب ہوئی ہو، اور کعبہ مطہرہ پر نظر پڑی ہو اور سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام یاد نہ آئے ہوں اور ان کی اولوالعزمی کا

نقشہ آنکھوں میں نہ پھر گیا ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ مکرمہ حضرت ہاجرہ اور صاحبزادۂ محترم حضرت اسماعیل کو خدا کے حوالے کر کے اونچی نیچی پہاڑیوں پر چڑھتے اترتے واپس چلے گئے تھے۔ اب چشم تصور سے دیکھئے کہ حضرت اسماعیل جوان ہو چکے ہیں اور حضرت ابراہیم انھیں خدا کا حکم سناتے ہیں کہ یہاں پر خدا کا وہ مقدس گھر تعمیر کرنا ہے جسے کبھی آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، اب باپ بیٹے کو تلاش ہوئی کہ کس جگہ اس کی نیو ڈالی جائے، اتنے میں آسمانی فرشتہ اترتا ہے اس نے زمین کا وہ حصہ کھول کر دکھایا جہاں قدیم بنیادیں ابھی باقی تھیں، کام شروع ہوگیا، جوان بیٹا پتھر اٹھا کر لا رہا ہے اور بوڑھا باپ ان پتھروں کو جوڑ رہا ہے، بنیاد بھری بھرائی تھی، دیواریں اٹھنے لگیں، اور دونوں مقدسین کی زبانیں دعاؤں سے ہلتی رہیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

دیواریں جب کسی قدر اوپر اُٹھ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو حکم دیا کہ کوئی نمایاں پتھر لاؤ جسے اس گھر کے کسی ایک گوشے میں نصب کر دوں تاکہ وہ طواف کی ابتداء و انتہاء کے لئے علامت کا کام دے، ایک پتھر جو آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور کعبہ مقدسہ کے انہدام کے بعد فرشتوں نے اسے قریبی پہاڑی جبل ابوقبیس کے سینے میں امانتہً چھپا دیا تھا، اب وقت آگیا کہ یہ پہاڑی اس امانت کو لوٹا دے، چنانچہ اس کا سینہ کھل گیا اور یہ پتھر جو دودھ کی طرح سفید اور روشن تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مل گیا، وہ اسے اٹھا لائے اور حضرت ابراہیم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اسے جنوب مشرقی گوشہ میں نصب کر دیا، یہی پتھر ہے جو انسانی گناہوں سے متاثر ہو کر اب سیاہ ہوگیا اور اسی لئے اسے حجر اسود کہتے ہیں۔

دیواریں اور اوپر اٹھیں، اب ہاتھ اس کی بلندی تک نہیں پہونچ پا رہے تھے، حکم ہوا اسماعیل کوئی ہلکا اور بڑا پتھر لاؤ جس پر چڑھ کر تعمیر مکمل کی جا سکے۔ اسماعیل دوڑتے ہوئے پہاڑی پر چڑھے۔ خدا کی قدرت دیکھئے، ان کے استقبال کے لئے جنت سے ایک پتھر پہلے ہی سے اتار دیا گیا ہے، وہ اٹھا لائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جونہی اس پر پاؤں رکھے اس کا سینہ نرم ہوگیا اور اس نے حضرت ابراہیم کا نقش قدم مجسم کر دیا، جوں جوں عمارت بلند

ہوتی رہتی وہ بھی خود بخود ابھرتا رہتا، پھر جب حضرت ابراہیم کو اترنا ہوتا تو وہ پست ہو جاتا۔ آج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقوشِ قدم اس پر محفوظ ہیں، اب وہ کعبہ مکرمہ سے چند گز کے فاصلہ پر مشرق کی جانب ایک خوبصورت کٹہرے میں رکھا ہے اس کو "مقامِ ابراہیم" کہتے ہیں۔

گھر کی تعمیر مکمل ہوگئی، تو حضرت ابراہیم نے بحکم خداوندی جبل ابوقبیس پر چڑھ کر لوگوں میں حج کا اعلان کر دیا، حضرت ابراہیم کی پیغمبرانہ آواز عالم اجسام کو چیرتی ہوئی عالم ارواح تک جا پہونچی، اور بے شمار روحیں پکار اٹھیں، لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبِّیْ سَعْدَیْکَ ، بس یہی روحیں جب عالم جسد میں آتی ہیں تو دولت حج سے مالا مال ہوتی ہیں، خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کی صدا سنی اور لبیک پکارا۔ آج وہی مقدس گھر ہے کہ لاکھوں افراد تمام عالم سے کھنچ کھنچا کر دیوانہ وار لبیک پکارتے ہوئے ابراہیمی لباس پہنے ہوئے پہونچتے ہیں۔ رنگ رنگ کے لوگ، مختلف نسل والے، مختلف تہذیب والے، مختلف زبان والے، مگر وہاں جا کر سب ایک ہو جاتے ہیں، اور اس کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے، زبانوں کی تفریق مٹ جاتی ہے، سب کا لباس جامۂ احرام، سب کی زبان عربی، انسانوں نے امتیازات کی جتنی حدیں تعمیر کر رکھی ہیں، وہاں ایک ایک کر کے منہدم ہو جاتی ہیں، سب بھائی بھائی معلوم ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ ایک چوکور عمارت ہے، پورب کے دکھنی گوشہ میں حجرا سود نصب ہے، یہیں سے طواف شروع ہوتا ہے، اس کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو جایئے، پھر بایاں ہاتھ خانۂ کعبہ کی سمت کر کے اتر جانب چلئے، جب پورب کے اتری کونہ پر پہونچیں گے تو داہنے ہاتھ کی جانب مقامِ ابراہیم ہے اور بائیں ہاتھ پر خانہ کعبہ کا رکن عراقی ہے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک ایک نیچی سی دیوار بیضوی شکل کی آپ کو ملے گی اس کے اندر کا حصہ "حطیم" کہلاتا ہے، یہ حصہ دراصل کعبہ مطہرہ میں شامل تھا، مگر جاہلیت میں جب خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اور اہل مکہ نے حلال آمدنی سے اس کی تعمیر کرنی چاہی تو سرمایہ کم ہو گیا، مجبوراً اتنا حصہ انھوں نے چھوڑ کر کعبہ کی عمارت مختصر کر دی، اسی لئے حطیم کو بھی طواف میں شامل کیا جاتا

ہے، اب آپ حطیم کی بیضوی دیوار کا چکر لگا کر خانہ کعبہ کے مغربی وشمالی گوشے پر آ گئے، یہ رکن شامی ہے۔

اور آگے بڑھئے تو اس کے بعد والا رکن یمانی ہے، پھر وہاں سے چل کر آپ حجر اسود پر پہونچ جائیں گے، یہ طواف کا ایک شوط ہے، حجر اسود کے بعد دوڈھائی گز کے فاصلہ پر بیت اللہ کا دروازہ ہے جو قد آدم اونچا ہے، دروازے اور حجر اسود کے درمیان کا حصہ ’’ملتزم‘‘ کہلاتا ہے، اس جگہ رسول اللہ ﷺ اس طرح چمٹ کر روئے ہیں جس طرح بچہ اپنی ماں کی آغوش میں چمٹ جاتا ہے۔ دروازہ سے دو قدم شمال میں امام کا مصلیٰ بچھتا ہے، یہ جگہ ’’حُفْرَہ‘‘ کہلاتی ہے، مشہور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام گڈھا کھود کر گارا یہیں بناتے تھے، ٹھیک دروازہ کے سامنے چند قدم پورب کی جانب زم زم کا کنواں ہے، یہ کنواں اب اوپر کہیں ظاہر نہیں ہے، صرف گول دائرہ بنا کر اس پر زم زم لکھا ہوا ہے، کنواں نیچے تہ خانہ کی شکل کی عمارت میں ہے۔ چلئے آپ کو زم زم تک پہونچا دیں، آپ دروازۂ بیت اللہ سے سیدھے پورب چلے چلئے، آپ کو قبہ نما لکڑی کی ایک عمارت ملے گی، وہیں منبر رکھا ہوا ملے گا، اسے داہنے ہاتھ پر چھوڑتے ہوئے اور آگے بڑھئے، پھر دائیں جانب مڑ کر پچھّم رُخ کھڑے ہو جایئے، ایک مرتبہ پھر کعبہ کا دیدار کر لیجئے پھر اپنے پاؤں کی طرف دیکھئے، آپ کو زینہ نیچے اترتا ہوا دکھائی دے گا، وہاں لکھا ہوا ہے ’’زم زم رجال‘‘ اس کے چند قدم جنوب میں ’’زم زم نساء‘‘ ہے، آپ زینہ سے نیچے اترتے چلے آیئے، داہنی جانب کمان نما سینے تک اونچی کئی دیواریں اور ان میں بہت سی ٹونٹیاں لگی ہوئی ملیں گی، یہ سب ٹونٹیاں زم زم کے پانی کی ہیں، ان سے گذرتے ہوئے آپ آگے بڑھ جایئے ایک عمارت شیشہ سے بند نظر آئے گی، شیشہ کے اندر دیکھئے، یہی زم زم کا کنواں ہے جو اب بالکل بند ہے، اس میں اب کئی ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں جو دن رات چلتے رہتے ہیں۔ زم زم کا نظارہ آپ نے کر لیا۔ اب پھر اوپر آ جایئے، آپ نے غور کیا، خانہ کعبہ مرکزی عمارت ہے، حجر اسود اس کے مشرقی حصہ میں ہے، ملتزم بھی مشرق میں ہے، دروازہ بیت اللہ بھی مشرق ہی کی جانب ہے،

زم زم بھی پورب ہی ہے، مقام ابراہیم بھی پورب جانب ہی ہے، امام حرم کا مصلیٰ بھی پورب جانب بچھتا ہے، صفا و مروہ بھی بجانب مشرق ہی ہیں، ذرا مکہ سے باہر نکلئے تو منیٰ بھی پورب میں ہے، مزدلفہ بھی ادھر ہی ہے، عرفات بھی پورب ہے، پھر ایک اور اُڑان بھریئے تو ہندوستان بھی پورب ہی ہے۔ ہم ہندوستانیوں کی خوش نصیبی ہے کہ جس رخ قبلہ عرفات کا ہے، مزدلفہ کا ہے، منیٰ کا ہے اسی رخ اہل ہند کا بھی ہے، عشق و محبت کی نگاہ میں یہ موافقت وجد آفریں ہے، یہ تک بندی سہی، لیکن اہل محبت سے پوچھئے کہ اس تصور میں کتنی لذت و فرحت ہے۔ ؎

بلبل ہمیں بس است کہ قافیۂ گل شود

خانہ کعبہ ایک وسیع صحن کے ٹھیک درمیان میں ہے، یہ صحن پورا سفید کیمیاوی پتھروں سے ڈھکا ہوا ہے، ان پتھروں کی خصوصیت یہ ہے کہ سورج چاہے جس شدت سے چمکے اور آگ برسائے لیکن یہ پتھر اس سے متاثر نہیں ہوتے یا بہت کم متاثر ہوتے ہیں، ورنہ مکہ مکرمہ میں جیسی گرمی پڑتی ہے دوپہر کے وقت پاؤں رکھتے ہی چھالے پڑ جاتے ہیں، لیکن یہ پتھر اللہ اکبر برائے نام گرم ہوتے ہیں، شدت کی دھوپ میں لوگ بہت اطمینان سے طواف کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، یہ صحن ’’مطاف‘‘ کہلاتا ہے، یعنی ’’طواف کرنے کی جگہ‘‘ مطاف کے چاروں طرف مسجد حرام کی لمبی چوڑی اونچی عمارت ہے، مطاف کی زمین نیچی ہے، مطاف کے آخری سرے پر ہر جگہ زینے ملیں گے، آٹھ نو زینے چڑھئے تو مسجد کے اس حصہ میں پہونچیں گے جو ترکوں کا بنوایا ہوا ہے، کسی قدر سرخی مائل پتھروں سے یہ عمارت بنائی گئی ہے، اسے ترکی حرم کہتے ہیں۔ اس کے بعد کئی زینہ اوپر چڑھئے تو سعودی حرم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہ بھی دو حصوں میں ہے، آخری حصہ جو باہر کی جانب سے پہلا حصہ ہے وہ کسی قدر اونچا ہے، پھر کئی زینہ اوپر چڑھ کر دروازہ میں پہونچے گا، باہر نکل کر دو تین زینہ نیچے سڑک ہے۔ مسجد حرام میں داخل ہونے کے لئے بہت سے دروازے ہیں اور ہر ایک کے علیحدہ نام ہیں، لیکن تین پھاٹک بڑے بڑے ہیں۔ صدر دروازہ باب الملک عبدالعزیز ہے، یہ دروازہ

رکن یمانی کے بالمقابل واقع ہے، اس کے سامنے ایک کھمبے کے اوپر پتھر کا مصحف بنا ہوا ہے، جس میں ایک ترازو لٹکی ہوئی ہے، سنا ہے کہ مجرمین کو سزا یہیں دی جاتی ہے، ہمارے سامنے سزا کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ باب عبدالعزیز کے سامنے آپ کھڑے ہوں، پھر بائیں ہاتھ کی جانب چلیں تو بہت سے چھوٹے چھوٹے دروازے آپ کو ملتے رہیں گے۔ باب ام ہانی، باب الوداع، باب ابوبکر الصدیق، باب ابراہیم، باب الشبیکہ، اب سب کے نام کہاں یاد، سفرنامہ لکھنے کا پہلے سے کوئی ارادہ تو تھا نہیں کہ ناموں کو محفوظ رکھنے کی کوئی تدبیر کی جاتی۔ ان دروازوں کو آپ چھوڑتے ہوئے اور آگے بڑھئے تو دوسرا بڑا گیٹ ملے گا اس کا نام باب العمرہ ہے، اس سے اگر آپ حرم میں داخل ہوں تو کعبہ مطہرہ کا رکن شامی آپ کے سامنے ہوگا۔ اس گیٹ سے آگے بڑھئے، پھر چھوٹے چھوٹے دروازے آپ کو ملتے چلے جائیں گے۔ باب الندوہ، باب القدس، باب الشامیہ وغیرہ، پھر آپ کو تیسرا بڑا گیٹ نظر آئے گا یہ باب الفتح ہے۔ اس سے اگر آپ حرم میں داخل ہوں تو کعبہ مقدسہ کا رکن عراقی سامنے آئے گا، اور آگے بڑھئے تو مروہ نامی پہاڑی ہے جو اب مسجد حرام کے اندر آ گئی ہے، اسی طرح اگر باب الملک عبدالعزیز سے دائیں جانب چلئے تو صفا نامی پہاڑی ملے گی، اب وہ بھی حرم کے اندر ہے، صفا اور مروہ وہ پہاڑیاں ہیں جہاں حضرت ہاجرہ کی یادگار قائم ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے لخت جگر اسمٰعیل اور راحت جان ہاجرہ کو صفا کے دامن میں اتارا تھا تو ساتھ میں پانی کا ایک مشکیزہ تھا اور کھجوروں کی ایک تھیلی تھی، اس بے آب وگیاہ اور گرم ترین وادی میں یہ پانی اور کھجوریں کتنے دن کام آتیں، پانی ختم ہوگیا، کھلے آسمان کے نیچے جہاں سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ چمک رہا تھا اور آس پاس کی پہاڑیاں شعلہ اگل رہی تھیں، ماں اور بیٹے دونوں پیاس سے بلبلا اٹھے۔ ماں اپنی جان کو تو صبر کر سکتی تھی لیکن ننھا منا بچہ جو اپنی پیاس اور تکلیف کا اظہار بھی نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ سوکھی زبان باہر نکال دے اور ہاتھ پاؤں پٹکتا رہے، ماں کا کلیجہ منہ کو آ گیا، ان خشک پہاڑیوں کے درمیان پانی کا کوئی قطرہ چشم فلک نے نہیں دیکھا، ہاجرہ بیچاری کیا دیکھتیں، لیکن نبی کی تربیت یافتہ تھیں، مایوسی کے

نام سے آشنا نہ تھیں، دوڑ کر صفا کی بلندی پر گئیں، شاید کوئی بھولا بھٹکا قافلہ نظر آجائے تو بچے کی جان بچ جائے گی، پہاڑی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر نگاہ کی، مگر وہاں کوئی قافلہ کہاں، صرف خوفناک اور مہیب پہاڑیاں سینہ تانے کھڑی تھیں، بچہ کو ایسی جگہ لٹا رکھا تھا کہ پہاڑی پر چڑھ کر اس کا معصوم چہرہ نظر آتا رہے، جب صفا پر امید کی کوئی کرن نہیں جھلکی تو بچہ پر نگاہ جمائے نیچے اترنا شروع کیا، قدرے تیز روی کے ساتھ اتر رہی ہیں، جب ذرا نشیب میں پہونچیں تو بچہ کا چہرہ اوجھل ہوگیا، بے قراری میں دوڑ پڑیں اور پھر مروہ کی بلندی پر آئیں تو بچہ کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ لیا اور دوڑنا بند کر دیا اور مروہ پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں، جب یہاں بھی امید کی روشنی نہیں محسوس ہوئی تو پھر اسی طرح صفا پر پہونچی، غرض بے قراری اور بے تابی میں انھوں نے سات چکر لگائے، اللہ اللہ! آج مسطح زمین ہے، چکنا فرش ہے، اونچی چھت ہے، اس میں لاتعداد پنکھے چل رہے ہیں لیکن سعی کرنے والے سات چکر میں تھک جاتے ہیں، حضرت ہاجرہ کھلے آسمان کے نیچے دھوپ کی تپش میں او بڑ کھابڑ نشیب و فراز میں دوڑتی رہیں ،کیسی کچھ مشقت اٹھائی ہوگی اور تن تنہا ایک طرف بچے کی پیاس سے تڑپتی ہوئی جان دوسری طرف خود بھوک اور پیاس کی ماری ہوئی پھر مسلسل دوڑنا، رحمت پروردگار کو جوش آگیا، جبرئیل امین نازل ہوئے اور جہاں اسمٰعیل پاؤں پٹک رہے تھے، وہاں انھوں نے اپنا پر مارا اور پانی کی دھار بہہ نکلی۔ اس خشک اور چٹیل زمین کے جگر میں پانی کہاں، اوّل تو یہاں بارش کا نام و نشان نہیں اور ہوتی تو بھی سورج کی آتشیں حرارت اسے کب باقی رہنے دے سکتی ہے، پھر یہ پانی ابلا کہاں سے، کیونکر یہ چشمہ پھوٹا؟ یقیناً اس کا تعلق جنت سے ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ٹیوب ویل رات دن چلتے رہتے ہیں، لیکن اس کا پانی ختم ہونا کیا معنی کم بھی نہیں ہوتا، بی بی ہاجرہ کی نگاہ جونہی اس پانی پر پڑی، دوڑتی ہوئی آئیں اور مینڈ بنا کر اسے گھیر دیا کہ کہیں بہہ کر ضائع نہ ہوجائے، ان کے صاحبزادۂ مکرم، پیغمبر اعظم، رسول اکرم روحی فداہ فرماتے ہیں کہ اگر اماں جان نے اسے مینڈوں کے حصار میں محصور نہ کر دیا ہوتا تو آج وہ بڑا چشمہ ہوتا، یہی کنواں آج زم زم کہلاتا ہے۔ اب صفا و مروہ کی پہاڑیاں صرف چند پتھروں اور

چٹانوں کی صورت میں باقی ہیں، اور یہ دونوں مسجد حرام کا جزو بن چکی ہیں، دونوں کے درمیان دورویہ راستہ بنادیا گیا ہے، ایک صفا سے مروہ کی طرف جانے کے لئے، اور ایک مروہ سے صفا کی طرف آنے کیلئے، اور راستہ کے بیچوں بیچ ایک اور دورویہ راستہ نیچی دیواروں کے حصار میں بنادیا گیا ہے، یہ ان معذورین کے لئے ہے جو چل نہیں سکتے، انھیں چھوٹی سی کرسی نما گاڑیوں (وہیل چیر) پر بیٹھا کر سعی کرائی جاتی ہے، پورے سال میں عمرہ کرنے والے اور حج کے موسم میں لاکھوں حجاج حضرت ہاجرہ کے اس اضطراری عمل کو دہرا کر جہاں انھیں خراجِ عقیدے پیش کرتے ہیں، وہیں اپنی سعادت کا سامان کرتے ہیں۔

نہ حضرت ہاجرہ جیسی قربانی کسی نے دی ہوگی اور نہ ان کے جیسا خراجِ عقیدت کسی نے وصول کیا ہوگا، صفا و مروہ کے درمیان بھی آپ کو بہت سے چھوٹے چھوٹے دروازے ملیں گے۔ باب بنی عباس، باب النبی، باب السلام، باب بنی شیبہ وغیرہ۔ آپ نے مسجد حرام کی ایک ناتمام سیر کرلی۔

اب آیئے چند چیزیں اور آپ کو دکھائیں، باب عبدالعزیز سے بائیں ہاتھ چلئے، تھوڑی دور چل کر آپ کو نیچے اترتا ہوا زینہ ملے گا، اس سے آپ نیچے اتر جایئے تو آپ کو ایک بہت طویل ہال ملے گا، یہ تہ خانہ ہے جو سعودی حرم کے نیچے تعمیر ہوا ہے، نہایت عمدہ قسم کے قالین یہاں بچھے ہوتے ہیں، حج کے موسم میں یہ حصہ نمازیوں سے بھرا رہتا ہے، تہ خانہ کا سلسلہ غالبًا باب عبدالعزیز سے لیکر باب عمرہ تک پھیلا ہوا ہے، عام زمانے میں اس میں تحفیظ القرآن کے مدرسے چلتے ہیں۔

اب باب عبدالعزیز سے اندر آجایئے، دائیں اور بائیں دونوں جانب آپ کو زینے ملیں گے، ان سے اوپر آجایئے، یہ حرم کی دوسری منزل ہے، ہجوم کے زمانے میں اس پر بھی طواف ہوتا ہے، لیکن اس پر فاصلہ بڑا طویل ہوجاتا ہے، دوسری منزل صرف سعودی حرم کے اوپر ہے، ترکی حرم پر دوسری منزل نہیں ہے۔

آپ حرم سے باہر آجایئے، اور باب العمرہ سے ذرا اور بائیں جانب بڑھ آیئے،

یہاں مسجد سے علیٰحدہ ایک بڑا پھاٹک ملے گا، اس میں داخل ہو جائیں، تو لوہے کے دو خودکار زینے ملیں گے، اس زینہ پر کھڑے ہو جایئے، وہ آپ کو درجہ بدرجہ تیسری منزل پر پہونچادے گا۔ تیسری منزل کھلی چھت ہے، حج کے زمانے میں مغرب عشاء اور فجر میں بہت سے لوگ یہاں بھی دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں بھی وہی پتھر لگے ہوئے ہیں جو مطاف میں آپ دیکھ چکے ہیں، ایسے خودکار زینے باب الصفا کے پاس بھی ہیں، اور باب الفتح کے پاس ابھی اس کی تعمیر کا کام چل رہا ہے۔

لیجئے آپ نے مسجد حرام کی ایک اجمالی سیر کر لی، میں جب پہلے پہل مسجد حرام میں داخل ہوا اور کعبہ مقدسہ پر نظر پڑی تو باوجودیکہ وہ سب سے زیادہ نشیبی زمین پر واقع ہے، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس کی بلندی تین منزلہ عمارت سے زیادہ ہے، یہ محسوس کر کے مجھے قلبی فرحت حاصل ہوئی، اور دل کی زبان سے میں نے کعبہ کے معماروں کو داد دی کہ انھوں نے ابتداء ہی سے اسے ایسا بنا رکھا ہے کہ اونچی سے اونچی عمارت اس سے نیچی رہے، یہ کمال حسن ادب ہے، حج سے پہلے ہر روز اسے دیکھتا اور غور کرتا، اور خوشی و فرحت میں اضافہ ہوتا رہتا۔ میں کسی بھی مسجد کی چھت پر بغیر کسی مجبوری کے نہیں چڑھتا، کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے، مگر جب تک گنجائش رہتی ہے میرا ذوق چھت پر چڑھنے سے ابا کرتا ہے، ایک دن ذرا تاخیر سے نماز کے لئے پہونچا تو پہلی منزل بھر چکی تھی، میں تیسری منزل پر جا پہونچا، وہاں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حقیقۃً خانہ کعبہ کی عمارت اتنی اونچی نہیں ہے جتنی نیچے سے محسوس ہوتی ہے، اس کی بلندی ایک اوسط بلندی ہے، بعد میں کسی کتاب میں دیکھا تو پتہ چلا کہ ۱۵ر میٹر بلندی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ نبی اکرم ﷺ متوسط قد کے تھے، مگر جب لوگوں کے درمیان ہوتے تو سب سے زیادہ اونچے دکھائی دیتے، اسی طرح آپ کی بینیٔ مبارک بھی متوسط تھی، مگر اس پر ایسا نور چمکتا تھا کہ وہ معمول سے زیادہ بلند دکھائی دیتی، کچھ اسی طرح کا نقشہ کعبہ مقدسہ میں نظر آیا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْھَا شَرَفاً وَّ کَرَامَةً

☆☆☆☆☆

اب کام ہی کیا تھا بجز اس کے کہ مسجد حرام میں خدا کے سامنے حاضری دی جائے ، انھیں حالِ دل سنایا جائے ، مناجاتیں ہوں ، اپنا دکھڑا روتے رہیں، طواف کریں ، نمازیں پڑھیں ، طواف کرنے والوں کو دیکھتے رہیں ، دعائیں کریں، اپنے لئے ، اقربا کے لئے ، والدین کے لئے ، دوستوں کے لئے ، ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ، پوری امت مسلمہ کے لئے ، اور جس جس مقصد کے لئے یاد آئے ۔

میں جسمانی محنت کے لحاظ سے بچپن ہی سے کاہل اور کام چور واقع واہوں، خلقۃً بدن کمزور ہے، اور اس پر سستی اور نکما پن مستزاد! طبیعت کا ایک رنگ ہے کہ ایک جگہ پڑے پڑھتے رہو یا لکھتے رہو، لیکن ہلنا نہ پڑے! اسی لئے اصحابِ عزیمت کی صحبت سے ہمیشہ گھبراتا ہوں کہ ان کی عزیمت دیکھ کر اپنے وجود سے نفرت ہونے لگتی ہے، اور اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے ، اور اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پاتا کہ ان کی پیروی کرسکوں ، کاہلوں اور اصحابِ رخصت کے پاس خوب جی لگتا ہے، سفر شروع کرنے سے پہلے اور راستے میں اپنے نفس کو خوب سمجھایا تھا کہ خدا کے گھر میں کاہلی اور بے حوصلگی کا نام نہ لینا ، وہاں دن رات ایک کر کے خدمت میں کمر بستہ رہنا اور طواف وہاں کی خاص عبادت ہے جو کہیں اور ادا نہیں کی جاسکتی، اس لئے اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہونی چاہئے ۔ نفس بڑا چالاک ہے، خوب تسلی دیتا رہا کہ بھلا اس حاضری کو گنوایا جائے گا ، مدتوں کے بعد نخل آرزو میں ثمر آیا ہے، اب اس وقت کاہلی وکسلمندی سے کام لوں ، تو تُف ہے مجھ پر ، میں مطمئن تھا کہ یہاں نفس نے علم اور شریعت کے ساتھ موافقت کر لی ہے ، پھر تو طواف وعبادت کے منصوبے خوب بنے ۔ یوں کرنا ہے ، یوں جاگنا ہے ، اوقات کی ترتیب یوں ہوگی ، دعائیں اس طرح کی جائیں گی وغیرہ وغیرہ ، لیکن جب منزل پر پہونچ گیا اور وقت آیا کہ گلہائے سعادت سے دامن آرزو بھرے تو پرانی آنا کانی شروع ہوگئی ، طواف میں ہجوم بہت ہوتا ہے، مرد وزن کا اختلاط رہتا ہے ، ابھی حج کرنا باقی ہے ، طواف کی سرگرمیوں میں اگر تعب زیادہ ہوگیا تو ارکانِ حج کی ادائیگی میں خلل ہوگا ۔ یہی حیلے بہانے سمجھا سمجھا کر نفس کاہلی کرتا رہا ، میں ٹھہرا ناتجربہ کار!

خوب دھوکہ کھایا، حج کے پہلے کا وقت یونہی فریب نفس میں گذر گیا، البتہ مسجد حرام میں بیٹھ کر اہل ہمت کا نظارہ خوب کرتا رہا، اور اسی کو کارِ ثواب سمجھتا رہا۔ علاوہ جماعت کے وقت کے دن رات طواف کا سیل رواں جاری رہتا۔ ایک عالم کا عالم پروانوں کی طرح شمع حرم کے گرد ٹوٹا پڑتا، ملک ملک کے لوگ مختلف زبانوں والے، مختلف رنگوں والے، مختلف قد وقامت والے، الگ الگ ناک نقشے والے، سب ایک دھن میں مست۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عشق الٰہی کی آگ سب کے سینوں میں بھڑک رہی ہے اور لوگ دیوانہ وار اپنے محبوب حقیقی کو پکارے جارہے ہیں، ہر وقت ایک شور بپا رہتا، سب کی پکار مختلف تھی، مگر جذبہ ایک تھا۔

انسانوں کا سیلاب بہتا رہتا اور زبانوں پر دعاؤں کے زمزمے گونجتے رہتے، میں کبھی اس سیلاب کا جزو بن جاتا، اور کبھی الگ کھڑا تماشائی بنا رہتا، میں بھی کوشش کرتا کہ دعاء کروں، خدا کی حمد بیان کروں، تسبیح وتہلیل سے روح کو تازہ کروں، مگر دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی اور زبان بند ہوجاتی ؎

یہ جو اک چیز دل کی دھڑکن ہے ان سے کچھ کہنے ہی نہیں دیتی

زبان خاموش ہوجاتی، اور دل محو گفتگو ہوجاتا، نہ جانے وہ اپنی زبانِ بے زبانی سے کیا کیا کہہ جاتا، اسے نہ کوئی گفتگو کہہ سکتے نہ خموشی، ہاں ایک شعر سامنے آگیا ؎

عالم جبر واختیار دیکھ لیا حضور یار
بات بھی کرسکے نہ ہم چپ بھی نہیں رہا گیا

بارہا ایسا ہوا کہ طواف کے ساتوں چکر پورے کرلئے اور لب ایک مرتبہ بھی نہ ہل سکے، نہ جانے کیوں مہر سکوت لگ جاتی، اور بعض اوقات یوں بھی ہوا کہ ادھر طواف شروع کیا اور ادھر کسی عاشق مستانہ کے نعرۂ قلندرانہ نے اپنی طرف متوجہ کرلیا، اب میں ہوں اور اس کی دعائیں، اور میری زبان پر آمین کی صدائیں، اپنی دعاء سے زیادہ پسند مجھے دوسروں کی دعائیں آتیں، میں ان دعاؤں کو سن کر بیخود ہوجاتا، مجھے ان عشاق کے حال پر بڑا رشک آتا، میں سوچتا کاش مجھے بھی پروانوں جیسی کیفیت حاصل ہوجاتی، کیسے کیسے اللہ کے بندے

کس کس طرح فدا کارانہ چکر لگاتے، بے تحاشا آنسو بہاتے، کس کس طرح شوق و آرزو سے کعبہ مقدسہ پر نگاہیں جمائے رہتے، کیسی کیسی دعائیں کرتے، حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بے تاب رہتے، ملتزم پر پہونچنے کیلئے بے قرار رہتے، اور جس کو یہ سعادت میسر ہو جاتی وہ اپنی قسمت پر کس کس طرح ناز کرتا، مرد تو مرد ہیں، عورتیں کیسا دیوانہ وار گرد و پیش سے بے خبر محو طواف رہتیں۔ میں ایک ایک منظر دیکھتا اور اپنے کو کوستا رہتا، جب اپنی ملامت گری سے عاجز آجاتا تو اپنے رب سے بصد شرمندگی عرض کرتا، کہ پروردگار آپ کے لاکھوں بندے آج آپ کے گھر حاضر ہیں، ان میں سے ہر ہر فرد اپنے اندر عشق و محبت کا سرمایہ رکھتا ہے، لیکن تیرا یہ بندہ اس سے بالکل خالی اور عاری محسوس ہوتا ہے۔ اے پروردگار! اپنے ان عشاق کے طفیل محبت کا کوئی ذرہ اس کو نصیب فرمادے۔ کہتے ہیں کہ ان کے در سے کوئی محروم واپس نہیں کیا جاتا، میں بھی ایک چیز مانگ آیا ہوں اور حصول کا منتظر ہوں، سفر نامہ پڑھنے والے بھی اگر دعا کا سہارا دیدیں تو شاید قبول ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

جس دن ہم لوگ مکہ مکرمہ پہونچے ہیں، اسی دن کا قصہ ہے، میں اور حافظ نسیم الحق جھپٹے ہوئے ظہر کی نماز کے لئے جارہے تھے کہ ہم سے آگے ایک صاحب جاتے ہوئے نظر آئے، پستہ قد، کرتا پاجامہ پہنے ہوئے، کسی قدر تیز قدموں سے چلتے ہوئے، میں نے کہا یہ ہاشمی صاحب جارہے ہیں؟ مجھے معلوم تھا کہ مشہور قومی رہنما مولانا سیّد احمد ہاشمی صاحب اس سال حج کے لئے تشریف لائے ہیں، آگے بڑھ کر ملاقات کی، بہت مسرور ہوئے، خیریت پوچھتے رہے، حرم میں جاکر ساتھ ہی نماز ادا کی، نماز کے بعد اپنی رہائش گاہ دکھائی، حرم کے سامنے بالکل حرم کے قریب فندق الفتح میں ان کا قیام ہے۔ ہاشمی صاحب بڑے صاحب دل، خدمت گزار اور بے تکلف آدمی ہیں، انھوں نے کہا کہ کسی وقت چل کر آپ کی قیام گاہ دیکھوں گا، تاکہ کسی وقت بھی ملنے کی ضرورت ہو تو سہولت رہے، چنانچہ دوسرے وقت آکر ہماری قیام گاہ بھی دیکھ لی اور اس کی بہت تحسین کی۔ ان کی باتوں سے ہمیں بہت اطمینان

ہوا، پھر ہم تو بارہا ہاشمی صاحب کی قیام گاہ پر گئے، مولانا ہاشمی نے بتایا کہ مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری جو رمضان میں عمرہ کی غرض سے آئے تھے وہ حج کے لئے رک گئے ہیں، یہیں آکر سوتے ہیں، چنانچہ کسی وقت ان سے بھی ملاقات ہوگئی، پھر وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

☆☆☆☆☆

مکہ مکرمہ میں دو دن گذرے تھے۔ میں اپنی قیام گاہ پر تھا کہ اچانک ایک زمزمہ دار آواز گونجی **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ** ارے یہ تو حاجی رضوان صاحب ہیں، بمبئی والے، عطر کے تاجر! جی ہم بھی آپ کے زیر سایہ ہیں، یہ کہتے کہتے حاجی صاحب اپنے زبردست تن و توش کے ساتھ معانقہ کے لئے لپٹ پڑے، اور میری سانس نیچے کی نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ حاجی رضوان صاحب سے سرسری تعارف بہت پہلے سے حاصل ہے، موصوف حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب کے عاشق زار مرید اور عطریات کے ایک بڑے تاجر ہیں۔ مدرسہ پر اکثر تشریف لاتے ہیں۔ سنا تھا کہ دسترخوان ان کا بہت وسیع ہے، اور کھلانے والا ہاتھ بہت پھرتیلا ہے، مہمان ہاں ہاں کرتا ہی رہتا ہے اور ان کا ہاتھ خالی ہوتی ہوئی پلیٹ بھر دیتا ہے، حتیٰ کہ بے تکلف مہمانوں کو پلیٹ لے کر بھاگنا پڑتا ہے۔ یہ صرف شنیدہ تھا، مگر جب دیدہ کا سابقہ پڑا تو شنیدہ سے کہیں بڑھ کر! دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا بھی دوست، عجیب وغریب قلندرانہ صفات کا حامل! نہایت بے تکلف اور بے حد متواضع، لحیم شحیم اتنا کہ کوئی ثانی نظر نہ آئے، اور چاق چوبند اور پھرتیلا بھی اتنا کہ نظیر نہ ملے۔ چھپا کر خرچ کرنے کا اتنا ماہر کہ ناواقف بخیل سمجھے اور واقف کار انگشت بدنداں رہ جائے۔ خدمت گزار اتنا کہ ہر کس و ناکس کی خدمت کے لئے حاضر! مہمان نواز ایسا کہ خواہ مخواہ بھی مہمان بننے کا جی چاہنے لگے، اور دسترخوان پر بیٹھ جایئے تو دعا کرنے لگئے کہ یا اللہ کئی پیٹ اور کئی منھ دیئے ہوتے، تاکہ اس میزبان کی تسکین ہوجاتی! ہر نیکی میں سب سے آگے، ہر خدمت میں سب سے پیش پیش، دعائیں لینے کے اتنے راستے معلوم کہ پڑھے لکھوں کا علم متحیر رہ جائے۔ اپنے کو چھوٹے سے چھوٹا بنائے ہوئے جو عین

دلیل ہے بڑائی کی۔ پورے ایام حج کی رفاقت رہی، بشری کمزوریوں سے کون ماوراء ہوتا ہے، مگر حاجی رضوان صاحب خوب ہی نہیں خوب تر آدمی ہیں، اس سفرنامہ میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ آئے گا۔

ہم لوگ اب تک کھانا ہوٹل میں کھاتے تھے، جو علاوہ گراں ہونے کے ہم جیسے لوگوں کیلئے تکلیف اور تکلف سے خالی نہ تھا۔ حاجی رضوان صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ کھانا ان کے ساتھ کھایا جائے، ان کے کمرے میں کچھ لوگ سورت کے تھے اپنی مستورات کے ساتھ! کھانا پکانے کا انتظام ان مستورات نے نہایت خوشدلی کے ساتھ اپنے ذمہ لیا، اور اخراجات کا بار حاجی رضوان صاحب پر اور مفت کی دعوت ہم لوگوں کی! مجھے قبول کرنے میں تامل تھا، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ حاجی صاحب کے منصوبے سے انحراف کرنا مجھ جیسے کمزوروں کا کیا ذکر، اچھے اچھے شہ زوروں کے بس کا نہیں، البتہ میں نے اپنے واسطے اتنی ترمیم کرالی کہ دوپہر کا کھانا میرا حذف! کیونکہ ایک خاص مصلحت سے یہ طے کرلیا تھا کہ دوپہر میں کھانا نہیں کھانا ہے، صرف زم زم پینا ہے، البتہ رات کے کھانے پر حاضر ہو جاؤں گا اور ناشتہ غیر منتظم! چنانچہ پھر یہی دستور چل پڑا، البتہ کبھی دوپہر میں حاجی رضوان کے ہتھے چڑھ گیا تو کچھ بنائے نہ بنتی، اور ایسا جمعہ کو ہوتا۔

ان ملاقاتوں کے بعد مجھے جستجو ہوئی اپنے عزیز دوست اور ہم وطن مولانا ظفر احمد کی، جو عرصہ سے مکہ معظّمہ میں بسلسلہ حصولِ تعلیم مقیم ہیں، معلوم ہوا کہ ہندوستانی دواخانہ میں ملاقات ہوگی۔ باب عبدالعزیز سے نکلئے اور سامنے بڑھتے چلے جایئے تو ذرا سا دائیں جانب ہٹ کر ایک سڑک مکہ مکرمہ کے علاقہ مسفلہ کی جانب جاتی ہوئی ملے گی، اسی پر آگے بڑھتے ہوئے چلے جایئے جہاں سے اس سڑک کو دو حصہ ہوتے ہوئے پائیں وہیں بائیں طرف دیکھئے تو ہندوستانی دواخانہ کا بورڈ لگا ہوا ملے گا، ہمیں معلوم ہوا کہ بعد نماز مغرب مولانا ظفر احمد وہاں ملیں گے۔ اس وقت مسجد حرام سے نکلنا میرے لئے بڑا شاق تھا، کیونکہ وہاں مغرب اور عشاء کے درمیان صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا فصل ہوتا ہے، مغرب کے بعد کچھ وقت

نوافل میں گذرتا ہے، اور پھر عشاء کی اذان سے کافی پہلے مسجد حرام میں آجانا ضروری ہے، ورنہ حرم میں جگہ ملنی مشکل ہو جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں کی رعایت کرنے کے بعد اتنا وقت کہاں کہ حرم سے باہر آیئے، ہندوستانی دواخانہ جایئے، مولوی ظفر احمد کو تلاش کیجئے، اور پھر ملاقات کر کے حرم آیئے، لیکن ملاقات ضروری تھی۔ ایک روز مغرب کی فرض اور سنت پڑھ کر ہم دونوں نکل کھڑے ہوئے، ہندوستانی دواخانہ پہونچے تو ایک صاحب نے بہت ادب سے سلام کیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گھوسی کے مولوی محمد قاسم صاحب ہیں، شناسا نکلے۔ مولوی ظفر احمد کا پتہ دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تھے، اب جا چکے ہیں، ہم کو پریشانی ہوئی، لیکن انھوں نے تلاش کی مہم جاری رکھی اور بارے مولوی ظفر احمد وہیں مل گئے، پھر تو خوب ملاقات رہی، انھیں میرے متعلق علم نہ تھا کہ میں بھی حج کے لئے آرہا ہوں، وہ اس غیر متوقع ملاقات پر بہت مسرور ہوئے۔ وہیں ہماری قریبی بستی ابراہیم پور کے مولوی حفظ الرحمٰن بھی جامۂ احرام میں مل گئے، جو ابھی ابھی مدینہ طیبہ سے آئے تھے، انھوں نے جامعہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں آج کل بھی مقیم ہیں۔ ان لوگوں سے مل ملا کر بھاگے ہوئے مسجد حرام پہونچے تو اندر جگہ پُر ہو چکی تھی، باہر نماز پڑھنی پڑی۔

☆☆☆☆☆

میں نے مولوی ظفر احمد سے دریافت کیا کہ خیرآباد کے حاجی عبدالرحمٰن صاحب پانی کے جہاز سے آئے ہیں، آپ سے ملاقات ہوئی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ابھی وہ مدینہ شریف گئے ہوئے ہیں، ہمیں ان کی جستجو تھی۔ یہاں تک قلم پہونچا ہے، اب عقل اور دل نیز احسان اور محبت ہر ایک کا تقاضا ہے کہ چند سطریں ان کے تعارف کی نذر کی جائیں، گو کہ انھیں یہ مختصر سا تذکرہ بھی ناگوار ہوگا۔

حاجی عبدالرحمٰن صاحب میرے گاؤں بھیرہ سے قریبی بستی خیرآباد کے رہنے والے ہیں۔ باوجود قرب مکانی کے آج سے بارہ تیرہ سال پہلے تک مجھ سے شناسائی نہ تھی۔ میری ان سے پہلی ملاقات الہ آباد میں مولانا عبدالرب صاحب کے واسطے سے ہوئی، میں

اور مولانا موصوف الہ آباد خانقاہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ میں مدرس تھے، اور حاجی صاحب ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کیلئے آئے تھے، وہیں پہلی ملاقات ہوئی۔ دلوں میں محبت اور اُنس کا بیج پڑا، پھر رفتہ رفتہ پودا لگا۔ اور بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا، پھر ان کی طرف سے محبت و اکرام کے ساتھ لطف و احسان کی بارش ہونے لگی، اور میں اس میں نہا نہا گیا، ان کے واسطے سے ان کے پورے خاندان سے تعلق ہوا۔ میرے حج کی تحریک اصالتاً انھیں نے کی، اور اس میں برابر کا حصہ ان کے فرزند فیض الحق سلّمہٗ کا بھی ہے، جو ایک نہایت مستعد کارگزار اور مخلص خدمت گار ہیں، اگر یہ باپ بیٹے اور ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو نظر بظاہر مجھے یہ سفر سعادت نصیب ہونا مشکل تھا۔ منصوبہ تو یہ تھا کہ پانی کے جہاز سے حج کا فارم ایک ساتھ پانچ افراد کا بھرا جائے۔ حاجی عبد الرحمٰن اور ان کی اہلیہ محترمہ، حاجی محمد یٰسین اور ان کی اہلیہ، اور پانچوں سواروں میں پانچواں یہ حقیر و بے مایہ! لیکن کہاں ایسا ہو سکا، آپ ابتدائی سطروں میں پڑھ آئے ہیں کہ میں عین فارم بھرے جانے کے وقت بمبئی میں آوارہ گردی کر رہا تھا، وقت کی تنگی کے خیال سے ان چاروں حضرات نے فارم بھر دیئے، اور حرماں نصیب اپنے نصیبہ پر روتا رہ گیا۔

چار افراد کا یہ قافلہ تو پہلے ہی پانی کے جہاز سے پہونچ گیا تھا، پانچواں سوار پیچھے رہ گیا تو اُڑ کر دیارِ مقدس پہونچا۔ حاجی صاحب جن اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں، ان کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، لیکن ان کی ناگواری کا اندیشہ ہے جو مجھے کسی طرح کا گوارہ نہیں ہے۔

دوسرے روز حاجی صاحب حرم شریف میں نظر آ گئے، بڑی محبت سے ملے، انھیں دیکھ کر جیسی مسرت ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ خیریت پوچھی، خیریت بتائی، قیام کہاں ہے؟ جواب ملا کہ حرم سے کافی دور مسفلہ کے علاقہ میں ہے، وہاں سے پندرہ منٹ کی مسافت پر ہے، افسوس ہوا۔ حاجی صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ قیام چاہے جہاں ہو مگر کھانا پینا ساتھ ہو، لیکن ان کی قیام گاہ حرم شریف سے اتنی دور تھی کہ کھانے کے لئے دو وقت وہاں جانا بہت دقت

طلب امر تھا، اور ادھر حاجی رضوان اللہ صاحب کی سرپرستی میں بہتر نظم ہو چکا تھا، اس لئے معذرت کی گئی، البتہ یہ طے ہوا کہ اشراق کے بعد اگر ملاقات رہے تو ساتھ میں جا کر ناشتہ کرلیا کریں گے، چنانچہ روزانہ تو نہیں مگر اکثر اس پر عمل ہو جایا کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆

سفرنامہ کے پڑھنے والے دل ہی دل میں جھنجھلاتے ہوں گے کہ حرم کے تذکرہ میں یہ ملاقاتوں کا قصہ کیا چھڑ گیا، آخر ان ملاقاتوں سے ہمیں کیا حاصل؟ لیکن وہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ سفرنامہ لکھنے والا بھی ضروریات وخواہشات کا پتلہ، ایک بشر ہی ہے، جو مکہ مکرمہ جیسی مقدس سرزمین پر پہونچ کر بھی اپنے ارادوں اور تعلقات سے دستبردار نہیں ہو سکا۔ ہونا تو یہی چاہئے کہ اس بلدۂ مقدسہ میں پہونچ کر ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے خواہشات اور ارادوں کو فنا کر کے کعبہ کی دید وزیارت میں محو رہے۔ نمازیں پڑھے، گریہ وزاری میں لگا رہے، اپنے اور سب کے رب کو منانے کی کوشش کرے۔ یہ کیا کہ کبھی ان سے ملاقات اور کبھی ان کی زیارت! ملاقاتوں کے لئے سارا جہان پڑا ہے، کم از کم اس جگہ تو مخلوق سے تعلق کم ہو اور خالق سے رابطہ بڑھے۔ اگر یہاں بھی تعلق مع اللہ اور اُنس باللہ کی دولت حاصل نہ ہوئی تو کیوں اتنی مشقت اٹھائی گئی، کس لئے اتنا روپیہ صرف کیا گیا، وطن اور وطن کی راحتیں ترک کرنے کا کیا حاصل؟ لیکن آہ! غفلت وسرکشی کا مارا ہوا انسان، فریب نفس کا شکار، دنیا اور لذاتِ دنیا میں گرفتار، بے ہودگیوں اور گندگیوں میں لت پت، طہارت ونظافت کے سمندر کے پاس بھی جا کر جوں کا توں رہا، رحمت کا بحر بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اور ایک آلودۂ نجاست کنارے کھڑا اپنے اوپر افسوس کر رہا ہے، ارے ناداں! جب تو اپنے اندر کوئی صلاحیت نہیں پاتا، اور فریب غفلت سے چھٹکارے کی کوئی سبیل تجھے نظر نہیں آتی، اپنی غلطیوں اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تو درماندہ ہو رہا ہے، تو کیوں نہیں دامن تھام لیتا کسی ایسے بندے کا جو اپنی قوت باطنی اور ہمت قلبی سے تیری چارہ جوئی کرے۔ کیوں نہیں ڈھونڈ لیتا کسی ایسے مقرب غلام بارگاہ کو جس کے پیچھے پیچھے تیری بھی اس آستانِ پاک تک رسائی

ہو جائے۔ اللہ کے اس مقدس گھر میں کیا اللہ والے نہ ہوں گے، یہاں نہ ہوں گے تو کہاں ہوں گے؟ لیکن مجھ جیسے کور بخت اور نامہ سیاہ کو کوئی ملے بھی تو! ایک پناہ گاہ تلاش تو کر رکھی ہے، ایک اللہ والے نے اپنی مہربانی سے اپنے دامن کرم میں جگہ تو دے رکھی ہے، مگر معلوم نہیں کہ وہ آئے ہیں یا نہیں؟ اگر آئے بھی ہوں تو انسانوں کے اس بیکراں جنگل میں کہاں تلاش کروں۔ دوستوں سے کہہ آیا، سفارت خانہ میں پوچھ آیا، انھیں کراچی سے آنا ہے، کراچی والوں سے پوچھ دیکھا، حرم میں دعا کرلی، مگر یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ تشریف لائیں گے بھی یا نہیں؟ رمضان سے قبل کراچی سے انھوں نے لکھا تھا کہ اس سال حج کا ارادہ نہیں ہے، مگر عید کے بعد کسی سے معلوم ہوا تھا کہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے نہیں آسکے تھے، اس لئے دل اندر سے بار بار کہہ رہا تھا کہ حج میں ضرور تشریف لائیں گے اور ملاقات ہوکر رہے گی۔

حاجی رضوان صاحب جو بزرگوں کی ملاقات کے بڑے حریص اور اہل دل حضرات کے سلسلے میں بڑی معلومات کے حامل ہیں۔ ایک دن آئے اور کہنے لگے کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ کراچی سے تشریف آج ہی لے آئے ہیں، سنتے ہی دل کی کلی کھل گئی۔ طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی، کب آئے، کہاں ملاقات ہوئی، کہاں مقیم ہیں؟ ان سے کب ملاقات ہوسکے گی، ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے، انھوں نے بتایا کہ ابھی آرام کر رہے ہیں، ظہر کی نماز میں ملاقات ہوگی، میں حیلہ جو آرام سے بیٹھا رہ گیا کہ حرم میں نماز کے وقت ملاقات کروں گا، اور حاجی رضوان کسی کام سے فوراً باہر چلے گئے، میں اپنی قیام گاہ پر لیٹا ہوا نیم بیداری کی حالت میں تھا کہ اچانک حاجی رضوان صاحب کا زوردار سلام گونجا، وہ مجھے پکار رہے تھے، میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا، ابھی آنکھیں مل رہا تھا کہ انھوں نے پکارا کہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ تشریف لا رہے ہیں، نیچے ہیں جلد چلئے، میرے پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔ ارے کاہل! تجھے خود حاضر ہونا تھا، سر کے بل چل کے جانا تھا، تیرا شیخ تکلیف اٹھا کر غایت کرم سے خود چل کر یہاں تک آیا اور تو مردار کی طرح

پڑا رہا، ہائے کس طرح ان کا سامنا کروں، ابھی نیچے جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ حضرت بنفس نفیس تشریف لائے، میں تو ندامت سے عرق عرق ہوگیا، لیکن واہ رے اللہ والے کی بے نفسی اور فنائیت جیسے انھوں نے کوئی کرم نہیں کیا، جیسے یہی ان کا فرض تھا جو انھوں نے ادا کیا، جیسے وہ مخدوم نہیں ہیں خادم ہیں۔ میرے نفس کو ایک زبردست تازیانہ لگا، حضرت نے محبت سے لپٹا لیا، حضرت کی کرم فرمائی سے شرمندگی تو بہت ہوئی، لیکن ملاقات ہوجانے کے بعد ڈھارس بندھی کہ اب شاید حضرت کے طفیل اور حضرت کی توجہات سے اس حقیر و بے مایہ کا آنا بھی سُوارت ہوجائے۔

حضرت مولانا حافظ عبدالواحد صاحب مدظلہٗ اصلاً غازی پور کے باشندے ہیں، دارالعلوم کے فاضل اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد ہیں، (۱) عرصہ ہوا ہجرت کر کے کراچی میں مقیم ہیں، سندھ میں سیّدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا سلسلہ قادریہ عرصہ قدیم سے جاری ہے، اسی سلسلے کے ایک نامور شیخ اور سلسلۂ جنگ آزادی کے مشہور مجاہد حضرت مولانا تاج محمود امروٹی بھی تھے، جن کے دامن عاطفت میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی جیسی مشہور شخصیت نے تربیت پائی، جن کے مخلصانہ تعلقات حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے تھے، مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری انھیں کے فیض یافتہ اور خلیفہ تھے، انھیں مولانا تاج محمود امروٹی کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی تھے، کہتے ہیں کہ حضرت امروٹی کے تمام خلفاء میں ان کی امتیازی شان تھی، پاکستان پہونچنے کے بعد حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی (۲) کی خدمت

---

(۱) حضرت مولانا کا سن فراغت شعبان ۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء) ہے، آپ کا شمار دارالعلوم کے ممتاز طلبہ میں ہوتا تھا۔ میں نے ۱۹۹۷ء میں آپ کی سند نکلوائی تو دیکھا کہ سالانہ امتحان میں آپ کا اوسط ساڑھے انچاس کے قریب ہے، ابوداؤ شریف میں ۴۶ نمبر تھا، اس کے علاوہ کسی کتاب میں ۴۹ سے کم نہیں تھا، بلکہ ایک یا دو کتابوں میں ۵۱ نمبر بھی تھا۔

(۲) مولف کے قلم سے حضرت ہالیجوی کی مفصل سوانح حیات ''تذکرۂ شیخ ہالیجوی'' کے نام سے فرید بکڈپو دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوچکی ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

میں پہونچے اور ان سے بیعت ہوکر اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

یہ نامہ سیاہ جب مدرسہ دینیہ غازیپور میں مدرس تھا، تو دوبار حضرت پاکستان سے تشریف لائے اور اپنے گاؤں شیخ پور میں رہ کر رُشد وہدایت کا بازار گرم کیا، عجب بےنفس اور برگزیدہ بزرگ ہیں۔ اسلام اور اہل اسلام کے لئے اتنی بیقراری اور اضطراب کا مشاہدہ میں نے کم کیا ہے۔ فنائیت اور خودشکنی کا ایسا اعلیٰ مرتبہ کہ اپنی کوئی حیثیت کبھی نہیں سمجھی، میرے دل میں ان کی محبت گھر کرگئی۔ میں نے باوجود اپنی گندگی کے بیعت کی درخواست کردی جو کافی پس وپیش کے بعد قبول ہوئی۔

آج مجھے مسرت تھی کہ حرم پاک میں حضرت سے ملاقات ہوئی، اب یہ گنہگار بھی امید رکھتا ہے کہ کسی پار گھاٹ لگ جائے گا کہ بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم۔

حضرت کا نظام الاوقات معلوم کیا تو پتہ چلا کہ زیادہ وقت حرم میں ہی گذرتا ہے، لہٰذا قیام گاہ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے، باب الشامیہ سے اندر داخل ہوکر بائیں جانب ترکی حرم سے متصل پہلے سعودی حرم میں تشریف رکھتے ہیں، یہ بندۂ نفس بھی جب موقع ملتا وہیں جا کر بیٹھ جاتا اور حضرت کی نماز وتلاوت میں محویت کو دیکھا کرتا اور خود کو ملامت وسرزنش کرتا رہتا، اس کے علاوہ مجھ سے اور کیا بن پڑتا۔

اب روز کا یہی معمول تھا کہ جب بھی موقع ملتا حضرت کے قریب جا بیٹھتا، کبھی حضرت کی محویت اور عشق الٰہی کی وہ مستی دیکھتا جو اکثر آنسوؤں کی شکل میں چھلکا کرتی، اور کبھی وہ سیاہ پوش اول بیت دیکھتا جو عرصۂ دراز سے قبلۂ صاحب نظراں بنا ہوا ہے، جس کی سادگی وپُرکاری پر ہزاروں رنگینیاں اور رعنائیاں نثار ہیں، طواف کرنے والے جھوم جھوم کر طواف کرتے رہتے مستانہ وار، اور میں کاہل آرام طلب کام چور، نگاہوں کی دید کو پاؤں کی سعی وکوشش کا بدل قرار دے کر مطمئن اور آسودہ رہتا۔ میرے ایک رفیق سفر مولوی محمد شفیق بستوی جو سراپا کوشش اور محنت تھے، کبھی کبھی ملتے اور بتاتے آج میں نے اتنے طواف کئے، آج میں نے عمرہ کیا۔ کبھی قاری ولی اللہ صاحب بتاتے کہ جب میری جوانی تھی تو میں اتنے

اتنے طواف کیا کرتا تھا، اور اب بھی اتنے طواف ہو جاتے ہیں اور یہ ہم لوگوں کی تشجیع کے لئے فرماتے۔ میں تو حسرت وندامت سے سر جھکا لیتا، مجھ آرام طلب کو اس سعی وکوشش سے کیا مطلب، میں طواف کم کرتا، طواف کرنے والوں کو زیادہ دیکھتا، ان کے شوق وطلب کو حق تعالیٰ کے حضور اپنے لئے واسطہ بناتا۔

☆☆☆☆☆

ذکر ملاقاتوں کا چھڑ گیا ہے، تو قلم کا تقاضہ ہے کہ اپنے ایک اور کرم فرما اور مخلص بزرگ کی ملاقات کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ یہ مولانا عبدالرشید صاحب بستوی ہیں، مولانا کا بس نام ہی نام سنا تھا، گورینی آنے کے بعد استاذ محترم حضرت مولانا افضال الحق صاحب قاسمی سے ان کی بہت تعریف سنی تھی، ان کے بعض تلامذہ نے جو مجھ سے پڑھتے تھے، میرا تعارف ان سے ذرا مبالغہ کے ساتھ کرایا، مولانا کو نادیدہ ایک تعلق سا ہو گیا، وہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں کام کرتے ہیں۔ تحریری سلام وکلام کا شرف کبھی کبھی حاصل ہو جاتا، ایک مرتبہ انھوں نے بشارت سنائی کہ ایک طواف میری جانب سے کیا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی خوشخبری دی کہ جلد ہی آپ کی طرف سے عمرہ بھی کروں گا، (ا) ان کی اس کریمانہ محبت کا دل

(ا) اس موقع پر حضرت الاستاذ نے مولانا عبدالرشید صاحب کو ایک خط لکھا تھا، جو اتفاق سے میری ڈائری میں درج ہے، جی چاہتا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دوں۔ ضیاء الحق خیرآبادی

مخدوم مکرم ومعظم، زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

چندروز پہلے عزیزم عبدالحق سلّمہٗ نے خوش خبری سنائی کہ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نے آپ کو سلام لکھا ہے، ابھی اس مسرت سے لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ اس نے معاً خط کی وہ سطریں میرے سامنے رکھ دیں، جن میں آنجناب نے میرے لئے ایک ایسی بیش بہا سوغات عنایت کی ہے، جس کی لذت نے مجھے دیر تک سرشار رکھا ہے۔ الفاظ کے بجائے آنکھوں کے راستے دل نے شکرانہ بھیجا۔ طوافِ کعبہ کی بشارت، ایک گناہ گار ودرماندہ کے حق میں، کتنی عظیم سعادت ہے اور وہ بھی ایک صاحب علم اور صاحب تقویٰ کی مہربانی، نور علیٰ نور! بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

==

پر بہت اثر ہوا، پھر وہ مکہ معظّمہ سے وطن تشریف لائے تو ازراہ کرم شرفِ ملاقات بخشا، ملاقات کے بعد اس تعلق میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ مکہ مکرمہ پہونچ کر بار بار خیال آتا رہا کہ مولانا سے ملاقات کرنی چاہئے، حرم کے علاوہ کہیں اور جانے کیلئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی، ایک دن طبیعت کو مجبور کر کے ان کی ملاقات کے لئے نکل پڑا، اور حماقت یہ کی کہ کوئی رہبر نہیں لیا۔ مدرسہ صولتیہ کا پتہ پوچھا مختلف لوگوں سے، مگر وہاں حرم کے علاوہ کہیں کا پتہ کسی کو یاد نہیں، ٹہلتے پھرتے پھر حرم میں آنکلے، خدا کے گھر میں پناہ لی، سخت دھوپ تھی، شدید گرمی تھی، حرم کے باہر سورج پورے جاہ وجلال کے ساتھ چمکتا تھا، آگ برساتا تھا، لوگ جھلس جاتے تھے، گرمی کی وجہ سے حلق میں کانٹے پڑ جاتے تھے، پر جب حرم میں حاضری ہوتی تو سورج بھی اپنا جاہ وجلال بھول جاتا اس کی گرمی محتاط ہو جاتی، حرم کے اندر بھی وہ چمکتا تھا مگر اپنی گرمی اوپر ہی روک لیتا تھا۔

دو تین روز کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر اور غالباً ایک طواف کر کے زم زم سے آسودہ ہو کر نکل رہا تھا کہ ایک صاحب ہنستے مسکراتے زوردار سلام کرتے لپکے چلے آرہے تھے، قریب آئے تو پہچان میں آگئے، کبھی گورینی میں مدرس تھے، اب قطر میں رہتے ہیں، وہاں سے حج کی غرض سے آئے تھے۔ ان سے میں نے مدرسہ صولتیہ کا پتہ دریافت کیا، انھوں نے ازراہ کرم کہا کہ آپ راستہ پوچھ کر نہیں پہونچ سکتے، چلئے میں بھی ساتھ چلتا ہوں، چنانچہ ان

== آپ سے ملاقات نہیں ہے، لیکن دل میں آپ کی محبت وعظمت ہے، استاذ محترم حضرت مولانا افضال الحق صاحب کبھی کبھی آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ ان کی زبانی سن چکا ہوں کہ ’’وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کو دیکھ کر ان کے جیسا ہونے کو جی چاہتا ہے‘‘۔ اس سے آپ کی عظمت قلب میں بہت ہوئی، پھر آپ کی اس عنایت نے محبت کے سرور میں اضافہ کر دیا۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اب اتنی گزارش ہے کہ کعبہ مطہرہ کے سامنے اس سراپا گناہ کیلئے اخلاص، اخلاق اور توفیق خدمت دین اور قبولیت کی دعا فرما دیں۔ بہت مہربانی ہوگی، باقی شوق ملاقات۔

والسلام

نیاز مند اعجاز احمد اعظمی

۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ

کے ساتھ مدرسہ صولتیہ پہونچا، وہاں دفتر میں ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی، مختلف ضرورت سے لوگ اپنی اپنی غرض کیلئے وہاں حاضر تھے اور انسانی ہجوم میں گم مولانا عبدالرشید صاحب ہر ایک کی کاربرآری میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا مولانا نے جواب دیا، مصافحہ اور معانقہ ہوا، مگر کوئی بات نہ ہوسکی، کیونکہ ہجوم میں کسی گفتگو کا موقع نہ تھا، میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر سلام کرکے قیام گاہ واپس آگیا۔

☆☆☆☆☆

مکہ مکرمہ میں حاضری کے چند روز بعد رفیق بزرگ مولانا قاری ولی اللہ صاحب نے حکم دیا کہ سب ساتھی ہر روز بعد نمازِ عصر محترم حاجی رضوان اللہ صاحب کی قیام گاہ پر جمع ہوجائیں۔ چائے حاجی صاحب کے ذمے، اور وہاں اکٹھے ہوکر معلم الحجاج پڑھی جائے، تاکہ حج کے ضروری مسائل سے واقفیت ہوجائے، ناواقفی میں بہت سے مسائل گڑبڑ ہوجاتے ہیں، چنانچہ اب یہ نشست ہونے لگی، کتاب پڑھنا میرے ذمہ تھا، جہاں جہاں ضرورت ہوتی قاری صاحب اس کی تشریح وتطبیق کرتے جاتے۔

آج کل نئے حالات کی وجہ سے جو باتیں ضروری یا مناسب ہوتیں ان کی جانب رہنمائی کرتے، بیس پچیس منٹ اس کی خواندگی ہوتی، پھر قاری صاحب زبانی ہدایات دیتے رہتے، پھر چائے کا دور چلتا، مغرب کی اذان سے پون گھنٹہ پہلے مسجد حرام میں حاضری کے لئے چل پڑتے، یہ سلسلہ ۷؍ذی الحجہ تک چلتا رہا۔

☆☆☆☆☆

آج ۷؍ذی الحجہ ہے، کل سے ایامِ حج کا آغاز ہے، حاجیوں میں غل ہے کہ آج مغرب اور عشاء کے مابین احرام باندھ لینا چاہئے، نہ جانے رات کے کس حصے میں معلم کی گاڑی آجائے، گاڑی آجانے کے بعد اتنی مہلت نہ ہوگی کی کہ غسل کیا جائے، احرام باندھا جائے، بہتر یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ کی جانب روانگی ہو، مگر ہجوم کی کثرت اور حجاج کی بہتات کی وجہ سے روانگی کا سلسلہ رات ہی سے شروع ہوجاتا ہے، میں اپنے معمول

کے مطابق مغرب کے بعد دیر تک مسجد میں رہا، عشاء کی اذان سے قبل قیام گاہ پر آیا، یہاں رفقاء میں یہ چرچا تھا کہ کچھ لوگوں نے باب الصفا کی جانب بم کا دھماکہ کیا ہے، میں حیرت میں پڑ گیا کہ میں اب تک مسجد حرام میں ہی تھا، وہاں کوئی دھماکہ نہیں سنائی دیا، اور یہاں طرح طرح کی افواہیں گشت کر رہی تھیں، لیکن اتنی فرصت کہاں کہ تحقیق کیجئے۔ میں استنجاء اور وضو سے فارغ ہو کر پھر مسجد چلا گیا، عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ کھا پی کر احرام کی تیاری میں لگ گیا، دس بجے کے قریب غسل کیا، احرام کی چادریں لپیٹیں اور مسجد حرام میں پہونچ کر عین کعبہ مقدسہ کے مواجہہ میں کھڑے ہو کر دو رکعت نفل گزاری، اور اب تک کی زندگی کی ایک عظیم سعادت حاصل کی یعنی حج کے لئے احرام باندھا، دل غرقِ ندامت تھا، عقل متحیر تھی اور آنکھیں دونوں کی کشمکش کے درمیان خشک اور حیران تھیں، اللہ اللہ! یہ آلودۂ عصیاں اور سرگشتۂ معاصی آج اس کی زندگی ایک نئی جہت سے آشنا ہو رہی ہے۔

احرام کی نفل پڑھ کر اپنے شیخ ومرشد کی خدمت میں حاضری دی، وہ بھی جامۂ احرام میں تھے، دعاء کی درخواست کی، اپنی ناپاکی اور گندگی سے خوب واقف ہوں اگر ادھر سے نظر عنایت ہو جائے تو کام آسان ہو جائے، حضرت نے دعائیں دیں اور دعاؤں کا وعدہ کیا، میں یہ روحانی سوغات لے کر قیام گاہ پر واپس آیا۔ اطلاع یہ تھی کہ رات میں کسی وقت معلم کی بس آسکتی ہے، لیکن رات گذر گئی اور بس کا پتہ نہ چلا۔ رات کچھ جاگتے کچھ سوتے، کچھ شوق میں کچھ اضطراب میں اور کچھ مشوروں میں گذر گئی، صبح صادق ہوئی، نمازِ صبح ادا کی۔ اب شوق نے گدگدانا شروع کیا، اضطراب نے کروٹیں لیں، ابھی تک سواری نہیں آئی، سورج طلوع ہوا مگر سواری کا وقت طلوع نہیں ہوا۔ خدا خدا کر کے اطلاع ملی کہ بس آنے والی ہے، ہمارے کمرے کے لوگ تیار ہو کر اترنے لگے، ہم نے بھی تیاری کی، بالٹی لے لی، لوٹا لے لیا، ایک بیگ میں چند جوڑے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں رکھ لیں، ایک چٹائی جو بمبئی سے لی تھی، وہ ساتھ میں رکھ لی، بس اس سے زیادہ کی حاجت نہیں، کہ حکومت کا انتظام اتنا معقول ہے کہ زیادہ سامان رکھنا خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

میرا اور حافظ نسیم الحق کا مستقل ساتھ ہے، اب اس میں الہ آباد کے صوفی عبدالماجد اور ان کی اہلیہ محترمہ بھی شریک ہوگئیں، بس مکہ مکرمہ کی سڑکوں پر آہستہ خرامی کے ساتھ چلتی رہی، آج چونکہ تمام قافلے منیٰ کی طرف کوچ کررہے تھے، اس لئے کافی ہما ہمی اور ہجوم ہے، لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک کا وجد آفریں ترانہ ہر لب پر ہے، دیوانوں نے اپنے عاشقانہ نعروں سے زمین سے آسمان تک فضائے دہر کو پُرشوق بنادیا ہے، یہاں دنیا کا سارا کاروبار ایک نقطۂ عشق ومحبت میں سمٹ کرآگیا ہے، جسے دیکھو وہی پیرہن دریدہ، چاک گریباں، برہنہ سر اور پاؤں میں چپل کی ہلکی سی دھجی سے قطع نظر کرلیجئے تو برہنہ پا بھی، ایک وارفتگی میں، ایک جنون میں، ایک دیوانگی میں بے خبر اور مست ہے، نہ جانے وہ کس بلا کی پکار تھی جو آج سے ہزاروں سال پہلے اللہ کے ایک مخلص بندے کے منہ سے نکلی تھی کہ دیوانے اب تک اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، بس کی یہ آہستہ خرامی مکہ سے باہر نکل کر منیٰ کے راستہ میں کچھ اور ہی آہستہ ہوگئی، آٹھ بجے ہوں گے جب ہم لوگ منیٰ کے میدان میں پہونچے، لیکن آج یہ میدان کہاں ہے، یہ تو تا حد نظر پھیلے ہوئے خیموں کا ایک شہر ہے۔ ۲۰/۲۵/لاکھ انسانوں کی آبادی کو صحرا کہئے، میدان کہئے تو کون یقین کرے گا؟ سعودی حکومت نے اس میدان میں سڑکوں کا جال بچھا رکھا ہے، ان سڑکوں کے مختلف نام ہیں، مختلف نمبر ہیں، ہم لوگوں کا خیمہ شارع جوہرہ پر تھا، ان سڑکوں کی وجہ سے بڑی سہولت ہے، جس جگہ ہمارا خیمہ تھا اس کے جنوب میں خیموں کی دو تین روشیں اور تھیں اس کے بعد مکہ سے آتی ہوئی وہ سڑک تھی جس پر منیٰ کی ابتداء سے انتہاء تک شیڈ کا وسیع چھپر ہے اور حکومت نے اس پورے شیڈ میں طاقتور ایرکنڈیشن مشینیں نصب کردی ہیں جن سے یہ سڑک بہت آرام دہ اور ٹھنڈی رہتی ہے، یہ راستہ ''طریق المشاۃ'' کہلاتا ہے، مکہ مکرمہ سے جو لوگ پیدل آنا چاہتے ہیں وہ اسی راستہ سے آتے ہیں، یہ پورا راستہ تھوڑا سا حصہ مستثنیٰ کرکے مکہ مکرمہ تک ایرکنڈیشنڈ ہے، شیڈ کا حصہ جب ختم ہوجاتا ہے تو پہاڑی سرنگوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، ان سرنگوں سے گذرتا ہوا آدمی سیدھا مسجد حرام کے پاس جانکلتا ہے، اس راستہ کی وجہ سے حجاج کو بہت سہولت

ہوگئی ہے، گرمی چونکہ شدید ہے، لوگ کہتے تھے کہ برسوں سے اتنی شدید گرمی میں حج نہیں پڑا تھا۔ شدتِ گرما کی وجہ سے لوگ خیموں کو چھوڑ چھوڑ کر اسی ٹھنڈی سڑک پر جگہیں گھیر رہے تھے، سڑک کافی کشادہ ہے، اس کے درمیان میں ایک کارگذر نے بھر راستہ چھوڑ کر لوگ دونوں جانب چٹائیاں اور گدے بچھا رہے تھے، ہمارے قافلے کے بعض لوگوں نے بھی بڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ تن آسانی کے جذبے نے ادھر بھی تقاضا کیا کہ خیموں کی دہکتی ہوئی گرمی سے عافیت اسی وقت ملے گی جب سڑک کی پناہ حاصل کی جائے، لیکن نہ جانے اس وقت کیا خیال غالب آیا کہ اس کا صرف سرسری سا خیال آیا اور نکل گیا۔

منیٰ کی حاضری سے ایک دن پہلے ہمارے رہبر و معلم جناب قاری ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ منیٰ میں نمازیں مسجد خیف میں ادا کی جائیں، مسجد بہت کشادہ ہے اور ایرکنڈیشنڈ ہے، مگر ہم لوگوں کے لئے یہی غنیمت ہے کہ شریعت کی دی ہوئی رُخصتوں پر عمل کر کے مناسک حج پورے کر لیں۔ سنت کی عزیمت اختیار کرنے جایئے گا تو حالات ایسے ہیں کہ خود بھی مشقت میں پڑیئے گا اور خدانخواستہ کہیں ہجوم اور خیموں کے متشابہات میں کھو گئے تو ساتھیوں کو بھی پریشانی میں ڈالئے گا، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ پہونچنے کو اگر آپ پہونچ بھی جائیں تو جب الکالا و الجبرا کی بھیڑ چلے گی تو آپ لوگوں کا پتہ نہیں چلے گا، میں نے الکالا و الجبرا کی تشریح چاہی تو فرمایا کہ حبشی اور دوسری تنومند دیو پیکر اقوام مراد ہیں۔

منیٰ پہونچنے کے بعد گو کہ قاری صاحب کی ہدایت ہمیں یاد تھی، مگر نئی نئی حاضری! دل ذوق اور ولولہ سے لبریز تھا، میں نے حافظ نسیم الحق سے کہا کہ چلو کم از کم مسجد خیف کی زیارت تو کر لی جائے، نماز فرض نہ سہی نفل ہی ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ ہم لوگ وضو کر کے مصلیٰ لئے مسجد کے لئے روانہ ہوگئے۔ اسی ٹھنڈی سڑک پر ایک کلومیٹر مکہ مکرمہ کی جانب چلے ہوں گے کہ بائیں ہاتھ پر قریب ہی مسجد کا پتہ بتایا گیا، مسجد خیف میں پہونچے، اس کی وسعت و فراخی کو دیکھ کر طبیعت دنگ ہوگئی، ہم لوگوں کو بآسانی جگہ

مل گئی، چند رکعات نفل پڑھ کر وہیں دیر تک بیٹھے رہے، پھر نیند کے جھونکے آنے لگے تو لیٹ گئے، مسجد خوب ٹھنڈی ہو رہی تھی، نیند آ گئی اور خوب اچھی، غالبًا ایک گھنٹہ گذرا ہوگا کہ ایک شور بپا ہوا، ہر ایک دوسرے کو جنجھوڑ رہا تھا گھبرا کر ہم لوگ بھی اُٹھ بیٹھے، دیکھا کہ **الکالا والجبرا** کی فوج گھسی چلی آ رہی ہے، ہر ایک کو اٹھا رہے ہیں اور ذرا سی جگہ پیر رکھنے کی بھی مل رہی ہے تو اس پر قبضہ جما لیتے ہیں، یہ بھی آخر شوق کے دیوانے ہو رہے ہیں، ہمارا جنونِ شوق ان کی دیوانگی کے سامنے ماند پڑ گیا، اب عقل نے اپنی جگہ سنبھالی، عقل نے چپکے سے دل کے کان میں پھونکا کہ میاں خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے نکل چلو! یہ حبشی لوگ تو ایسا وضو کر کے آتے ہیں جو گھنٹوں نہیں ٹوٹتا، اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ اس اطراف کے لوگ پہروں مسجد حرام میں بیٹھے رہتے ہیں، نماز پر نماز پڑھے جاتے ہیں، نہ ان کے شکم میں ریاح پھڑ پھڑاتی نہ انھیں استنجا کا تقاضا ہوتا، اور ہم ہندوستانیوں نے لال مرچوں اور بادی چیزوں کی کثرت سے معدہ کو اتنا خراب کر لیا ہے کہ وضو اگر ایک راہ سے نہ ٹوٹا تو دوسری راہ سے ٹوٹ کر رہتا ہے، ہم نے سوچا کہ یہ جہاں بیٹھیں گے جم کر بیٹھیں گے اور ظہر عصر پڑھ کر اُٹھیں گے، اور ہم کو تو ابھی ظہر کے لئے وضو کرنے کے واسطے باہر جانا ہوگا اور پھر اس ہجوم میں آنا ممکن نہ ہوگا، یہ سوچا اور مصلیٰ اٹھا کر چل دیئے، دروازے کے قریب پہونچے تو وہاں اتنی بھیڑ دیکھی کہ باہر نکلنے کی کوئی سبیل نہیں محسوس ہوئی۔

حج میں آنے سے پہلے مظاہر علوم سہارنپور کے نامور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ نے ایک ملاقات میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میاں وہاں جا رہے ہو، دھکے بہت لگیں گے مگر صبر ہی کرنا خود مت دھکے دینے لگنا اور نہ دل میں کوئی خیال لانا۔ بندہ نے حتی الامکان اس نصیحت پر عمل کیا۔ حج کے زمانے میں بھیڑ تو ہر مقام پر ہوتی ہے، اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے کم ہی لوگ بالقصد کسی کو دھکا دیتے ہین، لیکن جذبۂ شوق اور جنونِ بے تاب میں بسا اوقات آدمی کو پتہ نہیں لگتا اور بلا ارادہ دوسرے لوگ اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔ طواف میں بار بار ایسا ہوا ہے کہ آدمی بے خبری میں لپکا ہوا چلا

آ رہا ہے، اسے تو طواف کی دھن ہے، وہ یہ نہیں دیکھ پاتا کہ اس کے آگے کیا ہے، ذرا سی جگہ ملتی ہے تو اس میں گھس کر آگے بڑھنا اپنی سعادت سمجھتا ہے، اور اس طرح بے ارادہ دو شخص اس کی برق رفتاری کی زد میں آ کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔ میں نے اپنے لئے طے کر رکھا تھا کہ ہاتھوں کو اوپر اٹھانا ہی نہیں ہے، اور نہ مسابقت کی کاوش کرنی ہے، بڑے سے بڑے ہجوم میں میرا گرا ہوا ہاتھ اوپر نہیں اٹھتا تھا، اور نہ معمولی رفتار سے کبھی زیادہ رفتار اختیار کی، بھیڑ دیکھی تو چال آہستہ کر دی۔ اس طرح حق تعالیٰ نے دھکا دینے سے محفوظ رکھا، طواف کی تعداد میری کم اور بہت کم رہی، مگر میں خوش تھا کہ حتی الامکان مسلمان بھائیوں کو ٹکر سے بچایا، مگر مسجد خیف میں کیا ہوا؟ اسے سنئے! دروازہ زیادہ کشادہ نہ تھا اور گھسنے والوں کا ریلا ایسا بے پناہ تھا کہ ہم دونوں رفیق اس میں اس طرح دب گئے کہ مجھے محسوس ہوا کہ دم نکل جائے گا۔ اب لاش گرے گی، اس وقت بدحواسی میں کچھ نہ سوجھا بجز اس کے کہ اپنی جان بچانے کے واسطے وہ کام کر لیا جائے جس کے نہ کرنے کا دل میں عزم تھا، مجھے یاد ہے کہ زوردار نہیں ایک ہلکا سا اشارہ میں نے کیا تھا کہ کئی لوگ دھڑ ادھڑ الٹ گئے، اور جگہ مل گئی، اور ہم دونوں بجلی کی طرح نکل کر باہر آ گئے۔ اب سوچتا ہوں تو یقین ہوتا ہے کہ یہ پورا مجمع ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے، یہ بالقصد کسی کو نہیں دباتا اور نہ ٹکر مارتا، ہر ایک اپنا بدن چھوڑے ہوئے ہوتا ہے، اسی لئے تو ایک اشارہ میں کئی لوگ الٹ گئے، میں بے حد شرمندہ ہوا کہ میں نے ایک بے قصور مجمع کو بالقصد دھکا دیدیا۔ بہت استغفار کیا اور اس کے بعد بھیڑ کے مواقع سے بہت اہتمام کے ساتھ بچنے لگا۔

ہم لوگ واپس خیمے میں آئے، یہاں سورج انگارے اگل رہا تھا، تمام لوگ پریشان ہو کر سڑک کی پناہ لئے ہوئے تھے، لیکن کس زبان سے پروردگار کا شکر ادا کروں جس نے اپنے اس ناپاک بندے کی ناپاک زبان سے نکلی ہوئی دعا قبول فرمائی تھی! اُف! غلط کہتے ہو، تمہاری کیا حقیقت ہے، لیکن تمہارے بزرگوں نے اللہ کے چند برگزیدہ بندوں نے تمہارے لئے دعا کی تھی، ان کی دعاؤں کے سہارے تمہارا مدعا پورا ہوا تھا۔ بمبئی میں روانگی

سے ایک روز پہلے میں نے حق تعالیٰ سے مناجات کی، اے پروردگار! آپ کا یہ بندہ جس طرح بہت گنہ گار ہے، اسی طرح ضعیف اور کم ہمت بھی ہے، عرب کی گرمی کتابوں میں خوب پڑھی ہے، یا اللہ! اس گرمی کو اس ضعیف و ناتواں پر آسان فرما۔ واقعی یہاں آکر دیکھا تو ہندوستان کے جس خطے میں ہم لوگ رہتے ہیں اس کی گرمی یہاں کے حساب سے کچھ نہیں، ہماری قیام گاہ سے مسجد حرام کا فاصلہ صرف تین منٹ کا تھا۔ ہم اپنی قیام گاہ سے ٹھنڈے پانی سے سیر ہو کر نکلتے تھے، مگر مسجد حرام تک پہونچتے پہونچتے حلق میں کانٹے پڑ جاتے تھے۔ منیٰ میں یہ گرمی کافی محسوس ہوئی کیونکہ وہاں ایرکنڈیشنڈ کمروں کی پناہ نہ تھی، کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے خیمے تھے، وہ بیچارے سورج کی گرمی کا کتنا مقابلہ کرتے وہ خود گرم ہو کر دھوپ کا ایک جز بن جاتے۔ بجلی کا ایک پنکھا مسلسل خیمہ میں ہوا پھینکتا رہتا، مگر اس کی ہوا بھی شعلہ سی لپکتی محسوس ہوتی، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ یہ ساری گرمیاں بس یونہی ہیں، اندر سے نہایت خنکی اور برودت کا احساس ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا کہ یہ گرمی باہر ہی باہر اپنا زور دکھاتی رہی، میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ خیمے میں پڑا رہا، کبھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی کہ سڑک کی پناہ لوں۔ اسی دوران ہمارے دوست مولوی ظفر احمد آئے، انھوں نے بتایا کہ ہندوستان سے وزراء وعمائدین حکومت کی جو جماعت حج کیلئے بھیجی گئی ہے وہ اس کی رہبری اور مناسک حج کی ادائیگی میں مدد کیلئے مقرر کئے گئے ہیں، مجھ سے کہنے لگے کہ عرفات میں ان کیلئے خاص نظم ہوگا، آپ چل کر انھیں دعا کرا دیجئے گا۔ میں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ ناصاحب! ہم اپنی فقیری میں مست ہیں، ہم اپنی دعا کی نمائش کرنے نہیں جائیں گے، کہنے لگے تب میں بھی عرفات میں آپ ہی کے پاس آجاؤں گا، ان لوگوں کے ساتھ بڑی ضیق ہوتی ہے، میں نے کہا زہے نصیب!

رات عافیت کے ساتھ گذر گئی، صبح ہوئی تو غل تھا کہ عرفات چلو۔ سڑک پر پیدل عرفات جانے والے قافلے دیکھے، چھوٹی چھوٹی ٹولی بنائے لبیک پکارتے ہوئے چلے جارہے ہیں، قافلے پر قافلے گذر رہے تھے، ہر قافلہ اپنی ایک علامت بنائے ہوئے، کوئی ہرا

جھنڈا لئے، کوئی سفید، کسی کو کچھ نہیں ملا تو پلاسٹک کی بوتل ہی ایک لکڑی پر اٹھا رکھی ہے، سب کی زبان پر ایک ہی پکار ہے۔ سب لبیک کا نعرہ لگا رہے ہیں، کتنے خوش نصیب ہیں، پروردگار نے انھیں بلایا ہے جبھی تو ایسی مستی ہے، جھومتے جھامتے جا رہے ہیں، تن بدن کا ہوش نہیں، کپڑوں کی طرف التفات نہیں، عزت و دولت کی چمک سے بے نیاز، ننگے سر ایک چادر لپیٹے، ایک چادر کندھے پر ڈالے لپکے چلے جا رہے ہیں، میں تو ان عاشقوں کو دیکھ دیکھ کر بے خود ہوا جا رہا تھا، بار بار جی میں آتا تھا کہ انھیں کے ساتھ لگ چلوں، ان سودائیوں میں ایک سودائے خام بھی سہی! جب ان کو قبول کیا جائے گا تو کیا مجھے چھانٹ دیا جائے گا، لیکن ساتھیوں کی مجبوری تھی، طے یہ تھا کہ بس سے چلنا ہے، ورنہ عرفات تک خاصی مسافت ہے، پیدل گرمی میں چلو گے تو تھک جاؤ گے اور عرفات میں پہونچ کر بجز راحت طلبی کے اور کچھ نہ ہو سکے گا۔

کچھ دیر کے بعد بس شارع جوہرہ پر آ کر لگی، ہم نے لوٹا چٹائی اور بالٹی لی اور بس پر جا کر سوار ہوئے، سینکڑوں بسیں آگے پیچھے چل رہی تھیں، ایسی صورت میں بس کی رفتار چیونٹیوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، مگر واہ رے سعودی گورنمنٹ! اللہ نے دولت دی ہے تو اسے خرچ کرنے کا حوصلہ بھی دیا ہے، اتنی سڑکیں بچھا دی ہیں کہ بسیں فراٹے بھرتی چل رہی ہیں، آدھ گھنٹے میں ہم عرفات کے میدان میں تھے، اس میدان میں بھی سڑکوں کا جال نظر آیا، ہماری بس ایک جگہ رکی اور ہم لوگ اپنے رہبر کے ساتھ خیموں کی تلاش میں چلے، تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ خیمہ جس میں ہم لوگوں کو رہنا تھا نظر آیا، چونکہ شام تک ہی رہنا ہے، اس لئے خیموں میں نہایت وسیع ہال بنا دئے گئے ہیں، اور ان پر دریاں بچھی ہوئی ہیں، ایک مناسب جگہ پر ہم نے بھی چٹائی ڈال دی۔ نو بجے تھے، وقوف عرفہ کا وقت بعد زوال سے ہے، خیال ہوا کہ باہر نکل کر ذرا راستوں وغیرہ کا جائزہ لے لیا جائے، پانی کی جگہیں دریافت کر لی جائیں، کچھ سامان مل جائے تو کھانے کیلئے لے لئے جائیں، میں اور حافظ نسیم الحق نکلے۔ ایک طرف کچھ دکانیں نظر آئیں، تھوڑا سا سیب لے لیا گیا کہ دوپہر کے کھانے کے بجائے

اسی پر اکتفا کیا جائے گا تاکہ طبیعت پر گرانی نہ ہو اور ظہر بعد اطمینان سے عبادت ودعا کا اہتمام ہوسکے!

سیب خرید کر واپس ہورہے تھے کہ راستہ میں مولانا شبیر احمد ٹانڈوی مل گئے، یہ یوپی حج کمیٹی کے سرگرم کارکن ہیں، بمبئی میں حاجیوں کی بہت خدمت کرتے ہیں، حج کمیٹی کے تمام ارکان میں سب سے زیادہ فعال اور بابرکت یہی نظر آئے، بہت پہلے سے میرے اوپر کرم فرماتے ہیں۔ بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی مگر انھوں نے اس وقت نہیں بتایا کہ وہ بھی حج میں آرہے ہیں، نہایت گرم جوشی سے ملاقات ہوئی، آئس کریم کھا رہے تھے ہمیں بھی شادکام کیا، ان سے مل کر پھر خیمہ میں آگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا خیمہ بھر گیا، ابھی وقت بہت تھا سب کی رائے ہوئی کہ تھوڑی دیر آرام کرلیا جائے چنانچہ سب لوگ سوگئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو حاجیوں میں کھانے کی ہماہمی چل رہی تھی، معلوم ہوا کہ شاہ فہد کی جانب سے دعوت عام ہے، لوگ جاتے ہیں اور اپنا اپنا شناختی کارڈ دکھا کر کھانے کے پیکٹ لارہے ہیں، ہم لوگ سیب کھا چکے تھے اس لئے کوئی ضرورت نہیں محسوس کی۔ ہمارے قافلے میں ایک بزرگ قاری غریب نواز! بہت خوب آدمی تھے، انھوں نے فرمایا کہ آپ لوگ چاہے کھانا نہ کھائیں لیکن لے لیجئے، مزدلفہ میں کام آئے گا۔ ہم پر کھانا لینے کے لئے جانا شاق ہورہا تھا، انھوں نے کرم فرمایا اور ہم دونوں کا کھانا لے کر آگئے، بند پیکٹ میں سوکھی غذائیں تھیں، کچھ بسکٹ، کچھ کیلے، کچھ سیب اور دہی کا ایک ڈبہ، ہم نے جوں کا توں چھوڑ دیا۔ اب ظہر کی تیاری ہورہی ہے، اب وہ وقت آرہا ہے جس کے لئے سفر کے یہ سارے پاپڑ بیلے گئے ہیں۔ **الحج هو العرفة**، عرفات میں ظہر کے وقت سے صبح صادق کے وقت تک کسی دم بھی پہونچ جانا ہی اصل حج ہے۔

ہر طرف ہماہمی بپا ہے، کوئی نہا رہا ہے، کوئی وضو پر اکتفا کر رہا ہے۔ یہیں پروردگار نے بلایا ہے، ایک ریتیلا میدان! جس کی ریت سیاہ ہے، بے آب وگیاہ لمبا چوڑا میدان جیسے عرصۂ محشر! پہلے بے آب وگیاہ رہا ہوگا، اب تو لوگوں نے اتنے درخت نیم کے لگادیئے ہیں

کہ باغ ہونے کا شبہ ہوتا ہے، درخت ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مٹی دوسرے ملکوں سے لائی جاتی ہے، درخت محض اتنے بڑے ہیں کہ دو تین آدمی اس کے سائے میں بیٹھ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تن آسانوں کے لئے آسانی فرمادی ہے۔ پانی بھی افراط سے دستیاب ہے، میں بار بار سوچتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ الٰہی اس میدان میں کیا خاص بات ہے کہ آپ نے یہیں سب کو جمع ہونے کا حکم دیا ہے، مکہ معظّمہ میں خانہ کعبہ آپ کا مقدس اور برگزیدہ گھر، وہاں نہیں۔ منیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو **وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ** کی بشارت ملی تھی، وہاں نہیں۔ مدینہ طیبہ میں حضرت رسول کریم ﷺ اپنے ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت تشریف فرما ہیں، وہاں نہیں۔ فلسطین میں ہزاروں انبیاء کی یادگاریں ہیں، وہاں نہیں۔ یہاں اس ریتیلے میدان میں جہاں نہ کوئی یادگار ہے، نہ یہاں سے کوئی تاریخ یقینی روایات کے مطابق وابستہ ہے، پھر کیا ہے کہ سب یہیں آؤ۔ یہ حصہ حرم بھی نہیں ہے، حرم کے باہر ہے، بس خدا تیرا حکم سب پر بالا ہے، یہ جگہ کسی کی یادگار نہیں، یہ تیری نگاہ میں آگئی اور قبول ہوگئی۔ نبی ہو تو یہاں آئے، پیر و ولی ہو تو یہاں آئے، یہ جگہ کسی انسان کے تقدس کی رہین منت نہیں۔ یہ جگہ براہ راست ذاتِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہے، وہ ذات بھی بے رنگ و بے نیاز، اس جگہ بھی بے رنگی و بے نیازی برس رہی ہے، میں بار بار سوچ رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا، میں اس وقت بھی سوچ رہا تھا اور جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو اب بھی ششدر ہوں کہ یہ کیا قصہ ہے؟ کئی کتابیں دیکھ چکا ہوں مگر عقدہ حل نہیں ہو رہا ہے، ہم کو جو کچھ ملا ہے، ایمان ملا ہے، عقیدہ ملا ہے، توحید کی دولت ملی ہے، خدا کی محبت ملی ہے، سب انھیں انبیاء کا طفیل ہے، جن کی کچھ یادگاریں فلسطین میں ہیں، کچھ مکہ مکرمہ میں ہیں، کچھ منیٰ کی گھاٹیوں میں ہیں، مگر یہ کیا کہ حج کیلئے طواف قدوم مکہ میں کرایا، اور ایک دن پہلے منیٰ میں اتارا اور جب اصل حج کی ادائیگی کا وقت ہوا تو ایسی جگہ رکھ دیا جو نہ حرم ہے اور نہ کسی نبی کی یادگار ہے۔

پھر آفتاب غروب ہوا نہیں کہ اُلٹے پاؤں لوٹ جانے کا حکم دیا کہ رات مزدلفہ میں گزارو، جو کہ حرم کا ایک حصہ ہے۔ علی الصباح منیٰ پہونچ جاؤ اور پھر دن کے دن مکہ مکرمہ

میں پہونچ کر بیت اللہ کا طواف کر کے پھر منیٰ لوٹ آؤ، بس چند گھنٹہ عرفات کی حاضری ہے، اور یہی چند گھنٹے حج کے لئے اصل ہیں۔ اگر عرفہ کا وقوف نہیں ہوسکا تو سارا سفر بیکار، ساری کوشش لاحاصل۔ اس کی تلافی کی اب کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ آئندہ سال پھر اسی وقت میں اسی جگہ آؤ اور اس کی قضا کرو۔ اس ایک عمل کے علاوہ دوسرے تمام ارکان حج میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہے اور ان کی تلافی کی صورت بھی ہے۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے، اس کی حکمتیں کون سمجھ سکتا ہے۔ خدا کی بات خدا ہی جانے ہم تو بندے ہیں، ہماری سعادت تعمیل ارشاد ہے، کیوں اور کیسے سے ہم کو کیا واسطہ۔ بندے کو تو جیسے جیسے کہا، کر آیا، اور جہاں جہاں جانے اور دوڑنے بھاگنے کا حکم دیا، ہو آیا، دوڑ بھاگ آیا۔ وہ جانیں کہ انھوں نے مکہ میں کیوں ٹھہرایا، منیٰ میں کیوں اتارا، پھر عرفات میں کیا خاص بات ہے کہ وہاں ٹھہرنے کو حج قرار دیا، پھر واپس مزدلفہ، منیٰ میں کیوں بھیجا۔ ؎

اکنوں کرادماغ کہ پُرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

تاہم کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حج ایک عاشقانہ اور والہانہ شان کی عبادت ہے، یوں تو اللہ کا جلوہ ہر زمان اور ہر مکان میں ہے، چنانچہ نماز ہر جگہ پڑھی جاسکتی ہے لیکن دیکھئے کہ حج کے لئے سب کو ایک جگہ ایک مکانِ خاص میں جمع کر دیا گیا ہے، کہ یہ عبادت صرف وہیں ادا ہوسکتی ہے، دوسری جگہ نہیں، تو کیا اور جگہ خدا کا جلوہ نہیں ہے، ہے اور ہر جگہ ہے، لیکن بات کچھ یوں سی ہے کہ نزول تجلیات کی کچھ خاص بارگاہیں ہیں، جہاں جلوؤں کی نمود بہ نسبت دوسری جگہوں اور دوسرے وقتوں کے بہت کچھ زائد ہوتی ہے، بندہ اپنے رب کا عاشق ہے، اسے اس کی تجلیات خاصہ کی جستجو ہوتی ہے اسے ایسی جلوہ گاہ چاہئے جہاں وہ اپنے رب کی عنایات وتوجہات سے، اس کے التفاتِ خاص سے براہ راست مستفید ہوسکے، رب کریم نے اس کی جستجو کو نامراد نہیں بنایا، اور اعلان کر دیا کہ ہماری جلوہ گاہِ خاص پر آجاؤ اور

اپنے عشق وشوق کا نذرانہ پیش کرو۔ خدا خود تو غیب الغیب ہے مگر انسان جو عالم شہادت کی مخلوق ہے اس کا عشق بھی بادوصد طبل ونفیر ہے، جب اس کی پکار ہوگئی تو لپکتا جھپکتا، دوڑتا بھاگتا چلا جارہا ہے۔

اس کے دل کے کانوں میں ندا آتی ہے کہ او عاشق بے تاب! سن لے اور خوب سمجھ لے کہ تیری یہ لپک ہمارے وصل کی جانب ہے، تو ہماری آغوشِ رحمت کی جانب بڑھ رہا ہے، تو سن رکھ کہ خود کو اپنے ہاتھوں پہنائی ہوئی بیڑیوں سے آزاد کر، لباس کی من مانی بندشیں ختم کر، سادہ سا لباس بدن پر ڈال کر آجا۔ پھر عاشق حیران ہوتا ہے، اتنے عظیم دربار کی حاضری کے کیا آداب ہوں گے۔ کس طرح میں بار پاؤں گا، حکم ہوتا ہے کہ دربارِ خاص کی حاضری سے پہلے ہمارے برگزیدہ اور چنیدہ بندوں سے سلام کرتے ہوئے آؤ۔ ایسے مقامات سے ہوکر آؤ جنھیں ہمارے خصوصی بندوں سے نسبت حاصل ہے، ان جگہوں کی برکات تمہارے قلب وروح میں ایسی صلاحیت پیدا کردیں گی کہ ہماری تجلیات سے ہم آغوش ہوسکوگے، یہ وہ مقامات ہیں جہاں شب وروز رحمتوں کی موسلا دھار برسات ہے، اس بارش رحمت میں اچھی طرح نہا دھوکر پاک وصاف ہولو، کعبۃ اللہ کا طوافِ قدوم کرلو، اس کی برکات سے فیضیاب ہولو، منیٰ کی وادیوں میں رب کا نام پکارلو، جہاں اللہ کے دو برگزیدہ اور مقبول بندے مل کر عظیم الشان قربانی کی تاریخ بنا گئے ہیں، تم یہاں سے ہماری عظمت وجلال، ہماری عزت وجبروت، ہماری بے نیازی وکبریائی، ہماری رحمت وعنایت اور ہماری قدرت وسطوت کا نقش اپنے لوحِ دل پر اچھی طرح جمالو، اور خبردار ہوجاؤ کہ اب تم کو اس حریم قدس میں قدم رکھنا ہے، جہاں واسطے ناپید ہیں۔ اب تم ہوگے تمہارا رب ہوگا۔

ہمارے مخصوص بندوں نے، ان کے آثار نے، تم کو بنا کر سنوار کر آراستہ وپیراستہ کرکے پیشیٔ دربار کے لائق بنا دیا ہے، اب تم بلا واسطہ ہماری تجلیات سے ہم آغوش ہوگے۔ کعبہ مقدسہ میں خلیل اللہ کی رہنمائی تھی، صفا اور مروہ پر حضرت ہاجرہ کا نمونہ تھا، منیٰ کی گھاٹیوں میں اسماعیل کا جذبۂ قربانی تمہارا رہبر تھا۔ ان ساری یادوں کو تازہ کرتے ہوئے

ہمارے آخری برگزیدہ نبی (فداہ قلبی وروحی) کی تعلیمات سے ذوقِ حضوری او آدابِ جنوں سیکھتے ہوئے اس مقام پر آجاؤ، جہاں انسانی نسبتیں پیچھے ہٹ گئی ہیں۔ عرفات کا لق ودق صحرا اگر کوئی نسبت رکھتا ہے تو بس یہ کہ اس کو کسی سے نسبت نہیں ہے، اس کو خاص نسبت ہماری ذات پاک سے حاصل ہے۔ اب سب واسطے سمٹ کر علیحدہ ہوگئے، اب صرف تم ہو اور تمہارا پروردگار رہے، یہ وصالِ بے حجاب اور یہ حضوری بغیر واسطہ کے ہے۔ طور پر بھی حجاب اٹھایا گیا تھا مگر ایک ذات کے لئے، یہاں بھی حجاب اٹھایا گیا ہے لیکن یہاں رحمت عام ہے، ہاں استعدادوں کا فرق ہے، ایک جگہ نبی کی استعداد تھی اور یہاں گنہگاروں کی استعداد ہے، لیکن یہ بھی سن لو کہ خداوند تعالیٰ کے دیدار عام کا تحمل نہ تمہیں ہے اور نہ اس دنیائے فانی کے کسی خطۂ ارض کو، اس لئے تمہاری صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے چند گھنٹوں کا یہ فیضانِ عام ہے، شام ہوتے ہوتے تمہارا دامن بھر جائے گا اور جام چھلک اٹھے گا۔

بھر لو قلب وروح کے جیب وآستیں میں تجلیاں، سمیٹ لو لطف ورحمت کی سوغاتیں جذب کرلو ایمان ویقین کی شعاعیں، لوٹ لو مغفرت وعنایت کی بہاریں۔ بس شام تک تمہارا ظرف بھر گیا، اب پھر انھیں بزرگوں کی طرف لوٹ جاؤ جنھوں نے تمہیں حاضری کے لائق بنایا تھا، اب انھیں سے ہماری رحمت عام کو برتنے اور سنبھالے رکھنے کا سلیقہ سیکھو۔

یہاں بلاتشبیہ معراج کے مقدس مسافر کا سفر یاد آتا ہے کہ انھیں بیت اللہ شریف سے براق کی سواری ملتی ہے، جبرئیل امین کی معیت میں مختلف انبیاء کی یادگاروں سے گذرتے ہوئے مجمع یادگاراں، بیت المقدس میں پہونچتے ہیں، انبیاء کی امامت کرتے ہیں پھر جبرئیل امین انبیاء کرام سے ملاقاتیں کراتے ہوئے ساتوں آسمانوں سے ورے لے جاتے ہیں، ہر ایک نبی نے مرحبا کہی، دعائیں دیں، یہ سفر آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ ایک مقام پر جبرئیل بھی رک جاتے ہیں، اب صرف رب ہوگا اور عبد ہوگا، جبرئیل بھی پیچھے ہٹ جاتے ہیں، اس جگہ کا کوئی نام نہیں، لامکان ہے اب تک تقییدات کی دنیا میں سفر ہو رہا تھا، اب عالم اطلاق میں پہونچ گئے ہیں، یہاں جو کچھ دیکھنا تھا دیکھا، جو کچھ پانا تھا پایا۔ شادکام

وکامیاب ہوکر لوٹے اور پھر انھیں راہوں سے گذرے جن سے آگے بڑھے تھے، پھر انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں، خیر خبر پوچھی گئی، کچھ مشورے دیئے، کچھ کام میں سہولت پیدا کی گئی۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کے بارے میں جو مشورے دیئے، سب جانتے ہیں)

کیا عجب کہ امت کے لئے بھی اس جلوہ کا ایک نمونہ حسب استعداد رب کریم نے عنایت فرمادیا ہو، اپنے گھر سے منیٰ کی وادیوں تک آدمی مختلف قیدوں اور واسطوں کے حصار میں آیا، لیکن میدانِ عرفات ایک مظہر اطلاق ہے، وہ ہر قسم کی قید سے یکسر خالی ہے، بندہ یہاں پہونچ کر اطلاق کامل سے ہم آغوش ہوجاتا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے ایک دھماکہ کی آواز ہوئی، معلوم ہوا کہ یہ زوالِ آفتاب کی اطلاع ہے، وقوفِ عرفہ کا وقت شروع ہوگیا۔ رحمتوں کے دروازے دھڑادھڑ کھلنے لگے، لوگ وضو اور غسل کرکے پہلے سے تیار بیٹھے تھے، اذان ہوئی ہائے نمازِ ظہر کہاں پڑھی جائے آج تو وہ دن ہے کہ امام کے ساتھ نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔ حق تعالیٰ نے آج ظہر وعصر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ کردیا ہے تاکہ بندے بالکل آزاد ہوکر مطلق ذکر وتہلیل اور دعاء ومناجات کے اندر وقت لگائیں، قید والی عبادت بھی اپنی جگہ سے ہٹادی گئی، تاکہ اطلاق کامل رہے، ہم لوگ جہاں مقیم تھے وہاں سے مسجد نمرہ جہاں بڑی جماعت ہوتی ہے، کافی دور ہے۔ ہم نے ہمت تو باندھی کہ مسجد نمرہ کی جماعت میں شریک ہوں اور دونمازیں ایک وقت میں ادا کریں، مگر تجربہ کاروں نے بتایا کہ چلے تو جاؤ گے مگر آؤ گے کیسے؟ خیموں کے اس جنگل میں گم ہوجانا تقریباً یقینی ہے، پھر سارا وقت تشویش اور تلاش میں گذر جائے گا، تو عبادت کی حلاوت سے محروم ہوجاؤ گے۔ بات صحیح تھی، عقل کی تھی مگر دیوانگی اور جوشِ جنوں کا تقاضا کچھ اور ہی تھا، آج اگر اس جگہ تم گم ہوجاؤ تو زہے نصیب! تمہارے وجود کا کسی کو پتہ نہ چلے تو زہے خوش بختی وسعادت! رحمت خداوندی کے اس عظیم سیلاب میں بہہ جاؤ تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی ہے، جی چاہتا تھا کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر دامن جھاڑ کر چل دوں، مگر دوستوں اور اہل قافلہ کی عقلیں، اس جوشِ جنوں کو دبانے میں کامیاب ہوگئیں۔

مجبوراً خیمے میں جماعت ترتیب دی گئی، کافی بڑی جماعت تھی، امامت کی سعادت اس بے ہنر کو بخشی گئی، دو رکعت ظہر کا فریضہ پڑھا گیا، اس جماعت میں دونوں نمازوں کے جمع کرنے کا جواز حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے، اس لئے صرف ظہر پڑھی گئی، کچھ اہل حدیث حضرات تھے، انھوں نے اسی وقت عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔

نماز سے فارغ ہوکر سب لوگ ذکر وتلاوت میں لگ گئے، اور اس طرح لگ گئے کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا، کچھ دیر تک تلاوت وغیرہ کا سلسلہ چلتا رہا پھر لوگ دعاؤں میں لگ گئے۔

اس وقت کا منظر کیا تھا؟ نہ آنکھوں کو یارا ہے کہ اسے دیکھ سکے اور نہ زبان کو طاقت کہ اسے بیان کرسکے، اور نہ قلم میں صلاحیت کہ اسے لکھ سکے۔ میں اس وقت جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں حافظہ کو ٹٹول رہا ہوں کہ اس وقت کیا منظر تھا تو سناٹا سا محسوس ہورہا ہے۔ میں نے اپنے خیمے میں ایک بڑے میاں کو روتے اور بلکتے دیکھا، پھر مجھے تابِ ضبط نہ رہی، میں خیمے سے نکل کر ایک نیم کے درخت کے ناتمام سائے میں جاکر کھڑا ہوگیا، اور کتنی دیر تک کھڑا رہا مجھے اس کا ہوش نہیں، اس وقت دل ودماغ پر کیا کیفیت تھی، اسے تعبیر کرنا الفاظ کے قابو میں نہیں، بس ایک احساس سا احساس تھا سادہ اور بے رنگ۔ میں بہت دیر تک کھڑا رہا، پاؤں سن ہوگئے، اس وقت رویا بھی اور جی بھر کر رویا، دعائیں بھی بہت سی کر ڈالیں لیکن محسوس یہ ہوتا رہا کہ ابھی کچھ نہیں کیا اور کچھ نہیں کہا، ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ زبان تھک گئی، آنسو رُک گئے، پھر زبانِ بے زبانی سے گفتگو شروع ہوگئی، خدا ہر زبان جانتا ہے، وہ گونگوں کی بات بھی سمجھتا ہے، میری زبان گنگ ہوگئی، الفاظ کا ذخیرہ جواب دے چکا تھا، جب زبان نے عذر کردیا تو خاموشی نے سرگوشی شروع کردی، ہائے وہ حضوری کا عالم!

مجھے وہاں کھڑے کھڑے دیر ہوگئی، فضا میں اس وقت بالکل سناٹا سا محسوس ہورہا تھا، لاکھوں کا مجمع تھا مگر نہ کوئی شور وغل تھا اور نہ چیخ وپکار، سب اپنے مالک سے لَو لگائے ہوئے محو مناجات تھا، میں بوجھل قدموں سے اپنے خیمے میں واپس آیا، تو یہاں میرے رفقاء

سب اپنے اپنے حال میں گم تھے، بغل کے خیمے سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی آوازیں آرہی تھیں، کچھ عورتیں جھوم جھوم کرمگر آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کررہی تھیں، بڑے میاں جن کے رونے سے میں تڑپا تھا ابھی کھڑے آنسو بہارہے تھے، میں مناجاتِ مقبول پڑھنے میں مشغول ہوگیا، اتنے میں عصر کا وقت ہوگیا، ہم لوگوں نے عصر کی جماعت کی۔ عصر کی نماز سے فارغ ہوکر مولوی ظفر احمد نے کہا کہ اب اجتماعی دعا ہونی چاہئے۔ مجھ سے کہا کہ آپ دعاء کرادیجئے، میرا دل قابو میں نہ تھا، میں نے معذرت کی، انھوں نے اصرار کیا، میں نے کہا خیمے میں نہیں ورنہ بھیڑ لگ جائے گی۔ باہر نکل کر ایک خالی جگہ کھڑے ہوجائیں۔ ہم لوگ نکلے، دو تین آدمی اور تھے، ایک طرف ذرا بھیڑ کم تھی، قبلہ رو ہوکر ہم نے ہاتھ اٹھادیئے، دعائیں کم کیں، لیکن گریہ وزاری بہت کی، جو کچھ کہنا تھا زبان تو ادا نہ کرسکی، البتہ آنسوؤں نے ساری بات کہہ ڈالی، جہاں الفاظ کا ذخیرہ ختم ہوجاتا ہے وہاں آنسو بہت کام دے جاتے ہیں۔ اس وقت ہر طرف اجتماعی دعا ہورہی تھی، یاد نہیں کتنی دیر تک آنسوؤں، ہچکیوں اور کٹے پھٹے بے ترتیب الفاظ کا سلسلہ چلتا رہا، جب دعا سے فارغ ہوکر ہاتھ چہرہ پر پھیرا گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ قبولیت کی بشارت مل گئی۔ اس وقت نیک تو خیر نیک ہیں، گنہگاروں اور ہم جیسے ناپاکوں کا حوصلہ بھی قابل دید تھا، خدا کے قرب کے احساس نے گویا عظیم سلطنت کا مالک بنادیا تھا، دل میں خیال ہوا کہ تو تو کسی قابل نہ تھا، یہ محض پروردگار کی مہربانی ہے کہ مقبولین کی صف میں تجھے بھی کھینچ کر کھڑا کردیا، ایسی جگہ پر جہاں ہر سال رحمت کا زبردست بادل موسلادھار برس جاتا ہے، جہاں شیطان اپنی ناکامی ومایوسی دیکھ کر خاک بسر لوٹتا اور پریشان ہوتا ہے۔ یا اللہ تو نے اپنے مقبول بندوں کو یہاں نوازا ہے، تو نے انبیاء کرام کی دعاؤں کو قبولیت بخشی ہے، تو نے گنہگاروں کی خطاؤں کو معاف کیا ہے، تو نے بڑے بڑے نابکاروں کو یہاں لاکر کارآمد بنادیا ہے، تیری رحمت عام اور تیری بخشش لاکلام ہے، تیری قدرت بے پایاں اور تیری عنایت بے کراں ہے۔ آج نہ جانے کیسے کیسے بندے بخشے جائیں گے۔ اس بھیڑ میں تیرا یہ نالائق کم ظرف اور غرقِ عصیاں غلام بھی گھسا چلا آیا ہے، اسے بھی آپ کی

بخشش عام کی لالچ ہے، سنا ہے اور حق سنا ہے کہ تیرے دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں پھرتا، گناہوں کی گٹھری لاتا ہے، تو مغفرت کی سوغات لے جاتا ہے، اے پروردگار! آپ کا یہ بندہ صرف گناہوں کی گٹھری لادکر نہیں آیا ہے بلکہ اس کا ہر رگ وریشہ گناہ کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے۔ دل کا، دماغ کا، آنکھ کا، زبان کا، ہاتھ کا، پاؤں کا، کان کا، ناک کا، معدہ کا، جگر کا، کوئی گوشہ نہیں ہے جو معصیت کی آلودگی میں لت پت نہ ہو، نہ زبان کو طاقت گفتار ہے نہ قلب کو ہمت سوال! بس آپ کی عنایت ہوجائے، آج داتا کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، اور وہ کب بند رہتا ہے؟ سب اپنے اپنے دامنوں کو گلہائے مراد سے بھر رہے ہیں، یہ حسرت زدہ، معصیت آلودہ، سرنگوں، نادم وشرمندہ، ڈبڈبائی ہوئی آنکھ، پھیلے ہوئے ہاتھ، کانپتے ہوئے قدم اور تھرائے ہوئے دل کے ساتھ ڈیوڑھی پر حاضر ہے، قبول کئے جانے کی صلاحیت نہیں ہے، رَدّ کئے جانے کے قابل نہیں، کہ سرے سے وہ قابل التفات ہی نہیں، مگر پھر بھی ایک نگاہِ کرم کا ملتجی ہے، بھگا دیجئے تو حق ہے، مگر جائے گا کہاں، اور کوئی در نہیں۔ روئے گا، بلکے گا، تڑپے گا اور جان دیدے گا۔ دوسری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، اور اگر نواز دیجئے تو دریائے کرم میں کوئی کمی نہیں آئے گی، آپ کا نام ہوجائے گا اور ہمارا کام ہوجائے گا۔ اے نامرادوں کی مراد! اے ٹوٹے دلوں کی آس! اے کمزوروں کے والی! اے بے کسوں کے حامی! اے دکھیاروں کے پناہ گاہ! اے مجبوروں کے سہارا! سب تیرا سہارا ڈھونڈ رہے ہیں، اور سب کو تو سہارا دے رہا ہے۔ ہندوستان کا یہ غریب الدیار بھی بے سہارا ہے، بڑی آرزوئیں لایا ہے۔۔۔ دعا ہوچکی۔ اب خیال ہوا کہ دوسرے بندوں کے اندازِ گداگری کو بھی دیکھنا چاہئے، کس کس طرز سے لوگ اپنے مولیٰ کو منا رہے ہیں، سنا رہے ہیں، رو رہے ہیں، آہیں بھر رہے ہیں۔ ذرا ہوش بجا ہوئے تو خیموں کی طرف نکلے، تو ایک ہنگامۂ گریہ وبکا برپا تھا۔ اجتماعاً اور انفراداً سب کی آنکھیں بھیگی ہوئی نظر آئیں۔ سڑک کی طرف آئے تو ایک جگہ بھیڑ دیکھی، معلوم ہوا کہ ہمارے معلم صاحب ایک اسٹیج پر کھڑے ہوکر دردناک لہجے میں دعائیں پڑھ رہے ہیں، اور لوگ دہرا رہے ہیں، بعض خیموں سے تقریروں کی آوازیں آرہی ہیں۔ مجھ سے بھی بعض

لوگوں نے کہا تھا کہ کچھ وعظ تقریر کروں، مگر میری ہمت نہ ہوئی۔ چودہ سو سال پہلے نبی آخر الزماں سرکار دو عالم فداہ ابی وامی ﷺ نے اس میدان میں خطبہ دیا تھا، ان کے اتباع میں ہر سال امامِ نماز خطبہ دیتا ہے، بس وہ کافی ہے، ہم جیسے لوگ جن کا ریشہ ریشہ گناہ کی زنجیر میں بندھا ہوا ہے، کس منہ سے تذکیر کریں۔ چھوڑو ہمیں ہمارے حال پر، بس کسی طرح خوشامد کرکے، روگا کر حق تعالیٰ کو منالیں، یہی بہت ہے۔

☆☆☆☆☆

کچھ دیر تک ہم بھی معلم کی دعا میں شامل رہے، پھر دوسری طرف بڑھ گئے۔ اب سورج کے منہ پر زردی آچکی تھی، غروبِ آفتاب کے بعد کوچ کرنا ہے، لوگ اپنا اپنا سامان لے کر خیموں سے نکل رہے ہیں۔ ہم لوگ بھی اپنے موٹر کی تلاش میں نکلے، تھوڑی جستجو کے بعد موٹر مل گیا، موسم سہانا تھا، گرمی کی تمازت رحمت کا اشارہ پا کر نرم ہوچکی تھی۔ میں نے دوستوں سے کہا کہ آؤ جنونِ شوق کی تکمیل کرلیں، بس کے اندر نہ بیٹھو۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر وقوف کیا تھا، ہمیں اونٹ کہاں نصیب، ہم بس کی چھت پر ہی بیٹھ لیں۔ چنانچہ ہمارے سب ساتھی اوپر چڑھ گئے، سورج غروب ہونے میں پندرہ بیس منٹ کی دیر تھی، اتنی دیر سواری پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل اور دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ ہمیں دیکھ کر بہت سے لوگ چھت پر آگئے۔ گولہ کا دھماکہ ہوا اور معلوم ہوا کہ سورج غروب ہوگیا۔ بس کے پہیے ہلنے لگے، انجن گھڑگھڑانے لگا، سینکڑوں بسیں آگے پیچھے لگی تھیں، ہماری بس کا چکہ گھومتے گھومتے آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ مغرب کی نماز کا کیا ہوگا؟ آج مغرب کی نماز بھی اپنے وقت سے ہٹا دی گئی ہے، عشاء کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ بس ہلتی رہی، لبیک کے نعرے فضا میں گونجتے رہے، مسلسل اور بے تکان! لبیک پکارتے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ کی مدت میں ہم مزدلفہ پہونچ گئے۔ مزدلفہ کے میدان میں ایک پہاڑی کے دامن میں بس کھڑی ہوگئی، گھڑی دیکھی تو ابھی عشاء کا وقت نہیں ہوا تھا، لیکن اکا دکا جماعتیں ہو رہی تھیں۔ قافلے کے لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ بھی نماز پڑھ لیں، میں کہا استنجا وضو کیجئے، عشاء کا وقت ہوگا تو پڑھی جائے گی،

سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ پانی کہاں سے لیا جائے، معلوم ہوا کہ قریب ہی پانی کا ایک ٹینکر ہے، ہم لوگ وہاں سے پانی بھر لائے، استنجا اور وضو سے فارغ ہوئے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا، اذان کہی گئی اور دو نمازیں مغرب اور عشاء کی ساتھ پڑھی گئیں۔

مزدلفہ کی رات بہت بابرکت ہے، یہ مقام بھی انتہائی متبرک ہے،۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا جس کی قبولیت عرفات میں نہیں ظاہر ہوئی تھی، یہاں مقبول ہوئی۔ اس رات میں توفیق والے خوب جاگتے ہیں اور عبادت میں وقت گزارتے ہیں، لیکن میں ہمیشہ کا آرام پرور، راحت کا خوگر! بڑے موقع سے حدیث یاد آئی کہ مزدلفہ میں رسول اللہ ﷺ نے پوری رات استراحت فرمائی تھی، بس مجھ بے حیا کو بھی آرام کا موقع ہاتھ آ گیا۔ عشاء کے بعد تھوڑی دیر دعا میں مشغول رہ کر چٹائی پر لیٹ گیا، میں تو سو گیا لیکن میری قسمت بیدار تھی۔ آج کے سونے پر بیداریاں قربان! سویرا ہو رہا تھا، ابھی صبح صادق میں گھنٹہ بھر سے زیادہ باقی تھا کہ ایسا ہوا کہ پیچھے سے سیّدی ومولائی حضرت رسول کریم ﷺ فداہ روحی وقلبی تشریف لائے، اور انبساط وبشاشت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں ادھر ہوں، تم ادھر کیوں رخ کئے ہو۔ یہ سننا تھا کہ میں فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر ادھر متوجہ ہوا، کروٹ بدلنی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ دیر تک تاثر رہا، خوشی ومسرت سے طبیعت جھوم اٹھی، جی چاہ رہا تھا کہ پھر سو جاؤں شاید باز دید ہو جائے، مگر دل نے کہا کہ آپ کی عنایت نے جگا دیا ہے، اشارہ ہے کہ اب عبادتِ الٰہی میں لگو۔ سو لینے کی وجہ سے طبیعت نہایت ہلکی ہو گئی تھی، رات بہت خوشگوار تھی، نہ گرمی، نہ سردی، وضو کر کے بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہو گیا۔ ایسی پُر لطف عبادت نصیب ہوئی کہ دیر تک اس کی حلاوت قلب وجگر میں محسوس ہوتی رہی۔ اس وقت بہت سے اللہ کے بندے گریہ وزاری میں مشغول تھے، حق تعالیٰ سب کی سن رہے تھے۔

ہاں یہ ذکر کرنا بھول ہی گیا کہ رمی جمرات کے لئے لوگ کنکریاں یہیں سے اٹھاتے ہیں، یہ کنکریاں کم وبیش چنے کی مقدار کی ہونی چاہئیں۔ یہ بھی قدرتِ الٰہی کا ایک معجزہ ہے، ہر سال لاکھوں حاجی یہاں سے کنکریاں اٹھاتے ہیں، ہر شخص کم وبیش انچاس

کنکریاں تو اٹھاتا ہی ہے، احتیاطاً ہر شخص دس پانچ زیادہ رکھ لیتا ہے، اگر بیس لاکھ حاجی ہوں تو کم از کم دس کروڑ کنکریاں ہر سال اٹھتی ہیں، لیکن کوئی شخص محروم ہونا تو در کنار ایسا بھی نہیں ہے کہ جس جگہ بیٹھ جائے وہاں سے ہٹ کر کہیں تلاش کرنے جانا پڑے۔ نمازِ عشاء پڑھ کر میں اور حافظ نسیم الحق بھی ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھے، ہم سوچتے تھے کہ معلوم نہیں یہاں مطلوبہ تعداد کی کنکریاں ملیں گی یا نہیں، ایک دو جگہ ہاتھ ڈالا تو مایوسی ہوئی، وہاں قدرے تاریکی تھی، میں مایوس ہو ہی رہا تھا کہ ایک جگہ ہاتھ پڑا تو ایسا محسوس ہوا کہ ابھی یہاں کنکریاں پیدا ہو گئیں، تھوڑی نہیں بہت زیادہ، اب جو اٹھانا شروع کیا تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں، ہمیں تین آدمیوں کی کنکریاں اٹھانی تھیں، ہمارا ارادہ تھا کہ ۱۳؍ کی رمی کر کے واپس ہوں گے، اس حساب سے ہمیں فی کس ستر کنکریاں اٹھانی تھیں، چنانچہ تقریباً سوا دو سو کنکریاں چن کر ہم واپس ہوئے، اور اسی وقت دھو کر رکھ لیا۔

صبح سے پہلے ہمارے قافلے کے رفقاء بھی اٹھ بیٹھے، سب نے تہجد کی نماز ادا کی۔ ہم نے دیکھا کہ لوگ صبح ہونے سے پہلے ہی فجر کی جماعت کر کرا کے روانہ ہو رہے ہیں، افسوس ہوا کہ لوگ عجلت میں اپنی نمازیں ضائع کر رہے ہیں، پھر خیال آیا کہ ممکن ہے کسی امام کے نزدیک آج وقت سے پہلے نمازِ فجر جائز ہو، کیونکہ بعض روایات سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آج فجر کی نماز وقت سے پہلے ادا کی تھی، گو کہ ہمارے علماء بتاتے ہیں کہ عام طور پر جس وقت میں آپ فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے یعنی کسی قدر اجالا کر کے، آج اس سے پہلے پڑھی تھی۔ اسی کو قبل از وقت سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے فجر پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ باجماعِ امت یہ بات ثابت ہے کہ وقت ہو جانے پر نماز پڑھی جا سکتی ہے، پس لوگوں نے جو کچھ کیا وہ ناواقفی کی وجہ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

وقت کی معلومات میں نے پہلے سے کر رکھی تھی، ہمارے قافلے کے لوگ مصر تھے کہ نماز ادا کر لی جائے، جگہ جگہ اذان ہو رہی تھی، میں نے سمجھایا کہ ابھی وقت نہیں ہوا ہے،

جب وقت ہوا تو اذان کے لئے ایک صاحب سے کہا، وہ ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ گولہ دغنے کی آواز آئی، میں نے کہا کہ یہ صبح صادق کا اعلان ہوا، خیر اذان ہوئی۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی گئی، وقوفِ مزدلفہ کا وقت طلوعِ صبح صادق سے طلوع شمس تک ہے، نماز سے فارغ ہوکر ذکر و تسبیح اور دعاء و مناجات میں مصروف ہوگئے، بعض حضرات نے عجلت کرنی چاہی، میں نے عرض کیا خوب روشنی پھیل جائے، جب یہاں سے روانگی ہوگی، چنانچہ لوگ اپنی اپنی مصروفیات میں منہمک ہوگئے۔ جب سورج کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہوا تو ہم لوگ اپنی جگہ سے اٹھے، لیکن ہماری بس جا چکی تھی، اب کرایہ کی بس سے جانا ممکن ہے، سڑک پر آئے تو ایسا اتفاق کہ کوئی بس نہیں تھی۔ ہم لوگ کنارے کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد ایک بس آئی، ہم لوگ دوڑے، مگر وہ زن سے نکل گئی، پھر کئی بسیں یکے بعد دیگرے آئیں اور نکل گئیں۔ ہم حیران تھے کہ آخر یہ بسیں رُکتی کیوں نہیں، پھر دیکھا تو پولیس کا ایک آدمی کھڑا تھا، اسے دیکھ کر بس والے وہاں روکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس والا وہاں سے چلا گیا، تو ایک بس رکی۔ اس پر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ دس ریال فی کس کرایہ مانگا، حالانکہ مزدلفہ سے منیٰ صرف ۴/ یا ۵/ کلومیٹر ہے، مگر آج اللہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے، ہم کو عجلت تھی کہ جلد نکل چلیں، مگر اب بس والا اس کے بھر جانے کی فکر میں ہے، مسافر کم ہو چکے تھے، اس لئے بظاہر بھر جانے کا امکان نہ تھا، ہم لوگ تشویش میں تھے کہ شاید بہت دیر ہوگئی، اتنے میں ایک پولیس والے کا چہرہ دکھائی دیا، اس کا ظہور ہونا تھا کہ بس چل پڑی۔ منیٰ میں کبری عبدالعزیز کے پاس اتر گئے، اور قدرے پیدل چلنے کے بعد اپنے خیمے میں پہونچ گئے۔ کبری موجودہ عربی زبان میں پل (برج) کو کہتے ہیں۔

اب مسئلہ جمرۂ عقبیٰ کی رمی کا تھا، آج ایک ہی جمرہ کی رمی کرنی ہے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکری مار کر دھتکارا تھا، وہ بھی دنیا کا عجیب ترین منظر تھا، ایک برگزیدہ باپ اپنے بڑھاپے کی اولاد کو جواب ہوشیاری کی عمر تک پہونچ چکی تھی خدا کے حکم سے ذبح کرنے لیکر چلا تھا، مکہ سے دور منیٰ کی وادی میں لے کر آیا تا کہ خدا

کے حکم کی تعمیل کرے۔ بیٹے کو پہلے سے خبردار کر دیا تھا، وہ بھی دل و جان سے آمادہ تھا، بیٹے کی محبت پر خدا کی محبت غالب تھی۔ ایسا رحیم و کریم باپ جو انبیاء کے درمیان اپنی وصف رحیمی و کریمی میں نمایاں ہے، آج تیار ہے کہ اپنے محبوب بیٹے کے گلے پر چھری پھیرے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ خدا کا یہی حکم ہے، اس بیٹے کے سلسلے میں باپ کا امتحان ایک بار اور ہو چکا ہے، جونہی بچہ پیدا ہوا تھا کہ حکم ہوا کہ اسے دور، بہت دور بے آب و گیاہ وادیوں میں ڈال آؤ۔ ابراہیم اس وقت بھی امتحان میں سرخرو ہوئے تھے، ماں اور بیٹے دونوں کو اس بے آب و گیاہ پتھریلی زمین میں ڈال گئے۔ آج کا امتحان اس سے بھی زیادہ سخت ہے، آج دونوں کا امتحان ہے اور دونوں اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے چل رہے ہیں، شیطان اس موقع پر بھلا کب چوکنے والا تھا، اس نے بار بار آ کر کوشش کی کہ باپ یا بیٹے کو بچلا دے مگر ہر مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات سات کنکریاں مار کر اسے ناکام کر دیا۔ حق تعالیٰ نے یہ جذبۂ قربانی قبول فرمایا اور اسماعیل کو بچالیا۔ جب یہ قربانی قبول ہوئی تو اس کے تمام متعلقات بھی منظورِ نظر بن گئے۔ آج حاجی جانور کی قربانی کرے گا مگر وہ اس کنکری کی یاد تازہ کرے۔ ان جگہوں پر علامتیں قائم کر دی گئی ہیں، وہاں سات کنکریاں اللہ کی بڑائی پکارتے ہوئے مارنی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے اس یادگار عمل کو ہر سال لاکھوں حاجی دہراتے ہیں۔

ہم لوگ سات آٹھ بجے تک اپنے خیمے میں پہونچ گئے تھے، تجربہ کاروں سے مشورے ہوئے کہ رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے، کتنے بجے وہاں جایا جائے کہ ہجوم ذرا کم ہو، کیونکہ سن رکھا تھا کہ وہاں ہجوم بہت ہوتا ہے، جگہ تھوڑی ہے اور ہر ایک کو وہاں پہونچنا ہے اس لئے ازدحام کا ہونا فطری بات ہے۔ تجربہ کاروں نے بتایا کہ لوگ آتے رہتے ہیں اور رمی سے فارغ ہوتے رہتے ہیں، آج زیادہ ہجوم نہ ہوگا کسی وقت بھی جایا جا سکتا ہے۔ ہم نے تھوڑا سا وقفہ کیا اور کنکریاں لے کر چل پڑے۔ جہاں ہمارا قیام تھا وہاں سے تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر کی دوری پر جمرات واقع ہیں۔ جمرۂ عقبہ جس پر آج کنکریاں مارنی ہیں یہ منیٰ کی طرف

سے آخری اور مکہ مکرمہ کی طرف سے پہلا ہے۔ ہم لوگ پہونچے تو بہت ہجوم تھا، رمی کے لئے دومنزلہ سڑک ہے، اوپر سے بھی رمی ہورہی ہے اور نیچے سے بھی، ہم لوگ نیچے ہی تھے اور ہجوم کا یہ عالم تھا کہ آدمی ہی آدمی نظر آرہے تھے، اور کنکریاں اس طرح بے تحاشا گر رہی تھیں جیسے ان کی بارش ہورہی ہو، یہاں کا ہول پہلے سے سمایا ہوا تھا، ہمارے رہبر و معلم قاری ولی اللہ صاحب نے پہلے ہی ہدایت کردی تھی کہ جب رمی کرنے جایئے تو چپل اور چشمہ ضرور اتار دیں اور احرام کی چادر مضبوط باندھ لیں، کیونکہ اگر چپل پر کسی کا پیر پڑ گیا تو منھ کے بل گرنا یقینی ہے، اور جو وہاں گر گیا اس کا اٹھ جانا محال ہے، آنکھ پر سے چشمہ کا پھنکا جانا تو قریب قریب یقینی ہے، اگر بدقسمتی سے احرام کھل جائے تو اسے باندھنے کی فکر نہ کریں، کسی طرح ہجوم سے نکل آئیں، غرض ایسا منظر کھینچا گیا تھا کہ ہم تجدید ایمان کرکے بالکل تیار ہوکر گئے۔ حافظ نسیم الحق نے کہا کہ آپ یہاں ٹھیریں پہلے میں کنکریاں مار آؤں، حالات کا اندازہ بھی ہوجائے گا، پھر آپ کے لئے سہولت ہوگی۔ انھوں نے اپنا چشمہ، گھڑی اور چپل اتار کر میرے حوالہ کیا اور **بسم اللہ مجریھا ومرساھا** پڑھتے ہوئے آدمیوں کے ہجوم میں گھس گئے، میں دل اور زبان دونوں سے ان کی خیریت کی دعا کرنے میں مشغول ہوگیا، مشکل سے تین چار منٹ گذرے ہوں گے کہ دیکھتا ہوں کہ وہ سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں، میں سمجھا کہ اس بھیڑ میں گھسنے میں یہ ناکام ہوگئے ہیں، اسی لئے واپس آگئے ہیں، میں نے گھبرا کر سوال کیا کہ کیا رمی نہیں کرسکے، کہنے لگے رمی کرکے آیا ہوں، مجھے بے حد استعجاب ہوا کہ اتنی جلد؟ کہنے لگے کچھ مشکل نہیں ہے، باہر ہی سے ہجوم نظر آرہا ہے، سب دور ہی دور سے اچھل اچھل کر مار رہے ہیں، آپ اطمینان سے اندر گھستے ہوئے چلے جائیں اور جتنی دور سے مارنا مسنون ہے یعنی چار پانچ ہاتھ کی دوری سے، بس وہاں کھڑے ہوکر آرام سے رمی کر لیجئے، کچھ بھی دشواری نہیں ہے، چپل وغیرہ بھی اتارنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے احتیاطاً چپل اتار دی اور ان کی ہدایت کے مطابق اندر چلا گیا، واقعی باہر سے جتنا ازدحام محسوس ہورہا تھا، اندر اتنا ہی اطمینان تھا، بڑی آسانی سے تکبیر کہتے ہوئے سات کنکریاں

ماریں اور واپس آ گیا، گرمی شدید تھی، راستے میں ایک جگہ ٹھنڈا پانی پیا اور خیمے میں پہونچ گئے۔ اب اس کے بعد مسئلہ قربانی کا تھا، مذبح کی مسافت بھی تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر تھی، اب انتظار تھا کہ مولوی ظفر احمد صاحب آ جائیں تو ان کے ساتھ منحر جا کر قربانی کی جائے، ان کے انتظار میں تھے کہ ایک دوسرے صاحب نوجوان نہایت بھلے مانس کہیں سے آ نکلے، وہ مجھے دریافت کر رہے تھے، میں نے ان سے تعارف چاہا اور جب انھوں نے تعارف کرایا تو مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ یہ میرے استاذ محترم حضرت مولانا شمس الدین صاحب مبارکپوری مدظلہٗ کے چھوٹے فرزند قمرالدین بھائی ہیں، جدہ میں ایک اسکول میں ملازم ہیں، نہایت سیدھے سادھے انتہائی خدمت گزار! مجھے اس پر شرمندگی ہوئی کہ میں ان کے اتنے قریب ہوتے ہوئے انھیں نہیں پہچان سکا تھا، پھر انھوں نے مولوی ظفر کو پوچھا، ہم نے بتایا کہ ہم بھی انھیں کے انتظار میں ہیں، کہنے لگے وہ آتے ہی ہوں گے، انھیں نے مجھے آپ کا پتہ بتایا ہے، مجھے ذرا دیر ہوئی تو میں نے سمجھا کہ وہ آ چکے ہوں گے، پھر انھوں نے کہا کہ آپ لوگ آرام کریں، بعد نماز ظہر قربانی کے لئے چلیں گے، چنانچہ ذرا دیر کے لئے لیٹ گئے اور نیند آ گئی، آنکھ کھلی تو مولوی ظفر احمد اور مولوی قمرالدین بھائی کو دیکھا کہ آ چکے ہیں، تقریباً ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز ادا کی اور منحر کی طرف چل کھڑے ہوئے، ہم چار آدمی تو تھے ہی جونپور کے بھی ایک صاحب ہمارے ساتھ ہو گئے، اب پانچ نفر کا قافلہ سربکف جا رہا ہے، مولوی ظفر احمد اور قمرالدین بھائی تو تجربہ کار تھے، ان کے دل میں نہ جانے کیا احساسات تھے لیکن ہم لوگوں کا پہلا اتفاق تھا اس لئے ہر موقع کی طرح یہاں بھی دل خوشگوار لہروں سے معمور تھا۔

۷/ذی الحجہ کو ہم منحر دیکھ آئے تھے، اس روز نہایت صاف ستھرا تھا، مگر آج کا رنگ ہی کچھ اور تھا، بہت کچھ دل میں سوچتے، پروگرام بناتے، جس وقت منحر میں داخل ہوئے تو وہاں عجیب منظر دیکھنے میں آیا، ہزاروں جانور ذبح کئے ہوئے پڑے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کیا قبول ہوئی، لاکھوں انسانوں اور کروڑوں جانوروں کا نصیبہ جاگ اٹھا۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ آدمی خدا کے نام پر چھری پھیرے اور سچ پوچھئے تو اس سے بڑی

خوش بختی یہ ہے کہ خدا کے نام پر قربان ہو جائے، انسانوں کو فی سبیل اللہ شہادت کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے اور جانوروں کو ہمہ وقت یہ شہادت نصیب ہے، وہاں اتنی فرصت اور اتنا موقع کہاں کہ جانور ذبح کئے جائیں، تو ان کی کھال اور گوشت نکالا جائے، بس عبادت ادا کی گئی اور دامن جھاڑ کر چل دیا جائے۔ گوشت کو کون پوچھتا ہے؟ اصل چیز تعمیلِ ارشاد ہے، سارا میدان ذبح شدہ جانوروں سے پٹا پڑا تھا، کوئی گوشہ خالی نہ تھا، دھوپ پوری شدت کے ساتھ آگ برسا رہی تھی، مجھے اندیشہ تھا کہ بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹنے لگے گا لیکن بدبو نام کا کہیں وجود نہ تھا، جانور مسلسل ذبح ہو رہے تھے، شور وغل ضرور تھا مگر بدبو کیا چیز ہے اس کا کہیں پتہ نہ تھا، ہم لوگوں نے طے کیا تھا کہ دنبہ ذبح کریں گے، ہم پانچ آدمیوں کو کل دس قربانیاں کرنی تھیں، جونہی ہم نے منحر میں قدم رکھا ایک پاکستانی قصاب ہم لوگوں کے ساتھ ہولیا۔ حجاج اپنے ساتھ چھری لے کر جاتے نہیں، وہاں اس کام کے لئے بکثرت حبشی اور پاکستانی اور دوسرے لوگ پھرتے رہتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں عمدہ قسم کی چھریاں ہوتی ہیں، یہ لوگ جانور کی خریداری سے لے کر ذبح کرنے تک بہترین معاون ثابت ہوتے ہیں، اگر آپ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیجئے تو دو ریال اور ان سے ذبح کرائیے تو پانچ ریال ان کا مطالبہ ہے، اس مطالبہ میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔ ہم لوگ جب پہونچے تھے تو یہی نرخ چل رہا تھا، ہم نے ٹہلتے اور تلاش کرتے ہوئے پورے منحر کا طواف کر ڈالا، ایک جگہ عمدہ دنبوں کا جم غفیر نظر آیا، قصاب ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہا، یہاں معلوم ہوا کہ ہر جانور ڈھائی سو ریال کا ہے، ایک مالک اور اس کے چند ملازم ہیں اور ہزاروں جانور اکٹھا ہیں، دکاندار سے بات کی گئی، اس نے کہا کہ قیمت ایک ہے، جانور خود سے چھانٹ لیجئے، ہمارا قصاب جانوروں کے ہجوم میں گھس گیا اور ایک ایک جانور انتخاب کر کے نکالتا گیا، ہم لوگ اس کی مدد سے ذبح کرتے گئے، جب دس جانور پورے ہو گئے تو تلاش ہوئی کہ دکاندار کہاں ہے تاکہ اسے پیسے ادا کر دئے جائیں، معلوم ہوا کہ وہ دور کہیں کچھ لوگوں سے معاملہ کر رہا ہے، اسے بلایا گیا وہ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ آیا، جانوروں کی تعداد پوچھی، بتانے پر ڈھائی

ہزار کی رقم بتائی جو فوراً ادا کر دی گئی، وہ شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔

میں حیرت میں تھا کہ ہم جانور نکالتے رہے، ذبح کرتے رہے، اس دوران نہ وہ ہمارے پاس آیا اور نہ اس کا کوئی ملازم! وہ دوسری طرف اپنا کام کرتا رہا، جیسے اسے بالکل اطمینان ہے کہ کوئی گڑبڑ نہ ہوگی، یہ بات وہاں دکانداروں میں بہت عام ہے، انھیں پورا اعتماد ہے، چوری چکاری کا ڈر بالکل نہیں، ایمانداری دل کے گوشے گوشے میں رچی بسی ہے، یہ بات ہمارے ملک میں قطعاً انہونی ہے۔

ہم لوگوں نے جانور عمدہ منتخب کئے تھے اسے دیکھ کر بعض غریب حبشی جو مستقلاً منحر کے قریب آباد ہیں، آ گئے اور کئی دنبے اٹھا کر لے گئے، وہ کھال نکال کر گوشت کو اپنے کام میں لائیں گے، ہم بہت مسرور ہوئے، ہماری قربانی کی قبولیت کے لئے یہ نیک شگون ہے کہ یہاں کے مقدس باشندے جو بہر حال اللہ کے پڑوسی ہیں، ان قربانیوں کو کام میں لائیں گے، قربانی سے فارغ ہو کر ہم لوگ ہاتھ منھ دھو کر منحر سے نکلے۔ پیاس خوب لگ رہی تھی، پانی ساتھ میں موجود تھا، اسے پیا اور اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے اپنے خیموں کی طرف چل پڑے۔ حکومت نے پانی کا زبردست انتظام کر رکھا ہے۔ شاہ فہد کی طرف سے ٹھنڈے پانی کی تھیلیاں ہر جگہ تقسیم ہوتی رہتی ہیں، جنھیں مفت حاصل کر کے لوگ آسودہ ہوتے ہیں۔

خیمے میں آ کر مسئلہ تھا سر منڈا کر احرام کھولنے کا، احرام کے لوازم میں آخری عمل قربانی ہے، اس کے بعد سر منڈانا ہے، بس اس سے آدمی احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے، راہ میں جگہ جگہ حجام لوگوں کے سروں پر استرے چلا رہے تھے، ہم لوگوں کو بھی بعض نے پکارا مگر آج طے تھا کہ عمل حجامت خود ہی انجام دینا ہے، مولوی ظفر احمد کو چونکہ اس کا سابقہ بکثرت پڑتا ہے، اس لئے وہ اس میں مہارت رکھتے ہیں چنانچہ انھوں نے ہم سب کی خدمت کی اور حافظ نسیم الحق ان کے لئے حجام بنے۔ حجامت سے فارغ ہو کر قریبی غسل خانہ میں غسل کیا گیا، منیٰ میں سعودی گورنمنٹ نے باتھ روم کا بہت عمدہ نظم کر دیا ہے، شیڈ والی سڑک کے قریب ہم لوگوں کا قیام تھا، اس سڑک پر تین کلومیٹر دوری کے اندر ۴۵ر جگہوں پر

بیت الخلاء و غسل خانے بنے تھے، ہر جگہ تعداد میں چودہ یا سولہ تھے، یہ باتھ روم نٹ بولٹ کے ذریعہ عارضی طور پر کھڑے کردیئے جاتے ہیں، اور پانچ دنوں کے بعد اٹھا لئے جاتے ہیں، گٹر سسٹم کی وجہ سے پانی بافراط ہوتا ہے، صفائی کا بہت اہتمام کیا گیا ہے۔ ہم لوگوں نے غسل کیا، کپڑے بدلے، ہر ایک نے دوسرے کو حج کی مبارکباد دی، اب حج کا آخری فریضہ یعنی طواف، زیارت باقی رہ گیا ہے، سنت کی عزیمت یہ ہے کہ آج ہی یہ فریضہ بھی ادا کرلیا جائے، لیکن شریعت نے اس میں رخصت بھی دی ہے، کہ آج نہیں تو کل، اور کل نہیں تو پرسوں شام تک یہ فریضہ بلا کراہت ادا کیا جاسکتا ہے۔ ہم لوگوں کو نہاتے دھوتے عصر کا وقت ہوگیا، اگر آج ہی مکہ مکرمہ جاتے تو رات چونکہ منیٰ میں گزارنی ہے، اس لئے رات کے کسی وقت لوٹ آنا ہی پڑتا، پھر کل جمعہ ہے، جمعہ پڑھنے کے لئے پھر مسجد حرام جانے کا تقاضا ہوتا، اس لئے سہولت کے پیش نظر یہ سوچا گیا کہ کل جمعہ کو یہاں سے سویرے چل کر طواف زیارت کرلیا جائے اور جمعہ پڑھ کر واپس منیٰ آکر دوسرے دن کی تین جمروں کی رمی کی جائے۔ یہی بات طے ہوگئی، چنانچہ آج رات آرام سے بسر کرلی، اس دوران حاجی عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے ہمارے پروگرام سے اتفاق کیا۔

دوسرے روز علی الصباح ہم لوگ ایک بس کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچے، قیام گاہ پر غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر طواف زیارت کیلئے مسجد حرام میں پہونچے تو دیکھا کہ شمع حرم (یعنی کعبہ مقدسہ) کو پروانوں نے گھیر رکھا ہے، طواف کا حلقہ بہت بڑا ہے، مگر پورا حلقہ پروانوں کی گردش پیہم سے معمور ہے، بہت سی شمعیں دیکھی ہیں، بہت سے پروانوں کو دیکھا ہے مگر جو شان یہاں نظر آرہی ہے عشق ومحبت کے والہانہ جذبہ کی، خود سپردگی وجاں سپاری کے مجنونانہ مظاہرہ کی، وہ کہیں اور کہاں؟ آدمی نہ تھے آدمیوں کا بحر بیکراں تھا، جو موجیں مار رہا تھا، اور کعبہ اپنی شانِ محبوبانہ کے ساتھ سیاہ لباس میں کھڑا خراجِ عشق ومحبت وصول کر رہا تھا اور اس کے اوپر برستی ہوئی رحمتیں عاشقوں کو دادِ محبت وعنایت دے رہی تھیں، ہزاروں برس پرانا خدا کا یہ گھر ہر سال یہ عاشقانہ منظر دیکھتا ہے اور ہر ایک کو اس کے ظرف وخلوص کے

بقدر نوازتا ہے۔ اللہ اللہ کتنا جمال ہے اس گھر میں، سادہ مگر دلکش، بے رنگ مگر رنگینیوں سے معمور، بظاہر سب سے بے نیاز مگر سب کا ناز بردار، کل میدان قیامت میں اس کی ناز برداریوں کا ظہور ہوگا۔ میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور دیر تک انسانوں کے اس سمندر کو دیکھتا رہا، جو پورے جوش وخروش کے ساتھ لہریں مار رہا تھا، مسلسل دعاؤں کی صدائیں کانوں میں آرہی تھیں، ہر شخص دیوانہ وار گھوم رہا تھا اور محبوب حقیقی کو پکار رہا تھا۔ دیر کے بعد میں بھی حجر اسود کے محاذات میں پہونچ گیا، قریب جانے کا موقع ہی نہ تھا، دور ہی سے استلام کیا، اور طواف شروع کردیا، آج کے طواف میں قدم اپنے اختیار سے نہیں اٹھ رہے تھے، بس بے اختیارانہ اٹھتے چلے جارہے تھے، میں سر جھکائے قدموں پر نظر جمائے مجمع کے سہارے چلتا رہتا، جہاں بھیڑ اچانک زیادہ محسوس ہوتی سمجھ جاتا کہ حجر اسود قریب ہے، اسی لئے پروانوں کی شورش بڑھ گئی، میں ذرا دور کا فاصلہ اختیار کرلیتا کیونکہ ضعیف الہمت ہوں اور اسی ضعف الہمتی کے باعث مغفرت کا امیدوار ہوں۔ یاد نہیں غالباً پون گھنٹہ میں طواف پورا ہوا، طواف سے فارغ ہوکر دو رکعت نماز ادا کرکے سعی میں سرگرم ہونا تھا، صفا کے قریب پہونچا تو ہجوم اور زیادہ نظر آیا، یہاں مطاف جیسی جگہ تو ہے نہیں، دو کشادہ سڑک جیسے راستے ہیں۔ ایک صفا سے جانے کے لئے اور ایک مروہ سے واپس آنے کے لئے، بیچ میں دو رویہ مختصر سا راستہ معذوروں کے لئے ہے، جب صفا سے مروہ کی طرف چلے تو بسا اوقات ایسا محسوس ہوا کہ دب کر پس جائیں گے، مگر کیا رحمت الٰہی ہے، کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہے، سب ایک خیال میں محو ہیں کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، ایسے ہجوم میں نہ جانے کتنے مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر یہاں سب کے دلوں کو یادِ حق نے باندھ رکھا ہے، سب مسرور ہیں کہ حکم الٰہی کی تعمیل ہورہی ہے، سب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اماں جان حضرت ہاجرہؓ یاد آرہی ہیں، دیوانے کبھی آہستہ چلتے ہیں کبھی دوڑنے لگتے ہیں، اس لئے کہ حضرت ہاجرہ اسی طرح چلی تھیں، مجھے کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں یہ سعی پوری ہوئی تھی، بدن تھک کے چور ہوگیا تھا، تھوڑا سا وقت جمعہ میں باقی رہ گیا تھا، قیام گاہ

پر جا کر تھوڑا آرام کیا اور دوبارہ غسل کر کے جمعہ پڑھنے آ گیا ، جمعہ کی پہلی اذان ہوئی اور بمشکل دو رکعت پڑھنے کا موقع ملا کہ دوسری اذان شروع ہوگئی ، خطبہ ہوا ، نماز ادا کی گئی ۔ اب منیٰ واپسی کا مسئلہ تھا ، نماز عصر کی بھی یہیں ادا کی گئی ، بعد نمازِ عصر ایک ٹیکسی سے ہم لوگ منیٰ کے لئے روانہ ہوئے ، ساتھ میں حافظ نسیم الحق ، مولوی محمد عمر جونپوری ، حاجی عبد الرحمٰن صاحب اور ان کی اہلیہ تھیں ، ٹیکسی پر بیٹھ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سواری جمرات والے راستہ پر نہیں جا سکتی ، ہم لوگ بہت گھبرائے ، ٹیکسی والے نے ہم لوگوں کو ایک ایسی جگہ اتارا جہاں سے پیدل جمرات کا راستہ قریب تھا ، لیکن اس کا مطلب جب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دو کلومیٹر سے کسی طرح کم نہیں ہے ، اور راستہ بھی سیدھا نہیں ہے ، کہیں چڑھنا ہے کہیں اترنا ہے ، ہمیں اپنی فکر تو نہیں تھی لیکن ایک خاتون کی موجودگی کی وجہ سے ذرا پریشانی محسوس ہو رہی تھی ، مگر پتہ چلا کہ وہ خاتون مردوں سے زیادہ جواں ہمت ہے ، بہر کیف راستہ پوچھتے ، اترتے چڑھتے جمرات پر پہونچ گئے ، ہجوم آج کل سے زیادہ تھا ، مگر کل والے فارمولے پر عمل کر کے نہایت سہولت کے ساتھ رمی کر کے ہم لوگ فارغ ہوگئے ، راستے میں مغرب کا وقت ہوگیا ، ہجوم کی وجہ سے راستے میں مغرب پڑھنے کا موقع نظر نہ آیا ۔ مولوی محمد عمر صاحب جونپوری کا خیمہ نسبتاً قریب تھا ، وہاں نماز ادا کر کے تھوڑی دیر بیٹھ گئے ، مولوی محمد عمر نے اپنے رفقاءِ خیمہ سے تعارف کرا رکھا تھا ، وہ سب لوگ اکٹھا ہوگئے ، اور مختلف سوالات کرنے لگے ، ایسا محسوس ہوا کہ وہ لوگ وعظ چاہتے ہیں ، میری ہمت تو نہیں مگر ان لوگوں کے سوالات کے جواب میں مختصر سا وعظ ہو ہی گیا ، وہاں چائے اور وہیں عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے خیمے میں آ گیا ۔

۱۲؍ ذوالحجہ ! آج رمی جمرات کا دوسرا دن ہے ، شریعت نے اختیار دیا ہے کہ آج کی رمی کر کے جو لوگ مکہ جانا چاہیں جا سکتے ہیں ، اور آج رک کر کل جانا چاہیں تو کل زوال سے پہلے رمی کر کے جائیں ، لیکن آج صبح ہی سے حجاج میں روانگی کی ہماہمی دیکھی ۔ معلم کے کارندے بھی آ کر کہنے لگے کہ ظہر کے بعد عصر تک کے لئے انتظام ہے ، اس کے بعد خیمے

اکھاڑ لئے جائیں گے، بجلی کی لائن کاٹ دی جائے گی، ادھر تو یہ تھا ہی، دوسری طرف حافظ نسیم الحق کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی، انھیں شدید بخار آگیا، حج میں آنے سے پہلے وہ بہت زیادہ بیماری جھیل چکے تھے، اندیشہ ہوا کہ یہ بخار ترقی نہ کر جائے، اس لئے مجبوراً ہم لوگوں کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اب پروگرام یہ بنا کہ عصر کی نماز پڑھ کر رمی کے لئے جایا جائے اور وہیں سے بس کے ذریعہ مکہ مکرمہ روانگی ہو جائے۔ میں، حافظ نسیم الحق اور قمر الدین بھائی واپسی میں ساتھ ہیں، باقی رفقاء اپنی اپنی سہولت کے لحاظ سے پہلے ہی روانہ ہو گئے، عصر تک خیموں کی ویرانی شروع ہوگئی، بجلی کی لائن منقطع کر دی گئی، بیشتر خیمے اکھاڑ دئے گئے، ہر طرف روانگی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر ہم لوگ روانہ ہوئے، چلتے چلتے ہمارے بزرگ رفیق قاری غریب نواز صاحب بھی شریک ہو گئے، جمرات کے قریب پہونچے تھے کہ ایک بزرگ منحنی سے ملے، قاری غریب نواز نے نہایت ادب سے ان سے ملاقات کی۔ ہم لوگوں نے بھی تعظیم کی، قاری صاحب سے وہ فرمانے لگے اور ہم لوگوں سے بھی خطاب کیا کہ مدینہ منورہ میں آپ لوگ فلاں نمبر پر ٹیلیفون کیجئے گا وہاں ملوں گا۔ بعد میں قاری صاحب نے بتایا کہ یہ بزرگ مولانا عبد اللہ صاحب بستوی ہیں، نومسلم ہیں، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا سیّد حسین احمد مدنی) سے بیعت کا تعلق رکھتے ہیں۔ بہت عرصہ تک تاؤلی، مظفر نگر میں پڑھایا ہے اور اب عرصہ سے مدینہ طیبہ میں جوارِ رسول میں معتکف ہیں، چند لمحہ کی ملاقات رہی، دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوئے، لیکن اتنی دیر میں کیا نقش جمتا۔ ہم لوگ آگے بڑھے تو حافظ نسیم الحق کے کوئی دوست مل گئے، وہ ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئے، ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے کہ وہ آکر مل لیں گے، مگر اتنے ہجوم میں مختصر سا فاصلہ بھی رفقاء کے بچھڑ جانے کیلئے کافی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کہیں ہجوم میں رل گئے، ہم تین شخصوں نے رمی کی اور اس سے فارغ ہو کر باری باری انھیں تلاش کرنے لگے، لیکن وہ نہیں ملے، قاری صاحب کو ایک بس سے رخصت کر دیا، کہ ہم لوگ تھوڑا انتظار کر کے آئیں گے، دیر کے بعد جب حافظ نسیم الحق کا پتہ نہیں چلا تو ہم لوگ بھی مکہ مکرمہ جانے والی بس پر سوار

ہو گئے، جانے والا ہجوم آنے والے ہجوم سے بہت زیادہ محسوس ہوا۔ ایک جگہ پہونچ کر راستہ بالکل جام ہو گیا، وہاں اتر کر نماز پڑھی اور پھر پیدل ہی مکہ پہونچ گئے، قیام گاہ پر پہونچے تو عشاء کی اذان ہو چکی تھی، حافظ نسیم الحق کو دیکھا کہ سو رہے ہیں اور بخار میں تپ رہے ہیں، اطمینان ہوا، پھر وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر انھیں جگایا اور سب نے مل کر جماعت کی، نماز سے فارغ ہو کر قمر الدین بھائی کھانے کا کچھ سامان لائے، بھوک لگی تھی خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور سو گئے۔

☆☆☆☆☆

حج کے تمام ارکان ادا ہو گئے۔ حاجی کا نام اب ہم پر بھی چسپاں ہو گیا، لیکن کیا واقعۃً ہم ''حاجی'' ہو گئے، کیا ہم نے صحیح معنوں میں حج کیا؟ کیا حدیث میں جو بشارت آئی ہے کہ **من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمهٗ.** جس نے حج کیا اللہ کے واسطے اور اس میں نہ بے حیائی کا کوئی کام کیا اور نہ نافرمانی کی، وہ ایسا ہو گیا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو) کیا اس ارشاد میں ہمارا بھی کچھ حصہ ثابت ہوا؟ لوگ کہتے ہیں کہ حج کے بعد جس کی دینی حالت میں ترقی ہو، خدا کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے، اس کا حج قبول ہو گیا۔ گھر واپس ہونے کے بعد تو خیر جو حال ہو، بروقت کیا کچھ اپنے احوال میں تبدیلی ہوئی؟ کیا دل اپنی خواہشات وشہوات سے دستبردار ہوا؟ کیا اس میں کچھ بھی دینی لگن اور جذبہ بیدار ہوا؟ یہ اور ایسے ہی اور بھی سوالات تھے جو مسلسل دل کی گہرائیوں سے اُٹھتے تھے اور کم از کم میں ان کے جواب سے بالکل عاجز تھا۔ رہ رہ کر سوچتا تھا تو اعمال ومناسک کا ڈھانچہ تو یاد آتا تھا، مگر اس کی روح جس کی شُد بُد کچھ کتابوں کے مطالعہ اور کچھ بزرگوں کے احوال کے دیکھنے سے حاصل ہوئی تھی، اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا، جو کچھ کسی مقام پر آنسو بہے ان پر ریا کاری یا کم از کم مجمع سے تاثر کا شبہ ہونے لگا۔ ہر کام خلوص سے خالی، ہر عمل یادِ الٰہی سے عاری اور ہر حرکت پر معصیت کا رنگ طاری! کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں نے حج کیا ہے یا حاجیوں کی روکھی پھیکی نقالی کی ہے؟ میں نے کارِ ثواب کیا ہے یا

پاپ کی گٹھری اپنی پُشت پر لادی ہے؟ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص عرفات سے بھی خود کو محروم سمجھ کر آ گیا اس سے زیادہ عاصی اور محروم کوئی دوسرا نہیں، یہ سن کر میں کانپ گیا میرا احساسِ محرومی بڑھ گیا۔ میں دوستوں میں چلتا پھرتا، ہنستا بولتا، مگر میری تنہائیاں بڑی کربناک ہوگئی تھیں، مجھے بارہا احساس ہوتا تھا کہ میں نے کوئی گستاخی کی ہے، میرا ہر عمل میرے منھ پر مار دیا گیا، میرا سفر میرے حق میں ایک فردِ جرم کا اضافہ ہے، مسجد حرام میں حاضر ہوتا تو کعبۂ مقدسہ کی مواجہت سے شدید شرمندگی طاری ہوتی، میں منھ چھپانے کی کوشش کرتا، مگر کعبہ سے منھ چھپایا جاسکتا ہے ربِ کعبہ سے نہیں، مجبوراً ایک مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے طواف کرلیتا۔ کعبہ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی، اس احساس کی شدت میں میری زبان گُنگ ہوجاتی نہ کوئی دعا منھ سے نکلتی اور نہ کوئی حرفِ آرزو شرمندۂ لب ہوتا۔ بس یونہی چکر لگالیتا، اب وقت بھی گزر چکا تھا تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ میرے دوست حاجی عبدالرحمٰن صاحب خیرآبادی کبھی کبھی شیخ ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ کا واقعہ یاد دلا کر کچھ سوالات اپنے غایتِ حسن ظن کی وجہ سے مجھ سے کرتے مگر میں شرمندہ ہوکر چپ رہ جاتا۔ اول تو وہ بات بہت بڑے کی ہے، دوسرے اپنا حال بالکل دگرگوں ہے، جس چیز کا مجھے تصور تک نہیں ہوسکتا اس کا جواب میں کیونکر دیتا، لیکن سفرنامہ کی سطریں یہاں تک پہونچیں تو یاد آیا کہ وہ قصہ لکھ دینا چاہئے شاید کسی اللہ کے بندے کی آنکھ کھل جائے اور اس کا سفر حج کسی معیار کا ہوجائے، اور شاید میرے کاہل اور مریض نفس کو کچھ تازیانہ لگے۔ یہ واقعہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے فضائل حج میں صاحب ''**اتحاف السادۃ المتقین**'' کے حوالے سے نقل کیا ہے، ہم اسے فضائل حج سے نقل کررہے ہیں۔

شیخ المشائخ قطب دوراں شبلی قدس سرہٗ کے ایک مرید حج کرکے آئے، تو شیخ نے ان سے چند سوالات کئے، وہ فرماتے ہیں کہ شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم کیا تھا؟

مرید: جی پختہ قصد حج کا تھا۔

ش: اس کے ساتھ ان تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کرلیا تھا جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کئے؟

مرید: یہ عہد تو نہیں کیا تھا۔

ش: پھر تم نے حج کا عہد ہی نہیں کیا۔ اچھا احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دئے تھے؟

مرید: جی بالکل نکال دیا تھا۔

ش: اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا۔

مرید: نہیں ایسا تو نہیں ہوا تھا۔

ش: پھر تم نے کپڑے کیا نکالے۔ اچھا وضو اور غسل سے طہارت حاصل کی تھی؟

مرید: جی ہاں بالکل پاک وصاف ہو گیا تھا۔

ش: اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش سے پاکی حاصل ہوگئی تھی۔

مرید: یہ تو نہ ہوئی تھی۔

ش: پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی، پھر فرمایا لبیک پڑھی تھی۔

مرید: جی ہاں! لبیک پڑھی تھی۔

ش: اللہ جل شانہٗ کی جانب سے لبیک کا جواب ملا تھا۔

مرید: مجھے تو کوئی جواب نہ ملا۔

ش: پھر تم نے لبیک کیا کہی، اچھا حرم میں داخل ہوئے تھے؟

مرید: جی داخل ہوا تھا۔

ش: اس وقت ہر حرام کے ترک کرنے کا عزم کرلیا تھا۔

مرید: یہ تو میں نے نہیں کیا تھا۔

ش: پھر تم حرم میں داخل نہیں ہوئے، اچھا مکہ کی زیارت کی تھی؟

مرید: جی زیارت کی تھی۔

ش: اس وقت دوسرے عالم کی زیارت ہوئی؟

مرید: نہیں، اس عالم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

ش: تب تم نے مکہ کی زیارت نہیں کی۔ اچھا مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے؟

مرید: جی! داخل ہوا تھا۔

ش: اس وقت حق تعالیٰ کے قرب میں داخلہ محسوس ہوا تھا۔

مرید: مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔

ش: تب تو مسجد میں داخلہ نصیب نہیں ہوا۔ اچھا کعبہ شریف کی زیارت کی تھی؟

مرید: جی ہاں! زیارت کی تھی۔

ش: وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے؟

مرید: مجھے تو نظر نہیں آئی۔

ش: پھر تم نے کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔ اچھا طواف میں رمل کیا تھا؟

مرید: کیا تھا۔

ش: اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسو ہو چکے ہو۔

مرید: نہیں، میں نے نہیں محسوس کیا۔

ش: تم نے پھر رمل ہی نہیں کیا۔ اچھا حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دیا تھا؟

مرید: جی! ایسا کیا تھا۔

ش: (خوف زدہ ہوکر ایک آہ کھینچی اور فرمایا) تیرا ناس ہو، خبر بھی ہے کہ جو حجر اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے، اور جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے، تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہوئے؟

مرید: مجھ پر تو امن کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔

ش: پھر تم نے حجر اسود پر ہاتھ رکھا ہی نہیں۔ اچھا مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت

نفل پڑھی تھی؟

مرید: جی! پڑھی تھی۔

ش: اس وقت اللہ جل جلالہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہونچا تھا، کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا تھا، اور جس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟

مرید: میں نے تو کچھ نہیں کیا۔

ش: تو نے پھر مقام ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی۔ اچھا صفا و مروہ کے درمیان سعی کے لئے صفا پر چڑھے تھے؟

مرید: جی چڑھا تھا۔

ش: وہاں کیا کیا؟۔

مرید: سات مرتبہ تکبیر کہی، اور حج کے مقبول ہونے کی دعاء کی۔

ش: کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور ان کی تکبیر کا تمہیں احساس ہوا تھا؟

مرید: نہیں۔

ش: تب تم نے تکبیر کہی ہی نہیں۔ اچھا صفا سے نیچے اترے تھے؟

مرید: جی اترا تھا۔

ش: اس وقت ہر قسم کی علت دور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی؟

مرید: نہیں۔

ش: نہ تم صفا پر چڑھے نہ اترے، اچھا صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟

مرید: جی دوڑا تھا۔

ش: اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہونچ گئے تھے؟

مرید: نہیں۔

ش: تم دوڑے ہی نہیں۔ اچھا مروہ پر چڑھے تھے؟

مرید: چڑھا تھا۔

ش: تم پر وہاں سکینہ نازل ہوا، اور اس سے وافر حصہ حاصل کیا؟

مرید: نہیں۔

ش: پھر مروہ پر تم چڑھے ہی نہیں۔ اچھا منیٰ گئے تھے؟

مرید: گیا تھا۔

ش: وہاں اللہ جل شانہٗ سے ایسی امیدیں بندھ گئی تھیں، جو معاصی کے حال کے ساتھ نہ ہوں؟

مرید: ایسی امیدیں نہیں ہوسکیں۔

ش: تب تم منیٰ گئے ہی نہیں۔ مسجد خیف میں داخل ہوئے تھے؟

مرید: جی داخل ہوا تھا۔

ش: اس وقت اللہ جل شانہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوگیا تھا، جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟

مرید: نہیں۔

ش: تب تم مسجد خیف میں داخل نہیں ہوئے۔ اچھا عرفات کے میدان میں پہونچے تھے؟

مرید: جی حاضر ہوا تھا۔

ش: وہاں یہ پہچان لیا تھا کہ دنیا میں کیوں آئے ہو، اور کیا کر رہے ہو، اور کہاں اب جانا ہے، اور ان حالات پر متنبہ کرنیوالی چیز کی معرفت حاصل کر لی تھی؟

مرید: نہیں۔

ش: پھر تو تم عرفات بھی نہیں گئے۔ اچھا مزدلفہ گئے تھے؟

مرید: جی گیا تھا۔

ش: وہاں اللہ جل شانہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا، جو اس کے ماسوا کو دل سے بھلا دے؟

مرید: نہیں، ایسا تو نہیں کیا تھا۔

ش: پھر تو مزدلفہ پہونچے ہی نہیں۔ اچھا منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟

مرید: کی تھی۔

ش: اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟

مرید: نہیں۔

ش: پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی، اچھا تم نے جمرات کی رمی کی تھی؟

مرید: کی تھی۔

ش: ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس کی تھی؟

مرید: نہیں۔

ش: پھر تم نے رمی نہیں کی۔ اچھا طوافِ زیارت کیا تھا؟

مرید: جی کیا تھا۔

ش: اس وقت کچھ حقائق منکشف ہوئے تھے، اور اللہ جل شانہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی۔ اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کی زیارت کرنے والا ہے، اور جس کی زیارت کو کوئی جائے اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین کا اکرام کرے۔

مرید: مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہوا۔

ش: تب تم نے طوافِ زیارت نہیں کیا۔ اچھا احرام کھول کر حلال ہوئے تھے؟

مرید: ہوا تھا۔

ش: ہمیشہ کے لئے حلال کمائی کا عہد کر لیا تھا؟

مرید: نہیں۔

ش: تم حلال بھی نہیں ہوئے۔ اچھا الوداعی طواف کیا تھا؟

مرید: کیا تھا۔

ش: اس وقت اپنے تن من دھن کو کلیۃً الوداع کہہ دیا تھا؟

مرید: نہیں۔

ش: پھر تم نے طواف وداع نہیں کیا، دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے تم سے تفصیل سے بیان کیا۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب لکھتے ہیں کہ یہ طویل قصہ اس لئے نقل کیا تا کہ اندازہ ہو جائے کہ اہل ذوق کا حج کس طرح ہوتا ہے، میرا اندازہ ہے کہ ہر دور میں ایسے کچھ لوگ ضرور ہوتے ہوں گے، جن کا حج اس طرح کی کیفیات سے لبریز ہوتا ہوگا۔ اللہ کے مخلص بندوں کی کمی نہیں، پر انھیں تلاش کرنا پڑتا ہے، اور شاید میں اس تلاش میں محروم نہیں رہا۔ مجھے بعض ایسے حضرات سے سابقہ پڑا، جن کے سلسلے میں بار بار یہ احساس ہوا کہ ان کا حج واقعی حج ہے، ان میں ایک نوجوان عالم مظفر نگر کے علاقہ کے ملے، جن سے ایک ہی ملاقات ہوئی، اور ان کا نام بھی اب مجھے یاد نہیں۔ انھیں دیکھ کر، ان سے مل کر، ان کی خاشعانہ باتیں سن کر دل یہی کہتا تھا کہ اس نوجوان کا حج واقعی حج ہے، ان کے علاوہ بعض اور حضرات کی زیارت ہوئی، کسی کسی موقع پر ان کا بھی ذکر آئے گا۔

☆☆☆☆☆

حج سے فارغ ہونے کے بعد کم از کم ۱۸/۲۰/ دنوں کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا۔ آٹھ دن کے لئے آخر میں مدینہ منورہ بھیجے جائیں گے، اتنے دنوں بالکل فراغت ہے، طواف کریں، نمازیں پڑھیں، تلاوت کریں، خانہ کعبہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کریں، تاریخی مقامات کی زیارت کریں، دوستوں سے ملاقاتیں کریں، تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھیں اور واپس آ کر عمرہ کریں۔ یا پھر بازاروں کی سیر کریں، ہوٹلوں میں تفریح کریں، سامانوں کی خریداری کریں۔ ہر ذوق کے لوگ ہیں، اور ہر ذوق کا سامان بہم ہے، جس کے جی میں جو آئے کرے، لیکن یہاں آپ بیتی سنانی مقصود ہے، جگ بیتی کی زیادہ صلاحیت ہی نہیں، اور حق تعالیٰ کا اپنے اوپر بہت بڑا انعام سمجھتا ہوں کہ اس نے بازار کی تفریح اور خرید

وفروخت کے ذوق سے محروم کررکھا ہے، ادھر سے اضطراری طور سے نجات ہے۔ ہاں ایک کام کا ذوق ہے، وہ ہے کتابوں کی خریداری! چنانچہ حاجی رضوان اللہ صاحب سے معلوم کیا کہ یہاں کتابیں کہاں سے خریدی جاسکتی ہیں، انھوں نے بتایا کہ مروہ کی جانب ایک بہت بڑا مکتبہ ہے "مکتبہ دارالباز" یہ غالباً سعودی عرب کا سب سے بڑا تجارتی کتب خانہ ہے، اور سب سے ارزاں کتابیں دیتا ہے، اس کا مالک ایک سعودی عباس نامی ہے، جو بہت عمدہ آدمی ہے، وہیں سے کتابیں خریدی جائیں۔ مجھے کچھ کتابیں اپنے لئے بھی لینی تھیں، اور زیادہ تر مدرسہ ریاض العلوم گورینی کیلئے۔ حاجی رضوان اللہ صاحب ماشاءاللہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ کے عاشق زار مرید ہیں، اسی حساب سے مالدار اور فیاض بھی ہیں، انھوں نے یہ کہہ کر میرا حوصلہ بڑھا دیا کہ آپ جس قدر چاہیں کتابیں منتخب کرلیں رقم کی فکر نہ کریں، بس حضرت خوش ہوجائیں۔ گورینی کے کتب خانہ کی بیشتر کتابیں میرے حافظہ میں محفوظ تھیں، میں نے کوشش کی کہ جو کتابیں مدرسہ میں موجود نہیں ہیں بالخصوص متقدمین علماء کی، انھیں یہاں سے زیادہ سے زیادہ خریدا جائے۔ اس کام کے لئے پروگرام یہ بنا کہ بعد نمازِ عشاء کھانے سے فارغ ہوکر کتب خانہ چلیں، وہاں میں کتابیں دیکھ دیکھ کر فہرست مرتب کروں اور حاجی صاحب اور حافظ نسیم الحق صاحب دوسرے کاموں میں مصروف ہوں، چنانچہ حج سے واپسی کے دو تین روز بعد سے اس پروگرام پر عمل شروع کردیا گیا۔ میں کتب خانہ کے جنگل میں گھس کر قلم کاغذ لے کر کتابوں کی فہرست مرتب کرتا، اس کے لئے زیادہ تر کھڑے رہنا پڑتا، کبھی لکڑی کی سیڑھی پر چڑھنا بھی پڑتا، دس بجے رات سے بارہ بجے رات تک یعنی کتب خانہ بند ہونے کے وقت تک مسلسل کام میں مصروف رہتا۔ حاجی صاحب اور حافظ نسیم الحق اس دوران کبھی کتب خانہ میں ہی رہتے، اور کبھی عزّہ مارکیٹ چلے جاتے اور ضرورت کے سامان خرید کرلاتے۔ حاجی صاحب ہم سب کو ٹھنڈا مشروب پلاتے اور میری کارکردگی پر آفریں کہتے رہتے، ایک ہفتہ کی محنت شاقہ کے بعد میں نے تقریباً تین سو کتابوں کی فہرست تیار کی جس میں اس کا خاص اہتمام رکھا کہ یہ منتخب کتابیں مدرسہ کے کتب خانہ میں مکرر نہ ہو۔

اس فہرست میں کچھ میری ذاتی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان میں اکثر کتابیں کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، اور بعض تو ڈیڑھ ڈیڑھ درجن جلدوں پر حاوی ہیں۔ ان میں سے ڈھائی سو کتابیں مدرسہ کے کتب خانہ کے لئے، اور باقی کچھ میری اپنی اور حاجی رضوان اللہ صاحب کے ذاتی کتب خانہ کے لئے۔ جب یہ فہرست میں نے مالک کتب خانہ کے حوالہ کی، تو وہ حیرت میں پڑ گیا، اس نے کہا کہ آپ گودام میں دن کے وقت چلیں، وہاں بہت کتابیں ہیں، وہاں آپ خود سے سب کتابیں نکال لیں گے میں نے معذرت کی کہ مجھے دن میں فرصت نہیں رہتی، اس لئے بس آپ یہ کتابیں نکلوا دیں، حاجی صاحب نے مالک کتب خانہ سے بات کی، انھوں نے وعدہ کیا کہ دو تین روز کے بعد آپ آئیں، میں ساری کتابیں کارٹون میں بھر کر اپنی باربردار گاڑی سے یہیں منگوالوں گا، کتابوں کے بنڈل گاڑی پر ہوں گے، آپ جہاں کہیں گے وہ بنڈل پہونچادئے جائیں گے، پھر اپنی فہرست سے ملا لیجئے گا، چنانچہ حسب وعدہ انھوں نے اپنی گاڑی پر سب کتابیں منگوالیں، اور ہم گاڑی کو دارالرشید جس میں صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالعظیم صاحب کا قیام تھا، اور جو حضرت مولانا نجیب اللہ صاحب چمپارنی مدظلہٗ کی نگرانی میں ہے وہاں لے آئے۔ دوسرے دن سے فہرست ملانے اور مضبوط کارٹونوں میں باندھنے کا کام شروع ہوا۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے نواسے ابوبکر صاحب اور ان کے بہنوئی حافظ ابوسفیان صاحب جو جدہ میں ملازم ہیں، ہر روز آتے اور یہ کام انجام دیتے۔ دو تین روز میں یہ کام مکمل ہوگیا، چند کتابوں کا فرق معلوم ہوا، جس کی تلافی صاحب مکتبہ نے بغیر کسی عذر کے کر دی۔ بے اعتمادی اور بے اعتباری کا وسوسہ عربوں میں نہیں دیکھا۔ ان کارٹونوں پر حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے قلی کا نمبر ڈال کر دونوں عزیز جدہ لے گئے، وہاں پانی کے جہاز پر کتابیں سوار کردیں گے۔ کل بائیس تیئیس کارٹون کتابوں کے ہوئے، ایک بڑا کام انجام پا گیا جس پر خدا کا شکر ادا کیا، گو کہ اس میں وقت بہت لگا۔

☆☆☆☆☆

یہ کارگزاری تورات کی تھی، دن کے پروگراموں میں ایک ضروری کام قاری خلیق اللہ صاحب سے ملاقات کا تھا، مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے صدر شعبۂ حفظ جناب حافظ محمد نسیم صاحب جونہایت پاکباز اور صاف باطن بزرگ ہیں، اور انھیں کے مثنیٰ ان کے صاحبزادے مولانا قاری محمد شمیم صاحب میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں، انھیں حافظ صاحب کے سمدھی اور ان کے فرزند محمد کلیم سلّمہٗ کے خسر ہیں۔ غائبانہ تعارف ہے، ان سے ملاقات ضروری تھی، مگر ان کا ٹھکانہ معلوم نہ تھا۔ ایک روز اپنے شیخ ومرشد فداہ روحی وقلبی سے ان کا تذکرہ کیا، کہنے لگے جس جگہ میں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں وہ روزانہ آتے ہیں، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا بھی وہیں قیام ہے، وہ ان سے بیعت ہیں، اس لئے ان کی حاضری پابندی سے ہوتی ہے، میں نے عرض کیا ملاقات ہوجائے تو ان سے ذکر کردیں، دوسرے روز علی الصباح فجر کی نماز کے لئے مسجد حرام حاضر ہوا تو حضرت نے خبر دی کہ آکر وہ فجر کی نماز یہیں پڑھیں گے، یہیں ان سے ملاقات ہوجائے گی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک صاحب عربی کرتا پہنے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے نظر آئے، کسی قدر پستہ قد، بھرا ہوا بدن، چہرہ وجیہ اور اس پر بھری ہوئی داڑھی وجیہ تر۔ میں نے سمجھ لیا کہ قاری صاحب یہی ہیں، وہ بھی پہچان گئے، مصافحہ ومعانقہ ہوا۔ ان کے ساتھ پھر مولانا ابرار الحق صاحب اور مولانا حکیم اختر صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی، قاری صاحب سے متعدد کام تھے، چنانچہ اس کے بعد وہ ہر موقعہ پر بہت کام آتے رہے، ان سے بہت کچھ فوائد حاصل ہوئے۔ **جزاہ اللہ خیر الجزاء**

ایک روز حاجی رضوان اللہ صاحب نے کہا کہ آج ایک عرب شیخ سے ملاقات کے لئے چلنا ہے، مجھے ذرا پس وپیش ہوا، مگر حاجی رضوان اللہ کی فرمائش کو ٹال کر نکل جانا آسان نہیں ہے، مجھے سڑکوں کے رُخ کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا، ایک گاڑی پر بیٹھ کر حاجی صاحب، قاری خلیق اللہ صاحب، حافظ نسیم الحق صاحب اور میں، نہ جانے کس رخ پر چلے، چار پانچ کلومیٹر کی مسافت طے کرکے ایک عالیشان محل کے سامنے گاڑی کھڑی کی گئی۔ کال بیل

دبانے پر حارس جو ہندوستانی تھا، نکلا۔ حاجی صاحب کی اس سے بہت بے تکلفی تھی، معلوم ہوا کہ شیخ معتوق غسل کر رہے ہیں۔ اتنی دیر میں اس نے ہم لوگوں کی خاطر کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیا، ہم لوگ کھا کر چائے پی رہے تھے کہ شیخ معتوق نمودار ہوئے۔ لمبا قد، چھریرا بدن، رنگ نہایت سانولا بلکہ کالا، چہرہ پر مسکراہٹ! آتے ہی عربوں کے انداز میں حاجی صاحب سے لپٹ گئے، وہاں ملاقات میں ایک دوسرے کو بوسہ بھی دیتے ہیں، چنانچہ باری باری ہم سے اسی انداز میں ملے۔ ملنے کا انداز اتنا والہانہ تھا اور اس درجہ شوق وذوق کا اظہار ہو رہا تھا جیسے ہم نے کوئی بہت بڑا احسان کر دیا ہو، بار بار شکریہ ادا کرتے تھے، عربوں میں ایک خاص بات میں نے محسوس کی کہ وہ بات چیت کے دوران اللہ کا نام بہت کثرت سے لیتے ہیں، کہ ان کی ہر گفتگو بجائے خود ''ذکر کثیر'' ہوتی ہے۔ عرب گفتگو کرے گا تو اس کا آغاز اللہ کے نام کے ساتھ کرے گا، مکہ مکرمہ میں خصوصیت کے ساتھ دیکھا کہ ہر بات کا آغاز لوگ ''یا اللہ'' سے کرتے ہیں، اور درمیان درمیان میں بھی بکثرت اللہ کا پاک نام لیتے رہتے ہیں۔ یہ بات ہم ہندوستانیوں کو نصیب نہیں، ان کی گفتگو میں خدا کے ساتھ بالکل بے ساختہ تعلق معلوم ہوتا ہے، ان کا ایمان بڑا پختہ اور ہر قسم کے ریب وتردد سے پاک ہے، اور کیوں نہ ہو، یہیں سے تو ایمان واسلام کی کرن پھوٹی ہے۔ یہیں یہ کرن آفتاب بنی ہے، یہیں خدا کا بیت عتیق ہے، یہیں نبی کی حیاتِ طیبہ گذری ہے، اسی سرزمین میں آپ کا جسد اطہر محفوظ ہے، یہاں کی ہواؤں میں ملکوت کی خوشبو بسی ہوئی ہے یہاں کی فضائیں صحابۂ کرام کے مقدس انفاس کی امین ہیں، اگر یہاں کے رہنے والوں میں ایمان کی پختگی اور بے ساختگی نہ ہو تو کہاں ہوگی؟ جب مجھے کبھی کسی عرب کی بات سننے کا اتفاق ہوا اپنی ایمانی حالت پر ضرور شرمندگی ہوئی۔

شیخ معتوق سے بہت دیر تک گفتگو رہی، وہیں دو گھنٹے آرام کیا گیا، اور ظہر سے ذرا قبل شیخ معتوق نے خود اپنی گاڑی سے ہم لوگوں کو ہماری قیامگاہ تک پہونچایا، گاڑی وہ خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ حاجی رضوان اللہ صاحب نے بتایا کہ یہ مکہ مکرمہ کے بڑے رؤسا میں

سے ہیں، ان کی تجارتی منڈیاں دوسرے ممالک میں بھی ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ کل یہ ترکی جا رہے ہیں، اور وہ اس پر بہت افسوس کر رہے تھے کہ ترکی کے سفر کی وجہ سے وہ ہم لوگوں کی دعوت نہیں کر پا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

ایک روز چند احباب جمع تھے، پروگرام بنایا جا رہا تھا کہ مکہ مکرمہ کے تاریخی مقامات مقدسہ کی کسی روز سیر کر لی جائے۔ مکہ مکرمہ کے مضافات میں غار حراء اور غار ثور دو مقام ایسے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدس کے ساتھ بہت عظیم نسبت رکھتے ہیں۔ غار حراء وہ جگہ ہے جہاں حضور اقدس ﷺ وحی ونبوت سے پہلے تلاشِ حق میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے، اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس وقت آپ کی قلبی کیفیات کیا تھیں، اور کس طرح آپ غور وفکر کیا کرتے تھے، پھر نبوت کا ابتدائی نور اسی غارِ حراء میں چمکا۔ جبرئیل امین پہلی مرتبہ آپ کے پاس یہیں تشریف لائے، یہ غار وحی ونبوت کی پہلی جلوہ گاہ ہے۔ دوسرا غارِ ثور! اس نے آپ کی حفاظت ومستوری کا فریضہ اس وقت انجام دیا تھا، جب آپ اہل مکہ کے سلوک سے مجبور ہو کر بحکم خداوندی مدینہ کی جانب باچشم گریاں وقلب بریاں روانہ ہوئے تھے، تین دن کے لئے اس غار نے نبوت کی امانت کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی آغوش وا کر دی تھی۔ ایک عظیم نبی اور ایک برگزیدہ صدیق کی جائے پناہ! لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے سچے اور برحق قول کا امین! اسلامی تاریخ کے سب سے اہم اور تاریخی موڑ کی یادگار!

پھر اگر یہ خیال کیجئے کہ جتنے تاریخی مقامات ہیں، چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں کوئی چیز اپنی اصل حالت پر قائم نہیں ہے، خانہ کعبہ سے حرم نبوی تک ہر جگہ بعد کے لوگوں کے تصرفات نے اچھی خاصی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، خانہ کعبہ دولتِ عثمانیہ کے زمانے کا تعمیر شدہ ہے۔ حرم کعبہ بھی ترکوں ہی کے دور کی یادگار ہے، اور اب اس میں سعودی گورنمنٹ نے بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ مسجد نبوی بھی ترکوں کی یادگار ہے، اور اب سعودی گورنمنٹ اس کی توسیع میں مصروف ہے، اور بہت سے تاریخی مقامات کا یہی حال ہے، لیکن غارِ حراء اور

غار ثور انسانی دستبرد سے بہت کچھ محفوظ ہیں، وہ پہاڑی راستے، اس میں گھسنے کے لئے تنگ درے جن سے یقیناً رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر کا لمس ہوا تھا، آج بھی اسی طرح محفوظ ہیں، جیسے پہلے تھے، ان پتھروں کے سینہ وجگر میں یقیناً جسم نبوی کا مبارک لمس موجود ہوگا۔ انھیں پتھر کیوں کہئے، یہ دل کے ٹکڑے ہیں، جنھوں نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کے دل کی دھڑکنیں سنی ہیں۔ یقین ہے کہ اس دھڑکن سے یہ آج تک مست وسرشار ہوں گے۔ اب نہ وہ مکان رہا جہاں آپ پیدا ہوئے، نہ وہ زمین اپنی حالت پر باقی رہی جن پر آپ کے نقش قدم پڑے تھے، انسانی ہاتھوں نے انھیں سڑک میں، عمارتوں میں اور نہ جانے کن کن چیزوں میں تبدیل کر دیا ہے، مگر غارِ حرا میں سایہ کرتی ہوئی وہ چٹان آج بھی محفوظ ہے، جس نے دھوپ کو اپنے سر پر روک کر نبی کریم ﷺ کو ٹھنڈک بخشی تھی۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہوگا کہ جو چٹانیں کھڑی ہو کر حصار بنی ہوئی تھیں ان کے کھردرے سینوں پر آپ کا دست رحمت پھرا ہوگا، اس کی حرارت اور اس کا گداز کیا ان چٹانوں نے فراموش کر دیا ہوگا۔ سوچئے اور غور کیجئے! عشق ومحبت کے لئے کتنا شوق انگیز اور حیات آفریں یہ تصور ہے، ہمارے دوست نہ جانے کیا کیا سوچتے رہے ہوں گے، مگر میں ان خیالات میں محو تھا۔ طے ہوا کہ یہ سب احباب کل باب عبدالعزیز کے سامنے میزان عدل کے نیچے اکٹھے ہو جائیں، وہاں سواریاں ملتی ہیں، چنانچہ فجر کی نماز کے بعد ہم چند لوگ یعنی حافظ نسیم الحق، حافظ محمد عمر جونپوری، حافظ ومولوی رفیع الدین صاحب جونپوری اور میں یکجا مجتمع ہوئے۔ جب ایک ٹیکسی والے سے بات چیت ہو رہی تھی، تو ایک پاکستانی بڑے میاں جو بھاولپور کے رہنے والے تھے ساتھ ہو لئے، یہ دیکھنے میں تو معمر تھے، مگر پھرتی، ہمت اور جفاکشی میں ہم سب کے مجموعہ سے بڑھ کر تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور ایک نوعمر لڑکا سا تھا، بڑا خلیق اور ہنس مکھ! جبل حراء جس کو اب جبل نور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے دامن میں اس نے ہم لوگوں کو اتارا اور ہدایت کی کہ جلد آ جایئے گا، یہ کہہ کر گاڑی میں لیٹ گیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا، ہم لوگوں نے دیکھا کہ عشاق کی قطار پہاڑ پر چڑھ رہی ہے، نیچے سے دیکھا تو بالکل

کھڑی چڑھائی نظر آئی۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر کسی کا پیر اپنی جگہ سے کھسکا تو سیدھا پہاڑ کی جڑ میں آئے گا اور ہڈیاں تک سرمہ بن جائیں گی۔ ہم لوگوں نے پہاڑ کے دامن میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا، پانی کی چند بوتلیں لیں، اس لئے کہ شدید گرمی کا زمانہ تھا، چڑھنے میں پیاس کی بے تابی کا تذکرہ بکثرت سن رکھا تھا، خیر بسم اللہ کر کے چڑھنا شروع کیا، نیچے سے جتنا اندازہ ہو رہا تھا چڑھنے میں اس سے زیادہ دشواری کا احساس ہوا۔ بالکل سیدھی کھڑی چڑھائی تھی، مولوی رفیع الدین اور مولوی محمد عمر تو بہت ہلکے بدن کے ہیں، یہ لوگ تیزی سے چڑھے، میرا اوّلاً تو بدن بھاری، دوسرے چند سال پہلے میں ہائی بلڈ پریشر کا مریض رہ چکا ہوں، نیز حافظ نسیم الحق بھی خاصے تن وتوش کے۔ ہم دونوں کی رفتار سست رہی، اور بھاولپور والے کبھی تو لپک کر مولوی رفیع الدین وغیرہ کو جا لیتے اور کبھی ہم لوگوں کی تسلی کے لئے ہمارا انتظار کرتے۔ وہ اخیر تک اسی طرح دونوں ٹولیوں کے درمیان رابطہ بنے رہے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے تھک کر بیٹھنا چاہا تو وہ للکارتے ہمت بندھاتے۔ بعض بعض حصے اس قدر پُرخطر تھے کہ قدم ڈگمگا گئے، مجبوراً ہاتھ سے آس پاس کی چٹانوں کو تھامنا پڑا، کہیں ہاتھ اور پاؤں سب کا سہارا لینا پڑا، مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ مکہ سے اس قدر دور اس خاموش تنہائی میں رسول اکرم ﷺ کیونکر آتے رہے ہوں گے اور کس طرح ان دشوار گزار راستوں کو عبور کرتے رہے ہوں گے۔ اور جب کبھی بھاولپور کے بڑے میاں اپنی سادہ زبان میں کہتے کہ دیکھو حضور نے اپنی امت کے لئے کتنی تکلیف اٹھائی ہے، تو کلیجہ منہ کو آجاتا۔ میں سوچتا رہا کہ کیا حضور ان راہوں سے گذرتے رہے ہوں گے، پورے راستے کے بارے میں تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعینہٖ یہی راہ رہی ہوگی، لیکن کچھ کچھ حلقے ضرور ایسے آتے رہے کہ ان کے بارے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوا کہ اس راستے سے آپ نہ گذرے ہوں گے، بالخصوص غار کے قریب پہونچ کر ایک پتلی اور تنگ کسی قدر لمبی دو چٹانوں کے درمیان گلی سا راستہ یقیناً آپ کی گذرگاہ رہا ہوگا، کیونکہ غار تک پہونچنے کے لئے اس کے علاوہ اور کسی راستہ کا امکان ہی نہیں ہے، یہ گلی بالکل تنگ اور اندھیری ہے، میں جب اس میں گھسا تو

سیدھا چلنا ممکن نہ ہوسکا، کچھ کروٹ ہوکر کھسکنا پڑا، اس جگہ ایسی فرحت اور خوشی ہوئی کہ حد بیان سے باہر! میں یہ سوچ کر بحرِ مسرت میں غرق ہوگیا کہ یہ پہاڑی راستہ اور یہ پہاڑی چٹانیں یقیناً حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے قرب ولمس کی دولت سے مالا مال ہوں گی۔ جی چاہ رہا تھا کہ انھیں چٹانوں میں جذب ہوجاؤں، لیکن آنے والوں کا تانتا وہاں رکنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ ہانپتے کانپتے لڑکھڑاتے قدموں سے بالآخر اس مقدس جگہ پہونچ گئے جہاں حضور اکرم ﷺ گوشۂ تنہائی میں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ راستہ میں ایک اور کشادہ جگہ پر چند لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا، پوچھنے پر یہ روایت معلوم ہوئی کہ حضرت جبرئیل کی ابتدائی ملاقات تو غار میں ہوئی تھی، مگر وہ آپ کو وہاں سے تھوڑے فاصلے پر لائے، اور آیات تلقین کی تھیں، وہ جگہ یہی ہے۔ ہم کو اس روایت کی حقیقت کا علم نہیں، ہم سیدھے غار کے قریب پہونچ گئے، وہاں مولوی رفیع الدین اور مولوی محمد عمر بیٹھے ہوئے ملے، اب اشراق کا وقت ہوچکا تھا، اس غار میں بھی اتنا تصرف ہوچکا ہے کہ کسی صاحب خیر نے بیٹھنے کی جگہ پر سنگ مرمر کی چند سلیں بچھادی ہیں، باقی سب جگہ بدستور سابق ہے، ہم لوگوں نے وہاں اشراق کی نماز پڑھی۔ یہ غار دو یا تین بڑی چٹانوں کے نیچے کی جانب فصل اور اوپر کی جانب کے اتصال سے وجود میں آیا ہے، نیچے خاصا دو تین آدمی کے بیٹھنے کے بقدر خلاء ہے، اوپر جاکر دو چٹانیں باہم متصل ہوگئی ہیں، اس طرح وہ چھت کا کام دیتی ہیں، لیکن ذرا سامنے کی طرف آگے بڑھئے تو نیچے کی طرف بھی خاصی قریب ہوگئی ہیں، بس اتنی گنجائش ہے کہ دبلا پتلا آدمی تنگی سے جاسکتا ہے، یہ جگہ جھروکہ کے مثل ہے، اگر اس سے سامنے کی طرف دیکھا جائے تو خانہ کعبہ نظر آتا ہے، میں تو وہاں تک نہیں جاسکا، مگر ہمارے بعض دوست پہونچے، مگر اونچی عمارتوں کی کثرت اور بعد مسافت کی وجہ سے خانہ کعبہ کا تشخص سمجھ میں نہ آسکا، یہ چڑھائی ہم نے پون گھنٹہ سے کچھ زیادہ وقفہ میں طے کی تھی، تقریباً گھنٹہ بھر وہاں رہے پھر آہستہ آہستہ وہاں سے اتر آئے، اترنے میں کچھ کم وقت لگا۔ یہ غار پہاڑ کا سب سے بلند حصہ ہے، اور میرا خیال ہے کہ آس پاس کے پہاڑوں میں یہ سب سے بلند پہاڑ ہے۔ نیچے اتر کر باہم

مشورہ ہوا کہ اب غارِ ثور کی زیارت کے لئے چلا جائے ، مگر سب لوگ تھک گئے تھے ، پھر معلوم ہوا کہ غارِ ثور تک پہونچنے کے لئے چڑھائی تو اتنی دشوار گزار نہیں ہے، مگر راستہ لمبا ہے ، اس سے زیادہ وقت درکار ہے، دھوپ بھی اب تیز ہو چکی تھی ، گھنٹہ بھر کے بعد اس کے برداشت کی تاب نہ رہتی، اس لئے طے کیا گیا کہ کسی اور دن پروگرام بنایا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حج کے بعد ایک منصوبہ عمرہ کرنے کا تھا، عمرہ چھوٹا حج ہے، یہ فرض نہیں ہے مسنون ہے۔ حج کے تین طریقے شرعاً معروف ہیں۔

اوّل: یہ کہ میقات سے فقط حج کا احرام باندھا جائے، اسے ’’افراد‘‘ کہتے ہیں۔

دوسرے: یہ کہ میقات سے محض عمرہ کا احرام باندھا جائے ، اور مکہ مکرمہ آکر عمرہ کے ارکان سے فارغ ہوکر اس کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں، پھر حج کے موقع پر مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا جائے۔ یہ ’’تمتع‘‘ کہلاتا ہے۔

تیسرے: یہ کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جائے۔ اسے ’’قِران‘‘ کہتے ہیں۔

ہم نے میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اور مکہ مکرمہ آکر عمرہ ادا کرلیا تھا، اس طرح عمرہ تو ادا ہو گیا تھا۔ حج کے بعد کافی موقع ملا، مکہ معظّمہ سے سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جگہ تنعیم ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی عذر کے باعث عمرہ نہیں ادا کر سکی تھیں، تو حضور اکرم ﷺ نے انھیں (ان کے بھائی) حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر کے ساتھ تنعیم بھیجا تھا کہ وہاں سے احرام باندھ کر آ جائیں اور عمرہ ادا کرلیں۔ یہ جگہ حدودِ حرم سے باہر ہے، اب وہاں حکومت نے نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کر دی ہے، یہ مسجد بہت پہلے سے ہے، اب اس کی تعمیر جدید ہوئی ہے، وہ ’’مسجد عائشہ‘‘ کے نام سے موسوم ہے، عموماً حجاج کرام وہاں جا کر احرام باندھتے ہیں، اور واپس آکر عمرہ کرتے ہیں۔ عمرہ کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا سات شوط طواف کیا جائے، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی

کی جائے، اور سر منڈا دیا جائے، بس یہ عمرہ ہے۔

ایک دن ہم چند ساتھی احرام کے قصد سے تنعیم گئے، بس والے اور ٹیکسی والے ۲/ ریال کرایہ لیتے ہیں۔ باب عبدالعزیز کے سامنے تنعیم جانے والی سواریاں ملتی ہیں، ہم ایک بس سے وہاں پہونچے، حکومت کے حسن انتظام سے وہ جگہ خوب باغ وبہار ہے، کثرت سے درخت اور پودے لگائے گئے ہیں، وضو اور غسل کا تو ایسا عمدہ انتظام ہے کہ باید وشاید، اور مسجد عائشہ میں چلے جایئے تو بس یہ جی چاہے کہ یہاں سے کبھی نہ نکلئے۔ اتنی ٹھنڈی، اتنی خوبصورت، اتنی آرام دہ اور اتنی کشادہ کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ دنیا کے گرم ترین خطہ میں واقع ہے۔ میں مسجد میں پہونچا تو مجھے بے ساختہ حضرت عائشہ کا یہاں آنا یاد آگیا، اس وقت یہاں نہ مسجد تھی، نہ یہ شاداب درخت تھے، نہ یہ خوبصورت غسل خانے تھے، نہ سواریوں کا کوئی تصور تھا، نہ یہ پختہ اور صاف وشفاف سڑکیں تھیں، عرب کے صحرائی جہاز اونٹ پر سوار دھول وگرد میں اٹی ہوئی اپنے بھائی کے ساتھ آئی ہوں گی۔ آبادی تو یہاں اب بھی نہیں ہے، اس وقت فقط صحرا کی خاموشی اور پُر ہول سناٹا رہا ہوگا، اونٹ پر سوار نہ جانے کتنی دیر میں پہونچی ہوں گی۔ احرام باندھ کر واپسی میں نہ جانے کتنا وقت لگا ہوگا، آج تو آدمی تیز رفتار موٹر پر بیٹھتا ہے، صاف وشفاف آئینہ جیسی سڑکوں پر گذرتا ہے، ایک نمونۂ جنت میں پہونچتا ہے، بہترین غسل خانوں میں غسل کرتا ہے، آرام دہ اور ٹھنڈی مسجد میں احرام کی رکعتیں ادا کرتا ہے، اور لبیک پکارتا ہوا تھوڑی دیر میں مسجد حرام کے دروازے پر آجاتا ہے۔

یہ عمرہ میں نے اپنی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے کیا، میری اماں! جس کا چہرہ اب مجھے یاد نہیں ہے، جس کی مامتا مجھے اس وقت نصیب ہوئی تھی جب مجھے مامتا کا احساس نہ تھا، اور جب کسی قدر شعور ہونے کو تھا تو وہ مجھے چھوڑ کر آغوشِ رحمت میں چلی گئی۔ میری عمر اس وقت غالباً ڈھائی سال کی تھی، بچپن میں ماں کی یاد مجھے بہت ستاتی تھی، پھر جب تعلیم کے سلسلے میں کوچہ نوردی شروع ہوئی تو جوانی کی غفلتوں نے اس کی یاد کا چراغ مدھم کردیا تھا، لیکن جبکہ عمر ڈھلنے کو آئی ہے، تو وہ پھر بہت یاد آتی ہے، اکثر اسے یاد کرتا ہوں تو

آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، جب کسی ماں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے بچے کو پیار کررہی ہے، یا اسے شفقت بھرے انداز میں ڈانٹ رہی ہے، تو میں تڑپ جاتا ہوں، ایسے وقت مجھے اپنی ماں بہت یاد آتی ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میرے بچے اپنی ماں کے اردگرد مچلتے ہیں، شور مچاتے ہیں، اس کی گود میں ہمکتے ہیں، تو مجھے اپنے دل اور آنکھوں پر قابو پانا دشوار ہوگیا، اور تنہائی میں جاکر اپنی ماں کو یاد کرکے تڑپا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔ حج میں بھی وہ بہت یاد آئی، اس کی خدمت میں ایک محروم الخدمت بیٹا کیا پیش کرسکتا ہے، ایک عمرہ اس کی نذر کیا، مجھے یقین ہے کہ اماں کے نامزد ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے ضرور قبول کیا ہوگا، اور میری ماں کو اس کا ثواب بخش دیا ہوگا۔

دوسرا عمرہ اپنے دادا کے واسطے ایصالِ ثواب کے لئے کیا، یہ ایک بزرگ اور ذاکر وشاغل شخص تھے، زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، مگر دینی باتوں اور کتابوں کے بڑے شیدائی تھے، مسائل کا استحضار تھا۔ میرا بچپن تھا، غالباً مکتب کے درجہ ۳/۴ میں پڑھتا تھا، والد صاحب نے پاکستان سے بخاری شریف کا ترجمہ جو مرزا حیرت دہلوی کا کیا ہوا ہے، منگوایا تھا، مجھے کتابوں سے عشق تھا۔ میں بڑا خوش ہوا کہ تین ضخیم جلدیں کافی دنوں تک اس کے پڑھنے کی مشغولیت رہے گی، میں نے دیکھا کی مجھ سے زیادہ دادا خوش ہورہے ہیں، کتاب گھر میں آئی، مجھے حکم ہوا کہ وضو کرو، اور خود بھی وضو کرنے بیٹھ گئے۔ وضو سے فارغ ہوکر ایک کمرے میں چٹائی بچھائی، کتاب لائے، رحل پر رکھی، اور مجھے ارشاد کیا کہ پڑھو، بخاری شریف کے ترجمے کی تلاوت شروع ہوئی۔ میں بلند آواز سے پڑھتا اور وہ نہایت غور اور انہماک سے سنتے، میں سمجھتا کیا؟ اور میں نہیں جانتا کہ وہ کتنا سمجھتے تھے، لیکن کافی دیر تک مجھ سے پڑھواتے رہتے، اور میں بغیر کسی اکتاہٹ کے پڑھتا رہتا، اب یاد نہیں کہ تینوں جلدیں کتنے دنوں میں پوری ہوئیں، لیکن یہ یاد ہے کہ پوری بخاری شریف حرفاً حرفاً میں نے پڑھ ڈالی تھی، اور دادا نے پوری کتاب سنی تھی، کون جانتا ہے کہ دادا نے اس وقت اپنے پوتے کے لئے کتنی دعائیں کی ہوں گی، کیا عجب اسی کی برکت ہو کہ آج چند حروف کا پڑھنا آگیا۔ ایک عمرہ ان کی نذر

کیا۔

تیسرا عمرہ اپنے محسن ومکرم والد محترم (۱) کے لئے کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے، اور انھیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ انھیں کی نوازشیں ہیں کہ میں تعلیم مکمل کرسکا۔ ماں کے انتقال کے بعد والد صاحب نے ماں کی شفقت کا بھی حق ادا کیا، اس وقت میں اکلوتا لڑکا تھا، مجھ سے چھوٹا ایک بھائی تھا وہ والدہ کے بعد جلد ہی اسی کے پاس چلا گیا، دو بہنیں مجھ سے بڑی تھیں، میں اکیلا ہی بیٹا تھا، اس لئے والد صاحب کے لاڈ و پیار کا زیادہ تر مرکز میں ہی تھا۔ ان کی شفقتوں نے مجھے گستاخ اور جری بھی کر رکھا ہے، مجھے انھوں نے حسن تدبیر سے تعلیم میں اس طرح لگائے رکھا کہ میں دائرۂ تعلیم سے کبھی باہر نہیں نکل سکا۔ آج انھیں کی شفقت فراواں اور تدبیر وحسن انتظام کا نتیجہ ہے کہ میں یہ سطریں لکھنے کے لائق ہوا۔ دورانِ تعلیم میرے اوپر کئی مدوجزر آئے، کئی مرتبہ شدید بھونچالی کیفیت سے دوچار ہوا، مگر والد صاحب نے ہمیشہ سنبھالا، اور میری کشتی طوفانی ہچکولے کھاتی ان کے حسن تدبیر کے طفیل بالآخر کنارے آ لگی۔ والد صاحب کے لئے مستقل ایک مضمون لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ تیسرا عمرہ ان کی خدمت میں نذر کیا۔

چوتھا عمرہ کرنے کا پروگرام بنا تو خیال آیا کہ سیّدی ومولائی حضرت نبی اکرم ﷺ نے طائف سے واپسی پر مقام جِعِرَّانَہُ میں قیام کیا تھا، وہاں ایک کنواں تھا جس میں پانی کم بھی تھا اور کھاری بھی تھا۔ آپ نے اس میں کلی کی تھی، اس کی برکت سے اس کا پانی اسی وقت میٹھا ہوگیا تھا، اور کمی کا شکوہ بھی ختم ہوگیا تھا، وہ آج تک موجود ہے۔ حضور کے لعاب دہن کی برکت اب بھی اس میں باقی ہے۔ وہاں سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، یہ مقام مکہ سے کافی فاصلہ پر ہے، عموماً حجاج وہاں سے احرام باندھنے کو بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے رہبر ومعلم جناب قاری ولی اللہ صاحب سے ذکر کیا کہ ایک عمرہ کا احرام مقام جعرانہ سے

---

(۱) مولانا کے والد صاحب ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۵/ جون ۲۰۰۸ء (جمعرات) کو آغوشِ رحمت میں پہونچ گئے، تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے ستمبر ۲۰۰۸ء کا ضیاءالاسلام۔ رحمہ اللہ وغفر لہ

باندھنا چاہئے، انھوں نے اپنی عادت کے مطابق نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ یہ درخواست قبول فرمائی، اور اسی وقت دن بھی مقرر کردیا کہ فلاں روز فجر کی نماز حرم میں پڑھ کر مقام جعرانہ کے لئے روانگی ہوگی۔ حاجی رضوان اللہ صاحب کو بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا، وہ بھلا ایسے موقع پر کہاں پیچھے رہتے۔

چنانچہ مقررہ وقت پر ہم چار پانچ آدمی مقام جعرانہ پہونچے، وہاں بھی مسجد ہے، وضو وغیرہ کا انتظام ہے، یہ مقام طائف سے جو روڈ مکہ مکرمہ آتا ہے اس پر ہے۔ اس کنویں کی زیارت کرنی چاہی جس کو آپ کا لعابِ دہن حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، مگر افسوس سعودی گورنمنٹ کے وہمی علماء......جن کو بدعات کے نام سے اتنا بخار آتا ہے کہ مباح امور تک کو بدعت سمجھ لیتے ہیں......کی برکت سے اس کنویں کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں اس طرح قائم کردی گئی ہیں کہ ان میں دروازہ بھی نہیں ہے اور کنویں کو معطل کردیا گیا ہے۔ اس کا پانی ٹیوب ویل کے ذریعہ بھی باہر نہیں لایا جاتا۔ ہم نے دیواروں پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور ان وہمی علماء کی عقلوں پر ماتم کیا، اور پھر یہی غنیمت معلوم ہوا کہ دیوار اٹھانے پر اکتفاء کیا گیا، خدانخواستہ اگر وہم بڑھ کر جنون کی حد تک پہونچا ہوتا تو اسے پاٹ کر برابر کردیتے، اللہ رحم کرے۔

چوتھے عمرے کا احرام مقام جعرانہ سے باندھا گیا، اس کا ثواب میں نے اپنی نانی اور خالہ کی نذر کیا۔ والدہ کے انتقال کے بعد سب سے زیادہ جس ذات کی شفقت ومحبت اور دُلار وپیار کا مرکز میں بنا، وہ والد صاحب کے بعد نانی اور خالہ کی ذات تھی، ان دونوں کا وصال ابھی حال میں ہوا ہے، پہلے نانی کا پھر خالہ کا۔ ان دونوں نے مجھے میری ماں کی یادگار سمجھ کر جیسا برتاؤ کیا، اس کی حلاوت سے میرا قلب معمور ہے۔ میری دونوں بہنیں عرصہ ہوا فوت ہوگئی تھیں، اب میں والدہ کی یادگار اکیلا تھا، خالہ کے انتقال پر مجھے محسوس ہوا کہ آج میری ماں کا انتقال ہوا ہے۔ اس دن اس کی قبر پر مجھے بہت گریہ طاری رہا۔

☆☆☆☆☆

مکہ مکرمہ **زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً** کے قیام کے دن اب پورے ہوئے۔ یہ ایام ہوا کی طرح اڑتے ہوئے محسوس ہوتے رہے، اگرچہ مدینہ طیبہ کے اشتیاق سے بھی دل معمور تھا، لیکن بیت اللہ کے فراق کے تصور سے طبیعت اندوہ گیں ہوجاتی تھی، اس وقت ایسی کشمکش تھی کہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ قانونی مجبوریاں بےبس کئے دے رہی تھیں، ورنہ مغرب کی نماز کے بعد جب قیام گاہ کی طرف آتا، تو راستہ میں ٹیکسیاں کھڑی رہتیں اور ان کے ڈرائیور پکارتے رہتے کہ مدینہ، مدینہ، مدینہ۔ کانوں میں یہ صدا آتی اور دل اچھلنے لگتا۔ بس یہی جی چاہتا کہ کسی گاڑی پر بیٹھ جاؤں اور مدینہ ہوکر پھر آجاؤں، مگر اس پیچیدہ دور میں اس کی گنجائش کہاں؟ ہم لوگ ٹھہرے غیر ملکی، قدم قدم پہ رکاوٹیں، تفتیش، پاسپورٹ اور ویزا کا چکر، دل کو تھام کر آگے بڑھ جاتا۔ اور مدینہ جانے کی تاریخ کا انتظار کرنے لگتا، جب مدینہ کا تصور غالب ہوتا، تو یہ دن رات بہت طویل لگتے، اور کاٹے نہ کٹتے، مگر جب بیت اللہ سے فراق اور دوری کا خیال آتا، تو دن رات بالکل مختصر معلوم ہوتے، ایسا معلوم ہوتا کہ عام معمول سے ان کی رفتار بڑھ گئی۔ یہ کشمکش آخری آٹھ دس دنوں میں بکثرت رہی۔ اعمال میں زیادہ محنت تو میرے بس کی نہ تھی، بس کوشش یہ کرتا کہ دل میں ان خاصانِ خدا کی محبت زندہ رہے، جو دن رات پروانوں کی طرح بیت اللہ کے اردگرد چکر لگایا کرتے ہیں، اسی ضمن میں مجھے یہ جستجو رہی کہ کوئی اللہ کا ایسا بندہ ملے جو مقبول ومحبوب ہو، میں ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتا، یوں تو میرے علاوہ ہر شخص خاصانِ خدا ہی میں سے تھا، مگر مجھے تلاش رہتی کہ ان میں سے بھی جو اخص ہوں ان کی معرفت حاصل ہو، کچھ تو مشہور بزرگان دین تھے، ان سے ملاقات ہوتی رہی، مگر مجھے **اولیائی تحت قبائی** جیسے بزرگوں کی جستجو تھی، اور یہ ذوق مجھے بچپن سے ہے کہ اللہ والوں سے ملوں، گوکہ ان سے ملاقات کرتے ہوئے خوفزدہ بھی ہوتا ہوں۔ مجھے یہ ہراس ہوتا ہے کہ میرے عیوب ونقائص کا اثر ان حضرات کے قلوب مصفیٰ پر نہ آجائے اور میری طرف سے منقبض نہ ہوجائیں، لیکن کسی ایسے بزرگ سے ملاقات ہوجاتی تو سب کام چھوڑ کر انھیں کے پاس ڈٹا بھی رہتا۔ یہ ذوق مجھے ابتداء شعور سے ہے، یہ

ذوقِ جستجو اس مجمع میں آ کر اور بڑھ گیا تھا، کئی لوگ ایسے محسوس ہوئے، بعض لوگوں سے دعائیں حاصل کیں اور بعض کی ایک جھلک ملی، پھر وہ نہ ملے، ایسے دو بزرگوں کا یہاں تذکرہ کروں گا۔

ایک روز مغرب کے بعد میں نوافل میں مشغول تھا، میرے قریب میرے عزیز رفیق حافظ نسیم الحق بیٹھے ہوئے تھے۔ دو رکعت پر سلام پھیرا ہی تھا کہ ایک کھمبے سے ٹیک لگائے ایک صاحب دید کعبہ میں محو نظر آئے، بہت معمر، چہرہ نہایت منور، داڑھی بالکل سفید، بدن قدرے بھاری، بالکل ایک نظر جمالِ کعبہ کو دیکھے جا رہے تھے، ان کے چہرے پر نگاہ پڑی تو دل نے گواہی دی کہ یہ کوئی بزرگ شخصیت ہیں۔ میں نے حافظ نسیم الحق سے کہا کہ ان بزرگ کو دیکھو، یہ چہرہ کسی نہایت مخلص اللہ والے کا ہے، میں نوافل پڑھتا ہوں، آپ معلوم کریں کہ یہ صاحب کون ہیں؟ حافظ نسیم الحق اس کام میں نہایت مستعد ہیں، میں تو اپنی فطری کمزوری کے باعث نئے تعارف میں بہت ہچکچاتا ہوں، مگر وہ ماشاءاللہ خوب ہیں۔ فوراً اٹھے اور میں نفل میں مشغول ہو گیا، جب تک میں دو رکعت سے فارغ ہوا وہ آ گئے، کہنے لگے یہ پاکستان کے ہیں، ان کا نام مولانا فقیر محمد صاحب ہے، میں نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے نہایت جید الاستعداد خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہی ہوں، میں نے دوبارہ حافظ نسیم الحق کو بھیجا، وہ معلوم کر کے آئے، اور میرے اندازہ کی تصدیق ہوئی۔ یہ بزرگ نسبت بُکائی رکھتے ہیں، ان پر کثرت سے محبت الٰہی کی وجہ سے گریہ طاری رہتا ہے، بالخصوص نماز کے بعد چیخیں تک نکل جاتی ہیں، میں بھی ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا، اردو کم سمجھتے ہیں اور مزید یہ کہ اونچا سنتے ہیں، دعاء کی درخواست کی اور قبول ہوئی، فرمایا اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ بس اور کوئی بات نہیں ہوئی، لیکن ان کی شخصیت کا طبیعت پر گہرا اثر ہوا، حافظ نسیم الحق نے تو دیر تک باتیں کیں، اور زیادہ دعائیں حاصل کیں۔ چند روز کے بعد قاری خلیق اللہ صاحب مجھے حضرت مولانا کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا، اور یہ بتایا کہ انھوں نے مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ

صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح عمری لکھی ہے، اسے سن کر بہت خوش ہوئے۔ پھر تو بار بار دعائیں دیتے رہے، علم میں قلم میں ترقی کی دعائیں دیں، اور بھی بہت کچھ کہا، لیکن اب یاد نہیں۔

جمعہ کے دن حاجی رضوان اللہ صاحب کا دستور تھا کہ مسجد حرام کے نگرانوں کی آنکھیں بچا کر عطر کی ایک بوتل لیکر مسجد جاتے، اور مصلیٰ بچھا کر ہم لوگوں کو بیٹھا دیتے، تاکہ ان کی جگہ محفوظ رہے پھر وہ بوتل لے کر حاجیوں کو عطر لگاتے، حجاج شوق سے ان کا ہدیۂ عطر قبول کرتے، اور ان کو دعائیں دیتے۔ اس راہ سے یہ مردِ قلندر بہت ساری دعاؤں کی سوغات سمیٹتا۔ ایک جمعہ کو حسب معمول وہ عطر لگا کر جب واپس آئے تو ہمارے ایک قریب ہی بڑے میاں جو داڑھی پر مہندی کا خضاب لگائے ہوئے تھے، اور کسی قدر مبروص معلوم ہوتے تھے، ایک چھوٹی سی شیشی لئے ہوئے اپنے پاس والوں کو عطر سے نواز رہے تھے، اتنے میں حاجی رضوان آگئے، حاجی صاحب نے ان بڑے میاں کو عطر ملنا چاہا، لیکن انھوں نے پہلے اپنے عطر کی پیشکش کی، حاجی صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، پھر سونگھا تو کہا کہ ’’اگر‘‘ ہے، بڑے میاں خوش ہوئے، مگر اس کے بعد حاجی صاحب نے کہا کہ نقلی ہے، تو بڑے میاں ذرا پھیکے ہوگئے۔ حاجی صاحب نے ان کی دلجوئی کے لئے جیب سے اصلی اگر کا عطر نکالا اور بڑے میاں کو لگایا، اس کی خوشبو سے وہ بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں یہ اصلی معلوم ہوتا ہے، اتنے میں جمعہ کی اذان شروع ہوگئی۔ اذان کے بعد میں نے سنت کی نیت باندھ لی، اور بڑے میاں حاجی صاحب کی طرف متوجہ ہوکر کوئی بات کرنے لگے۔ چند ثانیہ بات کی پھر دونوں نے سنت کی نیت باندھ لی۔ جمعہ کی نماز کے فوراً بعد بڑے میاں اٹھ کر چل دیئے، حاجی رضوان کی نگاہیں ان کا پیچھا کرتی رہیں، مگر یکا یک وہ ہجوم میں غائب ہوگئے۔ بعد میں حاجی صاحب نے بتایا کہ یہ کوئی کامل شخص معلوم ہوتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ میرے کان میں یہ بزرگ فرما رہے تھے کہ اللہ کا دیا ہوا آپ کے پاس بہت کچھ ہے، بس ایک چیز کی کمی ہے، رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ، پڑھا کیجئے۔ حاجی صاحب لاولد ہیں،

اسی طرف اشارہ تھا۔ اب ہم سب لوگ مل کر انھیں ڈھونڈنے لگے، مگر وہ پھر نہیں ملے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ اور بھی کئی لوگ ملے۔ چند ایک کا ذکر مدینہ کی حاضری میں کیا جائے گا۔

بلدۂ مقدسہ مکہ مکرمہ میں قیام کی لذیذ داستان ختم کرنے سے پہلے یہ بھی عرض کردوں کہ میری زندگی بدنظمیوں اور بے اعتدالیوں کا مجموعہ ہے، ربط وترتیب سے قطعاً ناآشنا! چنانچہ حرم محترم میں میرے بہت سے دوستوں نے بیٹھنے کی سمتیں اور جگہیں متعین کررکھی تھیں، ڈھونڈنے والے انھیں جگہوں پر پالیتے تھے، مگر میں اپنی فطری بے ترتیبی کی وجہ سے نہ کوئی سمت آخر تک متعین کرسکا اور نہ کوئی جگہ۔ کبھی باب الشامیہ سے جاداخل ہوا، اور اپنے شیخ ومرشد کے پیچھے بیٹھ رہا، کبھی باب ابی بکرالصدیق سے داخل ہوا، کبھی باب عبدالعزیز کی طرف جانکلا۔ تاہم کچھ معمولات ایسے بنالئے تھے جن کو حتی الامکان نباہنے کی کوشش کی، اگرچہ کامیاب نہ ہوسکا، پھر بھی کسی نہ کسی حد تک انھیں نباہنے کی کوشش کرتا رہا۔

حج سے واپسی کے بعد کچھ معمولات مقرر کرنے کے متعلق غور کیا، تو دل میں یہ بات آئی کہ یہاں گو ہر عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے، لیکن یہاں کی خاص عبادت طواف ہے جو اور کہیں نصیب نہیں ہوسکتی، باقی کام تو ہر جگہ انجام دیئے جاسکتے ہیں، مگر طواف نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اور تمام معمولات کو اس کے محور پر دائر کرنا چاہئے۔ پہلے میں کہیں ذکر کرچکا ہوں کہ عشاء کے بعد کا وقت کتابوں کی خریداری کے لئے یا حسب ضرورت کہیں جانے کے لئے مختص تھا۔ فجر کی اذان سے لے کر عشاء پڑھنے تک کوئی منظّم پروگرام نہیں بنایا۔ یہ سوچتا رہا کہ طواف کے لئے کون سا وقت موزوں ہوگا، مجھے طبعاً ہجوم سے گھبراہٹ ہوتی ہے اور طواف میں ماشاء اللہ ہجومِ عاشقاں ہوتا ہے، رات دن مسلسل طواف جاری رہتا ہے۔ کسی کسی شب یہ سوچ کر کہ رات میں ہجوم کم ہوتا ہوگا، ایک یا دو بجے رات میں حرم شریف میں حاضری دی، مگر وہاں تو اس وقت اور جوش وخروش دیکھا۔ رات کا وقت بابرکت، پھر مسجد حرام کا دائرہ بابرکت، خانہ کعبہ کا ماحول برکت سے معمور، رحمت الٰہی برستی ہوئی، بھلا یہ متوالے اس وقت کو کھوتے، میں تو ہمت کا کمزور چند روز کے

علاوہ اس کی ہمت نہ کر سکا، لیکن یہ ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ انھیں راتوں میں طواف کا کچھ کچھ سلیقہ پیدا ہوا۔ عموماً طواف کرنے والے اپنی دھن میں مست دیوانہ وار چکر لگایا کرتے ہیں، میری رفتار عام طور پر ہلکی ہوتی تھی، لیکن عاشقوں کا جوش وخروش دیکھ کر کبھی کبھی میرے قدموں میں بھی تیزی آجاتی تھی، اور کم از کم وقت میں طواف پورا کر لینے کا ارادہ کر لیتا تھا، مگر حج کے بعد ابتداء میں ہی ایک رات ڈیڑھ بجے کے بعد جو حاضری دی، اور طواف کی سعادت میں شریک ہوا تو سامنے ایک بزرگ دکھائی دئے، جو نہایت وقار اور متانت سے سر جھکائے محو طواف تھے، ان کے دونوں جانب سے طواف کی رَو تیزی سے گذرتی رہتی، لیکن نہ ان کے جسم میں اضطراب پیدا ہوتا، اور نہ قدم میں تیزی آتی، بس ایک سکون سا سکون اور ایک وقار سا وقار! وہ سراپا خشوع وخضوع محسوس ہوتے تھے، مجھے ان کا اندازِ طواف بہت پسند آیا، پھر میں نے بھی پوری ہمت کے ساتھ وہی روش اختیار کی۔ ایک طواف میں نے ان کے پیچھے کر ڈالا، ان کی برکت سے اس طواف میں حلاوت بہت محسوس کی، لیکن طواف کے بعد ان سے ملاقات نہ کر سکا، اور دو تین راتوں کے بعد میں پابندی سے رات کی حاضری بھی نہ دے سکا۔

چوبیس گھنٹے کے اوقات کا جائزہ لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ سب سے زیادہ ہجوم نمازِ مغرب کے بعد ہوتا ہے، اس سے کچھ کم فجر کی نماز کے بعد، اور سب سے کم ازدحام نمازِ ظہر کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت دھوپ کی تمازت نہایت تیز ہوتی ہے، دوسرے یہی وقت دوپہر کے کھانے کا ہوتا ہے۔ ان دونوں وجہوں سے نمازِ ظہر کے بعد سے نمازِ عصر تک بھیڑ کم ہوتی ہے، مجھے اپنے لئے یہی وقت مناسب معلوم ہوا، اس وقت خصوصیت سے عورتیں بھی کم ہوتی ہیں۔ میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ یہی وقت طواف کے لئے مخصوص کر لینا چاہئے، مگر پھر سوال پیدا ہوا کہ اچھا خاصا وقت تو کھانے کی نذر ہو جائے گا، پھر کھانے کے بعد آرام کا تقاضا ہوگا۔ اور ناشتہ کا اہتمام تو ابتداء ہی سے نہ تھا، لیکن پھر یہ سوچا کہ یہ سعادت پھر جانے کب نصیب ہو، کھانا تو ہر جگہ ملتا رہے گا چند روز کے لئے دوپہر کا کھانا حذف کر دیا

جائے ، اور بھوک ستائے تو زم زم پی لیا جائے کہ اس میں بھوک فرو کرنے کی بھی صلاحیت ہے ، بس دوپہر کا کھانا ختم ! ظہر کی نماز پڑھی اور طوافِ کعبہ شروع ! اس وقت دھوپ نہایت شدید ہوتی ، مطاف کا فرش ایسے پتھروں کا ہے جو سورج کی گرمی سے متاثر نہیں ہوتے ، اس لئے ادھر سے اطمینان تھا ، البتہ سورج کے اور لوگوں کے سروں کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے ، تاہم رحمت الٰہی کے قربان ! میں نے کہیں لکھا ہے کہ مسجد حرام کے حلقے میں سورج بھی اپنا جلال کھو دیتا ہے ، سورج چمکتا ضرور ہے ، مگر اس کی حرارت اوپر ہی اوپر فرشتے روک لیتے ہیں ، میں نے کسی دن دھوپ میں بے تابی نہیں محسوس کی ، اور نہ طواف کے پھیروں میں کبھی شدت تشنگی نے ستایا ۔ ہماری قیام گاہ سے حرم شریف کا فاصلہ بس تین چار منٹ کا تھا ، مگر اتنی دور میں پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ جاتے تھے ، لیکن طواف میں خواہ کتنی ہی دیر لگے ، کسی وقت پیاس کی تکلیف نہ ہوتی ۔ یہ حق تعالیٰ کی مہربانی تھی ، کبھی کبھی ہوا کا اتنا ٹھنڈا جھونکا نہ جانے کہاں سے آ کر لگتا کہ طبیعت نہال ہو جاتی ، یہ جھونکے اکثر محسوس ہوتے ، میں سوچنے لگتا کہ الٰہی یہ محض آپ کی رحمت ہے ، اور اپنے دیوانوں پر آپ کی مہربانی ہے ، کہ اس گرم ترین موسم میں ایک ایسی جگہ جو چاروں طرف سے اونچی اونچی عمارتوں میں گھری ہوئی ہے ٹھنڈا جھونکا بھیج دیتے ہیں ، گویا جنت کی کوئی کھڑکی کھل گئی ہے ۔ دورانِ طواف تو کبھی نگاہ اوپر اٹھانے کا اتفاق نہیں ہوا ، لیکن بعد نماز عصر اپنی جگہ بیٹھا ہوا اکثر آسمان کی طرف دیکھا کرتا ، میری حیرت کی انتہا نہ رہتی جب دیکھتا کہ مسجد حرام کے اوپر فضا میں گہرا بادل چھایا ہوا ہے ، حالانکہ دوسری طرف دھوپ چمکتی رہتی ، مگر یہاں بادل منڈلاتے رہتے ، میں اکثر سوچا کرتا کہ یہاں قانونِ الٰہی بھی کچھ تبدیل ہو گیا ہے ۔ اس وقت تو خیال نہیں آیا ، اب سوچتا ہوں تو ذہن میں آتا ہے کہ کہیں نظر کا دھوکا نہ رہا ہو ، بہر کیف جو بھی رہا ہو ، میں حرم کے اوپر گہرے بادل دیکھا کرتا تھا ۔

ظہر سے عصر تک طواف کا سلسلہ قائم رہتا ، اس وقت بارہا مقام ابراہیم کے پاس اور حطیم میں نفل ادا کرنے کا موقع ملا ، کبھی کبھی حطیم میں کعبہ مطہرہ کے بالکل متصل نفل ادا

کرنے کا موقع ملا، ایسا کہ سر سجدہ میں کعبہ مقدسہ کی کرسی سے جاملتا۔ اس وقت لذت وحلاوت اور کیف وسرور اور قرب واتصال کا جو احساس ہوتا اس پر زندگی نثار کرنے کو جی چاہتا۔ کاش اسی وقت ملک الموت کو حکم ہوتا اور میری سجدہ میں پڑی ہوئی روح کو اسی حالت میں قبض کر کے بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیتا، اے کاش! ہر طواف کے بعد خوب زم زم پیتا ،حتی الامکان دعائیں کرتا۔ البتہ ایک حسرت رہ گئی، حجر اسود تک پہونچنے، اس پر ہاتھ رکھنے، اس پر اپنے گنہگار ہونٹوں کے رکھنے کی تمنا رہ گئی۔ وہاں تک میری رسائی نہ ہوسکی، کیونکہ بہت ہجوم ہوتا تھا۔ وہاں کا ہجوم کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا، اور اللہ کرے کبھی نہ کم ہو۔ البتہ ملتزم پر کئی مرتبہ پہونچا، اپنے خاطی اور گنہگار جسم کو اس پاک ومقدس جگہ سے چمٹایا، وہ پاک ومقدس جگہ جہاں سب مقدسوں کا مقدس، سب پاکوں کا پاک، خدا کا سب سے محبوب اور دنیا کا سب سے برگزیدہ انسان لپٹ کر رویا ہے، ہاتھ پھیلا کر حق تعالیٰ سے مرادیں مانگی ہیں، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار برسی ہے، اس کے ہونٹ وہاں لرزے ہیں، اسی جگہ ایک ناپاک ترین، برائے نام آدمی بھی پہونچا، حق تعالیٰ نے رحم کیا، اسے نہ بھگایا، نہ دُردُرَایا، بلکہ اسے بھی موقع دیا کہ یہ پاکوں کی جگہ ہے، برگزیدہ لوگوں کا مقام ہے، یہ نبیوں کی جگہ ہے، صالحین اس کے شایانِ شان ہیں، حق تھا کہ تجھے اس پاک جگہ سے دور رکھا جاتا، اس کے قریب تجھے پھٹکنے نہ دیا جاتا، لیکن آ تو بھی! اگرچہ تو گناہگار وخطا کوش ہے، مگر ہم آمرزگار وخطا پوش ہیں، آ تو بھی لپٹ لے، تو بھی ہاتھ پھیلا لے، تو بھی رو لے، تو بھی مرادیں مانگ لے، یہ محض ہماری رحمت ہے کہ تجھے ایسا موقع دیا، جا تو بھی کیا یاد کرے گا، جا شکر ادا کر، بہت دیر تک نہ لپٹا رہ۔ صالحین منتظر ہیں، بس کر تیرا دامن تنگ ہے، بھر گیا، جا تجھ پر ہم رحم کریں گے، یا اللہ آپ کا شکر کس جان ودل سے ادا کروں، دل میں گرمی آجاتی اور میں فوراً سجدہ میں گر جاتا۔

کبھی کبھی عصر کے بعد بھی ایک آدھ طواف کر لیتا۔ مغرب کے بعد ہمت نہ ہوئی، صرف ایک روز ہمت کی تھی، پھر نہیں۔ فجر کے بعد عموماً ایک دو طواف کر لیتا، پھر اشراق پڑھ

کرا گر حاجی عبدالرحمٰن صاحب مل جاتے ...... اکثر وہ مل ہی جاتے ...... تو ان کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر چلا جاتا، وہاں ان کے رفیق سفر حاجی محمد یٰسین صاحب ہمہ تن خدمت بنے ہوئے ناشتہ تیار کرتے، پھر اس بے مایہ کو اس میں سے حصہ مل جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ طواف کا یہ معمول پورا ہوتا رہا، شاید کبھی تخلف ہوا ہو۔

☆☆☆☆☆

قیام مکہ کے دن پورے ہو چکے ہیں، ساتھیوں میں مدینہ طیبہ جانے کی ہماہمی ہو رہی ہے، بعض احباب کی رائے ہوئی کہ معلم سے پاسپورٹ حاصل کر لیا جائے، اور پرائیویٹ کار سے مدینہ کا سفر ہو، کیونکہ معلم کی بسیں بہت دیر لگاتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی نماز خطرے میں پڑ جاتی ہے، مگر میری رائے یہ تھی کہ جو کچھ بھی ہو ہم کو معلم کی ذمہ داری پر ہی جانا چاہئے۔ دوستوں نے اپنی والی کوششیں کر لیں مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اب تاریخ یاد نہیں، غالباً ۴؍ اگست کی تاریخ تھی، کہ معلوم ہوا کہ آج مدینہ طیبہ کو روانگی ہے۔ معلم کے ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ عصر کے بعد بس آجائے گی اور مغرب کے پہلے روانہ ہو جائے گی۔ سب لوگ تیار ہو جائیں، یہ سننا تھا کہ دو متضاد کیفیتیں فضائے دل پر محیط ہونے ہو گئیں۔ ایسا لگا جیسے ہم ابھی مکہ آئے تھے، اور ابھی حکم ہو گیا کہ یہاں سے روانہ ہو جاؤ، ابھی تو کچھ کیا ہی نہیں، ابھی بہت سی تمنائیں باقی رہ گئیں اور اذنِ رحیل ہو گیا۔ دل دھڑکنے لگا، اپنی ناکامی و نامرادی پر افسوس ہونے لگا، اب کیا ہوگا، اب تو فقط چند گھنٹے ہیں، پھر خیمہ اکھڑ جائے گا، طنابیں ٹوٹ جائیں گی، اب نہ جانے کبھی حاضری کی سعادت نصیب ہوگی یا نہیں؟ کون جانے؟ خدا کو یہاں آنا پسند نہ آیا ہو .... اور کون سا حق ادا کیا ہے کہ پسند آئے گا .... پھر روک دیں کہ خبردار اب ادھر کا رُخ نہ کرنا۔ دل گھبرا اٹھا، طبیعت پریشان ہو گئی، اٹھ کر مسجد حرام میں حاضری دی، اور اس مقصد سے طواف کیا کہ دوبارہ حاضری کی سعادت بخشی جائے، پورے طواف میں اسی کی دعا کرتا رہا۔ طواف کر چکا تو حسرت سے کعبہ مقدسہ کے سیاہ غلاف پر نظر ڈالی، جو اب بھی ایک شانِ وقار کے ساتھ آنے والوں کو مرحبا اور جانے

والوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ میں دیر تک اس کو دیکھتا رہا پھر شام تک نہ جانے کتنے طواف کر ڈالے، بعد نمازِ عصر آخری طواف کیا، خانہ کعبہ پر نگاہ ڈالی، حق تعالیٰ سے التجا کی کہ پھر حاضری سے محروم نہ کیا جاؤں۔ جب اوّل حاضری اس بیت مقدس کی ہوئی تھی تب شوق کی فراوانی نے آنکھوں کو منجمد کر دیا تھا، اب واپسی ہو رہی تھی تو ہجوم نامرادی نے سوتا خشک کر دیا، نہ آتے وقت آنکھیں اپنا نذرانہ پیش کر سکیں اور نہ جاتے وقت! اللہ ہی خیر کرے۔

آج رُخصت کے وقت کیا جی میں آئی کہ بابِ صفا سے نکلا، آتے وقت داخلہ باب عبدالعزیز سے ہوا تھا، اور واپسی باب صفا سے ہوئی۔ قیام گاہ پر آیا تو بس آ چکی تھی، رفقاء سامان ڈھیر کر رہے تھے، ہم نے بھی اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور لا کر بس کی ڈکی میں لاد دیا۔ یہ بس ایر کنڈیشنڈ ہے، خوشی ہوئی کہ راحت پرستوں کی اللہ تعالیٰ نے خوب دلداری کی۔ مغرب کی نماز سے پون گھنٹہ پہلے بس کا پہیہ گھوما۔ ابھی اس بس میں کچھ دوسرے حجاج کو بھی سوار ہونا تھا، ان حضرات کو لے کر چلی، ابھی مکہ کی عمارتوں کے درمیان تھی کہ مغرب کی اذان ہونے لگی، ایک جگہ ذرا کشادہ چبوترہ تھا، وہاں اتر کر مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ اب گاڑی آہستہ آہستہ مکہ کی وادیوں سے نکل رہی تھی، اور میرا دل مکہ مکرمہ کی مفارقت سے ڈوبا جا رہا تھا۔ ایک طرف تو یہ کیفیت تھی، دوسری طرف دربارِ رسالت کی حاضری کا شوق ایک اور کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ عمر کی کس گنتی میں تھا کہ فخر دوعالم، سرکارِ مدینہ، سیّد الاولین والآخرین حضور جناب نبی کریم ﷺ کی محبت دل کی گہرائی میں اتری۔ اس وقت مجھے کچھ شعور بھی نہ تھا، جب والدمحترم باتوں باتوں میں میرے دل میں کچھ ایسی باتیں اتار دیتے تھے جن کی قدر و قیمت کا اندازہ اب ہو رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ حروف شناسی کی عمر سے پہلے ہی والدمحترم نے حضور اکرم ﷺ کی محبت میرے دل کے ہر رگ و ریشہ میں پیوست کر دی تھی۔ میرے دادا بھی بڑے عاشق رسول تھے۔ حضور کا ذکر وہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے، میں نے جب حروف کا کچھ پڑھنا سیکھا تو سب سے پہلے سیرت کی کوئی کتاب ہلکی پھلکی بچوں کے مزاج و مذاق کے موافق ہاتھ میں آئی۔ اس وقت اتنا بچپنا تھا

کہ حافظہ پر زور ڈالنے کے باوجود بھی نہیں یاد آ رہا ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی، پھر تو چسکا لگ گیا، چھوٹی بڑی سیرت کی بہت سی کتابیں پڑھ گیا۔ ان باتوں اور کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت سے طبیعت معمور ہوگئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ چھٹپنے میں، جبکہ غالباً میں مکتب کے درجہ دوم یا سوم میں پڑھتا تھا، جاڑوں کی ایک رات تھی میں اپنی بہنوں کے قدموں کی جانب سویا ہوا تھا، خواب دیکھتا ہوں کہ دادا محترم گھر میں تیزی سے تشریف لائے، اور والد صاحب سے جو گھر کے کسی کام میں مصروف تھے، ڈانٹ کر کہا تم ابھی یہیں ہو اور حضور اکرم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ والد صاحب فوراً کام چھوڑ کر لپکے، اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں ان سے زیادہ تیزی کے ساتھ باہر کی جانب دوڑا، دروازہ پر پہونچا تو حضور ﷺ تشریف لا چکے تھے، عجلت میں والد صاحب کو کوئی چارپائی نہ مل سکی تو ایک چھوٹا سا کھٹولا ہی بچھا دیا، سرکار اس پر تشریف فرما ہوئے۔ میں یہ سوچ کر کہ حضور ﷺ بچوں پر نہایت شفیق و مہربان ہیں، آپ کے پاؤں کے پاس کھٹولے پر بیٹھ گیا، آپ نے کاغذ اور قلم طلب کیا، والد صاحب نے لا کر حاضر کیا، میں سوچنے لگا کہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر دیکھا کہ آپ کچھ لکھ رہے ہیں، کاغذ کا وہ ٹکڑا اور آپ کا دست مبارک اب تک نگاہوں میں موجود ہے، آگے یاد نہیں کہ آپ نے اس کاغذ کو کیا کیا۔ اس خواب کے بعد محبت میں اور اضافہ ہوگیا، پھر جوں جوں عمر بڑھتی گئی ہر چیز میں مدوجزر آتا رہا، مگر ایک چیز جس میں زندگی کے کسی دور میں کمی نہیں آئی وہ رسول اللہ ﷺ سے محبت و تعلق کی متاعِ گرانمایہ ہے، آپ کے واسطے سے مدینہ طیبہ کے ساتھ بھی ایسا ہی والہانہ تعلق دل میں رہا۔

آج جبکہ مدینہ طیبہ جانے کی خبر سنی تو دل پر شوق و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، آج ایک کم نصیب کا نصیبہ جاگنے والا ہے۔ مدینہ کی گلیاں، مدینہ کی ہوائیں، مدینہ میں کھجور کے درختوں کے جھرمٹ، گنبد خضراء، یہ ساری چیزیں عرصہ سے تصور میں بسی ہوئی ہیں۔ پہلے انھیں تصور کی نگاہوں سے دیکھتا تھا، اب وہ لمحہ قریب ہے کہ سر کی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ ہوگا۔ ایک دن وہ تھا کہ مدینہ تک پہونچنے کے لئے سرکار دوعالم ﷺ نے ایک رہبر اور دو رفیقوں کی

معیت میں چھپ چھپا کر مدینہ کا سفر کیا تھا، اس وقت مدینہ کی قسمت بیدار ہو رہی تھی، مدینہ جو پہلے یَثْرِبْ نام کا ایک چھوٹا سا شہر تھا، چند یہودی قبائل اور مشرکین کی آبادی پر مشتمل تھا، اس میں اسلام کا نور داخل ہو چکا تھا، گویا ایمان کی صبح صادق ہو چکی تھی، اب آفتابِ نبوت طلوع ہونے والا تھا۔ جو لوگ اسلام کی آغوشِ رحمت میں آ چکے تھے، وہ ہر روز صبح کو ہتھیار سجا کر ان کے استقبال کے لئے نکلتے تھے، یہ ناقہ سواروں کا ایک مختصر سا قافلہ تھا جو مکہ کی جانب سے آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا قبا کے باغات میں اترا، اور وہاں ایک عبادت گاہ تعمیر کرتا ہوا یثرب کی گلیوں میں آنکلا، ہر شخص آرزو مند تھا کہ اس کا گھر مطلع انوار بنے، مگر نبی کا ناقہ بھی الہامِ خداوندی کا مورد بن گیا تھا، عشاق اس کی نکیل تھامتے، مگر انھیں تسلی دی جاتی کہ یہ حکم الٰہی کا پابند ہے، جہاں حکم ہوگا بیٹھ جائے گا۔ بالآخر ایک جگہ بیٹھا، وہیں پر آپ کی قیام گاہ بنی، پھر اس نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر کا رخ کیا، صحابی کا نصیبہ عروج پر پہونچ گیا، چھ ماہ آپ نے ان کے گھر قیام کیا، یہ نبی کے میزبان تھے۔ ان کے گھر ہدایت کا چراغ جگمگایا، پھر مسجد نبوی بنی، آپ کے حجرات بنے، یہ تاریخ کے زندہ و تابندہ نقوش ہیں، آج اسی راہ پر انھیں کا ایک خطا کار امتی بھی گذرے گا، وہ اونٹ پر تشریف لے گئے، لیکن اپنے امتی کو ایرکنڈیشنڈ موٹر پر بیٹھنے کا انتظام کیا۔ وہ پوشیدہ طور پر گئے تھے، لیکن ان کے بعد کسی کو پوشیدہ طور پر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی، انھوں نے سات آٹھ دن میں پہاڑی راستوں کو عبور کیا تھا، ان کے امتی سات آٹھ گھنٹوں میں صاف وشفاف سڑکوں پر چلتے ہوئے پہونچ جاتے ہیں۔ ہماری خوش بختی ہے کہ راستہ وہی تجویز ہوا جو ہجرت کا راستہ تھا، پہلے سڑک نہ تھی، لوگ بدر کی راہ سے جاتے تھے، مگر کئی سال سے ''طریق الهجرة'' پر سڑک تعمیر ہوگئی ہے۔ یہ راستہ زندہ ہے، یہاں تصور نے اب بھی ان قدموں کی چاپ سنی جس کے لئے فرشتے گوش برآواز تھے، ہماری موٹر رات کے سناٹے میں فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی، ہمارا ڈرائیور مصری تھا، اس کو مسافروں نے بخشش سے نواز دیا تھا، اور اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ فجر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھا دے۔ ایرکنڈیشنڈ بس، نہ گرمی کا احساس ہوا، نہ رفتار کا، مگر معلوم

ہوا کہ سوڈیڑھ سو کلومیٹر فی گھنٹہ چلتی رہی۔ مدینہ طیبہ کے شوقِ فراواں نے نیند اڑا دی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے قافلہ کے ایک ضعیف العمر حاجی نے............ جو اپنی عمر ایک سو بارہ سال بتاتے تھے............ نعت شریف چھیڑ دی، اور ڈرائیور نے سیرت پر تقریر کی کیسٹ چلادی۔ جوں جوں مدینہ طیبہ قریب آ رہا تھا، دل کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی، اپنا پچھلا نامۂ اعمال یاد آتا جا رہا تھا۔ دربارِ رسالت کی حاضری سے جہاں دل کا ریشہ ریشہ کھلا ہوا تھا، وہیں اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیوں کو سوچ سوچ کر دل فرطِ ندامت سے جھکا جا رہا تھا، رات کے ساڑھے گیارہ بجے ایک جگہ بس رُکی۔ معلوم ہوا کہ یہ درمیانی منزل ہے، یہاں عشاء کی نماز ادا کی جائے گی، کھانا کھایا جائے گا، ڈرائیور نے بتایا کہ یہاں ڈیڑھ گھنٹہ رک کر روانگی ہوگی۔ بس سے اتر کر پہلے نماز ادا کی گئی، پھر کھانا کھایا گیا، وہاں تلی تلی چارپائیوں کا انتظام تھا، ابھی بس چلنے میں دیر تھی، انھیں چارپائیوں پر ہم لوگ لیٹ رہے، بعض لوگ حقہ گڑگڑانے لگے۔ ایک بجے ڈرائیور نے اعلان کیا کہ حاجی لوگ تیار ہو جائیں۔ ہم پر یہ لمحات بھاری معلوم ہو رہے تھے، فوراً بس میں سوار ہو گئے اور بس روانہ ہو گئی، ادھر بس چلی ادھر نیند کا جھونکا چلا، پھر کچھ ہوش نہ رہا۔ آنکھ کھلی تو بس چیک پوسٹ پر کھڑی تھی، لوگوں نے بتایا کہ مدینہ طیبہ اب تھوڑی مسافت پر ہے، گھڑی پر نگاہ ڈالی تو ڈھائی بج رہے تھے، کچھ دیر رک کر بس چلی تو مدینہ طیبہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، پھر واقف کاروں نے مسجد نبوی کے میناروں کی طرف اشارہ کیا، جو نیچے سے اوپر تک نور کے پیکر میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نورِ مستطیل مجسم ہو گیا ہے۔ بیت اللہ کے بعد مرکز نور یہی ہے، یہ مسجد سراپا نور ہے، اس کا باطن جس قدر روشن اور نورانی ہے، حق ہے کہ اس کے ظاہر کو بھی روشن رکھا جائے، بس اس سڑک سے اس سڑک پر گردش کرتی رہی، مگر میناروں کا نور نظر کو برابر آسودہ کرتا رہا، نگاہیں اس پر جمی رہیں۔ پورا مدینہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا، اس وقت میناروں کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں دیکھی، بس پر ایک رہبر چیک پوسٹ سے ہی سوار ہو گیا۔ اس نے رباط بھوپال کے پاس بس رکوائی، معلوم ہوا کہ ایک بلڈنگ ”دار ضیوف الرحمن“ کے نام

سے ہے، اسی میں ہم لوگوں کے قیام کا نظم ہے۔ ہم جب وہاں اترے تو تہجد کی اذان ہو رہی تھی، اپنی جائے قیام پر پہونچ کر فکر ہوئی کہ مسجد نبوی کی حاضری کے لئے تیاری کر لی جائے۔ میں نے فوراً غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے۔ مجھے ایک صحابی کا واقعہ یاد آیا، یہ کئی حضرات تھے جو قافلہ کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، آپ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے، آنے والوں نے آفتابِ نبوت کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو جلدی جلدی سواریوں سے اترے اور گرد وغبار میں اٹے ہوئے، پراگندہ بال دوڑے، آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ملاقات کی سعادت حاصل کی، مگر ایک صاحب اطمینان سے اترے اور آپ کی جانب نہیں بڑھے، گٹھری میں سے صاف کپڑے نکالے، قریب میں پانی تھا، وہاں غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے، بالوں میں کنگھی کی، اور پھر نہایت وقار سے چلتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جو حق تعالیٰ کو نہایت پسند ہیں۔ ایک حلم اور دوسرے أناۃ یعنی وقار وٹھہراؤ، یہ صفت عجلت پسندی اور جلد بازی کے مقابل ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ دونوں صفتیں میرے اندر کسب وعمل سے حاصل ہوئی ہیں، یا حق تعالیٰ کی طرف سے محض وہبی ہیں، ارشاد ہوا کہ وہبی ہیں، انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حق تعالیٰ نے انھیں ایسی دو صفتوں کے ساتھ پیدا فرمایا جو انھیں پسند ہیں۔ یہ حدیث مجھے عین وقت پر یاد آئی، ورنہ طبیعت پر شدید تقاضا تھا کہ جس حال میں ہو اسی حال میں محبوب رب العالمین کے دربار میں حاضری دے لو، لیکن حق تعالیٰ نے توفیق بخشی، غسل کیا، کپڑے بدلے اور پھر قیام گاہ سے نکلے، قیام گاہ سے مسجد نبوی تک مسافت سات آٹھ منٹ کی تھی، ہم لوگ شوق میں بڑھتے چلے گئے، حرم نبوی کے سامنے جب ہم پہونچے تو فجر کی اذان ہونے لگی، ہمیں گھبراہٹ میں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر سے داخل ہوں، جس دروازہ پر ہم پہونچے تھے وہ باب مجیدی تھا، اس پر ہجوم زیادہ تھا۔ ہم داہنی طرف بڑھ گئے اور باب عمر فاروق سے اندر داخل ہوئے، مسجد کے اندر داخل ہوتے ہی ایسی خنکی اور سکون کا احساس ہوا، جیسے کوئی بیتابی

اور اضطراب تھا ہی نہیں۔ مسجد حرام میں داخلہ ہوا تھا تو جذبات و کیفیات کا ایک ہجوم تھا، مگر یہاں سکون وطمانیت کی ایک لطیف چادر تھی جو دل پر اوڑھا دی گئی۔ دیر تک کسی کیفیت کا احساس نہیں ہوا۔ فجر کی نماز پڑھ کر بدن تھرتھرا گیا، اب دل کی حالت دگرگوں ہونے لگی، نماز تو ہم لوگوں نے روضۂ اقدس سے کافی فاصلہ پر ادا کی تھی، ابھی گنبد خضراء پر نظر بھی نہیں پڑی تھی، لیکن اب تیاری ہو رہی تھی کہ مواجہہ شریف میں حاضری دی جائے، قدم کانپ گیا، پچھلی زندگی کی تمام سیاہ کاریاں یاد آتی چلی گئیں، کیا منہ لے کر حاضری دوں، دور دور سے عشق ومحبت کے دعوے آسان، مگر مواجہت کیونکر ہوگی، اس خیال سے پسینہ آرہا تھا، ہم لوگ مسجد کے بالکل مغربی دالان میں تھے، اور روضۂ اطہر قبلہ کی جانب بالکل مشرقی حصے میں ہے.......... واضح ہو کہ مسجد نبوی کا قبلہ جنوب کی جانب ہے.......... میں نے قریب میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے دریافت کیا روضہ شریف کدھر ہے، انھوں نے انگلی کے اشارے سے گنبد خضرا کی جانب اشارہ کیا، میری نگاہ اس پر پڑی، تو ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اللہ اللہ جس تاج فرقِ نبوت کے تصور میں عمر گذری، آج یہ معصیت آلود آنکھیں اسے بے حجاب دیکھ رہی ہیں، میرے سر کی آنکھیں ہرا ہرا گنبد دیکھ رہی تھیں اور دل کی آنکھیں اس کے برگزیدہ اور مقدس مکین پر جمی ہوئی تھیں۔ ظاہری نگاہ کمزور ہے، وہ ظاہری رنگ کو دیکھ سکتی ہے، مگر قلب کی نگاہ طاقتور ہے، وہ ان چیزوں کا بھی مشاہدہ کر سکتی ہے، جہاں تک ظاہری بینائی کی رسائی نہیں ہے بہت دیر تک میں ٹکٹکی باندھے سبز گنبد کی طرف دیکھتا رہا اور دل محو نظارۂ جمال رہا۔ اب مسئلہ تھا مواجہہ شریف میں حاضری کا، ابھی ہجوم بہت زیادہ تھا، معلوم ہوا کہ جب ہجوم زیادہ ہوتا ہے تو پولیس والے مواجہہ شریف پر ٹھہرنے نہیں دیتے۔ میں اطمینان سے بیٹھا درود شریف پڑھتا رہا۔ جب ہجوم کم ہو چلا، تو حافظ نسیم الحق صاحب کو ساتھ لے کر لڑکھڑاتے قدموں اور شرمساری کے بوجھ تلے دبا آہستہ آہستہ آگے بڑھا، بڑھتے بڑھتے جب مواجہہ شریف کے قریب پہونچا تو ابھی قدرے دور ہی تھا کہ ہمت جواب دے گئی وہیں کھڑا ہو گیا، دبی زبان سے سلام عرض کیا، اور زبان پر مہر خموشی لگ گئی، ایک سکتہ کی

حالت میں مواجہہ شریف کو تکتا رہا، دل امنڈتا، مگر آنکھیں بھیگتی نہ تھیں۔ نہ جانے کیا رنگ تھا، جگر مرحوم نے ایسی ہی کسی حالت کی ترجمانی کی ہے۔ ؎

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

تو طغیانی اٹھ رہی تھی، جی چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر سرکار کو پکاروں اور کہوں کہ سرکار! ہم لوگوں کے حال پر توجہ فرمائیے، ہم نے گستاخی کی، ہم سے بے ادبی ہوئی، ہم نے ناقدری کی کہ آپ کی پاکیزہ اور مقدس تعلیمات سے صرفِ نظر کر لیا، نام ہمارا مسلمان رہا، مگر کام ایک بھی مسلمانوں کا سا نہ رہا۔ ہم نے آپ کی ہدایات سے منہ موڑا، دنیا نے ہم سے رُخ پھیر لیا، لیکن ہم اب بھی .... جیسا بھی ہمارا منہ ہے .... آپ کا نام لیتے ہیں، آپ کے امتی ہیں، آپ کے ساتھ ہماری نسبت لگی ہے۔ دنیا بھی اسی نسبت سے ہمیں پہچانتی ہے، للہ ہمارے اوپر رحم فرمائیے، اور خدا سے دعا کر دیجئے کہ وہ ہمارے ارادوں کو پلٹ دیں، تباہی کی طرف بڑھتے ہوئے ہمارے قدموں کو روک دیں، طبیعت اندر اندر ابلتی تھی کہ یہ سب کہتا چلا جاؤں، مگر ادب مانع تھا، وہاں بلند آواز سے پکارنا منع ہے، زبان پر خاموشی رہی مگر دل یہ سب کچھ کہتا رہا اور امید لگائے رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب تک جس طرح ہمارا صلوٰۃ وسلام پہونچا دیتے ہیں کیا عجب کہ دل سے اٹھتی ہوئی اس فریاد کو بھی پہونچا دیں۔ پولیس والے اس وقت بھی کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے تھے، مگر میں تھوڑا سا پیچھے دبک کر کھڑا رہا، اور دیر تک کھڑا رہا، یہاں سے ہٹنے کی نہ ہمت ہو رہی تھی اور نہ جی چاہ رہا تھا، دیر کے بعد ہمت کر کے ایک دو قدم کھسکا تو یارِ غار، جان و مال سے نثار، محبوبِ رسالت مآب، آفتابِ نبوت کے ماہتاب، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مواجہہ میں حاضری دی، یہ بھی میرے بچپن سے مرکزِ عقیدت ہیں، ان کے ساتھ فطری اور طبعی لگاؤ اتنا زیادہ ہے کہ محض نام سے ان کی طرف جذب وکشش محسوس ہوتی ہے، یہاں بھی ادب سے سلام عرض کیا۔ ان کے بعد جلالِ الٰہی کے مظہر، عدل وانصاف کے پیکر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور ڈرتے ڈرتے حاضری

دی، نہایت ادب واحترام سے سلام پیش کیا، اور آہستہ آہستہ باب البقیع سے باہر نکلا۔

باہر نکل کر حافظ نسیم الحق اور میں قیام گاہ کی طرف چلے، ابھی مدینہ طیبہ میں کوئی چیز چکھی نہیں گئی تھی، سوچا گیا کہ یہاں کا تحفہ کھجوریں ہیں، اس لئے اسی سے ابتداء کرنی چاہئے، چنانچہ ایک دکان سے کھجوریں خرید کر کھائی گئیں، مدینہ طیبہ کی کھجوریں! سبحان اللہ، اس کی لذت پر ہر لذت قربان، دوسری جگہوں کی کھجوروں کو ان کے ساتھ کوئی نسبت نہیں! ان کھجوروں کی خوش نصیبی ہے کہ حضور ﷺ کی نگاہِ محبت ان پر پڑی ہے، اس کے اثرات آج تک محسوس ہوتے ہیں، یہی کھجوریں تھیں، جو اس وقت نبی کے جان وتن کی خدمت کی سعادت حاصل کرتی تھیں، جب آپ کے گھر میں ہفتوں چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی، یہ کھجوریں کتنی مبارک ہیں، جنھوں نے تنگی کے اوقات میں نبی کے گھرانے کو اپنی خدمات پیش کیں۔ ان کھجوروں کا تسلسل آج تک قائم ہے، جن کھجوروں نے ہمارے نبی اور صحابہ کرام سے دادِ خدمت پائی ہے، انھیں کے اخلاف ہم کو آسودہ کر رہے ہیں۔ **وللہ الحمد**

ہم کھجوروں کی حلاوت میں راستہ بھول گئے، نہ جانے کس طرف نکل گئے، بڑی دیر تک مختلف سڑکوں اور گلیوں میں بھٹکتے پھرے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جائیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ہم لوگ بھٹکتے پھرے، لیکن کیا بتاؤں کہ اس بھٹکنے میں کتنی لذت تھی، میں تو یہ سوچ سوچ کر نہال ہو رہا تھا کہ اضطراری طور پر سہی، ہم ان گلیوں میں بھی پہونچ جا رہے ہیں، جہاں تک پہونچنے کی امید نہ تھی، ایک گھنٹہ کے بعد چوراہے کی پولیس سے راستہ دریافت کیا، آج کل حجاز میں جو عربی بولی جاتی ہے، وہ علمی اور کتابی زبان سے اتنی مختلف ہے کہ دونوں میں دور کی بھی نسبت نہیں ہے، ہم کتابی عربی اس سے پوچھ رہے تھے اور وہ عام زبان میں اس کا جواب دے رہا تھا، اور ہم کچھ نہیں سمجھ پا رہے تھے، اس نے ہم لوگوں کو ایک دوسرے شخص کے حوالے کیا، دوسرے آدمی نے ہم کو ہماری قیام گاہ تک پہونچایا، اندازہ ہوا کہ ہم لوگ کافی دور نکل گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

مسجد نبوی کی اوّل حاضری تو خدمت اقدس کی حضوری کے سرور میں اس طرح ہوئی مسجد کے درو بام اور اس کے حسن و جمال کی طرف مطلقاً التفات نہیں ہوا۔ قیام گاہ پر واپسی ہوئی تو، مگر وہاں جی نہ لگا، پھر بھاگ کر مسجد میں آ گئے، اب جو مسجد کے حسن و جمال، آرائش و زیبائش پر نگاہ پڑی تو طبیعت دنگ رہ گئی۔ اس مسجد کے بھی دو حصے ہیں، قدیم حصہ ترکوں کا بنوایا ہوا ہے، یہ سرخ کھمبوں پر تعمیر کی گئی عمارت ہے، اسے ترکی حرم کہتے ہیں۔ سرخ سرخ کھمبے اور ان کے بالائی حصے سبز رنگ کا لبادہ اوڑھے ہوئے، اس درجہ خوبصورت لگتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے، پھر زرد زرد چمکتے ہوئے پیتل کے کام اور بے شمار بجلی کے قمقموں نے اس کے حسن کو تصور سے فزوں تر کر دیا ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اس کے جمال و کمال کو بیان کر سکوں، ترکوں نے اپنی عقیدت کا حسن مسجد کی عمارت میں اس طرح سمو دیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس حرم میں کئی حصے ممتاز ہیں، قبلہ کی جانب کا حصہ جو تین یا چار صفوں پر مشتمل ہے، یہاں ازواج مطہرات کے حجرے تھے، حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس حصے کو مسجد میں شامل کیا ہے، اور امام محراب عثمانی میں ہی کھڑا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں مسجد کا جو حصہ تھا وہ اس کے پیچھے ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ مدینہ کا قبلہ جنوب میں ہے، اس لحاظ سے مشرق کی جانب مسجد کے حدود شروع ہونے سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وہ حجرۂ مطہرہ ہے جو اب قیامت تک کے لئے آپ کی آرام گاہ ہے، اسی حجرہ پر گنبد خضراء کا تاج جگمگا رہا ہے، اسی حجرہ شریف میں آپ کے دونوں با کمال خلفاء آپ کے قدموں میں جگہ پائے ہوئے ہیں، یہ حجرہ اب مسجد کے اندر داخل ہے، اگر مشرقی دروازے سے جو قبلہ کی دیوار کے قریب ہے داخل ہوں تو دو تین قدم کے بعد جہاں بائیں طرف قبلہ کی دیوار ہوگی وہیں دائیں جانب حجرہ شریفہ یعنی روضہ کی دیوار ہوگی۔ مشرقی دروازے سے آنے کی صورت میں سب سے پہلے حضرت عمر فاروق کی مواجہت میں، پھر حضرت صدیق اکبر کی مواجہت میں، پھر سرور کائنات کے حضور آپ پہونچیں گے۔ سرکار کے قدموں میں صدیق اکبر اور صدیق اکبر کے قدموں میں

فاروق اعظم ہیں۔ حجرہ کی مغربی دیوار سے شروع ہوکر حضور اکرم ﷺ کے منبر شریف تک روضۂ جنت ہے، روضۂ جنت کے کھمبے علامت کے لئے سنگ مرمر کے بنائے گئے ہیں۔ روضۂ جنت کے سامنے شمال میں صفہ کی علامت چبوترہ کی شکل میں بنادی ہے، منبر نبوی کے مغرب میں مئذنہ ہے، جہاں سے اذان ہوتی ہے، حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں مسجد کا جو حصہ تھا اس کی تحدید وتعیین کیلئے ستونوں پر لکھ دیا گیا ہے، **ھٰذا حد مسجد النبی ﷺ** ، اس سے توسیعات کا حصہ ممتاز کردیا گیا ہے۔

ترکی حرم کے بعد مشرق اور مغرب میں سعودی گورنمنٹ کا بنوایا ہوا کچھ حصہ ہے، اب اس کی توسیع شاہ فہد کرا رہے ہیں، اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ بہت بڑھ جائے گا۔

☆☆☆☆☆

جس روز ہم لوگ مدینہ پاک حاضر ہوئے غالبًا اسی روز عشاء کی اذان سے آدھ گھنٹہ قبل میں کسی ضرورت سے مسجد کے باہر جارہا تھا، مسجد نبوی کے صحن سے گذر رہا تھا کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے، اور کہا آپ کو تاؤلی کے مولانا عبداللہ صاحب بلا رہے ہیں۔ یہ نام میرے لئے نیا تھا، میں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ کہنے لگے فلاں جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے کہا بھی کہ کسی اور کو بلا رہے ہوں گے، مگر انھوں نے اصرار کیا تو میں بادل ناخواستہ ان کے ساتھ ہولیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ جن سے جمرات کی راہ میں لحظہ بھر کے لئے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، تشریف فرما ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ اس بڑے مجمع میں ایک ایسے شخص کو انھوں نے کیونکر پہچان لیا جس سے ایک منٹ کی ملاقات سرراہ ہوگئی تھی، اسے بجز کرامت کے اور کیا کہوں، انھوں نے بڑی شفقت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کل آپ کے تمام رفقاء سمیت ناشتہ کی دعوت ہے، میں یہیں ملوں گا۔ میں نے وعدہ کرلیا، ارادہ ہوا کہ بعد نمازِ فجر اپنے تمام رفقاء کو جن کے سربراہ حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب تھے مطلع کردوں گا۔ دوسرے روز فجر کی نماز سے فارغ ہوکر قاری صاحب ہم لوگوں کو مسجد نبوی کی خاص خاص یادگاریں دکھانے اور ان کا تعارف کرانے لگے،

اس میں دیر ہوگئی اور مولانا عبداللہ صاحب دیر تک انتظار کر کے چلے گئے، مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔ عشاء کے وقت پھر ملے لیکن ان کی بزرگانہ شفقت تھی کہ کوئی ناگواری ظاہر نہیں فرمائی، کہا کہ کل میں آپ حضرات کا یہیں انتظار کروں گا، چنانچہ دوسرے روز وہ وہیں ملے، پھر ہم لوگوں کو ساتھ لے کر اپنی قیام گاہ تک گئے اور مہمان نوازی کا وہ اہتمام کیا کہ عربوں کی پرانی مہمان نوازی کی یاد تازہ ہوگئی۔

یہ بزرگ نومسلم ہیں۔ اصل باشندے ضلع بستی کے ہیں، حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد و مرید ہیں، اور آپ ہی کے حکم سے قصبہ تاؤلی ضلع مظفر نگر میں عرصہ تک پڑھاتے رہے، وہاں کے لوگ ان کے بڑے شیدائی ہیں۔ اب کافی عرصے سے جوارِ رسول میں قیام کا شرف رکھتے ہیں، مدینہ طیبہ میں ایک عمارت ہے جس میں عباد و زہاد اور اصحاب توکل کا قیام رہتا ہے، مولانا بھی انھیں عابدین و زاہدین میں ہیں، نہایت سخی اور فیاض بزرگ ہیں، قدیم بزرگوں کی یادگار ہیں۔ دسترخوان مولانا کا نہایت وسیع ہے، جو ایک بار مل لیتا ہے، ان کا کلمہ پڑھتا ہوا جاتا ہے۔ ہم لوگ دیر تک ان کی خدمت میں رہے، وہ بھی شیریں مقالی اور حسن میزبانی سے ہم کو نوازتے رہے۔ جب ہم لوگ رخصت ہونے لگے تو غایت کرم سے اصرار فرماتے رہے کہ ہر روز ناشتہ یہیں کریں گے، مگر ہم نے معذرت کی۔ دورانِ قیام ایک بار اور حاضری کی توفیق ہوئی۔ ملاقات تو مسجد نبوی میں روزانہ ہوتی رہی، اور حصولِ دعاء کی سعادت ملتی رہی۔ ایک روز مولانا کے ساتھ باہر نکلا تو مسجد سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو مولانا نے سلام کیا اور تھوڑی دیر ان سے باتیں کرتے رہے، مجھ سے کہا کہ انھیں غور سے دیکھ لو۔ بعد میں بتایا کہ یہ نہایت مخلص اللہ والے ہیں، یہیں ایک چادر بچھا کر اس پر چند کپڑے رکھے رہتے ہیں اور انھیں بیچتے ہیں، مگر پابندی سے مسجد نبوی کی صف اول میں نماز پڑھتے ہیں، مسجد نبوی کی صف اوّل میں نماز پڑھنے کے لئے بہت پہلے مسجد پہونچنا ہوتا ہے، بالخصوص ہجوم کے ایام میں تو کم از کم ہر نماز سے ایک گھنٹہ پہلے پہونچنا ضروری ہوتا ہے، مگر یہ بزرگ اس کے نہایت پابند ہیں،

ان سے بھی دعاء کی درخواست کی گئی جو قبول ہوئی۔

ایک روز اشراق پڑھ کر مسجد سے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں ہم لوگ جا رہے تھے، تو ایک بزرگ نظر آئے جو نہایت مستی اور انہاک کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت جھوم جھوم کر کر رہے تھے، ان کے اندازِ تلاوت کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ یہ قرآن میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حفظ پڑھ رہے تھے، ہم دو تین آدمی بیٹھ کر ادب سے سننے لگے، ان کے پڑھنے سے دل نکلا پڑتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ خاموش ہوئے تو ہم لوگوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا، یہ بہت بوڑھے تھے، داڑھی میں مہندی کا خضاب لگا ہوا تھا، عرب تھے، ہم لوگ بیٹھ گئے اور دعا کی درخواست کی تو نہایت فصیح عربی میں گفتگو فرمانے لگے اور گفتگو کا سلسلہ بڑھ کر تھوڑی دیر میں نہایت مؤثر وعظ کی صورت اختیار کر گیا۔ دورانِ گفتگو جب حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر آتا تو گنبد کی طرف اشارہ کرتے اور بے تحاشا گریہ طاری ہو جاتا۔ خوب روئے اور ہم لوگوں کو رُلایا، ان کی گفتگو سے طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ ہم لوگوں کے دلوں پر تاثر کا زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے، تو انھوں نے گفتگو کا انداز بدلا۔ ہلکی پھلکی باتیں شروع کر دی، جن میں خفیف سی ظرافت بھی پائی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے مجلس کا رنگ بدل دیا، پھر بہت سی دعائیں دے کر رخصت کیا، اس کے بعد ایک آدھ مرتبہ اور ملاقات ہوئی، پھر نظر نہیں آئے۔

☆☆☆☆☆

مسجد نبوی کے ظاہری حسن و جمال کا جو عالم تھا، وہ تو تھا ہی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مسجد جن روحانی عظمتوں، باطنی وغیبی رفعتوں اور سکون واطمینان کی جن فضاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس کا اندازہ کوئی اہل دل اور صاحب باطن ہی کر سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک کی بنائی ہوئی یہ مسجد جس کی تعمیر کے لئے آپ کا چاند سا جسم غبار آلود ہوا، جس میں آپ نے اپنے صحابہ کے جھرمٹ میں ایک مزدور کی طرح کام کیا۔ جس کا ذرہ ذرہ آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کر چکا ہے، جس کا سینہ آپ کی خیر و برکت کا امین ہے،

جس کے درودیوار آپ کے پیغمبرانہ کلام سے محظوظ ہوئے ہیں، جس کا ایک ستون آپ کے فراق میں اس طرح رویا ہے جیسے چھوٹا بچہ ماں کو نہ پا کر روتا ہے، پھر آپ کی آغوش پا کر اس طرح سسکیاں لیتا ہوا خاموش ہوا، جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں پہونچ کر آہستہ آہستہ خاموش ہوتا ہے۔ اس مسجد کے منبر ومحراب آپ کے ان آنسوؤں اور اضطرابی کیفیات کے عینی شاہد ہیں، جو جوششِ عشقِ الٰہی اور فکر امت میں آنکھوں سے رواں ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی فضاؤں نے نہ جانے کتنی بار جبرئیل کے بازوؤں کی سرسراہٹ محسوس کی ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے کتنے فرشتے روزانہ یہاں حاضری کی سعادت حاصل کرتے تھے، اور اب بھی کرتے ہیں۔ اسی مسجد کی قبلہ کی دیواروں پر رسول اللہ ﷺ نے باغہائے جنت کے خوشوں کو دیکھا تھا، اور پھر یہیں سے جہنم کی حدت وشدت کا بھی مشاہدہ کیا تھا اور اس کے خوف سے متاثر ہو کر تڑپ کر دعائیں کی تھیں، یہ مسجد عالم اسلام کا قلب ہے، جس کی دھڑکن سے عالم اسلام زندہ وتابندہ ہے۔ آج بھی اس مسجد میں ہر وقت سکون واطمینان کی ایک پُرکیف چادر تنی رہتی ہے، یہاں کوئی بلند آواز سے نہیں بولتا، تلاوت بھی نہایت آہستگی سے کی جاتی ہے، درود شریف بھی زیرلب پڑھے جاتے ہیں، بعض عشاق قدموں کی جانب بیٹھے منتظر کرم رہتے ہیں، بعض صفہ پر بیٹھے مصروفِ تلاوت ودرود خوانی رہتے ہیں اور اکثر لوگ مسجد کے اس حصے میں جس کو رسول اکرم ﷺ نے جنت کا ایک باغیچہ فرمایا ہے، نماز پڑھنے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ یہ حصہ بیشتر اوقات اہل محبت سے لبریز رہتا ہے، اسی حصے میں محراب النبی ہے، اسی حصے میں منبر رسول ہے، اتنے ہی حلقے میں حضرت ابولبابہؓ کی طرف منسوب وہ ستون ہے، جس میں انھوں نے ایک غلطی صادر ہو جانے کی بنا پر خود کو رسی سے باندھ رکھا تھا، اور حق تعالیٰ کی جانب سے توبہ کی بشارت پر خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست اقدس سے انھیں کھولا تھا۔ اسی دائرہ میں وہ ستون بھی ہے، جو آپ کے فراق میں رویا تھا۔ غرض اس مختصر سی جگہ میں تبرکات کی ایک دنیا سمائی ہوئی ہے، اہل محبت بے تاب رہتے ہیں، وہ پھر پھرا کر زمین کے ہر حصے پر اپنی پیشانی ٹیک دینا چاہتے ہیں، کیونکہ یہاں

کی ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہ ہوگی جس کو کائنات کے بزرگ ترین انسان کی قدم بوسی کا شرف حاصل نہ ہوا ہو، بالخصوص محراب میں دو رکعت نفل کے لئے ہر وقت لائن لگی رہتی ہے۔ اس جگہ نماز پڑھنے والے کی پیشانی سجدہ میں ٹھیک اس جگہ ٹکتی ہے جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم مبارک ہوتے تھے۔ میں طبیعت کا بودا، ہمت کا کمزور، ہمیشہ کا کاہل اور آرام پسند، ہجوم کا بہانہ پا کر اکثر سعادتوں سے تو محروم ہی رہا، البتہ روضۂ جنت میں چند نمازیں پڑھ آیا ہوں۔

جامع العلوم کانپور کے ابتدائی طالب علم، حضرت حکیم الامت کے شاگرد رشید اور بعد میں اسی مدرسے کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی علیہ الرحمہ کے متعلق مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب وہ روضۂ جنت میں داخل ہوئے تو حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب! جو بندہ جنت میں داخل ہو جائے گا آپ اس کو وہاں سے نہیں نکالیں گے، میں بھی جنت کے ایک حصے میں داخل ہو گیا ہوں، اب تو آپ اپنے کرم سے اس سے محروم نہ کریں گے۔ یہ دعا مجھے اس وقت خوب یاد رہی۔ اپنے گنہگار منھ اور زبان سے کہہ تو آیا ہوں، شاید بات بن جائے۔ مدینہ طیبہ کا قیام صرف آٹھ روز کے لئے ہے، اس لئے طبیعت کا تقاضا یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی کی متبرک فضا میں بسر ہو۔ کتب خانے یہاں بھی کافی بڑے بڑے ہیں، مگر وقت کی کمی کے باعث کسی کتب خانہ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی، البتہ مجھے شیخ عبدالوہاب شعرانی کی بعض کتابوں خصوصاً ''**المیزان الکبریٰ**'' کی جستجو تھی۔ مکہ مکرمہ میں تلاش کی، مگر نہ ملی۔ سعودیہ کے نجدی علماء نہایت وہمی ہیں، انھیں تصوف وسلوک کے نام سے بخار چڑھتا ہے اور کسی صوفی قسم کے عالم کی کتاب اپنی قلمرو میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی زبردست عالم ہیں، مگر ان کا قصور یہ ہے کہ وہ تصوف کے علم بردار ہیں، بس اس جرم میں ان کی کتابوں کا داخلہ ممنوع ہے، خدا معلوم تصوف کی سب سے اہم اور بنیادی دو کتابوں **احیاء العلوم** اور **عوارف المعارف** کے سلسلے میں ان کے دلوں میں

نرم گوشہ کیونکر پیدا ہوگیا ہے کہ وہ کھلے عام بازار میں دستیاب ہیں۔ مکہ مکرمہ میں بعض لوگوں نے بتایا کہ شاید مدینہ طیبہ میں مل جائے، وہاں ایک ہندوستانی عالم نے **مکتبۃ الحجاز** کے نام سے ایک تجارتی کتب خانہ کھول رکھا ہے، مجھے امید تھی کہ شاید ان کے یہاں یہ کتاب مل جائے، اسی امید پر ایک روز وقت نکال کر حاجی رضوان اللہ کے ساتھ **مکتبۃ الحجاز** گیا، مگر قدرت کو منظور نہ تھا، صاحب مکتبہ اس وقت کسی لمبے سفر پر گئے ہوئے تھے، ان کے ملازمین سے دریافت کیا تو کتاب کے متعلق انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، خود جتنا وقت ساتھ دے سکا تلاش کرتا رہا، مگر نہ ملی۔ اور بہت سی کتابیں وہاں سے مدرسہ کے لئے لیں، اس کے بعد بھی حاجی رضوان اللہ صاحب بعض کتب خانوں میں لے جانے کی کوشش کرتے رہے مگر میں نے معذرت کی۔

مسجد نبوی سے تھوڑے فاصلہ پر مشرق کی جانب مدینہ طیبہ کا مشہور اور بابرکت قبرستان ہے، جس کا نام عام طور پر ''جنت البقیع'' معروف ہے، اس میں ہزاروں لعل و گہر مدفون اور آفتاب و ماہتاب روپوش ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء ذوی الاحترام کی اتنی بڑی تعداد یکجا کہیں مدفون نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ اس قبرستان میں بار بار تشریف لائے ہیں اور یہاں کے مدفون حضرات کو کسی خاص موقع پر آپ نے فراموش نہیں کیا ہے۔ بقیع کیا ہے؟ جنت میں پہونچنے کا ایک دروازہ ہے، جس پر ہمیشہ رسول پاک ﷺ کی دعائیں سایہ فگن رہتی ہیں۔ ترکوں کے زمانہ میں یہاں پختہ قبروں، ان پر عمارتوں اور کتبوں کی بہتات تھی، سعودی حکومت نے عمارتیں اور کتبے تو خیر بڑی چیز ہیں، قبروں کے نشان تک مٹا دیئے ہیں۔ بس جگہ جگہ چھوٹے پتھر یونہی بے ترتیبی سے کہیں کہیں گڑے نظر آتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں قبر ہوگی۔ قبرستان کو ایک وسیع اور اونچی چہار دیواری سے گھیر دیا گیا ہے، اور اس میں ایک بڑا سا پھاٹک لگا دیا گیا ہے جو بیشتر اوقات بند رہتا ہے، دن میں کسی کسی وقت ایک آدھ گھنٹہ کے لئے کھولا جاتا ہے، تو زائرین پہونچ جاتے ہیں۔ ایک روز ہم لوگ اپنے معلم و رہبر جناب قاری ولی اللہ صاحب کی معیت میں اکابر کی زیارت کے لئے حاضر

ہوئے، دروازے کے اندر داخل ہوئے تو ابتداء میں ایک جگہ چند پتھر گڑے ہوئے نظر آئے، قاری صاحب نے بتایا کہ یہ امہات المومنین یعنی ازواجِ مطہرات النبی ﷺ کی مقدس قبریں ہیں، شرم بھی آئی کہ ہم ناخلف بیٹے ماں کا کون سا حق ادا کر سکے ہیں کہ منہ دکھائیں، اور محبت کا سیلاب بھی امنڈ رہا تھا کہ ماں منبع محبت ہے، دیر تک وہاں کھڑے رہے، وہیں قریب ہی حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں مدفون ہیں۔ حضرت فاطمہ کے حضور پہونچ کر بڑا تاثر ہوا، مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں جب حاضری ہوئی تھی تو دور سے حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت ہوئی، اس وقت بھی بہت رویا تھا۔ دور سے اس لئے کہ جنت المعلیٰ کا وہ حصہ جہاں حضور اکرم ﷺ کے اہل خاندان مدفون ہیں، اس کے اردگرد گورنمنٹ نے دیواروں کا حصار قائم کر دیا ہے، اور دروازے میں ایسا قفل لگا ہوا دیکھا، جسے دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ برسوں سے یہ تالا کھولا نہیں گیا ہے، لوہے کی سلاخوں والے اس کواڑ سے جھانک کر جو دیکھا تو ایک قبر پر کسی نے لکھ دیا ہے کہ **قبر ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا** بس اس پر نظر پڑی اور دل امنڈ پڑا۔ یہاں ان کی صاحبزادیوں کے مزار پر حاضر ہوا تو دیر تک کھڑا رہا۔ پھر قاری صاحب مختلف قبروں کی نشاندہی کرتے رہے، یہاں امام مالک اور ان کے استاد نافع محو استراحت ہیں، یہ مائی حلیمہ سعدیہ ہیں، یہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اخیر میں سیّدنا عثمان غنی ؓ شہید مظلوم اور خلیفہ ثالث کے قبر اقدس کے پاس لے جا کر کھڑا کیا۔ اب تک میری طبیعت بے قابو نہیں ہوئی تھی، بس آنکھوں کے پردے پر آنسو جھلملاتے پھر روپوش ہو جاتے، لیکن اس شہید مظلوم کی خدمت میں آ کر یکایک ان کی مظلومیت کی داستان لوحِ دل پر ابھر آئی اور پھر آنکھیں برسنے لگیں، میں بہت دیر تک روتا رہا، تمام رفقاء مجھے چھوڑ کر چلے گئے، مگر یہاں کی زمین مجھے نہیں چھوڑ رہی تھی۔ کافی دیر کے بعد اندازہ ہوا کہ لوگ اب نکل رہے ہیں، شاید پھاٹک بند ہونے والا ہے، عجلت میں وہاں سے چلا اور چند اور قبروں کی زیارت کرتا ہوا باہر آ گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد بھی چند ایک بار تنہا حاضری ہوئی۔ آتا اور اسلام کے ان فدا کاروں، اللہ کے

شیروں، نبی کے جانبازوں اور اپنے بزرگوں کو سلام عقیدت پیش کر جاتا۔

☆☆☆☆☆

مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کے آثار اور اسلام کی یادگاریں تو ہر ہر قدم پر ہیں، بلکہ پورا مدینہ مجمع یادگاراں ہے، مگر ان میں چند مقامات بطور خاص تاریخی یادگار ہیں اور ان جگہوں سے اسلام کی عظیم تاریخ وابستہ ہے، ان میں سب سے اہم احد کی پہاڑی ہے، جس کے دامن میں اسلام کی دوسری جنگ لڑی گئی تھی، پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی اور اس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی تھی، مگر اس جنگ میں حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ کچھ اور تھی، ابتداء میں اہل اسلام کا غلبہ رہا، مگر بعد میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور فوجِ اسلام میں ابتری پیدا ہوگئی۔ اس جنگ میں صحابہ کی بڑی تعداد شہید ہوگئی۔ حضور ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسی جنگ میں جام شہادت نوش کیا، اور تو اور خود محبوب رب العالمین سرکارِ دوعالم ﷺ کی شہادت کی خبر اُڑ گئی تھی۔ خیر وہ خبر تو غلط تھی مگر آپ کے چہرے پر نا قابل برداشت زخم آیا تھا، جس کا آپ نے نبوت کی روحانی قوت سے تحمل فرما لیا، کئی دندانِ مبارک شہید ہوگئے، خود کی کڑیاں رُخسارِ اقدس میں گھس گئی تھیں۔ اس غزوہ کا ذکر قرآن کریم میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس پہاڑ سے بے حد محبت تھی، اور اس پہاڑی کا دل بھی حضور کی محبت میں دھڑکتا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **ھٰذا جبل یحبنا و نحبہ**، یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں، احد کا تصور آتے ہی طبیعت میں محبت و کیف کی لہریں مچلنے لگتی ہیں۔

دوسری بڑی یادگار غزوۂ خندق کا محل وقوع ہے، ۵ھ میں سارا عرب یہودی قبائل سمیت ایک جتھا بنا کر مدینہ پر امنڈ آیا تھا، اس وقت کی صورت حال اتنی نازک تھی کہ اس کا آج تصور بھی مشکل ہے، پورا مدینہ اس وقت نرغے میں آگیا تھا، اس وقت کی نزاکت کا نقشہ قرآن کریم کی بلیغ تعبیر میں یہ تھا:

اِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا۔

جب کفار تم پر آ پڑے، تمہارے اوپر کی جانب سے، اور تمہارے نیچے کی طرف سے، اور جب نگاہیں کج ہوگئی تھیں، اور دل حلق تک آ گئے تھے، اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے تھے، اس وقت مومنین کی زبردست آزمائش تھی اور انھیں سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا تھا۔

ایسے وقت میں سارے عرب کے بالمقابل براہ راست صف آرا ہونا دانشمندی کے خلاف تھا، جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر خندق کا کھودنا طے فرمادیا۔ یہ خندق مدینہ کے اس حلقے میں ہے جہاں آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ ڈھائی تین میل لمبی خندق کھودی گئی تھی۔ دس ہزار کا لشکر جرار خندق کے پار پڑاؤ ڈالے ہوئے مدینہ کا محاصرہ کئے تھا، ادھر بنی قریظہ کے یہودی بھی بغاوت پر آمادہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی، نبی کے اصحاب کی، اور نبی کے شہر کی حفاظت فرمائی اور کفارِ مکہ پر ایسی آندھی اور ایسا طوفان بھیج دیا کہ انھیں بھاگتے ہی بنی۔ یہ جگہ بھی اسلامی تاریخ میں زبردست یادگار رہے۔

ایک روز پروگرام بنایا گیا کہ مدینہ میں مدت قیام گو کم ہے، لیکن سواریوں کی سہولت ہے، فجر کی نماز پڑھ کر ایک موٹر کرایہ پر لے لیں اور تمام تاریخی مقامات کی زیارت کر آئیں، اور نمازِ ظہر مسجد نبوی میں ادا کریں۔ ہمارے سالارِ قافلہ قاری ولی اللہ صاحب مدظلہٗ یہاں بھی رہنما رہے، کچھ گجراتی لوگ تھے۔ ایک منی بس کرایہ پر لی گئی۔ مدینہ طیبہ سے تھوڑے فاصلہ پر قبا نامی بستی ہے، یہ وہ خوش قسمت سرزمین ہے جس نے ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی پہلی میزبانی کا شرف حاصل کیا تھا، یہاں آپ نے دو ہفتہ قیام فرمایا، آپ نے پہلا عبادت خانہ یہیں تعمیر فرمایا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو اس جگہ سے بہت گہرا تعلق تھا، ہفتہ میں ایک روز عموماً یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

پروگرام یہ بنا کہ ابتداءً مسجد قباء میں حاضری دی جائے، اور اس تاریخی مسجد میں اشراق کی نماز ادا کی جائے، چنانچہ ہم لوگ سورج کے بلند ہوتے ہوتے مسجد قبا پہونچ گئے۔ سعودی حکومت نے اس مسجد کی بڑی حسین تعمیر کرائی ہے۔ یہاں چار رکعت نماز ادا کی اور دیر تک بیٹھا میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری، یہاں کے باشندوں کی فدائیت اور مسجد کی تعمیر کو یاد کرتا رہا، اور دعائیں کرتا رہا۔ میں کافی دیر بیٹھا رہا، رفقاء نمازیں ادا کرکے باہر نکل آئے، میرا جی چاہتا تھا کہ یہیں بیٹھا رہوں۔ اس سرزمین کا ہر حصہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ ’’جا ایں جا است‘‘ یہ زمین کاہے کو ہے، عشق ومحبت کا آسمان ہے، ان ذروں کی خوش نصیبی پر آسمان بھی رشک کرتا ہوگا، جو سرور کائنات محبوب رب العالمین کے پاکیزہ تلووں کے نیچے آگئے ہوں گے، یہاں پاؤں کے بل نہیں سر کے بل آیا جائے، جب بھی ذوقِ محبت کو تسکین نہ ہوگی۔ دیر کے بعد مسجد سے باہر نکلا تو رفقاء اُدھ پکی کھجوریں خرید رہے تھے، اطراف میں نظر ڈالی تو کھجور کے باغات کا سلسلہ نظر آیا، کھجور کے درخت اتنے بڑے نہ تھے جتنے بڑے ہمارے ملک میں ہوتے ہیں، چھوٹے چھوٹے نہایت سرسبز وشاداب شاخیں اور پتیاں بڑی بڑی۔ اگر کبیر داس یہاں ہوتے اور یہاں کی کھجوریں دیکھے ہوتے تو اپنے دوہے میں کھجور کے پیڑ کی تشبیہ کبھی نہ لاتے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ؎

بڑا ہوا تو کیا ہوا جیسے پیڑ کھجور
پنچھی کو سایہ نہیں پھل لاگے اَتی دور

بچپن میں یہ دوہا پڑھا تھا، اور ہندوستان کے کھجور کے درخت تھے، اس کے اثر سے اس درخت کی عظمت واہمیت ذہن میں کم ہوگئی تھی، مگر جب یہ تصور آتا کہ اہل مدینہ اور نبی کریم ﷺ اس سے محبت رکھتے تھے، تو اس خیال سے وحشت ہونے لگتی کہ میرے دل میں اس کی عظمت جیسی ہونی چاہئے نہیں ہے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس پاک سرزمین میں کھجوریں کیسی ہوتی ہیں۔ میں ہندوستان کی کھجوروں پر قیاس کر رہا تھا، لیکن یہاں آکر دیکھا تو اپنی جہالت پر افسوس ہوا، یہاں کے باغات خوب سایہ دار ہوتے ہیں، اتنے سایہ دار جتنے ہمارے یہاں آم وغیرہ کے باغات ہوتے ہیں، یہ باغات بڑے خوبصورت لگتے ہیں۔

میں بہت دیر تک ان کا نظارہ کرتا رہا، کس قدر گھنے وہ باغات ہیں۔ حدیث میں تذکرہ آتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ کے باغ میں ایک پرندہ اُڑتا پھر رہا تھا اور اس کے گھنے ہونے کہ وجہ سے جلد نکل نہیں پا رہا تھا، اس کا مشاہدہ آنکھوں سے ہو رہا تھا۔

کچھ کھجوریں خریدی گئیں اور کچھ باغ والوں نے مفت میں دیں، شکم سیر ہو کر کھائی گئیں، تازہ کھجوریں کتنی لذیذ وخوشگوار تھیں! قبا کی فضا بہت حسین اور دلنواز تھی۔ صبح کا وقت تھا، دھوپ میں ابھی تمازت نہیں آئی تھی، نرم اور سبک ہوا چل رہی تھی، مسجد قبا کے دونوں جانب باغات لہلہا رہے تھے، ان باغات کے درمیان کچھ شاداب کھیت بھی نظر آ رہے تھے، لیکن یہ نہیں دیکھ سکا کہ ان میں کیا بویا ہوا تھا۔ وقت کم تھا ورنہ بعض احباب کی رائے ہو رہی تھی کہ باغوں کے اندر چل کر دیکھا جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ بس پر سوار ہو کر اس مشہور کنویں پر پہونچے، جسے حضرت عثمان ؓ نے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں میٹھے پانی کا کوئی کنواں مسلمانوں کی دسترس میں نہ تھا، جو کنویں تھے وہ یہودیوں کے قبضے میں تھے، وہ اپنی پسند کے مطابق قیمت پر پانی دیا کرتے تھے، مدینہ طیبہ سے تقریباً دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک کنواں بیر رومہ نامی تھا، یہ بھی ایک یہودی ہی کی ملکیت میں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اس کیلئے جنت ہے، حضرت عثمان ؓ ایسے موقع پر کب چوکنے والے تھے، یہودی نے بہت زیادہ قیمت مانگی یعنی آدھے کنویں کی قیمت بارہ ہزار درہم طلب کی، آپ نے بلا تامل اسے منظور کر لیا، اب باری مقرر ہوگئی۔ ایک دن یہودی کی باری ہوتی اور ایک دن حضرت عثمان کی، حضرت عثمان نے اپنی باری کا دن وقف کر رکھا تھا، تمام لوگ اسی دن پانی لینے آجاتے اور یہودی کی باری میں کوئی نہ جاتا، پھر اس نے مجبور ہو کر بقیہ آدھا بھی حضرت عثمان ؓ کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اب یہ کنواں بلاشرکت مسلمانوں کیلئے ہو گیا، اس سے مسلمانوں کو بڑی راحت ملی، اس کنویں پر ہم لوگ

پہونچے تو اس میں نصب ٹیوب ویل چل رہا تھا، کنواں کسی قدر پٹ گیا ہے، اس میں ٹیوب ویل نصب کر دیا گیا ہے، البتہ کچھ گہرائی تک پتھروں سے بنی ہوئی کنویں کی دیواریں موجود ہیں۔ اس کا پانی اب بھی نہایت ٹھنڈا اور شیریں ہے، مجھے اس کی لذت آبِ زم زم کی لذت کے مشابہ محسوس ہوئی، اب اسے بیر عثمان کہا جاتا ہے۔ یہ ایک باغ کے اندر ہے، یہ باغ اور اس کے اطراف کی کھیتیاں اسی کنویں سے سیراب کی جاتی ہیں۔

یہاں سے ہم لوگ احد پہاڑ کی جانب روانہ ہوئے، قبا مدینہ کے جنوب میں ہے، اور جبل احد مدینہ کے شمال میں! احد کی طرف جاتے ہوئے تاریخ اسلام کا وہ زبردست واقعہ جو اس پہاڑی سے وابستہ ہے نگاہوں کے سامنے پھر گیا، مجھے وہاں کی لڑائی، تیراندازوں کے دستے کا ایک گھاٹی پر تقرر، مسلمانوں کی ابتدائی فتح ونصرت، لیکن ایک غلطی کی بنا پر اسلامی فوج میں سراسیمگی، رسول اکرم ﷺ کا زخمی ہونا، حضرت حمزہ ؓ کی شہادت، اور تمام واقعات یکے بعد دیگرے یاد آتے چلے گئے۔ ہماری بس پہاڑی کے دامن میں جہاں لڑائی ہوئی تھی اس سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہوئی۔ شہداءِ احد کے مزارات پر حاضری کے لئے طبیعت بے تاب تھی کہ اسلام کے ان جیالے شیروں، رسول اللہ ﷺ کے شیدائیوں اور حق تعالیٰ کے نام پر سر کٹانے والوں کو جو در حقیقت زندہ ہیں، ذرا قریب سے جا کر سلام عرض کروں، شاید عالم برزخ کے پردوں کو چیر کر ان کی تیز نگاہیں اس مہمل سے وجودِ خاکی پر پڑ جائیں، شاید ان کی نگاہوں کی بجلی ادھر بھی جوشِ ایمانی کا کرنٹ دوڑا دے، شاید ان کی برکت سے اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ بیدار ہو جائے، شاید ان کی یاد میں آنکھوں سے آنسو ہی نکل پڑیں، ے

مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سعودی حکومت نے ان مزارات کے چاروں طرف اتنی دور سے دیواروں کا حصار قائم کر دیا ہے کہ قدم تو درکنار نگاہیں بھی وہاں تک پہونچنے کے لئے ترس جاتی ہیں۔ سلاخوں والے ایک پھاٹک کے پاس کھڑے ہو کر سر جھکا کر دعا و درود پڑھا۔ دل پر بہت بوجھ تھا، کیا مشکل تھا اگر حج کے زمانہ میں اس پھاٹک کے کھلنے کا انتظام کر دیا جاتا، ہم

دور والوں کو ذرا تسلی ہو جاتی۔ میدانِ احد میں طبیعت پر ایسی شکستگی طاری رہی کہ ادھر ادھر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی، کچھ دیر جبل احد پر نگاہیں جما کر اس کی محبت کی لہریں دل میں جذب کرتا رہا، کیونکہ ہمارے محبوب ﷺ نے اس سے محبت فرمائی ہے اور اس کا سنگین دل بھی حضور کی محبت میں موم تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ اب بھی ہر آنے والے کو نگاہِ محبت سے دیکھ رہا ہے، اس کی زبان خاموش تھی، مگر اس کے وجود پر محبت برس رہی تھی۔ میں بھی یہ سعادت حاصل کر آیا۔ اے احد ہمارے پیارے نبی نے تجھ سے محبت فرمائی ہے، اس لئے تیری جگہ ہمارے دل میں ہے، ہماری آنکھوں میں ہے، تو قیامت تک اسلام کے ان شہداء کی حفاظت ونگرانی کی سعادت حاصل کرتا رہ، تو بڑا خوش نصیب ہے! زندگی کی ایک بڑی تمنا پوری ہوئی کہ آج حق تعالیٰ نے تیری آغوش میں پہونچا دیا، لیکن یہ درد دل میں لئے جا رہا ہوں کہ شہداء اسلام کے حضور میں نہ پہونچ سکا۔ **فإلی اللہ المشتکیٰ**۔

احد کے دامن میں لمحاتِ سعادت گزار کر ہم لوگ خندق کی طرف روانہ ہوئے، اب تو وہاں سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے، خندق کے تمام آثار مٹ چکے ہیں، کچھ لوگ بتاتے ہیں کہ پہلے اس جگہ خندق کی علامتیں تھیں، البتہ پہاڑی کے دامن میں چند جگہیں ایسی نظر آئیں جن پر چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں، کسی قدر بلندی پر دو مسجدیں قریب قریب ہیں، ایک کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ یہاں رسول اکرم ﷺ خیمہ زن تھے، اور یہیں سے میدانِ جنگ کی نگرانی اور کمان فرما رہے تھے۔ اس کے قریب ہی حضرت سلمان فارسی ؓ سے منسوب ایک مسجد ہے، کچھ فاصلے پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے منسوب ایک مسجد ہے، وہاں سے تھوڑی مسافت پر سیّدنا عمر فاروق ؓ کے نام پر، اور بالکل دوسرے سرے پر سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نام پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ ہم لوگوں نے از راہِ سعادت ہر ایک میں سجدے کئے، اور محسنین کی خدمت میں عقیدت مندی، درود اور دعاؤں کا نذرانہ پیش کیا۔

خندق سے لوٹتے ہوئے ہمارے رہبر ومعلم ایک اور جگہ لے گئے، جہاں کچھ لوگ زمین کرید رہے تھے، معلوم ہوا کہ یہ خاکِ شفاء ہے۔ قاری صاحب نے بتایا کہ کسی موقع پر

بعض صحابہ کرام بیمار ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے یہاں کی مٹی بدن کے اوپر استعمال کرائی تھی، اور اس سے ان حضرات کو شفاء حاصل ہوئی تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے؟ کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں ہے، پہلے یہاں کی مٹی ٹکیوں کی شکل میں لوگ بنا کر ہدیہ کیا کرتے تھے۔ سعودی علماء کے نزدیک اس مٹی کے بارے میں شفاء کا گمان رکھنا شرک ہے، اس لئے اب کہیں نظر نہیں آتی، ہماری بس کا ڈرائیور دیندار تھا، وہ بھی ہم لوگوں سے الجھ رہا تھا اور شرک وحرام کا وظیفہ پڑھے جا رہا تھا، ہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ کسی دوا یا کسی مٹی میں شفاء کا گمان رکھنا شرک کیونکر ہوسکتا ہے، جبکہ اعتقاد یہ ہو کہ اس میں یہ خاصیت حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کرتے ہیں، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہم لوگوں نے اس کی نکیر شدید کے باوجود تھوڑی تھوڑی مٹی حاصل کر لی۔

چند اور مقامات پر گئے، مسجد قبلتین اور بنی سالم جہاں پہلا جمعہ رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا تھا، وہاں بھی حاضر ہوئے، بارہ بجے کے قریب اپنے مستقر پر واپس ہوئے، پھر رسول مقبول فداہ روحی وقلبی کے حضور میں حاضری ہوئی، مدینہ میں قیام کی گھڑیاں اڑتی چلی جا رہی تھیں، ہر روز قیام کا ایک روز گھٹ جاتا تھا، اس لئے کوشش یہ رہتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں بسر ہو جائے۔ ایک روز بعد نماز عصر صف اول کے قریب تلاوت کر رہا تھا، اچانک موسم ٹھنڈا ہوتا ہوا محسوس ہوا، پیچھے کی جانب کچھ چہل پہل سی لگ رہی تھی، میں نے ادھر ادھر التفات کو بے ادبی سمجھا، تلاوت میں غرق رہا۔ مغرب کی نماز سے کچھ پہلے تلاوت سے فارغ ہو کر باہر آیا تو دیکھا کہ صحن میں پانی بہہ رہا ہے، اور موسم جو انتہائی گرم تھا، بڑا خوشگوار اور معتدل ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ موسلا دھار بارش ہوئی ہے، میں جب نکلا ہوں تو بارش ختم ہو چکی تھی۔ ہمارے دوست مولوی محمد عمر صاحب نے کرتا پاجامہ سمیت بارش میں نہانے کی سعادت حاصل کی۔

ایک روز بعد نمازِ عشاء مسجد سے باہر نکلا تو ایک بزرگ آدمی کو لوگ گھیرے کھڑے تھے، میں بھی بڑھا تو مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی نے بتایا کہ یہ مولانا عاشق الٰہی صاحب

بلند شہری ہیں۔ میں محبت اور شوق میں مصافحہ کے لئے بڑھا، مولانا میرے بڑے محسن ہیں، بچپن میں ان کا ایک رسالہ ''حالاتِ جہنم'' پڑھا تھا، جس کا نقش دل پر بہت گہرا جما۔ اس کے بعد مولانا کی متعدد اصلاحی تصانیف پڑھیں، دینی ذہن بنانے میں مولانا کے رسالوں کا بہت دخل ہے۔ مولانا نہایت بے تکلفی سے اس طرح ملے جیسے پرانی شناسائی ہو، مولانا عبدالعظیم صاحب نے میرا تعارف کراتے ہوئے انھیں بتایا کہ یہ ''حیات مصلح الامت'' کے مرتب ہیں، تو نہایت سادگی اور بے تکلفی سے فرمایا کہ مجھے کہاں انھوں نے دکھایا۔ میں نے عرض کیا کہ واپسی کے بعد انشاء اللہ بھیجوں گا، میں نے کہا حضرت میں آپ کا بچپن سے شاگرد ہوں، فرمایا وہ کیسے؟ میں نے ان کی کتابوں سے اپنے استفادہ کا ذکر کیا تو بہت ہنسے۔ بہت بے نفس، پاکباز اور صاف باطن بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت دیں۔

ہمارے دوستوں میں ایک صاحب جو نہایت پختہ دیندار ہیں، گورنمنٹ کے ملازم ہیں، آب پاشی کے محکمہ میں انجینیر ہیں۔ جناب مہناج الحق صاحب صدیقی، حج میں روانگی کے وقت گورینی آئے تھے۔ رخصت ہونے کے وقت انھوں نے بتایا تھا کہ ان کے ایک بھانجے محمد خالد خادم الحرمین شاہ فہد کے مطبع میں کام کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں ان سے ملاقات ہوگی، ان کا پتہ بھی دے دیا تھا، میں نے مکہ مکرمہ سے ایک خط ان کے نام لکھ کر سپرد ڈاک کر دیا تھا۔ ایک دفعہ میری ان سے ملاقات ہو چکی ہے، میں مختلف چہروں کو دیکھتا رہتا کہ شاید وہ نظر آ جائیں۔ ایک دن مسجد نبوی سے باہر آ رہا تھا کہ ایک عالم دین جو میرے کرم فرماؤں میں سے ہیں، ایک صاحب سے کہہ رہے تھے کہ دیکھئے وہ آ رہے ہیں؟ پھر ایک نوجوان آدمی میری طرف بڑھا، میں پہچان گیا یہی خالد تھے۔ پھر تو انھوں نے وہ خدمت کی اور سعادت مندی دکھلائی کہ جی خوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے۔

سعودی عرب کے بادشاہ فہد بن عبدالعزیز نے قرآن کریم کی عمدہ طباعت کے لئے دنیا کا عظیم ترین مطبع قائم کیا ہے، یہ مطبع غالباً دنیا کے دو بڑے مطابع میں سے ایک ہے۔ میاں خالد سلّمہٗ اسی میں کام کرتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ اس مطبع میں چوبیس گھنٹے کے

اندر پچاس ہزار نسخے قرآن کریم کے چھپتے ہیں۔

شاہ فہد کو اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہے، تو خرچ کرنا بھی جانتے ہیں، خالد میاں بتا رہے تھے کہ ابھی شاہ فہد کی طرف سے قرآن کریم کی طباعت کا جو آرڈر آیا ہے اس کی تکمیل کے لئے کم از کم تین ماہ درکار ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس مطبع کے قرآن کی فروختگی ممنوع ہے، سب وقف للہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کی بھی اشاعت ہوتی ہے۔ خالد سے معلوم ہوا کہ فی الحال ترجمہ شیخ الہند مع فوائد عثمانی کی طباعت ہوئی ہے، ابھی اس کا اجراء نہیں ہوا تھا۔ خالد میاں نے مطبع دیکھنے کی پیشکش کی، لیکن معلوم ہوا کہ وہ مدینہ طیبہ سے ۱۵ رکلومیٹر دور ہے، آنے جانے میں خاصا وقت لگے گا۔ اس بنا پر معذرت کر دی کہ مدینہ طیبہ کے تھوڑے سے قیام کو ان غیر ضروری امور میں گنوانا مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

مدینہ میں قیام کی کل مدت تھی ہی کتنی؟ کل آٹھ دن! دیکھتے ہی دیکھتے یہ آٹھ دن گذر گئے۔ جی چاہتا تھا کہ ہر دن ایک سال کا ہو جائے، تاکہ طبیعت کو، روح وقلب کو، ایمان ویقین کو تازگی اور شادابی حاصل ہوتی رہے۔ نبی کریم ﷺ سے قربِ جسمانی کی برکت سے ایمان وعمل کی حلاوت ولذت میں رسوخ حاصل ہوتا رہے، ہر روز روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت، مدینہ طیبہ کے علاوہ اور کہاں نصیب! اور پھر کیسے کیسے لوگ خاشع وخاضع، دیندار ومتواضع، اللہ کے نام کے لذت آشنا، نبی کے والہ وشیدا، عقیدت ومحبت سے معمور، ذکر وتلاوت میں سرشار، درود خوانی میں مصروف ومنہمک اور نماز وعبادات میں کوشاں ملتے تھے۔ یہ دولت اور کہاں حاصل ہوگی؟ جی نہیں چاہتا تھا کہ قیام کی مدت ختم ہو، یہ نہ ختم ہوتی، حیات مستعار ہی ختم ہو جاتی، جسم یہیں پیوند زمین ہو جاتا، تو سعادت کا عروج حاصل ہو جاتا، مگر یہ بخت بیدار ہر کسی کو کہاں حاصل؟ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں مدینہ کی مٹی قبول کرتی ہے، ان کا خمیر یہیں کا ہوتا ہے۔

غالباً ۱۲ راگست کی تاریخ تھی، آج ہی اذنِ رحیل ہے، قدم بوجھل ہو رہا ہے، دل

کی کیفیت بدلی ہوئی ہے، حزن وملال کی بدلیاں آہستہ آہستہ چھاتی چلی جارہی ہیں، آج اس پاک جگہ سے ہمارے جسموں کو رخصت ہونے کا حکم ہے، جہاں کا ہر ہر ذرہ انس ومحبت ہے، سراپا انس ومحبت! جہاں ایک لمحہ کے لئے بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ مجھے اس وقت بار بار ایک قصہ یاد آیا، جو میرے گاؤں کے ایک بڑے میاں سنایا کرتے تھے۔ وہ گاؤں ہی کے ایک دوسرے شخص کے بارے میں بتاتے تھے کہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ لہوولعب اور فسق وفجور میں گذرا، دین اور دینداری سے دور رہے، مگر آخر عمر میں جاذبۂ توفیق الٰہی نے ان کا دامن کھینچا اور فسق وفجور کی خارزار اور گرم وادی سے نکال کر ایمان وعمل کے شاداب اور خنک گلستاں میں پہونچا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حج کی توفیق بخشی، حج کرلیا، پھر مدینہ منورہ آگئے اور یہیں پڑ رہے، عرصہ کے بعد نہ جانے کیا حالات ہوئے کہ انھیں حکومت کی جانب سے حکم ملا کہ مدینہ سے رخصت ہوجاؤ۔ وہ چھپتے پھرتے تھے، لیکن بالآخر پکڑے گئے اور پولیس کی حراست میں، اونٹ پر بیٹھا کر مدینہ سے باہر نکال دئے گئے۔ اونٹ آگے بڑھتا رہا اور اس کی پشت پر پیچھے کی طرف رُخ کئے ہوئے محو جمالِ روضۂ مطہرہ رہے، شاید اس میں اتنا جذب ہوگئے تھے کہ بس ان کی روح تھی اور سبز گنبد کا حسین پیکر! اونٹ جوں جوں آگے بڑھتا رہا روضۂ اقدس نگاہوں سے اوجھل ہوتا رہا، جب بالکل ہی محرومی ہوگئی، تو اچانک انھوں نے ایک دلدوز چیخ ماری، پھر اونٹ سے گرے، اور ان کی روح اس عالم میں پرواز کرگئی، جہاں کوئی حجاب نہیں۔ جہاں اہل دنیا کی حکومت کا زور نہیں، جہاں رنج وفراق نہیں، میں سوچتا تھا کہ ایک وہ لوگ بھی تھے، جو اپنی بات نباہ گئے، اپنا عہد محبت پورا کرگئے ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم   سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

انھوں نے تو اپنا عہد وفا کردیا۔ ایک ہم ہیں کہ کلیجہ پر ہاتھ رکھ رہے ہیں، دل خون ہوا جارہا ہے، طبیعت بیٹھی جارہی ہے، لیکن روح ہے کہ قفس عنصری میں پھڑ پھڑا کر بھی باہر نہیں نکل پارہی ہے، یہ قفس یونہی بند رہے گا، طائر روح یونہی مقید رہے گا، اور شام ہوتے ہوتے مدینے کے روح پرور نظارے اوجھل ہونے لگیں گے۔

آج ارادہ ہے کہ روضۂ پاک کی آخری حاضری میں، بہت کچھ عرض ومعروض کروں گا، گیا تو اسی ارادے سے، مگر کیا کچھ کہہ سکا، کھڑا صلوٰۃ وسلام پڑھتا رہا اور زبان سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی، دل البتہ تمنائیں کرتا رہا۔ اس کی سرگوشی جاری رہی، میں تصور ہی تصور میں جواب سوچتا رہا کہ اگر حضور ہمارے درمیان بالائے زمین تشریف فرما ہوتے، اور آپ کے جمالِ جہاں آرا کا بجائے چشم تصور کے ان ظاہری آنکھوں سے دیدار کرتے، اور آپ کی نگاہِ شفقت ومحبت کو دیکھتے ہوتے، اور اس وقت ہم آپ سے طالب اجازت ہوتے، یا آپ ہمیں اذنِ رخصت دیتے، تو ہم کیا عرض کرتے؟ اور آپ کیا فرماتے؟ پھر دل میں ان وفود اور ان حضرات کا خیال آنے لگا، جو آپ کے دربار میں حاضر ہوتے اور کچھ دیر آپ کی خدمت میں رہ کر کبھی وہ خود رخصت کی اجازت چاہتے اور کبھی آپ انھیں رخصت کرتے، ان سے آپ محبت کی باتیں کرتے، ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے، تو آپ تسلی دیتے انھیں نصیحت فرماتے، نماز کی تاکید فرماتے، کچھ دور پہونچانے کے لئے جاتے، ان کا ہاتھ پکڑے رہتے، ایک صاحب سے کہہ رہے تھے کہ شاید اب اس کے بعد میری ملاقات نہ ہو تو، وہ تڑپ گئے تھے، اور تاثر کا گہرا نشان آپ کے چہرۂ انور پر بھی دیکھا گیا تھا، کس قدر شفقت تھی، آپ کو اپنے اصحاب پر۔

میں غور کر رہا تھا کہ آج آپ کا ایک گنہگار امتی، آپ سے اذنِ رخصت لے رہا ہے، جانے کا یارا اسے نہیں ہے، لیکن مجبور ہے؟ اس سے آپ کیا فرما رہے ہیں؟ ارے تو کہاں لائق خطاب ہے؟ کہ امید جواب دل میں لئے کھڑا ہے، تو چل ہٹ! اپنے کو اس قابل کیوں سمجھ لیا ہے کہ تیرے طلب اذن پر ادھر سے توجہ والتفات سے نوازا جائے گا؟ ہاں بے شک میں اس لائق نہیں، لاریب کہ میں نا قابل التفات ہوں، لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ جس بارگاہ میں، میں کھڑا ہوں، وہاں دنیا کے گرے پڑے لوگ بھی نگاہِ کرم کے مستحق ٹھہرے ہیں جنھیں کوئی پوچھتا نہ تھا، وہ یہاں دل سے چاہے گئے ہیں، جو ہر جگہ کے ٹھکرائے ہوئے تھے، انھیں یہاں سینے سے لگایا گیا ہے، وہ لوگ جن کے بیٹھنے سے سردارانِ مکہ چیں بجبیں ہوتے

تھے، ان کو فضیلت کا مستحق قرآن نے ٹھہرایا ہے، اگر میں بھی کھڑا ہوں، گو کہ ایک بے معنی اور مہمل وجود رکھتا ہوں، لیکن گوشۂ چشمے کا امیدوار ہوں، تو کیا خطا کر رہا ہوں؟ ہاں میرے امتی! تو کچھ نہیں ہے، لیکن آس لگائے کھڑا ہے، یہ بارگاہ آس ہی کی ہے، یاس کی نہیں ہے، مجھے میرے رب نے خوشخبری سنانے کا حکم دیا ہے، یہ خوشخبری تیرے لئے بھی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ میرے دین پر قائم رہ۔ میری یہ بشارت تیرے لئے ہے، جا! تو نے اپنے عجز وقصور کا اعتراف کیا ہے، تیرے دل سے محبت کی بو آرہی ہے، تو ضرور کمزور ہے، تو اپنے نفس سے شکست کھا جاتا ہے، لیکن جان بوجھ کر قصداً نافرمانی مت کرنا، اور کبھی غلطی سے نافرمانی ہوجائے تو، توبہ میں دیر نہ لگانا، اللہ بہت کریم ورحیم ہے، میں اس کے رحم وکرم کا ہی پیغام لے کر آیا ہوں، لیکن ساتھ ہی اس کا عذاب بھی سخت ہے، اس لئے ڈراتا ہوں، جا! دل کے ایک گوشے میں خوف کو جمالے، جو گناہوں کے حق میں تیرے ہاتھ پاؤں کی زنجیر بن جائے، اور باقی فضائے دل کو امید کرم سے معمور کرلے، جو تجھے حسنات وخیرات میں تیز گام رکھے، پھر تو چاہے یہاں رہ یا ہندوستان میں رہ، میرے قریب ہے، میری توجہ اور میرے التفات کا مورد ہے، جا! یہاں سے یہی پیغام لیتا جا، اور لوگوں میں اسی کو عام کرتا رہ، میرے ہر امتی کو جہاں تک تیری رسائی ہو، یہ پیغام سنادے، تجھ کو میرے نام کی نسبت ہے، تو میرے کام سے تیری شناخت ہونی چاہئے، دائیں بائیں مت دیکھ، میرا نقش قدم صراطِ مستقیم ہے، اور یہ نقش قدم آج بھی اسی طرح جگمگا رہا ہے، جس طرح پہلے روشن تھا۔

میں انھیں تصورات میں گم کھڑا رہا، ہوش آیا تو اَقدام عالیہ کی جانب چلا گیا اور بیٹھا درود شریف پڑھتا رہا، جب وقت تھوڑا رہ گیا تو بوجھل قدموں کے ساتھ بازدید کی تمنا لئے ہوئے وہاں سے رخصت ہوا۔

پھر کیا ہوا، محفل اجڑ گئی، چالیس دن کا پُرکیف سفر اب دل میں یاد بن کر باقی رہ گیا، اس کی حلاوت ولذت سے محظوظ ہوتا ہوں، اور اب اسے بھی کاغذ پر منتقل کر دیا ہے، کیونکہ دل کی یاد دھندلا جاتی ہے، حافظہ اسے فراموش کر دیتا ہے، دنیا کے مکروہات میں پڑ کر، روح

کی حلاوت کھو جاتی ہے، کاغذ پر الفاظ محفوظ ہوں گے، تو جب کبھی دیکھنے کی نوبت آئے گی پرانے تاثرات ابھر آئیں گے، ایمان ویقین کی تجدید ہوگی، لطف ولذت میں تازگی آجائے گی، ممکن ہے کہ کسی جگہ دل کی دھڑکن بڑھ جائے، کہیں آنکھیں آنسوؤں کی سوغات پیش کردیں، کہیں زبان مصروفِ دعا ہوجائے، کہیں روح کی خوابیدہ تمنا بیدار ہوجائے، شوقِ زیارت پھر زور کرے، قلب میں خنکی اور جگر میں حرارت پیدا ہو، گویا جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ دوسروں کے لئے نہیں، اپنے لئے لکھا ہے، لیکن اسے چھاپ رہا ہوں، تاکہ دوسرے لوگ بھی پڑھیں، اور لکھنے والے کے حق میں دعا کریں۔ غائبانہ دعاء پہلے ان کے حق میں قبول ہوگی، اس کے بعد میرے حق میں!

مدینہ شریف سے جدہ آئے، جدہ سے اڑے تو بمبئی، اور بمبئی سے ریل پر بیٹھے تو منزل بمنزل گھر آکر مدرسہ پہونچ گئے، اور پھر وہی

مشقِ سخن اور چکی کی مشقت!

اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رودادِ حرمین شریفین

(۱۴۱۱ھ ، ۱۹۹۱ء)

کہتے ہیں کہ خدا دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے، ۱۹۷۳ء (۱۳۹۳ھ) سے جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے حج کے لئے دعا شروع کی تھی، اس وقت میں بہار کے ایک دور افتادہ، شہری علاقے سے کافی فاصلے پر پہاڑیوں کے درمیان ایک دیہاتی اور بادیہ نما علاقہ میں مقیم تھا، بقرعید کا موقع تھا، حاجیوں کی یاد آئی، حج کا موسم دل و دماغ میں ربودگی پیدا کر رہا تھا، صبح کو میدانی زمین میں کچھ دور ٹہلنے کے لئے نکلتا، دیہات کی صاف ستھری ہوا جسم کو لگتی، تو بے اختیار ذہن کی رفتار سرزمین قدس مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی طرف مڑ جاتی، اس وقت میری عمر ۲۲/۲۳ سال کے درمیان رہی ہوگی۔ اسبابِ دنیوی میرے پاس نہ ہونے کے برابر تھے، بہت قلیل تنخواہ پر پڑھاتا تھا، سفر حج تو دور کی بات ہے، معمولی سفر کا حوصلہ کرنا بھی مشکل تھا، مگر حق تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں اور نوازشیں عجب کرشمہ دکھا رہی تھیں۔ میری ضروریات اسی قلیل تنخواہ کے ذریعے پوری ہو رہی تھیں، یہ ایک مستقل باب ہے، جو تحدیث نعمت کے ذیل میں تحریر کیا جا سکتا ہے، اسبابِ دنیوی سے میں دور و مجبور تھا، مگر دل تھا کہ رب تعالیٰ کے حضور مناجات کرتا تھا کہ پروردگار! سہارا تو آپ کا ہے، اسباب بھی آپ ہی کے سہارے کے محتاج ہیں۔

میں یہ تصور تو نہیں کر پاتا تھا کہ کبھی مجھے بھی یہ سفرِ سعادت نصیب ہوگا، لیکن دل کی سرگوشی تھمتی بھی نہ تھی، زبان سے دعا کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، مگر دل کیونکر چپ ہوتا، وہ

اپنی سرگوشی میں مست اور محور رہتا، وہ قبول ورَد سے بے نیاز بارگاہِ الٰہی میں عرضِ مدعا کرتا رہتا۔ پھر مجھے یاد ہے کہ جب بقرعید کا چاند دکھائی دیتا تو دل پر پُروائی ہوا چلنے لگتی، درد کے ٹانکے ٹوٹنے لگتے، ایک لذیذ قسم کی ٹیس ابھرنے لگتی، اور زبانِ دل کی مناجات شروع ہو جاتی، جو کچھ کتابوں میں پڑھا ہوتا، سب مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتا۔

اس طرح ایک عرصہ بیت گیا، میں حالات کے الٹ پھیر میں تہ وبالا ہوتا رہا، یہاں تک کہ زمانہ کی گردش ؁۱۹۸۹ء (؁۱۴۰۹ھ) کو پہونچی، تو بارگاہِ الٰہی سے قبولیت کا پروانہ آگیا، یعنی سولہ سال کے بعد! حاضری ہوئی، کیسی ہوئی؟ کس عالم میں ہوئی؟ اس کی کچھ داستان میں نے لکھ دی ہے۔

''ایک بار دیکھا ہے، دوبارہ دیکھنے کی حسرت ہے'' کسی عاشق کا قول ہے، دل نے دہرانا شروع کیا۔ اب سولہ سال کی پرانی لے، ایک نئے نغمے میں ڈھل گئی، مجھے خیال نہ تھا کہ یہ نئی صدا اتنی جلد اس دربار میں بار پالے گی، لیکن ہوا وہی، جو میں نے سوچا بھی نہ تھا ؁۱۴۱۱ھ کا کوئی ابتدائی مہینہ تھا، میں کلکتہ کے لئے عازم سفر تھا، راستے کا ایک پڑاؤ میری قدیم جگہ مدرسہ دینیہ غازی پور تھا، وہاں میرے ایک عزیز جنھوں نے چند کتابیں مجھ سے پڑھی بھی ہیں، محلّہ رجدے پور کے عزیزم عبداللہ سلّمہٗ ملنے آئے، باتوں باتوں میں انھوں نے دریافت کیا کہ آپ حج کو جائیں گے؟ میں نے کہا یہ کس مسلمان کے دل کی تڑپ نہیں ہے، لیکن اس کے اسباب ووسائل تو ہوں، کہنے لگے والد صاحب نے اپنے حج نفل کے لئے رقم جمع کی تھی، لیکن ابھی فارم بھرنے کا وقت نہیں آیا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا، ہم سب بھائی بہنوں اور والدہ نے طے کیا ہے کہ اس رقم کو والد صاحب کی طرف سے حج میں ہی صرف کیا جائے، سب اس پر متفق ہیں کہ آپ والد صاحب کے حج بدل میں جائیں۔ میں نے کہا کہ اس سے زیادہ خوشی کی کیا بات ہوگی، میں کلکتہ سے واپس ہوتا ہوں، تو فارم وغیرہ بھرنے کا انتظام کیا جائے۔

میں نے عبداللہ سے کہا کہ تقسیم ترکہ کے بعد تم پر حج فرض ہو چکا ہے، اس لئے

مناسب ہے کہ تم بھی حج کرلو، اس عزیز نے کہا کہ میں سب بھائیوں میں چھوٹا ہوں، اور دکان کی کچھ ذمہ داریاں میرے سر پر بھی ہیں، میں نے کہا کہ ادائیگیٔ فرض میں چھوٹے بڑے کی کوئی ترتیب نہیں ہے، اور رہی دکان کی ذمہ داریاں، تو اس سلسلے میں بھائیوں سے بات کرلو۔ بھائیوں سے بات ہوئی تو سب نے بخوشی اجازت دے دی، کہ تمہاری ذمہ داری ہم دیکھیں گے، تم مطمئن ہوکر جاؤ، پھر ہم دونوں کے فارم بھر دیئے گئے، اس وقت فلائٹیں بیشتر بمبئی سے جاتی تھیں، ذی قعدہ کے اخیر عشرہ میں بمبئی کے ٹکٹ بنوائے گئے، میرے بہت عزیز اور محبوب دوست مولانا عبدالرب صاحب اعظمی نے آمادگی ظاہر کی کہ بمبئی تک میں بھی چلوں گا۔

تاریخ یاد نہیں ہے، لیکن یہ یاد ہے کہ ذی قعدہ کا آخری عشرہ تھا جب بمبئی کے لئے ہم لوگ روانہ ہوئے، اور جہاز وہ تھا جو آخری سے دو نمبر پہلے تھا۔ بمبئی میں برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا، ہم لوگ بمبئی پہونچے تو مولانا عبدالرب صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ اگر کوئی صورت بن سکے تو میں بھی آپ کے ساتھ حج کرلوں، مجھے بیحد خوشی ہوئی، مگر وقت اتنا کم تھا کہ فارم بھرنا، حج کمیٹی میں جمع کرنا، اس کی منظوری کا ہونا، پھر فلائٹ کا متعین ہونا ایک بڑا دردِ سر تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا تدبیر کرنی چاہئے، تین چار روز کے بعد ہم لوگوں کے جہاز کی روانگی ہے، اس کے بعد صرف دو جہاز جائیں گے، پھر کام تمام!

میں نے سوچا کم اور دعا زیادہ کی، حق تعالیٰ نے جیسے لگے ہاتھوں دعا قبول فرمائی، ذہن میں بے ساختہ نام حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب کا آیا، پچھلے حج میں تجربہ ہو چکا تھا کہ قاری صاحب کو حاجیوں کی خدمت کرنے میں کبھی کوئی عذر نہیں ہوتا، پھر ان کا نام سہولتوں کی ضمانت ہے، مشورہ کر کے ہم لوگ علی الصباح بعد نماز فجر قاری صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے مدعا بیان کیا، پہلے تو انھوں نے اپنے مخصوص لہجۂ محبت میں ڈانٹنا شروع کیا کہ آپ لوگ دیوانے ہیں، وقت اتنا کم ہے، اب کیا ہوسکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہیں تو کیا نہیں ہوسکتا، پھر لہجہ بدلا، فرمانے لگے فوٹو ہے، ہم نے کہا نہیں،

کہنے لگے تب تو آپ لوگ واقعی دیوانے ہیں، دس بجے کے بعد فوٹو کھنچوائیں گے، شام تک وہ دے گا، پھر کب فارم بھریں گے اور کب جمع کریں گے؟ اور وقت بالکل نہیں ہے۔ ہم لوگ وہاں سے شفقت ومحبت کی ڈانٹ سن کر اٹھے، سویرے کا وقت تھا، ایک فوٹو گرافر اپنی دکان کی صفائی کرر ہا تھا، ہم لوگ اس میں گھس گئے، اسے صورتحال بتائی، تو اس نے ترس کھا کر کیمرے کی آنکھ کھول دی، اور گیارہ بجے تک دینے کا وعدہ کرلیا۔

پھر فارم بھر کر ۱۲؍ بجے سے پہلے حج کمیٹی میں جمع کردیا۔ قاری صاحب نے اپنے ایک معتمد آدمی سے بات کررکھی تھی، فارم بآسانی جمع ہوگیا۔

فارم جمع ہوگیا، اب دل دھڑک رہا ہے کہ دیکھئے منظوری ہوتی ہے یا نہیں؟ رات بڑی بے چینی سے گذری، دعائیں ہوتی رہیں، پھر رات سے بارش شروع ہوگئی، طوفانی بارش، جل تھل کردینے والی بارش، صبح ہوئی تو بارش اور پانی میں محصور، اوپر سے آسمان کے دہانے کھلے ہوئے، نیچے زمین پانی سے لبریز! دن بھر قیامگاہ میں مقید ہوکر رہ گئے، اللہ جانے درخواست کا کیا ہوا؟ صبح سے شام تک بارش تھمنے کا انتظار رہا، مگر وہ نہیں تھمی، دوسرے دن پھر وہی منظر، ایک ایک گھڑی کرکے وقت کم ہوتا جارہا ہے، خدا خدا کرکے تیسرے دن بارش کا زور تھما، مولانا عبدالرب صاحب حج کمیٹی کی آفس گئے، بڑی تگ ودو کے بعد شام کو معلوم ہوا کہ درخواست منظور ہوگئی ہے، اب مسئلہ فلائٹ کی ترتیب کا تھا، میری فلائٹ کو دو روز باقی تھے، آج کا وقت ختم ہوگیا۔ دوسرے دن پھر مولانا آفس میں تشریف لے گئے، فلائٹ کی ترتیب دینے والے نے بتایا کہ آپ کی فلائٹ پرسوں کے بعد ہے، مولانا نے کہا کہ فلاں کی فلائٹ پرسوں ہے، مجھے ان کے ساتھ جانا ہے! اس لئے اسی فلائٹ میں میری بھی گنجائش نکالئے، اس نے تیز لہجے میں کہا ناممکن؟ آخر یہ کیا رٹ ہے کہ میں فلاں مولانا کے ساتھ جاؤں گا، یہی کیا کم ہے کہ آپ کی منظوری ہوگئی ہے، مولانا نے بھی لہجے کی اسی تیزی میں جواب دیا ہے کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہے، میں فلاں مولانا کی رفاقت میں ہی جانا چاہتا ہوں اور اگر وہ نہیں ہوتا، تو میرے کاغذات واپس کیجئے، میں بعد میں کبھی چلا جاؤں گا۔

مولانا کے تیور دیکھ کر اس کا لہجہ نرم ہوگیا، اچھا مولانا! کل آیئے، کوئی چانس تو نہیں ہے، لیکن بہر حال کل آیئے، دوسرے دن مولانا گئے، اور شام کو ہنستے مسکراتے واپس آئے کہ کل کی فلائٹ میں آپ کے ساتھ میری سیٹ ہوگئی، یہ کیسے ہوا؟ آج میں دفتر میں گیا، تو انور (فلائٹ ترتیب دینے والا) دور ہی سے دیکھ کر مسکرایا کہ مولانا آپ کی قسمت بہت زوردار ہے، کل کی فلائٹ میں ایک خاتون جن کے انتقال کی خبر آگئی ہے، ان کی سیٹ آپ کو دی جارہی ہے۔

یہ سب کام ہوگیا، کل جب جہاز پر سوار ہونا ہوا، تو مولانا عبدالرب صاحب روک دئے گئے، کہ یہ آپ کی سیٹ نہیں ہے، ایک خاتون کی سیٹ ہے، بتایا گیا کہ اس خاتون کا انتقال ہوگیا۔ بورڈنگ کارڈ دینے والے نے انکار کردیا کہ ہمیں علم نہیں، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس اطلاع آگئی، اور ہم لوگ ایک ہی فلائٹ سے جدہ ایرپورٹ پر اتر گئے۔ جدہ ایرپورٹ پر اترنے کے بعد ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا، وہ یہ کہ مولانا عبدالرب صاحب کو اصرار تھا کہ اس پورے سفر میں ساتھ رہیں گے۔ کون حاجی کس معلم کی نگرانی میں ہوگا، یہ بات جدہ ایرپورٹ پر طے ہوتی ہے، اگر ہم دونوں کے معلم علیٰحدہ علیحدہ متعین ہوئے تو ساتھ رہنے کا امکان ختم ہوجائے گا، بمبئ تو اپنا ملک تھا، وہاں کے عملہ سے لڑا جھگڑا جا سکتا تھا، سعودی عرب میں تو دم مارنے کی مجال نہیں! اب کیا ہوگا، اللہ ہی کی طرف لو لگانی ہے، لو تو ہر جگہ اسی کی جانب لگانی ہے، لیکن کہیں اسبابِ ظاہری مساعدت کرتے ہیں، وہاں امید زیادہ ہوتی ہے، اور کہیں سرے سے اسباب کی مساعدت ہوتی ہی نہیں، وہاں ایک سہارے کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ درحقیقت اسی جگہ اللہ کی مدد جلد آتی ہے، مگر آدمی اسیرِ حلقۂ اسباب ہوتا ہے، اس لئے اسباب کے سہارے اس کی امید زیادہ رفتار پکڑتی ہے۔

پاسپورٹوں پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کی تفصیلات کے اسٹیکر لگ رہے تھے، اسی اسٹیکر میں معلم کی تعیین بھی ہورہی تھی، ہم دونوں کے پاسپورٹ جب اسٹیکر لگ کر واپس آئے تو وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، دونوں کے معلم الگ، دونوں کی رہائش گاہ جداگانہ، کافی

فاصلہ پر! اس صورتحال میں ملاقاتیں تو ہوسکتی ہیں، مگر رفاقت کا امکان نہیں، نہ مکہ مکرمہ میں، نہ منیٰ میں، نہ عرفات میں، نہ مزدلفہ میں، نہ مدینہ طیبہ کے سفر میں اور نہ مدینہ طیبہ کی رہائش میں! دل دھڑک گئے، اور ہر دھڑکن دعا بن گئی، یا اللہ آپ قاضی الحاجات ہیں، یہ سارا مسئلہ آپ کے سپرد ہے۔

اس قضیہ سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ جانے کا مرحلہ تھا، مکتب الوکلاء کے کارندے سامان ایک جگہ اتار چکے تھے، حج کمیٹی کے خدام حاجیوں کو مکہ مکرمہ لے جانے والی بس پر پہونچانے کے انتظام میں لگے ہوئے تھے، میں نے ایک طرف دیکھا کہ ایک جانی پہچانی صورت، نہایت کس مپرسی اور پریشانی کے حال میں ایک جگہ احرام کی حالت میں فروکش ہے، ایک بوڑھا اور ضعیف حاجی جو بظاہر بیمار سا لگ رہا تھا، میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا، مصافحہ کیا، اپنا نام بتایا، وہ پہچان گئے، چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی، میں نے پوچھا آپ تنہا ہیں، کہنے لگے اہلیہ ساتھ ہیں، وہ ایک طرف سمٹی بیٹھی تھیں، اور کوئی ساتھ میں نہیں ہے؟ فرمایا نہیں! اب آپ ساتھ ہیں، تو کسی کی ضرورت نہیں، میں خدمت کے لئے حاضر ہوں، میں نے عرض کیا۔ یہ بریلوی مسلک کے مشہور عالم اور خطیب مولانا مظفر الحسن صاحب تھے، جو عموماً ظفؔر ادیبی کے نام سے معروف تھے، میری ان سے جان پہچان اس زمانے سے تھی، جب میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڈھ میں زیر تعلیم تھا، اور بارہ تیرہ سال میری عمر تھی، اور مولانا اس وقت جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بڑے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، دونوں مدرسوں میں صبح کے وقت تعلیم کی چھٹی قریب قریب ایک ہی وقت ہوتی تھی، مولانا کا جہاں مکان تھا اسی کے قریب ایک بزرگ حضرت قاری محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ کے یہاں میری جاگیر تھی۔ (جاگیر مبارک پور کی ایک اصطلاح ہے، احیاء العلوم ہو یا اشرفیہ، مبارک پور کے مخیّرین کے یہاں دستور تھا کہ وہ مدرسہ کے باہری طلبہ میں سے کسی ایک کو اہل مدرسہ سے مانگ لیتے تھے، اور اپنے گھر انھیں بلا کر بڑے اعزاز واکرام سے کھانا کھلاتے تھے، یہ طلبہ گھر کے ایک فرد بن جاتے تھے، آپس میں محبت قائم ہوجاتی تھی، اسی کو ’’جاگیر‘‘

کہتے تھے، میری جاگیر دو سال تک حضرت قاری محمد یٰسین صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبد الستار صاحب علیہما الرحمہ کے یہاں تھی، اللہ تعالیٰ اس پورے گھرانے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔)

میں احیاء العلوم سے نکلتا اور مولانا اشرفیہ سے تشریف لاتے، اور ایک جگہ عموماً ملاقات ہوجاتی، پھر ہم دونوں ساتھ ساتھ جاتے، میری منزل پہلے آجاتی، میں سلام کر کے اپنی جگہ رک جاتا، مولانا آگے بڑھ جاتے، میں بچہ اور مولانا جواں سال عالم، بظاہر کوئی جوڑ نہ تھا، پھر مسلک کا بھی فرق تھا، مگر مولانا میں وہ شدت نہ تھی، جو ہر بریلوی مسلک کے علماء میں عموماً پائی جاتی ہے، انھیں مطالعہ کا بہت شوق تھا، وہ اس مختصر ہم سفری میں مجھے شوق دلانے کے لئے اپنے مطالعہ کے ذوق کا تذکرہ کرتے، میں سنتا اور جی جی کرتا رہتا، مجھے بھی مطالعہ کا جنون تھا، اس کم عمری میں ہی میں نے کتابوں کا خاصا ذخیرہ دماغ میں اتار لیا تھا، مگر ان کے رُعب اور اپنی کم عمری کی وجہ سے کچھ اظہار نہیں کر پاتا تھا، مگر روزانہ کی ملاقاتوں میں مولانا کی تواضع وفطری سادگی نے مجھے قدرے بے تکلف کرلیا، اب میں بھی کچھ کچھ اپنے مطالعہ کا تذکرہ کرنے لگا، مولانا اس زمانے میں مولانا آزاد کی کتابوں اور مضامین سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مولانا نے ان ملاقاتوں کو مدۃ العمر یاد رکھا، یہ ان کے مزاج اور طبیعت کی بڑائی کی بات تھی، حج کے سفر میں میرے بچپن کی ملاقات کام آئی، پھر ہم لوگ ایک ہی بس پر سوار ہوئے، اللہ کا انتظام تھا کہ ہم لوگوں کا جو معلم تھا، وہی مولانا کا بھی معلم تھا، اور رہائش بھی ان کی اور میری ایک ہی بلڈنگ میں تھی، بلکہ ایک ہی منزل پر، بس کمرہ الگ تھا، مگر متصل! مولانا بھی بیمار تھے، ان کی اہلیہ بھی علیل تھیں، خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اب سنئے! مولانا عبد الرب صاحب کی داستان! وہ بھی ہماری بلڈنگ کے پاس اتر گئے، جس کمرے میں میرا اور حاجی عبد اللہ کا نام تھا، اس میں چار آدمیوں کا بستر تھا، مگر بروقت نام دو ہی آدمیوں کا تھا، مولانا عبد الرب صاحب بھی اسی میں آگئے اخیر تک اس میں کوئی اور نہ آیا، اس لئے کشادگی کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، بعد میں مولانا نے وہ بلڈنگ

بھی جا کر دیکھ لی، جس میں ان کا نام تھا، مگر وہ پورے قیام مکہ میں ہم لوگوں کے ساتھ ہی رہے۔

اس وقت باب الملک فہد کے حصے کی تعمیر ہو رہی تھی، ہم لوگوں کا قیام حارۃ الباب میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی خانقاہ کے قریب تھا، خانقاہ کی عمارت ٹوٹی پھوٹی شکل میں اس وقت موجود تھی، لیکن اس میں کوئی رہتا نہیں تھا۔

حج کا وقت قریب آیا تو فکر ہوئی کہ دیکھئے منیٰ میں خیمے کہاں کہاں ملتے ہیں، یہاں بھی اللہ کا کرم ایسا شامل رہا کہ خیمے کے حلقے قریب قریب ہی تھے، چھوٹے چھوٹے کپڑے کے خیمے تھے، ہر خیمے میں دس آدمی کی گنجائش تھی، ہمارے خیمے میں دو آدمی آئے ہی نہیں، مولانا عبد الرب صاحب یہاں بھی ساتھ ہی رہے۔

منیٰ میں اچانک اپنے دو عزیزوں سے ملاقات ہوگئی، یہ مولانا حافظ سفیان احمد صاحب سلّمہٗ اور حافظ ریاض احمد صاحب سلّمہٗ تھے، اوّل الذکر نے غازی پور میں مجھ سے ایک سال پڑھا تھا، اس وقت یہ دونوں سعودی عرب کے کسی علاقے میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے، ان کے ملنے سے بہت خوشی ہوئی، اور قربانی وغیرہ کے مراحل میں بڑی آسانی ہوگئی۔

میدان عرفات میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، جب وقوف کا وقت آیا تو مولانا ظفر ادیبی صاحب نے جو اس وقت بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے، مجھے حکم دیا کہ وقوفِ عرفات کے سلسلے میں کچھ بیان کروں۔ میری ہمت وہاں وعظ و تقریر کی نہ تھی، میں نے معذرت کی، مگر باصرار حکم دیا، تو محض پانچ منٹ کچھ عرض کیا، اتنی سی بات سے مولانا مرحوم کے چہرے پر شگفتگی کے آثار ظاہر ہوئے، مغرب تک وقوف کی مشغولیت رہی، حسب توفیق دعائیں کی گئیں، سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ روانگی ہوئی۔ مولانا مرحوم کو تو میں نے بس پر بیٹھا دیا، اور ہم تین آدمی مولانا عبد الرب صاحب، حاجی عبد اللہ صاحب اور بندہ پیدل ہی مزدلفہ چل پڑے۔ اس وقت مزدلفہ میں روشنی اور پانی کا وہ انتظام نہ تھا، جو اب ہے، وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، خوب گریہ وزاری سے دعائیں کی

گئیں۔

حج کے بعد مولانا سفیان احمد صاحب اور حافظ ریاض احمد صاحب بعجلت مدینہ شریف چلے گئے، میں بیمار ہوا، تو مولانا ظفر ادیبی صاحب کی اہلیہ محترمہ نے...... اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائیں...... غذا اور پرہیز کے سلسلے میں بہت خدمت کی، اب ان دونوں بزرگوں کی صحت اچھی تھی، مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ جب آپ نے عرفات میں مختصر سا بیان شروع کیا تو پہلا ہی جملہ اس طرح جسم وجان کو لگا جیسے کرنٹ لگا ہو، اسی وقت سے طبیعت صحیح ہوگئی اور بیماری ایسا لگا جیسے ختم ہوگئی ہو۔

☆☆☆☆☆

مکہ شریف میں جامعہ ام القریٰ کے ایک استاذ نواب معراج مرزا سے ملاقات ہوئی، اصلاً ان کا خاندان لکھنؤ کا رہنے والا ہے، مگر اب وہ سعودی ہیں، ان کی والدہ مدینہ شریف رہتی تھیں۔ بہت خلیق، متواضع، ان کا مکان منیٰ سے متصل عزیزیہ میں ہے، وہ کئی بار اپنے مکان پر لے گئے، متعدد دعوتیں کیں، بہت سی کتابیں عنایت کیں۔

ایک دن وہ اپنی گاڑی سے رات کو چلے اور منیٰ سے آگے مزدلفہ لے گئے۔ موسم بہت خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، ایک پاکستانی ہوٹل کے پاس گاڑی روکی، ہوٹل کے ملازمین نے ایک لمبے چوڑے چبوترے پر جس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے پودے ہرے بھرے عجب پُر بہار منظر پیش کررہے تھے، قالین بچھادی، گاؤ تکیئے رکھ دئے، کچھ میوے وغیرہ لاکر رکھ دئے۔ معراج صاحب غائب ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے، تو کہنے لگے کہ ایک بکرا ذبح کرکے آرہا ہوں، ابھی تھوڑی دیر کے بعد تازہ گوشت پک کر آجائے گا، اور واقعی قدرے انتظار کے بعد عمدہ ہندوستانی طرز کا پکا ہوا کھانا ملا۔ آدھی رات کے قریب انھوں نے ہماری قیام گاہ پر پہونچادیا۔

معراج صاحب نے زمزم کا پانی بھرنے میں بہت مدد کی، اپنی گاڑی میں زمزم کے دس دس لیٹر کے برتن لے گئے، اور ہم سب کے لئے بھر کر لے آئے۔

ایک روز صبح آئے، اپنی گاڑی پر بٹھایا اور میدان عرفات جو اس وقت بالکل خالی پڑا ہوا تھا، اس سے گزرتے ہوئے، ایک بہت بڑے مسطح میدان میں لے گئے، اور بتایا کہ یہ میدان سہل مغمَّس کہلاتا ہے، ابرہہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کو لے کر آیا تھا، یہیں ٹھہرا تھا، پرندوں کی فوج نے یہیں اس پر حملہ کیا تھا، اور یہیں وہ پوری فوج ہاتھیوں سمیت کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔ سورہ **الم تر کیف** کی تفسیر آنکھوں میں پھر گئی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ وہ ہاتھیوں کو چڑھا کر منیٰ میں وادئ محسر تک لایا تھا، اور وہیں اس پر بلا نازل ہوئی تھی، یہ صحیح نہیں ہے، وہ اس میدان سے آگے نہیں بڑھا تھا، وہیں انھوں نے ابورغال کی قبر دکھائی، جو رہبر بن کر ابرہہ کو لایا تھا، اور وہیں وہ بھی مرا تھا۔ اہل عرب حج کے موقع پر اس کی قبر پر بھی کنکریاں برساتے تھے۔

میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی محسر سے تیزی سے گزرنے کا حکم دیا، اس کی توجیہ یہی سنی جاتی ہے کہ ابرہہ پر یہاں عذاب آیا تھا، اس لئے اس سے جلد گزرنا چاہئے، کہنے لگے ایسا نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہر وادی سے اپنے لوگوں کو بچایا ہے، کیونکہ وادی میں کبھی کبھی اچانک پانی کی سیل آجاتی ہے، اس وقت اس میں جو ہوتا ہے بہہ جاتا ہے، چنانچہ حج کے مناسک میں جہاں جہاں وادی کا تذکرہ ہے، وہاں ٹھہرنے اور رُکنے سے منع کیا گیا ہے۔

سہل مغمس کے آس پاس ہی انھوں نے وادی نعمان کی نشاندہی کی، جہاں سے نہر زبیدہ میں پانی آیا کرتا تھا، پھر ہم کو اس آخری حد تک لے گئے، جہاں تک حج کے ویزے میں گنجائش ہوتی ہے، پھر ایک طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ادھر وادی حنین ہے، جہاں جنگ حنین ہوئی، اور مسلمانوں میں بظاہر شکست کے آثار ظاہر ہوئے۔

ہم لوگ تعجب سے ادھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں، دل میں خیالات کی موجیں چل رہی تھیں کہ ہم تیز رفتار گاڑی سے بہترین سڑک پر پھسلتے ہوئے آئے ہیں، رسول اللہ ﷺ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ان پہاڑی راستوں سے اتنی دور کتنی مشقت سے پہونچے

ہوں گے۔

معراج صاحب کہہ رہے تھے کہ ویزا کی حد ختم ہوگئی ہے، ورنہ میں آپ لوگوں کو وادیٔ حنین تک لے کر چلتا۔ معراج صاحب جامعہ ام القریٰ میں جغرافیہ کے استاذ ہیں، وہ مکہ شریف اور اطراف کے چپے چپے سے واقف ہیں۔

ظہر تک ہم لوگ مسجد حرام واپس آ گئے۔

☆☆☆☆☆

مکہ مکرمہ میں ایک ماہ قیام کے بعد مدینہ شریف جانے کی تیاری ہوئی، مولانا عبدالرب صاحب چونکہ دوسرے معلم کے ماتحت تھے، اس لئے وہ علیٰحدہ بس سے گئے، اور ہم لوگ دوسری بس سے، مولانا پہلے پہونچ گئے، ہم لوگ بعد میں پہونچے۔ لیکن حق تعالیٰ کی مہربانی! مدینہ پاک میں نہ صرف ایک بلڈنگ میں بلکہ شاید ایک ہی کمرہ میں جگہ ملی، **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک**

دوسرے روز حضرت مولانا عبداللہ صاحب بستوی نوراللہ مرقدہٗ سے ملاقات ہوئی، مولانا کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے، مولانا نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا نظام الاوقات ایسا بنا دیتا ہوں کہ مدینہ پاک کی حاضری اور جوارِ نبوی کی پوری سعادت نصیب ہو، صبح کو ۸/ اور ۹/ بجے کے درمیان میرے یہاں آ کر کھانا کھالیں اور کچھ دیر آرام کر کے مسجد نبوی حاضر ہو جائیں، اس وقت سے مغرب تک مسلسل مسجد شریف میں مصروف عبادت وتلاوت رہیں، درود شریف کی کثرت کریں، پھر مغرب بعد فوراً آ کر کھانا کھالیں، اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھ کر جب تک مسجد کھلی رہتی ہے، اسی میں رہیں، پھر قیام گاہ پر جا کر سو جائیں۔

کھانے کے سلسلے میں ہم لوگوں نے معذرت کی، مگر انھوں نے اس شفقت ومحبت کے لہجے میں حکم دیا کہ اب معذرت گستاخی معلوم ہوئی، پھر اکثر یہی معمول رہا۔ کبھی کبھی کھانے کے سلسلے میں ان سے اجازت لے لی جاتی، مولانا عجیب بزرگ تھے، ان کی قیام گاہ مسجد سے بالکل قریب تھی، ایک بڑا سا کمرہ تھا، اس کے بازو میں باورچی خانہ تھا، مگر اس میں

کبھی کوئی چیز پکتی ہوئی دیکھی نہیں جاتی تھی، شاید چائے بنتی رہی ہو، لیکن بافراط اور تنوع کے ساتھ کھانا اسی سے آتا رہتا، اور جب کوئی پہونچتا اسی وقت آتا، میرا اندازہ ہے کہ حضرت مولانا جب تک اس میں موجود ہوتے دسترخوان بچھا ہی رہتا۔ لوگ آتے رہتے، مولانا بچھے جاتے، شکریہ ادا کرتے اور کھلا کر خوش ہوتے رہتے۔

اسی عمارت میں پاکستان کے ایک بزرگ مولانا محمد عارف صاحب رہتے تھے، ان کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضری ہوئی، مولانا عبداللہ صاحب کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے، ان پر غیب کی برکتیں کھل گئی ہیں۔

میں نے حضرت مولانا محمد عارف صاحب مدظلہٗ (پاکستان) سے دعا کی درخواست کی، کہ بار بار حاضری کی سعادت حاصل ہو، فرمایا کہ ہر نماز کے بعد **وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا** (سورہ: نور، آیت: ۵۵) گیارہ مرتبہ پڑھ لیا کریں، ان شاء اللہ بار بار یہ سعادت نصیب ہوگی۔

مدینہ منورہ میں مولانا حکیم الدین صاحب جونپوری سے خوب ملاقاتیں رہیں، اور ان کی وساطت سے پاکستان کے رہنے والے مولانا حافظ محمد مسعود صاحب، ڈاکٹر شمیم احمد صاحب اعظمی اور دوسرے رفقاء سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان حضرات نے خدمت و میزبانی کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

بعد کے حجوں میں ان دونوں بزرگوں نے استحقاق سے بہت زیادہ قدر و منزلت کی اور خدمت کی۔ **جزاھم اللہ أحسن الجزاء**

(یہ سفر حج ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا، یہ تحریر اس کے ۱۷/سال بعد لکھ رہا ہوں، اس لئے سہو کا امکان ہے، مگر تا بمقدور احتیاط سے لکھا ہے۔)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفــــر حج (۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)

بقلم: ضیاء الحق خیرآبادی

نحمدالله ونصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله وأصحابه الذین هم نصروا الدین القویم، أما بعد!

بیت اللہ کی زیارت، دیارِ حرم کی زمیں بوسی، فریضۂ حج کی ادائیگی، دیارِ حبیب، آستانۂ رسالت، مسجد نبوی وروضۂ رسول کی حاضری وخاکروبی سے بڑھ کر کون سی آرزو ہے جو کسی قلب مسلم میں مچلتی ہوگی، اس سے بڑھ کر کون سی تمنا ہوسکتی ہے جس پر قربان ہونا مقصد حیات سمجھا جاتا ہو؟ یہ وہ مقدس سرزمین ہے جس کی خاک کے ذروں کو سرمۂ بصیرت بنایا جاتا ہے، جس کے خاروں کو گلوں سے زیادہ محبت وپیار اور الفت واشتیاق سے اٹھالیا جاتا ہے، جس کی زیارت وسیاحت پر دفتر کے دفتر لکھے اور پڑھے جاتے ہیں، جس کے دیدار کے لئے لاکھوں نگاہیں ترستی اور کروڑوں دل مضطرب وبےچین رہتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا اس سیہ کار پر بےحد کرم واحسان اور فضل وانعام ہے اس نے بغیر کسی استحقاق کے دو مرتبہ اس مقدس سرزمین کی حاضری کی سعادت بخشی۔ **وللہ الحمد والمنة**

پہلی مرتبہ تو اس وقت جب میری عمر صرف پندرہ ماہ تھی، یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے، والدین مکرمین کے ہمراہ حاضری ہوئی۔ اسی مناسبت سے لوگ مجھے ’’حاجی بابو‘‘ کہتے ہیں، یہ عرفیت اس قدر غالب آئی کہ لوگ میرا اصل نام بھول گئے۔ حد یہ ہے کہ میرے بڑے تو

بڑے میرے تلامذہ بھی مجھے ''حاجی بابو'' ہی کہتے ہیں۔ ابتداءً یہ بات مجھے بڑی عجیب لگتی تھی، مگر ایک دن میرے ایک استاذ کہنے لگے کہ اجی! تمہارا حج کتنا مقبول ہوا کہ تمہارے بڑے چھوٹے سب ہی تم کو ''حاجی بابو'' کہتے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑی مسرت ہوئی اور اسے اپنے لئے شگونِ نیک سمجھا اور قبولیت حج کی علامت!

دوسری مرتبہ حاضری اس وقت ہوئی جب میں دار العلوم دیوبند میں درجہ مشکوٰۃ شریف کا طالب علم تھا۔ یہ حاضری سیّدی ومولائی، شیخی واستاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی **متعنا اللہ بطول حیاتہ وبدوام فیوضہ** کی معیت میں ہوئی، یہ ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کے والد محترم الحاج قاضی محمد شعیب صاحب کوثرؔ پر حج فرض تھا، ان کے متعلقین واحباب ان سے کہتے تھے کہ آپ پر حج فرض ہے، اسے ادا کر کے آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، مگر وہ اپنے تدین وتقویٰ کے باوجود طبیعت کی کمزوری کی بنا پر اس طویل سفر کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے، امسال جب ان پر زیادہ زور دیا گیا تو انھوں نے کہا کہ مولوی اعجاز صاحب بھی چلیں تو آسانی رہے گی۔ حضرت مولانا اس وقت تک دو حج کر چکے تھے، پہلے حج کی روداد تو بطوافِ کعبہ رفتم۔۔۔ کی صورت میں آپ حضرات کے سامنے ہے، دوسرا حج مولانا نے ۱۹۹۱ء میں کیا۔ جب والد صاحب کی یہ بات ان کے گوش گزار کی گئی تو وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض توکلاً علی اللہ والد صاحب کی منشا کے احترام میں تیار ہو گئے، اور انھوں نے اپنے چچازاد بھائی حاجی محمد بلال صاحب سے کہا کہ تم تو جانتے ہی ہو کہ میں خود ہی خدمت کا محتاج رہتا ہوں میں والد صاحب کی خدمت کیا کر پاؤں گا، والد صاحب تم سے مانوس ہیں، اس لئے تم بھی فارم بھر دو، انھوں نے اپنی بے سروسامانی کا عذر کیا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں ہی کون سا انتظام اور ساز وسامان رکھتا ہوں، بہر حال مولانا کے حوصلہ دلانے پر وہ بھی تیار ہو گئے۔ حضرت مولانا کو دیکھ کر میرا جذبۂ شوق بھی انگڑائیاں لینے لگا، دبی زبان میں اس کا تذکرہ والد صاحب اور بڑے بھائی فیض الحق صاحب سے کیا، نہ جانے قبولیت کی وہ کون سی گھڑی تھی کہ ان لوگوں

نے اسے منظور کرلیا، اس لئے کہ بظاہر احوال ایسے نہیں تھے کہ میرا جانا ممکن ہوتا، مگر جب اللہ تعالیٰ کو بلانا منظور ہوا تو اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے گئے، اس طرح کل پانچ افراد ہوگئے ۔ حضرت مولانا، ان کے والد و والدہ، حاجی بلال صاحب اور میں، اخیر میں جامع مسجد بھیرہ کے امام وخطیب اور تبلیغی جماعت کے امیر، حضرت مولانا کے استاذ محترم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہٗ بھی تیار ہوگئے ۔ اس طرح کل چھ افراد کا فارم ایک ساتھ بھر دیا گیا۔

وقت گذرتا رہا، اس وقت میں شیخوپور میں جلالین شریف کا طالب علم تھا، اسی سال دیوبند جانا تھا، چنانچہ شوال کی ابتدائی کسی تاریخ میں داخلہ امتحان کے لئے دیوبند روانہ ہوگیا، یہاں بھی اللہ کا فضل شامل حال رہا، اچھے نمبرات سے داخلہ امتحان میں کامیاب ہوا، اور تعلیم شروع ہوگئی ۔ اسی دوران گھر سے اطلاع ملی کہ تمہاری فلائٹ ۷؍اپریل کو ہے، اس لئے دو چار روز پہلے گھر آجاؤ تاکہ اعزاء واقرباء اور متعلقین سے ملاقات کرکے ان سے دعائیں لے لو، گھر سے دہلی کے لئے ریزرویشن ۳؍اپریل جمعرات کو تھا۔ میں ایک ہفتہ قبل ۲۷؍ مارچ مطابق ۱۷؍ذی قعدہ جمعرات کو دو ماہ کی چھٹی لے کر دیوبند سے گھر کیلئے روانہ ہوا، اور جمعہ کی شام کو گھر آگیا، ایک ہفتہ گھر پر رہا، یہ ہفتہ لوگوں سے ملاقات میں نکل گیا۔ ۳؍اپریل جمعرات کو روانگی تھی، اس کی تفصیلات اپنی ڈائری (۱۹۹۷ء) سے نقل کرتا ہوں، اس کے صفحہ ۳؍اپریل، ۲۴؍ذی قعدہ پر درج ذیل تحریر ہے:

> ’’آج سفر حج کو روانگی ہے، صبح صادق سے قبل بیدار ہوگیا، نماز پڑھ کر خدا کے حضور اپنے گناہوں کی معافی چاہی، اور قبولیت حج کی دعا کی ۔ فجر کی نماز کے بعد لوگ ملاقات کے لئے آنے لگے، اسی میں نو بج گئے، نو بجے ناشتہ کیا اور تمام اہل خاندان سے مل کر اپنی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی معافی چاہی، اور دعاؤں کی درخواست کی، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب دل کی کدورتیں اور رنجشیں آنسوؤں میں ڈھل کر نکل جاتی ہیں، میرا بھی دل بھر آیا، بالخصوص والدہ محترمہ سے مل کر تو دل بالکل بے قابو ہوگیا اور

> آنکھیں برسنا شروع ہوگئیں، دیر تک یہی کیفیت رہی، ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ سب سے مل ملا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ۱۱؍ بجے والد صاحب اور دیگر اہل خانہ کے ہمراہ مئو روانہ ہوگیا، سمتا اکسپریس (موجودہ لیچوی) سے ٹکٹ تھا، اس کا وقت سوا بجے ہے، جیسے ہی اسٹیشن پر پہونچا تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا بھی آگئے، اسٹیشن پر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا رشید احمد صاحب بھی ملنے آئے تھے، ان سے اور دیگر تمام لوگوں سے مل کے اور ان کی دعائیں لے کر حج کے لئے روانہ ہوا۔ باری تعالیٰ حج مقبول ومبرور نصیب فرمائے جس کا بدلہ جنت ہی ہو۔ آمین
>
> ایک بجے ٹرین آئی، ہم لوگ سوار ہوئے، ابھی ٹرین کی روانگی میں دس منٹ باقی تھا، حضرت مولانا نے ٹرین ہی میں سے ایک مختصر وجامع تقریر کی، خود روئے اور ہم سب کو رلایا، اس کے بعد دعا کی۔ سوا بجے ٹرین روانہ ہوئی۔

دوسرے دن صبح چھ بجے پرانی دلی ریلوے اسٹیشن پہونچ گئے، وہاں سے دفتر جمعیۃ علماء ہند آگئے، قیام یہیں رہے گا، یہاں پہونچتے ہی مولانا نوشاد احمد صاحب مل گئے، نہایت مستعد اور خدمت گزار شخص ہیں، ان کی وجہ سے بڑی راحت رہتی ہے، انھوں نے ہم لوگوں کی خوب خدمت کی، آٹھ بجے بھائی صاحب بھی آگئے، ان کا ٹکٹ بنارس سے ڈی لکس سے تھا، ان دونوں حضرات نے ہم لوگوں کو ہر طرح کی دفتری کاروائیوں سے فارغ کردیا، **جزاھما اللہ عنا خیر الجزا**۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ دو دن کا وقت ہم لوگوں کے پاس ہے، جی چاہتا ہے کہ سہارن پور چل کر اپنے استاذ محترم حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی مدظلہ (صدر شعبہ تخصص فی الحدیث، جامعہ مظاہر علوم، سہارن پور) سے ملاقات کرلوں، چنانچہ ہم لوگ ایک سپر فاسٹ سے چل کر عصر کے وقت دیوبند پہونچے، قیام مہمان خانہ میں رہا۔ یہاں کے اساتذہ اور دوسرے حضرات سے ملاقاتیں رہیں، دوسرے دن شنبہ کی صبح نو بجے سہارن پور پہونچے، حضرت مولانا زین العابدین صاحب مل کر بہت خوش ہوئے، وہاں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ کے یہاں

آئے، وہ دیر تک حضرت مولانا سے گفتگو فرماتے رہے، دورانِ گفتگو انھوں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ ’’دیکھو حج کے لئے جارہے ہو تو غلام بن کر جانا، یعنی جو کچھ بھی پیش آئے اس کو سہہ لینا اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے‘‘ چلتے وقت انھوں نے بسکٹ اور نمکین کی ایک پیکٹ عنایت کی اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ دوپہر کا کھانا حضرت مولانا زین العابدین صاحب کے یہاں کھایا، اور ان کی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوئے، ظہر کے وقت دیوبند آ گئے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی کے یہاں شام کو دعوت تھی، آٹھ بجے ان کے یہاں حاضر ہوئے، مدیر ماہنامہ دارالعلوم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب جگدیش پوری بھی مدعو تھے، وہ بھی حج میں جارہے ہیں، بہت باغ و بہار آدمی ہیں۔ اتوار کو دوپہر تک دہلی واپس آ گئے۔

احرام کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی انھیں لیا، اور تیاری مکمل کر کے عشاء کے بعد فوراً ہی سونے کے لئے لیٹ گیا، اس لئے کہ سویرے ہی ایرپورٹ جانا ہے، مگر آنکھوں میں نیند کہاں؟ شدت شوق کی بنا پر آنکھ کھل کھل جاتی، کل اس دربار کے لئے روانہ ہونا ہے جس کا تصور ہی جان و روح میں ایک اہتزاز پیدا کر رہا تھا، اسی طرح سوتے جاگتے رات گزر گئی، صبح صادق سے کچھ پہلے اٹھا، غسل کر کے احرام کے کپڑے پہن لئے، اور اول وقت میں فجر کی نماز پڑھ کر ایرپورٹ روانہ ہو گئے، فلائٹ صبح آٹھ بجے تھی، مگر ایرپورٹ یہاں سے کافی دور ہے اس لئے اتنے سویرے روانہ ہونا پڑا، ایرپورٹ پہونچے تو کافی بھیڑ بھاڑ تھی، سبھی لوگوں سے مصافحہ و معانقہ ہوا، اخیر میں اپنے برادر مکرم فیض الحق بھائی سے ملا، ان سے مل کر دل امنڈ آیا، اور وہی کیفیت ہوئی جو والدہ سے ملتے وقت ہوئی تھی، ان کے لئے خوب دعائیں کی، باری تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کا ظہور فرمائے، آمین۔ اس کے بعد ایرپورٹ کے اندر پہونچ گئے، حج کمیٹی کے لوگ جگہ جگہ رہنمائی کے لئے موجود تھے، وہیں دو رکعت نماز پڑھ کر احرام کی نیت کی اور سر سے چادر اتار دی، اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا

شَــــرِیْکَ لَکَ۔ کا دلنواز نغمہ زبان پر جاری ہو گیا۔ دل کی کیفیت بالکل بدل گئی، یہ ایسی حیرت ناک تبدیلی تھی جو مجھ جیسا دل کا اندھا بھی محسوس کر رہا تھا، ورنہ میرا تو حال یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل ہر طرح کے تاثر سے خالی رہتا ہے، مگر اس موقع پر نہ جانے تجلی الٰہی کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے، وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سات بجے حکم ہوا کہ حجاج جہاز میں سوار ہو جائیں، حسب الحکم جہاز میں سوار ہو گئے، عین پرواز کے وقت معلوم ہوا کہ جہاز میں کوئی تکنیکی خرابی آ گئی ہے، جس کی وجہ سے پرواز میں کسی قدر تاخیر ہو گی، چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد ۹ / بجے جہاز نے پرواز کی، اور تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹہ کی پرواز کے بعد سعودی وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے ہم لوگ کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ جدہ کے حج ٹرمنل پر پہونچ گئے، کچھ لوگوں نے ظہر کی نماز جہاز میں پڑھ لی تھی، میں نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی، اس لئے کہ جہاز میں پانی کے سلسلہ میں بار بار اعلان کیا جا رہا تھا کہ کم سے کم استعمال کریں ورنہ آگ لگنے کا خطرہ ہے، ایرپورٹ پر اترے تو استنجا اور وضو کا معقول انتظام تھا، اب محسوس ہوتا تھا کہ اسلامی ملک میں داخل ہوئے ہیں، یہیں ظہر کی نماز ادا کی، یہ پہلی نماز تھی جو اس مقدس سرزمین پر ادا کی گئی۔ امیگریشن اور سامان کی چیکنگ میں چھ گھنٹے لگ گئے، امیگریشن ہال ہی میں عصر کی نماز پڑھی، وہاں سے نکلتے نکلتے چھ بج گئے، مغرب کا وقت قریب تھا، وہیں مغرب کی نماز پڑھ کر معلم کی بس میں سوار ہوئے، اور آٹھ بجے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں اپنی قیام گاہ پر پہونچا دئے گئے، ہم لوگوں کی قیام گاہ حرم سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر دور محلّہ اجیاد مصافی میں ایک پہاڑی پر تھی، میں اور بلال بھائی تو ہلکے پھلکے بدن کے تھے، ہم لوگوں کے لئے اس پر چڑھنا کچھ دشوار نہیں تھا، مگر حضرت مولانا جن کا بدن بھاری اور وہ ہائی بلڈ پریشر کے مریض اور انھیں پیدل چلنے کی عادت بھی نہیں، ان کے لئے قدرے دقت تھی، اور مولانا کے والدین اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب گو کہ ضعیف تھے مگر سب کے حوصلے جواں تھے، اس لئے سب خوش و خرم تھے، ہمارے راستہ میں فندق اجیاد پڑتا تھا یہ مکہ کا معروف و مشہور ہوٹل ہے، اس کے پاس ایک جگہ راستے میں برقی زینے لگے

ہوئے تھے، جس کی وجہ چڑھائی میں بڑی آسانی ہوجاتی تھی۔

قیام گاہ پر سامان رکھ کر قدرے آرام کر کے حضرت مولانا کے ہمراہ ایک بجے شب میں مسجد حرام پہونچے، بیت اللہ شریف کو دیکھ کر ایک عجیب کیفیت دل پر طاری تھی جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے کرایا نہیں جا سکتا، میں تحیر کے عالم میں دیر تک ٹکٹکی باندھے اس کے جمال جہاں آرا کو دیکھتا رہا، مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں بیت اللہ کے صحن میں کھڑا ہوں، کہاں میں اور کہاں یہ مقدس و پاکیزہ سرزمین، محض حضرت مولانا کی برکت تھی ورنہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس عمر میں یہاں آجاؤں گا، پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھ گئے، نہ جانے کتنی دیر تک از خود رفتگی کے عالم میں ہاتھ اٹھائے رہا۔ اس کے بعد عمرہ کا طواف شروع کیا گیا، اس کا مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی حجر اسود کے مقابل آکر اس کو بوسہ دے یا اس کو چھو کر اپنا ہاتھ چوم لے اور اس کے بعد طواف شروع کرے، مگر اس ازدحام میں یہ ممکن نہیں، چنانچہ دور ہی سے استلام کر کے طواف شروع کر دیا گیا، اور پورا کر کے زم زم کے کنویں پر گئے اور وہاں ٹنکیاں لگی ہوئی ہیں خوب سیراب ہو کر زم زم پیا، اور خوب دعائیں کیں، حدیث میں آتا ہے **ماء زمزم لما شرب له**، یعنی زم زم کو جس نیت سے پیا جائے اسی کیلئے وہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد صفا پر پہونچے اور وہاں بھی خوب دعا مانگی اور سعی شروع کی، طواف وسعی کے فارغ ہو کر حلق کروایا، اس میں فجر کا وقت ہوگیا، اذان کے وقت حرم میں آئے، بھیڑ کی وجہ سے پہلی منزل پر جگہ ملی، اذان اول وقت میں صبح صادق کے معاً بعد ہوئی، دو رکعت سنت پڑھنے کے بعد جماعت شروع ہوئی، نماز کے بعد وہاں دعا مانگنے کا دستور نہیں ہے، نماز کے بعد اعلان ہوا: **الصلوٰة على الاموات يرحمكم الله**، میں نے مولانا سے پوچھا یہ کس چیز کا اعلان ہے، معلوم ہوا کہ یہ جنازے کا اعلان ہے، چنانچہ نماز جنازہ پڑھی گئی، امام نے صرف ایک ہی طرف سلام پھیرا، میں نے مولانا سے دریافت کیا کہ یہ ایک ہی طرف سلام کیوں پھیرا گیا، معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے یہاں ایک ہی طرف جنازے میں سلام ہے، چنانچہ اب وہاں کی تقلید میں ہندوستان کے غیر مقلدین بھی جنازہ میں ایک ہی طرف سلام

پھیر کر انتشار پیدا کرتے ہیں۔ پھر تو ہر نماز کے بعد یہ اعلان ہوتا تھا، بلکہ کبھی کبھی تو ایک ہی نماز میں دو دو مرتبہ! میں نے پوری زندگی میں اتنی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی جتنی مکہ مکرمہ ایک ماہ کے دورانِ قیام پڑھی۔

نماز کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس آئے، دو تین گھنٹے آرام کر کے میں پھر حرم میں آ گیا، معلوم ہوا کہ آج ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہے، صبح کعبۃ اللہ کو غسل دیا گیا ہے، یہ عمل ہر سال ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے، پہلے معلوم نہ ہونے کی بنا پر اس سے محرومی رہی۔ اس کے بعد کامل ایک ہفتہ کا وقت تھا، اس میں زیادہ تر وقت طواف میں گزرتا تھا، ابھی نوعمری کا دور تھا، اس لئے کئی کئی طواف بآسانی کر لیتا تھا، رات میں سونے کے علاوہ قیام گاہ پر جانے کی نوبت کم ہی آتی تھی، پورا وقت حرم ہی میں گذرتا تھا، تین تاریخ کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے ہیں، حضرت کی شفقت اس سیہ کار پر بہت ہے، ان کی خدمت میں ایک بار ضرور حاضری دیتا تھا۔ ہم لوگوں کے پہونچنے کے دوسرے دن حافظ ریاض احمد صاحب تشریف لائے، یہ اعظم گڈھ کے قصبہ پھولپور کے ایک قریبی گاؤں پماواں کے رہنے والے ہیں، سعودی عرب میں ریاض کے قریب بریدہ میں رہتے ہیں یہ حضرت مولانا کی معیت میں حج کرنے اور ان سے کچھ پڑھنے کی غرض سے آئے، چنانچہ مولانا نے ان کو جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف شروع کرادی، میں بھی اگر موجود رہتا تو سبق میں بیٹھ جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ روز گذر گئے، ۷/ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا عبدالواحد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں سے ہو کر قیام گاہ پر پہونچا تو لوگ منیٰ جانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، میں نے بھی اپنا سامان درست کیا، احرام کی ایک چادر، سفری تکیہ، قرآن شریف اور الحزب الاعظم ایک چھوٹے سے بیگ میں رکھ کر تیاری مکمل کی۔ تمام عازمین حج کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کم سے کم سامان لے کر منیٰ جائیں، تاکہ اگر پیدل چلنا پڑے تو دشواری نہ ہو، اور اب تو ازدحام کی وجہ سے پیدل چلنا ہی پڑتا ہے، لہٰذا بقیہ سامان قیام گاہ پر ہی رکھ کر جانا چاہئے، وہاں سامان منیٰ سے زیادہ محفوظ رہتا

ہے۔

تیاری کے بعد معلم کے کارندے کا انتظار تھا کہ وہ آکر منیٰ اور عرفات کے خیموں کے نمبر کا کارڈ دیدے، گویا یہ کارڈ منیٰ اور عرفات کے خیموں کا پتہ اور اس میں داخلہ کا اجازت نامہ ہوتا ہے، ورنہ اس کے بغیر خیموں میں داخلہ کی اجازت نہیں ملتی ہے، لیکن رات دیر گئے تک نہ تو بس ہی آئی اور نہ معلم کا آدمی آیا، ہم لوگ انتظار کر کے سو گئے، ہم لوگوں نے نماز فجر سے ایک گھنٹہ قبل ہی غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر احرام باندھ لیا، میں نے حرم شریف میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر حج کے احرام کی نیت کی اور تلبیہ پڑھتے ہوئے واپس آ گیا، فجر کی نماز قریبی مسجد میں ادا کی گئی، اس لئے کہ کسی بھی وقت بس آسکتی تھی، نماز کے بعد معلم کا کارندہ کارڈ لیکر آ گیا، اور بتایا کہ دس بجے بس آئے گی۔ ۸؍ذی الحجہ کی ڈائری کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ’’منیٰ میں ۸؍ذی الحجہ کی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور ۹؍کی فجر پڑھنا مسنون ہے، اس لئے اگر دس بجے بھی جاتے تو ظہر سے پہلے وہاں پہونچ جاتے، منیٰ، مکہ مکرمہ سے چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، بلال بھائی، حافظ ریاض احمد صاحب اور ان کا بھتیجہ مشفق سلّمہٗ پیدل جانے کے لئے تیار تھے، میں شروع سے کم ہمت اور کمزور واقع ہوا ہوں، میں نے کہا کہ میں تو مولانا کے ہمراہ بس سے آؤں گا میرے اندر اتنا پیدل چلنے کی سکت نہیں ہے، لیکن عین وقت پر خدائے تعالیٰ نے اس کمزور وناتواں کے اندر بھی ہمت وحوصلہ پیدا کر دیا، اور میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ پیدل منیٰ روانہ ہو گیا، ۹؍بجے ہم لوگ قیام گاہ سے روانہ ہوئے اور نہایت سہولت اور آرام کے ساتھ ساڑھے گیارہ بجے منیٰ پہونچ گئے، حافظ ریاض احمد صاحب نے کارڈ پر بنے خیموں کے نقشوں کی مدد سے بآسانی ہم لوگوں کا خیمہ ڈھونڈ نکالا، ہمارا خیمہ (مکتب نمبر ۶۵) منیٰ کی بالکل آخری حد پر مزدلفہ سے متصل تھا، وہیں نهاية منىٰ وبداية مزدلفه کا بورڈ لگا ہوا تھا، ہم لوگ اپنے خیمے میں پہونچ گئے، ابھی دم ہی لے رہے تھے کہ شور ہوا کہ آگ لگ گئی ہے، فوراً ہم لوگ باہر نکلے، دیکھا تو دھوؤں کا ایک گہرا سیاہ بادل نظر آیا، ایسی مہیب

> اور خوفناک آتشزدگی کبھی دیکھی نہ تھی، ہمارے سامنے دھڑ ادھڑ خیمے جل رہے تھے، اور اس میں حجاج جاں بحق ہو رہے تھے، محسوس ہو رہا تھا کہ موت ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ہے، اس وقت دل کا حال نہ پوچھو، زبان حال؛ وقال دونوں سے دعائیں اور اللہ اکبر کی صدائیں نکل رہی تھیں، کسی طرح ہم لوگ خیمے کے عقب میں لگے ایمرجنسی دروازوں کو توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے، چونکہ ہم لوگوں کے پاس کوئی سامان نہ تھا اس لئے نقل وحرکت میں بڑی سہولت رہی، ہم لوگوں نے مزدلفہ کے حدود میں ایک پل (کبری) کے نیچے پناہ لی، تھوڑی ہی دیر میں سعودی حکومت کا شہری دفاع حرکت میں آگیا، متعدد ہیلی کاپٹر اور سیکڑوں فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے کی کوشش میں مسلسل مصروف رہیں، مگر یہ آگ تھی کہ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، معلوم نہیں آگ ہی تھی یا قہر خداوندی جو ہمارے شامت اعمال کی بنا پر نازل ہوا، بہر حال تین گھنٹے کے بعد آگ بجھی، وہ بھی اس لئے کہ اس حلقہ میں اب جلنے کیلئے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ کر منیٰ آگئے، ہم لوگوں کا خیمہ محفوظ تھا، لیکن آس پاس کے تقریباً سبھی خیمے جل کر راکھ ہوگئے تھے۔''

ہم لوگ بہت خوش تھے کہ حج میں حضرت مولانا کی معیت وہمراہی حاصل ہے، حج کے مراحل میں آپ کی رہنمائی حاصل رہے گی، تو حج کا صحیح لطف حاصل ہوگا، مگر قضاوقدر کے فیصلے کچھ اور ہی تھے، شاید ہم لوگوں نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی حضرت مولانا پر انحصار کرلیا تھا، اس لئے حج کے پہلے ہی مرحلے میں مولانا سے جدائی ہوگئی، جیسی ہی آگ لگی حکومت نے منیٰ کے راستے بند کردئے اور جو حجاج مکہ میں رہ گئے تھے ان کو براہ راست عرفات پہونچادیا گیا، ہم لوگ بھی پریشان اور حضرت مولانا ہم سے زیادہ پریشان، اس لئے کہ ہم لوگ تو منیٰ پہونچ چکے تھے، ہماری خیر وعافیت کے لئے وہ مسلسل دعاگو رہے، شاید اسی کی برکت تھی کہ ہم لوگ پوری طرح خیر وعافیت سے رہے۔

۹؍ذی الحجہ (یوم عرفہ) کی ڈائری کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''آج وقوف عرفہ کا دن ہے، یہ حج کا رکن اعظم ہے، اگر خدانخواستہ یہ فوت ہوگیا تو

حج ہی فوت ہوجائے گا۔ فجر کی نماز پڑھ کر عرفات روانہ ہوگئے، بس والے نے جبل رحمت کے پاس اتار دیا، اس کے بعد ہم لوگ اپنا خیمہ تلاش کرتے رہے، لیکن ناکام رہے، اس انسانی جنگل میں کسی کی تلاش میں کامیاب ہوجانا بہت مشکل ہے، منیٰ کی آتشزدگی کی وجہ سے طبیعت پریشان تھی کہ معلوم نہیں مولانا وغیرہ کس حال میں ہیں؟ بالآخر تھک ہار کر ایک پاکستانی خیمے میں پناہ لی، جو لوگ اس میں تھے بڑے شریف لوگ تھے، منیٰ کے سانحے کی وجہ سے خیمہ کا بہت سا حصہ خالی تھا، ہم لوگ اس میں آرام سے رہے۔ تھوڑی دیر آرام کیا، پھر وضو کر کے تلاوت و ذکر میں مشغول ہوگئے، منیٰ کی طرح یہاں بھی حکومت نے استنجا خانے و غسل خانے کا بہت معقول انتظام کیا ہے، زوال کے وقت غسل کر کے ظہر کی نماز اپنے خیمے میں پڑھی، یہی وقوف کا وقت ہے، اور تسبیح وتحمید میں مصروف ہوگئے، میں بہت دیر تک کھڑے ہوکر دعائیں کرتا رہا، بے ساختہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے، دل میں ایک عجیب سی تڑپ تھی، اپنے ایک ایک گناہ یاد آتے رہے، خدا کے حضور اس کی معافی کے لئے روتا گڑگڑاتا رہا، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کیا۔ باری تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ان دعاؤں کو قبول فرمائے جو ان مقدس وبابرکت ساعتوں میں کی گئیں۔ اپنے والدین، بزرگوں، اساتذہ، مشائخ، دوست احباب، اعزا واقربا، بھائی بہنوں اور اہل خاندان سب کے لئے خوب خوب دعائیں کیں۔ **تقبل اللہ دعواتنا۔**

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے نکلے، الحمد للہ حج کا یہ رکن اعظم بسہولت ادا ہوگیا، **فللّٰہ الحمد و المنۃ**، آج کے دن مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھنے کا حکم ہے، لہٰذا مغرب پڑھے بغیر عرفات سے مزدلفہ کیلئے روانہ ہوگئے، یہاں سے مزدلفہ کی مسافت چھ کلومیٹر ہے، فیصلہ کیا گیا ہے کہ پیدل چلنا چاہئے، چنانچہ پیدل چل پڑے، اور ۲/گھنٹے میں مزدلفہ پہونچ آئے۔''

مزدلفہ کی تفصیلات کے لئے ۱۰/ذی الحجہ کی ڈائری کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''مزدلفہ پہونچنے کے بعد تھوڑا آرام کرنے کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی گئی، اس کے بعد ہم لوگ سو گئے، ۳/بجے بیدار ہوکر تہجد و وتر کی نماز ادا کی اور تلاوت و ذکر

> اور مناجات میں مشغول ہوگئے، صبح صادق کے بعد فجر کی نماز ادا کی، اور یہی وقوف مزدلفہ کا وقت ہے، اس سے پہلے ہرگز ہرگز مزدلفہ سے نہیں نکلنا چاہئے، ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت منیٰ کے لئے پیدل روانہ ہوگئے، ہم لوگوں کا خیمہ بالکل مزدلفہ کی سرحد پر تھا اس کے باوجود بے پناہ ہجوم کی وجہ سے ایک گھنٹہ لگا، اس قدر بھیڑ تھی کہ پیدل چلنا دشوار ہو رہا تھا، تو سواریوں کا کیا کہنا، چیونٹیوں کی رفتار سے چل رہی تھیں، منیٰ پہونچ کر اپنے خیمے میں چلے گئے، اور مولانا کا انتظار کرنے لگے، اسی میں دوپہر کا وقت ہوگیا، سوچا کہ کھانے فارغ ہولیں، کھانا کھا کر ابھی ہاتھ دھل رہے تھے کہ مولانا کی آواز سنائی، مولانا کی آواز سن کر جس قدر مسرت ہوئی اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، مولانا میرے ایسے مربی ومحسن ہیں کہ ان کے بارِ احسان سے کبھی میری گردن نہیں اٹھ سکتی، باری تعالیٰ انھیں ہر طرح کے شرور وفتن وابتلاء ومحن سے محفوظ رکھے اور ان کا سایہ شفقت تادیر ہمارے سروں پر باقی رکھے اور ان کے فیض کو عام وتام فرمائے، **آمین یارب العالمین** اور مرنے کے بعد جنت میں بھی ان کی معیت ومشایعت نصیب فرمائے۔ عالم اسباب میں میرا یہ حج جس ذات کا مرہون منت ہے وہ حضرت مولانا مدظلہٗ ہی کی ذات گرامی قدر ہے، ورنہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔‘‘

آج جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے، مولانا کے آنے کے بعد پروگرام بنا کہ عصر کی نماز کے بعد رمی کی جائے، چنانچہ عصر بعد جمرات پر پہونچے، تو بالکل خالی پایا، ہم لوگوں کے علاوہ ایک متنفس بھی وہاں موجود نہ تھا، نہایت سہولت کے ساتھ بالکل قریب سے سات کنکریاں ماریں، اسی کے ساتھ تلبیہ موقوف ہوگیا۔ خیمہ میں آتے آتے شام ہوگئی، ابھی حج کے تین افعال باقی تھے، قربانی کرنا، حلق اور طواف زیارت! پروگرام یہ بنا کہ دوسرے دن جمعہ ہے، صبح حافظ ریاض احمد صاحب کے ساتھ مذبح جاکر سب کی قربانی کرآئیں، چنانچہ صبح جاکر بکرے خریدے گئے اور ہم دونوں نے اپنے ہاتھوں سے سب کی قربانی کی، اور سات بجے طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں جاکر سر مونڈا کر احرام اتار دیا، اور نہا دھو کر سلے ہوئے کپڑے پہن لئے، میں نے جمعہ سے پہلے طواف زیارت کرلیا، جمعہ کی نماز کے

بعد سعی کی ۔ سعی کرتے کرتے عصر کا وقت ہوگیا، نماز ادا کرکے منیٰ روانہ ہوگیا، آج تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، کل عصر کے بعد ہم لوگ گئے تھے تو جمرات پر ایک فرد بھی نہیں تھا، وہی خیال آج بھی تھا کہ مگر آج تو معاملہ بالکل الٹا ہوگیا، ایسا لگا کہ سب لوگوں نے یہی خیال کرلیا تھا کہ شام ہی کو رمی کرنی ہے، ساڑھے پانچ بجے جمرات پر پہونچا، وہاں اس قدر ہجوم تھا کہ جمرۂ اولیٰ تک پہونچنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دم گھٹ جائے گا، بہر حال بہزار دقت کسی طرح رمی کرکے عشاء کے وقت خیمہ میں پہونچا، وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی ۔ مولانا وغیرہ دس بجے رات میں آئے ۔

۱۲؍ ذی الحجہ شنبہ کو مولانا کی طبیعت خراب ہوگئی، نزلہ زکام تو ایک دو روز سے تھا، لیکن آج صبح قے بھی ہوئی اور بخار بھی ہوگیا، اس لئے وہ صبح سے عصر تک آرام کرتے رہے، عصر سے کچھ پہلے رمی کے لئے نکلے، راستہ میں عصر کی نماز ادا کی، پانچ بجے تینوں جمرات کی رمی کی، آج بڑی سہولت رہی، رمی سے فارغ ہونے کے بعد پیدل ہی مکہ روانہ ہوگئے، سوا چھ بجے حرم شریف میں آئے، مغرب پڑھ کر قیام گاہ پر آگئے ۔ اس طرح حج کے تمام افعال سے بسہولت تمام فراغت ہوگئی ۔ **الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه.**

میں نے حج سے فارغ ہونے کے بعد والد محترم کو ایک تفصیلی خط لکھا تھا، وہ خط میری ڈائری میں محفوظ ہے، جی چاہتا ہے اسے نقل کردوں تاکہ معلوم ہو کہ اس وقت دل کن جذبات اور ولولوں سے معمور تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت والد صاحب **مدظلہم العالی**

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

مزاجِ گرامی!

یہ سیہ کار بلد امین، مکۃ المکرّمہ میں بیت اللہ الحرام کے سایۂ پاک میں ہر طرح خیر وعافیت اور آرام وراحت کی بے بہا نعمت سے بہرہ ور ہے، اور اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر

باری تعالیٰ کے حضور دل تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہے، اس سعادت وخوش بختی پر خداوند تعالیٰ کا جتنا بھی شکرادا کیا جائے کم ہے، کہ اس نے اپنے گنہگار وخطا کار بندے کو بغیر کسی استحقاق کے اس دولت بے بہا سے نوازا، **وللہ الحمد والشکر**۔ اور اس پر مزید انعام وکرم یہ فرمایا کہ اپنے ایک پاک باطن وپاکباز، نیک وصالح اور صاحب دل عالم باعمل بندے کی رفاقت ومعیت نصیب فرمائی۔ **الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه.** سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا کہ بخشد خدائے بخشندہ

۷/اپریل کی صبح ۹/ بجے دہلی کے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایرپورٹ سے ایرانڈیا کی فلائٹ نمبر ۵۱۰۱ سے روانہ ہوئے، اور سعودی وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے جدہ کے کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ کے حج ٹرمنل پر پہونچ گئے، وہیں ظہر کی نماز ادا کی، وضو اور نماز کا معقول انتظام تھا، محسوس ہوتا تھا کہ کسی اسلامی ملک کے ایرپورٹ پر ہیں، امیگریشن اور دوسری کاروائیوں میں تقریباً چھ گھنٹے گذر گئے، کسی نہ کسی طرح یہ دشوار گزار مراحل طے ہوئے اور آٹھ بجے ہم لوگ مکۃ المکرّمہ روانہ ہوئے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اب حج کے سفر میں دشواریاں نہیں رہیں، مطلق طور پر یہ کہنا درست نہیں، دشواریاں اب بھی ہیں، مگر ان کی نوعیت بدل گئی ہے، پہلے لوگ اونٹ پر اور پاپیادہ سفر کرتے تھے، گوکہ اب اونٹ اور ساربان، قافلے اور حدی خواں نہیں رہے، لیکن اس کی جگہ دنیا بھر کی چیکنگ اور دفتری کاروائیاں آگئی ہیں، اب بلاشبہ جسمانی تعب ومشقت کم ہے، لیکن اس کی جگہ ذہنی ودماغی کلفتوں نے لے لی ہے۔

شوق ومحبت اور خوف وندامت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ۱۱/ بجے شب میں **بلد الله الحرام مكة المكرمة زادها الله تشريفاً وتعظيماً** میں پہونچے، یہی وہ مقدس سرزمین ہے جسے نبی آخر الزماں کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، یہیں سے آفتابِ رسالت طلوع ہوا تھا، جس کی ضیاپاش شعاعوں نے سارے عالم کو بقعۂ نور بنادیا، یہیں سے

اسلام وتوحید کا وہ لاہوتی نغمہ گونجا، جس کی گونج سارے عالم میں سنائی دی، دعوت اسلام کا آغاز اسی پاک سرزمین سے ہوا، جس کے متبعین وپیروکاروں نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو ایمان ویقین اور عدل وانصاف سے بھردیا، پہلی وحی اسی پاک سرزمین پر اتری۔ غرض انوار وبرکات کی اس سرزمین پر پہونچ کر دل کی کیا کیفیت ہوئی، اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ایک بجے شب مولانا کے ہمراہ مسجد حرام میں حاضر ہوا، بیت اللہ کو دیکھ کر مارے ہیبت وجلال کے دل لرزاٹھا، یہ گنہ گار آنکھیں دیر تک اس کے دیدار میں محور ہیں، پھر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھ گئے۔ بیت اللہ کے گرد پروانوں کی اس قدر بھیڑ تھی کہ لوگ ٹوٹے پڑرہے تھے۔ ہم لوگوں نے عقیدت واشتیاق کے عالم میں طواف شروع کیا، طواف کے بعد ملتزم تک پہونچنے کی بہت کوشش کی، مگر ہجوم وازدحام کی وجہ سے ایک نہ چلی، اور باوجود کوشش کے وہاں تک رسائی نہ ہوسکی، کل خدا کے فضل وکرم سے یہ سعادت میسر آئی، وہاں پہونچ کر خوب خوب دعائیں کیں، باری تعالیٰ قبول فرمائے، ویسے اکابر واہل اللہ اپنا تجربہ یہی بتاتے ہیں کہ ملتزم کی دعاء انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی، خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں طواف وسعی سے فارغ ہوئے اور احرام اتار کر حلال ہوگئے۔ آج سعودی جنتری کے حساب سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ تھی، ابھی حج میں نو دن باقی تھے، اس عرصہ میں نفلی طواف کا سلسلہ چلتا رہا، کبھی کبھی مطاف میں جاکر بیٹھ جاتا تھا اور کعبۃ اللہ کو دیکھتا رہتا، ایک آدھ ہفتہ تک تو مجھے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ میں مکۃ المکرّمہ میں ہوں اور کعبۃ اللہ میرے سامنے ہے، جب اپنی سیہ کاری اور اس پاک گھر کی عظمت وبزرگی کو سوچتا تو عجیب سا لگتا تھا کہ کہاں میں اور کہاں یہ سرزمین مقدس؟ مگر جب خدائے پاک کی عطاء وبخشش اور شانِ کریمی پر نظر جاتی تو یہ حیرت واستعجاب کم ہوجاتا، خیر ایک چیز جو واقعہ بن چکی ہو اسے خواب کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔

۸/ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے روانگی تھی، میں، بلال بھائی اور مولانا کے ایک دوست حافظ ریاض احمد صاحب جو سعودی عرب ہی میں ملازمت کرتے ہیں، اور ان کا بھتیجا محمد

مشفق سلمہٗ، ہم چاروں حافظ ریاض احمد صاحب کی سربراہی میں صبح ہی پیدل منیٰ روانہ ہو گئے، مولانا اپنے والدین کی وجہ سے معلم کی گاڑی سے آنے والے تھے، لیکن آگ لگنے کی وجہ یہ لوگ منیٰ نہ جا سکے اور اسی دن رات میں سیدھے مکہ مکرمہ سے عرفات پہونچا دئے گئے، ہم لوگ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اپنے خیمہ میں پہونچے، ابھی پہونچ کر قاعدے سے دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ آگ کے شعلے بلند ہونے شروع ہوئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا تاریک ہوگئی، ایسی خطرناک دہشت ناک آتشزدگی کہ پناہ بخدا! ایسا کثیف اور سیاہ دھواں اٹھ رہا تھا کہ **الامان والحفیظ**! ہمارے خیمے کے بعد ایک سڑک تھی، اس کے دوسری جانب جو خیمہ تھا وہیں سے آگ شروع ہوئی، اور چشم زدن میں ہزاروں خیموں کو زد میں لے لیا، اس وقت ہوا بہت تیز اور انتہائی گرم تھی، گیس سلنڈر پٹاخوں کی طرح پھوٹ رہے تھے، اس کے اجزا ہوا میں اڑتے اور جس خیمہ پر گرتے اسے چند لمحوں میں جلا کر خاک کر دیتے، ہماری آنکھوں کے سامنے خیمے اور اس میں حجاج جل رہے تھے، موت کو اتنے قریب سے کبھی نہ دیکھا تھا، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں، اچانک پلائی کے ان ایمرجنسی دروازوں پر نظر پڑی جو خیمے کے پچھلے حصے میں جگہ جگہ لگے ہوئے تھے، فوراً ایک دروازہ کو توڑ کر خیمہ سے باہر نکل گئے اور مزدلفہ کے حدود میں پناہ لی، باری تعالیٰ نے حفاظت فرمائی اور کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ منیٰ کی تاریخ میں اس سے ہولناک آگ کبھی نہ لگی تھی، بعد میں معلوم ہوا ہزار کے قریب حجاج شہید ہوئے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ **إنا للہ وإنا إلیہ راجعون**

دوپہر کو یہ آگ لگی تھی، ہم لوگوں نے ظہر اور عصر کی نماز مزدلفہ میں پڑھی اور عصر کے بعد منیٰ واپس آئے، اس وقت کا منظر دیکھ کر کلیجہ حلق کو آ گیا، ایسی افراتفری اور کسمپرسی کا عالم خدا کرے پھر کبھی نہ ہو، کسی کا بچہ غائب، کسی کی بیوی گم، کسی کے والدین لاپتہ، غرض ایک قیامت برپا تھی، اسی کے مشابہ منظر تھا جس کی خبر قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے: **یوم یفر المرء من أخیه وأمه وأبیه صاحبته وبنیه۔**

۹؍ذی الحجہ کو فجر پڑھ کر عرفات روانہ ہوئے ، الحمد للہ یہاں کے تمام مراحل بخیر وخوبی طے ہوگئے ، لیکن مولانا سے یہاں بھی ملاقات نہ ہوسکی ، غروب آفتاب کے بعد پیدل ہی نہایت سہولت کے ساتھ دو گھنٹے میں مزدلفہ آئے ، جبکہ سواری والے لوگ بڑی دشواریوں کے ساتھ آدھی رات تک پہونچے ۔ وقوف مزدلفہ کے بعد منیٰ پہونچے ، یہاں جا کر مولانا سے ملاقات ہوئی ، مولانا ہم لوگوں سے مل کر حد درجہ مسرور ہوئے ، اور فرمانے لگے کہ میں نے عرفات میں زیادہ تر تم لوگوں کی سلامتی کے لئے دعاء کی ، کہنے لگے کہ میں نے دعا کی کہ اگر یہ سب مر گئے ہوں تب بھی زندہ کر دیجئے ورنہ میں ان کے والدین اور گھر والوں کو کیا جواب دوں گا ؟ دسویں تاریخ کی رمی عصر کے بعد کی ، اس وقت بالکل بھیڑ نہ تھی ، دوسرے روز قربانی ، حلق اور طواف زیارت سے فارغ ہوکر ’’حاجی‘‘ ہوگئے ، باری تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے ۔ آمین

اب نفلی طواف اور عمروں کا سلسلہ جاری ہے ، اکثر لوگ بیمار چل رہے ہیں ، مولانا تو حج کے بعد ہی سے کھانسی اور نزلے سے پریشان ہیں ، مولانا کے لئے خصوصی دعا فرمائیں ۔ حضرت اقدس مولانا عبد الواحد صاحب کی خدمت میں روزانہ بلا ناغہ حاضری دیتا ہوں ، ان کی شفقت ورافت مجھ پر بہت ہے ، ان کو شال پیش کر دی ، بہت خوش ہوئے ، آپ کے لئے اور میرے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں ، ایک روز مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ، حاضر خدمت ہوا ، عشاء بعد کا وقت تھا ، تھوڑی دیر کے بعد دعاء کیلئے ہاتھ اٹھایا ، دعاء کے بعد فرمانے لگے کہ میں آپ کے لئے اور آپ کے والد محترم کے لئے دعاء کر رہا تھا ، غرض حضرت شیخ نے ہم لوگوں کے لئے خوب خوب دعائیں کی ہیں ، اللہ اسے قبول فرمائے اور اس کی قبولیت کا ظہور فرمائے اور حضرت شیخ کو اس پر اجر جزیل سے نوازے ، آمین ۔

خط خاصا طویل ہوگیا ، ورنہ دل کے اندر جو وسعت ہے وہ ان اوراق میں کہاں؟ بس جذب وکیف کے عالم میں لکھتا چلا گیا ، اگر کہیں بے ربطی محسوس ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں ، والدہ محترمہ ، بھائی جان ، اور جملہ اہل خانہ اور دیگر پُرسانِ حال سے سلام

کہیں، سب کے لئے دل وجان سے دعاء کرتا ہوں

والسلام

محتاجِ دعاء، آپ کا بیٹا

ضیاء الحق خیرآبادی   مکہ مکرمہ

۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

حرم کی نمازوں میں ایک خاص کیف حاصل ہوتا تھا، بالخصوص جہری نمازوں میں! اہل زبان ائمہ جب کیف وسوز کے ساتھ تلاوت کرتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا پوری کائنات وجد کررہی ہے۔ حج سے پہلے میں نے غور کیا تو جہری نمازوں میں اکثر انھیں آیات کی تلاوت کرتے تھے جن میں حج سے متعلق احکام ہوتے تھے، مثلاً **وأتموا الحج والعمرة لله**، **الحج أشهر معلومات**، **وأذن فی الناس بالحج** وغیرہ، اس وقت کے ائمہ میں شیخ سعود الشریم کی تلاوت میں غضب کا سوز اور اثر تھا، حج سے پہلے کا واقعہ ہے، ایک روز عشاء کی نماز یہی شریم صاحب پڑھا رہے تھے، حج کے احکام سے متعلق ساتویں پارے کا دوسرا رکوع: **یاایھاالذین آمنوا لاتقتلواالصید وأنتم حرم**، پڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے، آواز بھراتی گئی، یہاں تک جب **جعل الله الكعبة البيت الحرام قياماً للناس** پڑھا تو بالکل بے قابو ہوگئے اور ہچکیاں بندھ گئیں، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے پورا حرم سسک پڑا ہو، جو آیت کا مفہوم سمجھ رہے تھے، اور جو نہیں سمجھ رہے تھے سب کی یکساں حالت تھی، کچھ دیر تک پورے حرم پر یہی کیفیت طاری رہی۔ مجھ جیسے قسی القلب پر بھی شدید گریہ طاری تھا، نماز کے بعد حضرت مولانا کے اردگرد لوگ جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ امام صاحب نے کیا پڑھا تھا کہ اس قدر ان پر گریہ طاری ہوگیا تھا، تو مولانا نے اس رکوع کی مختصر سی تشریح کی، ہلکا پھلکا ایک درس قرآن ہوگیا۔

حج کے بعد نفلی طواف اور عمروں کا سلسلہ شروع ہوا، چار پانچ عمرے تو بلال بھائی

کے ساتھ کئے، ہم دونوں صبح بس سے دوریال دے کر تنعیم مسجد عائشہ پہونچ جاتے، اور وہاں سے احرام باندھ کر حرم آجاتے، اور طواف وسعی کے بعد سر منڈا لیتے، اس کے علاوہ تنہا بھی اتنے ہی عمرے کئے، ہر ایک روز کے بعد عمرہ کرتا تھا، مگر ایک حسرت دل ہی دل میں رہ گئی، وہ تھی حجر اسود کو چھونے اور بوسہ دینے کی حسرت وتمنا! ہزار کوششوں کے باوجود وہاں تک پہونچنا ممکن نہ ہوا۔ پہلے ہی دن مولانا نے یہ بات بڑے اہتمام اور تاکید کے ساتھ فرمادی تھی کہ دیکھو حجر اسود کو بوسہ دینا ایک فعل مسنون ہے، اور کسی مسلمان کو تکلیف اور ایذا پہونچانا حرام ہے، اس لئے ایسا نہ ہو کہ ایک فعل مسنون کے لئے کسی فعل حرام کا ارتکاب کرنا پڑے، بات بڑے اہتمام اور تاکید سے کہی گئی تھی، اس لئے دل پر نقش ہوگئی اور ہمیشہ پیش نظر رہی، میں نے اپنے طور پر پوری کوشش کرڈالی کہ بسہولت کسی طرح حجر اسود تک ایک ہی مرتبہ سہی پہونچ جاؤں، مگر وہاں اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بغیر دھکا دئے، ایک دوسرے کے اوپر گرے، پہونچنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آئی، رات ودن کے ہر حصہ میں جاکر دیکھ لیا۔

ایک دن ایک صاحب نے بتایا کہ امام صاحب نماز پڑھانے کے بعد حجر اسود کا بوسہ لیتے ہیں، میں نے اسی وقت عزم کرلیا کہ میں بھی امام صاحب کے قریب ہی نماز پڑھوں گا اور ان کے ساتھ جاکر تقبیل کی سعادت حاصل کروں گا، امام صاحب عموماً مقام ابراہیم اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں، ظہر کی نماز سے پہلے طواف کر رہا تھا، جب ظہر کی اقامت شروع ہوئی تو کوشش کرکے دروازے کے قریب کھڑا ہوا، نماز ختم ہونے کے بعد امام صاحب نے سلام پھیرا، ابھی انھوں نے صرف ایک ہی جانب **السلام علیکم** کہا، اور وہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ حفاظتی حصار کو توڑتے ہوئے پچاسوں آدمی دوڑ کر امام کے آگے آکر حجر اسود کے قریب پہونچ گئے، یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ کس قدر جہالت کی بات ہے کہ نماز تو فرض ہے، ایک فعل مسنون کے لئے ایک فرض کو اس طرح برباد کرلیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا ارادہ ترک کردیا، پھر کوشش ہی نہیں کی۔

مولانا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے زیادہ تر قیام گاہ پر ہی رہتے تھے، آگ لگنے کی

وجہ سے جو افراتفری ہوئی تو لوگوں سے حج میں غلطیاں بہت ہوئیں، اس لئے لوگ بہت زیادہ مسائل پوچھنے آتے تھے، مولانا ہر ایک کو تسلی بخش جواب دیتے، تلافی کی صورتیں بتاتے، ہم لوگوں کی قیام گاہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، حرم شریف سے بہت دور تھی، اس لئے بھی مولانا کے لئے آمدورفت مشکل تھی، البتہ جب حج کے بعد بھیڑ ختم ہوئی تو قاری خلیق اللہ صاحب بستوی کے مکان پر دن کے اوقات میں زیادہ تر قیام رہتا تھا، رات میں اپنی قیام گاہ پر جاتے تھے، قاری صاحب سے حضرت مولانا کی پرانی شناسائی ہے، بالکل اسم بامسمیٰ ہیں، نہایت خلیق وملنسار! بڑے ہنس مکھ! یہ ایک بلڈنگ ہے جو قاری صاحب کی نگرانی میں ہے، یہ حرم شریف کے باب الندوہ پر واقع ہے، اور حرم شریف سے بالکل متصل ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ حرم میں اقامت شروع ہونے کے بعد کمرے سے نکلے اور جماعت میں شریک ہو گئے۔ یہاں ہندوپاک کے اکثر علماء ومشائخ تشریف لاتے ہیں، یہیں پہلی مرتبہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے شرف نیاز حاصل ہوا، بڑی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا۔ ایک روز قاری صاحب نے ایک پاکستانی عالم مولانا سعید احمد عنایت اللہ کی تصنیف ''حجاز معلم عربی'' عنایت فرمائی، جو تین حصوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب نحو وصرف کے اکثر مسائل کو محیط ہے، اور بیحد جامع کتاب ہے۔ بعد میں تدریس کے وقت اس سے بڑی مدد اور رہنمائی ملی۔ تینوں حصوں کا طرز یہ ہے کہ نصف حصہ اوّل اردو میں ہے، پھر اسی کو عربی میں بیان کیا گیا، تاکہ پڑھنے والا جو کچھ قواعد جان چکا ہے، اس کے مطابق عربی زبان کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھ سکے۔

ایک روز مولانا نے فرمایا کہ کل بڑا عمرہ کرنا ہے، اس کی تفصیل یہ بتائی کہ جعرانہ سے احرام باندھنا ہے، یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ۲۵ رکلومیٹر مشرق میں طائف کے راستہ پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ طائف سے واپسی کے بعد یہیں سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، دوسرے دن ٹیکسی کر کے ہم لوگ جعرانہ پہونچے، اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے۔

ایک روز مولانا ہم لوگوں کو غار حراء کی زیارت کیلئے لے گئے، یہ وہی پہاڑ ہے

جہاں پہلی وحی نازل ہوئی تھی، مولانا، اوران کے والدین تو پہاڑ کے دامن میں ہی ٹھہر گئے۔ غار پہاڑ کی چوٹی پر ہے، اوراس کی چڑھائی بالکل کھڑی اور دشوار ہے، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کچھ دور چڑھ کر واپس آ گئے، میں اور بلال بھائی تو چوٹی پر چڑھ گئے، ایک گھنٹہ کے قریب وقت لگا، کہیں کہیں تو دونوں ہاتھ بھی زمین پر لگانا پڑتا تھا، غار تک ہم لوگ پہونچ گئے، اور دو رکعت نماز ادا کی، باوجود دشوارگزار جگہ ہونے کے یہاں بھی بہت بھیڑ تھی، میں نے ایک بوڑھے مرد اور عورت کو دیکھا جو انتہائی مشقت کے ساتھ چڑھ رہے تھے اور بری طرح ہانپ رہے تھے، میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی، کہنے لگے کہ بس شوق اور عقیدت ہے، چڑھتے وقت صبح کا وقت تھا، اس لئے زیادہ احساس نہیں ہوا، مگر واپسی میں سورج قدرے بلند ہو چکا تھا، پیاس کی وجہ سے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے، میں نے احتیاطاً پانی کی بوتل لے لی تھی، وہ بہت کام آئی۔ اس کے بعد غار ثور جانے کا ارادہ تھا، مگر بعض وجوہات کی بنا پر ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اس لئے اس کی زیارت نہیں ہو سکی۔

حج کے بعد ایک دن قاری نسیم الحق صاحب معروفی کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر گئے، معلوم ہوا کہ یہیں حضرت مولانا احمد علی صاحب آسامی کا قیام بھی ہے، یہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خلیفہ ہیں، بہت ضعیف ہو چکے ہیں، ان سے ملاقات کی، اوران کی دعائیں حاصل کیں۔ یہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ کے درسی ساتھیوں میں ہیں۔ ایک روز مولانا کے ساتھ حرم جارہا تھا تو الہ آباد کے مشہور شاعر کامل چائلی صاحب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اپنی قیام گاہ پر بلایا، ایک نعت اور ایک غزل سنائی، حضرت مولانا محمد احمد صاحب کے لوگوں میں سے ہیں۔

ایک روز مولانا محمد نعمان صاحب معروفی کے ہمراہ جامعہ ام القریٰ گیا، وہاں کی لائبریری اور دوسرے شعبے دیکھے، اور یہیں جامعہ کے شعبہ جغرافیہ کے استاذ دکتور نواب معراج مرزا سے ملاقات ہوئی، ان کی والدہ غالباً لکھنؤ کی رہنے والی ہیں، اس کے اثر سے اردو اچھی خاصی سمجھ اور بول لیتے ہیں، مگر خالص عربی لب ولہجہ میں، ہمیشہ لیکن کی جگہ لاکن

ہی کہتے تھے، حضرت مولانا کی خیریت پوچھتے رہے، ۱۹۹۱ء کے سفر حج میں حضرت مولانا سے تعارف ہوا تھا، کچھ دیر ان کے پاس رہا، وہیں کھانا کھا کر ظہر کی نماز حرم میں آ کر پڑھی۔ جب مدینہ شریف جانے میں چند دن رہ گئے تو بلال بھیا اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے دس دس لیٹر والا ڈرام خرید کر زم زم بھرنا شروع کیا، یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ کبھی کبھی میں بھی شامل ہو جاتا تھا، باب الفتح سے پانی بھر کر دو کلومیٹر دور اجیاد لے جاتے، تین چار مرحلے میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اب مکہ کے قیام کا وقت تمام ہو رہا تھا، یکم محرم کو اعلان ہوا کہ کل شام کو مدینہ شریف کے لئے روانگی ہے، سامان وغیرہ درست کر لیں۔ یہ سن کر حرم کے فراق کے خیال سے دل پرغم واندوہ کے بادل چھانے لگے، دوسرے دن زیادہ وقت حرم میں گذرا، عصر بعد جانے کا اعلان تھا، عصر کی نماز سے پہلے طواف وداع کیا، اور بادیدۂ نم کعبۃ اللہ پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے اور دوبارہ آنے کی دعا کرتے ہوئے الٹے پاؤں باب الفتح سے نکلا، داخلہ باب عبدالعزیز سے ہوا تھا۔ آتے وقت دل کی کیا کیفیت تھی، خمار کے شعر میں قدرے ترمیم کے ساتھ

جدا ہو کے کس سے ہم جا رہے ہیں
اجل مل رہی ہے گلے زندگی سے

☆☆☆☆☆

مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً وتکریماً

سعودی تقویم کے اعتبار سے محرم کی دوسری تاریخ کو مدینہ منورہ ہماری روانگی طے پائی۔ پہلی محرم کو ہی مکہ مکرمہ سے رخصتی کا پیغام سنا دیا گیا، ۲ محرم جمعرات کی شام کو مغرب کے بعد مکہ پر الوداعی نگاہ ڈالتے ہوئے اور دوبارہ یہاں آنے کی دعا کرتے ہوئے روانہ ہوئے، طبیعت پر حزن وملال اور مسرت واشتیاق کی عجیب متضاد کیفیت طاری تھی، ایک طرف اس کا غم کہ ایک ماہ کے قیام کے بعد مکہ مکرمہ چھوٹ رہا ہے، دوسری طرف اس کی بات کی خوشی کی اب مدینۃ الرسول ﷺ میں حاضری ہوگی۔ اسی ملی جلی کیفیت کے ساتھ قیام گاہ سے روانہ ہوئے، بس معلم کے دفتر پر جا کر رک گئی، اور دیر تک رکی رہی، وہاں سے عشاء کی نماز پڑھ کر

روانہ ہوئے۔ بس **طریق الھجرۃ** سے جارہی تھی، یہ وہی راستہ تھا جس سے رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ پہونچے تھے۔ مولانا نے کہا کہ دیکھو یہ ہجرت کا راستہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے کیسی کیسی دشواریوں سے پہاڑی کا راستہ طے کیا تھا، اور آج ہم کیسی عمدہ بس پر جارہے ہیں، یہ سننا تھا کہ دل پر ایک اثر طاری ہوگیا، کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کے لئے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں۔ آج ہم پر بھی اللہ نے انھیں کے صدقہ وطفیل فضل فرمایا (**صلوات اللہ وسلامہ علیہ**)، کہ ہم بھی اسی شہر کی جانب رواں دواں ہیں، جو مکہ مکرمہ کے بعد دنیا کا سب سے افضل شہر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کی ہجرت کے لئے منتخب فرمایا، اس شہر کو آپ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اس شہر کی فضاؤں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مقدس اصحاب کے انفاس مبارکہ کی خوشبو رچی بسی ہے، اسے ان انفاس قدسیہ کے قدم ہائے مبارک سے بارہا مس ہونے کا شرف حاصل ہے، زبانِ رسالت سے اس شہر کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ایک سعودی عالم **صالح بن حامد بن سعید الرفاعی** نے تو ’’**الاحادیث الواردۃ فی فضائل المدینۃ**‘‘ کے نام سے ۸۰۰رصفحات کی ایک ضخیم کتاب لکھ دی ہے، جس میں ان تمام احادیث کو جمع کردیا ہے، جو فضائل مدینہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

اس میں سے چند ایک آپ بھی سن لیں!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ مومنین کے قیام کے لئے بہترین جگہ ہے، اگر وہ اس کی خوبیوں کو جان لیں تو یہاں کا قیام نہ چھوڑیں، اور جو شخص اس سے بددل ہوکر یہاں کا قیام چھوڑے گا، اللہ جل شانہٗ اس شخص کا نعم البدل یہاں بھیج دے گا۔

اور فرمایا کہ جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کرکے یہاں قیام کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا، یا گواہ بن جاؤں گا۔ نیز ارشاد ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی مریض کے لئے شفا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس

بات کی طاقت رکھتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں مرے، اس کو چاہئے کہ وہیں مرے، اس لئے میں اس کی شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ اس کی ایک نماز بھی اس مسجد سے فوت نہ ہو تو اس کے لئے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے، اور وہ شخص نفاق سے بری ہے۔

آپ ﷺ نے اس شہر کے لئے بطور خاص خیر و برکت کی دعاء فرمائی۔ **ألــلهــم إن إبــراهيــم كــان عبــدک وخــلـيــلک ودعــا لأهــل مكة بالبركة وأنا عبدک ورســولک أدعوک لأهل المدينة أن تبارک لهم فی مدهم وصاعهم مثل مــابــاركــت لأهل مكة مع البركة بركتين** ۔(ترمذی شریف: **كتــاب الــمناقب، بــاب مــاجــاء فی فضل المدينة**، رقم الحدیث: ۳۹۱۴) اے اللہ! بے شک ابراہیمؑ آپ کے بندے اور خلیل تھے، انھوں نے اہل مکہ کے لئے برکت کی دعا کی، اور میں بھی آپ کا بندہ اور رسول ہوں، میں آپ سے اہل مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ آپ نے اہل مکہ کے لئے جتنی برکتیں رکھی ہیں، اہل مدینہ کے لئے ان کے مد و صاع (پیمانوں) میں ان سے دگنی برکتیں عطا فرما۔

چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اس شہر کی وسعت و آبادی اور میووں اور پھلوں اور دیگر تمام اشیاء میں خیر و برکت روز بروز نمایاں ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

بہر حال جس شہر کی اس قدر عظمت و فضیلت ہے، وہ اس لائق ہے کہ وہاں پیروں کے بجائے سر سے چل کر جایا جائے، اور جس قدر اس کی تعظیم و توقیر ممکن ہو کی جائے، اور زبان سے کبھی اس کے متعلق حرفِ شکایت نہ نکالا جائے۔ قاضی عیاض مالکی شفاء میں فضائل مدینہ کے بعد لکھتے ہیں کہ: **جــديــر أن تــعــظــم عــرصــاتها وتتنسم نفحاتها وتقبل ربــوعهــا وجــدرانهــا** ۔(ص: ۲۶۲) یہ شہر اس قابل ہے کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے، اور اس کی خوشبوؤں کو سونگھا جائے، اور اس کے در و دیوار کو چوما جائے۔

یہ سب باتیں ذہن وخیال کے پردے پر ابھرتی رہیں، اور بس فراٹے بھرتی ہوئی راستہ طے کرتی رہی، رات بھر کے سفر کے بعد صبح کو مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، یہ جمعہ کا دن تھا، مکہ مکرمہ میں ہماری قیام گاہ حرم شریف سے بہت دور تھی، اس کا صلہ یہ ملا کہ یہاں قیام گاہ مسجد نبوی سے بالکل متصل ملی، مسجد سے نکلنے کے بعد پورب جانب دو تین منٹ کے فاصلہ پر قیام گاہ تھی، اب سفر کا سب سے اہم مرحلہ روضۂ اقدس پر حاضری کا تھا، میری حالت تو اس طالب علم جیسی تھی جو مدرسہ سے فرار ہو گیا ہو اور بڑی مشقتوں اور دشواریوں کے بعد کسی طرح ہاتھ آیا ہو، یہ مجرم اور مفرور طالب علم کس طرح اپنے استاذ کا سامنا کرے، تنہا جانے کی تو کسی طرح ہمت ہی نہیں پڑی، اب تک کی طرح یہاں بھی مولانا کے دامن عافیت میں پناہ لی، کہ بغیر کسی سرپرست کے کیسے وہاں جاؤں؟ بہر حال نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور مولانا کی معیت وہمراہی میں چلا ؏

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

جیسے ہی گنبد خضراء پر نظر پڑی، ایسا محسوس ہوا جیسے میں سن ہو کر رہ گیا ہوں، اور میرا وجود ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو، میرے پیر زمین کے بجائے کہیں اور پڑ رہے ہوں، بہر حال مولانا ہم لوگوں کو لے کر روضۂ اقدس پر پہونچے، مولانا سب سے آگے تھے، اس کے بعد میں پھر بلال بھیا، جیسے روضہ کے سامنے پہونچے مولانا تو بالکل بے حال تھے، ان کی گھٹی گھٹی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں، کچھ یہی حال بلال بھیا کا تھا، اپنی حالت کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ میں کس حال میں ہوں، اگر محسوسات من وعن الفاظ وعبارات کے پیکر میں ڈھل جائیں تو ان کیفیات کا صحیح علم ہو سکے گا، جو اس وقت مجھ پر طاری تھیں، اس وقت اس قدر ہجوم تھا کہ ٹھہرنے کا بالکل موقع نہ تھا، ہجوم کے ساتھ غیر اختیاری طور پر ہم آگے بڑھتے رہے اور باب جبرئیل سے باہر نکل آئے، وہاں سے قیام گاہ پر آگئے، دیر تک طبیعت پر ایک اثر رہا۔ اس کے بعد جمعہ کے لئے نکلے۔ نماز کے بعد جب ہجوم کم ہوا تو ریاض الجنۃ میں پہونچے، یہ جگہ حجرۂ رسول اور منبر رسول کے درمیان ہے، اس جگہ کی بڑی فضیلت حدیث میں وارد ہوئی

ہے (مابین منبری وروضتی روضة من ریاض الجنة) اس لئے یہاں پر بہت ہجوم ہوتا ہے، ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ یہاں دو رکعت نماز پڑھ لے، ہم لوگوں کو بھی موقع ملا، اور دو رکعت نماز ادا کی۔ جیسے جیسے دن گزرتے رہے، حجاج کی بھیڑ کم ہوتی گئی، قیام کے اخیر دنوں میں تو بآسانی جگہ مل جاتی تھی، اس میں مختلف ستونوں کے پاس نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، جیسے ستونِ ابولبابہ، ستونِ سریر، ستونِ عائشہ، اس ستون کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت معلوم ہو جائے تو لوگ اس کیلئے قرعہ اندازی کیا کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس جگہ کی نشاندہی کی، اسی مناسبت سے اسے ستونِ عائشہ کہتے ہیں۔ وہیں ایک قدرے بلند چبوترہ تھا، معلوم ہوا کہ یہی اسلام کی وہ اولیں درس گاہ ''صفہ'' ہے، جہاں علم حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اٹھے، اور آج کے مدارس اور تعلیم گاہوں کی اصل یہی چبوترہ ہے، یہاں بہت سے لوگ مشغول تلاوت تھے، میں نے بھی کچھ دیر وہاں بیٹھ کر اس کی سعادت حاصل کی، اور اس فضل وانعام اور عطا و بخشش پر خدائے تعالیٰ کا حد درجہ شکر ادا کیا۔

شام کو مولانا نے کہا کہ حافظ مسعود صاحب کو فون کرو، ان کا ذکر آپ مولانا کے سفرنامے میں پڑھ چکے ہیں، انھوں نے قیام گاہ کا پتہ پوچھا اور کہا میں عشاء کے بعد باب مجیدی کے پاس ملوں گا، مگر رات کو ان سے ملاقات نہ ہو سکی، دوسرے دن وہ قیام گاہ پر تشریف لائے، ان کے پاس اپنی گاڑی ہے، انھوں نے کہا کہ کل احد اور قبا وغیرہ چلیں گے، اسی دن شام کو مولانا کے ہمراہ جنت البقیع گئے، جنت البقیع مدینہ کا وہ قبرستان ہے جو ہزاروں صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ کا مدفن ہے، اب مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں ہے، اور جدید توسیع کے بعد بالکل حدود مسجد سے مل گیا ہے، باب جبریل سے نکلنے کے بعد چند منٹ کے فاصلہ پر ہے، شام کو ہم لوگ پہونچے، معلوم ہوا صرف چند گھنٹوں کے لئے کھلتا ہے، ایک جگہ مولانا نے بتایا کہ یہاں امہات المومنین کی قبریں ہیں، اس کے مشرق میں سیّدنا ابراہیم بن

محمد رسول اللہ ﷺ اور اس سے اور مشرق میں حضرت سیّدنا عثمان غنی ؓ کی قبر مبارک ہے، حضرت عثمان غنیؓ کی تدفین باغیوں کے خوف کی وجہ سے نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہوئی تھی، اس لئے انھیں ایک طرف کنارے دفن کر دیا گیا تھا، اب تو یہ جگہ بیچ میں آ گئی ہے، بعد میں ایک صاحب نے قبرستان کا ایک نقشہ دیا، جس میں یہ صراحت تھی کہ کس کی قبر کہاں ہے، اس کے حساب سے جہاں تک ممکن ہو سکا وہاں وہاں پہونچ کر ان حضرات کے لئے ایصال ثواب اور دعا کی۔

دوسرے دن حافظ مسعود صاحب اپنی گاڑی لے کر آئے، اور پہلے میدان احد لے گئے، اور وہاں پہونچ کر بتایا کہ کس طرح کہاں سے کفار حملہ آور ہوئے تھے، انھوں نے بتایا یہ جبل رُماۃ ہے، یہیں رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو مقرر کیا تھا، اور انھیں کی ذرا سی لغزش سے جنگ کا نقشہ بدل گیا تھا، اب تو جبل رُماۃ ایک چھوٹا سا ٹیلہ رہ گیا ہے، جو شاید بطور علامت کے ابھی تک باقی رکھا گیا ہے۔ اس کے شمال میں احد پہاڑ ہے، حافظ صاحب ہم لوگوں کو پہاڑ پر ایک غار میں لے گئے اور بتایا کہ یہی وہ غار جہاں زخمی ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو لٹایا گیا تھا، ابوسفیان اور حضرت عمر فاروق ؓ کے درمیان مکالمہ یہیں ہوا تھا۔ میدان کے وسط میں ایک بڑا سا احاطہ ہے، جس میں شہداء احد اور سیّدنا حضرت حمزہ کی قبر مبارک ہے، احاطہ کے دروازہ کے پاس ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا، جو ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ **ھٰذا قبر عم النبی** ﷺ، وہاں سے فاتحہ پڑھ کر قبا گئے، یہیں وہ مسجد ہے، جسے اسلام کی سب سے اولیں مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے، سعودی حکومت نے اسے نہایت عمدہ بنوادیا ہے، یہاں دو رکعت نماز ادا کی، یہیں ہمارے قریبی موضع ابراہیم پور کے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رہتے ہیں، ان کے یہاں حاضری ہوئی، اور مشہور بزرگ مولانا عبد اللہ صاحب بستوی جن کا ذکر مولانا کے سفر نامہ میں آ چکا ہے، اس وقت ان کی رہائش قبا ہی میں ہے۔ ان کے در دولت پر بھی حاضری ہوئی۔ دونوں حضرات نے حد درجہ اعزاز و اکرام فرمایا۔

ایک روز مولانا نے زیارت کے لئے ایک گاڑی طے کی، کہ اس سے تمام لوگ چلیں اور قابل ذکر مقامات کی زیارت کرلیں، چنانچہ فجر کی نماز پڑھ کر مولانا کی سربراہی میں ہم لوگ روانہ ہوئے، پہلے غزوہ خندق کے موقع پر گئے، وہاں مسجد استراحت، مسجد فتح اور دوسری مسجدیں دیکھیں، اس کے علاوہ مسجد قبلتین، مسجد جمعہ، مسجد شمس، بیر عثمان، بیر غرس، باغ سلمان فارسی پر گئے، ہر جگہ سے ہوتے ہوئے ظہر سے پہلے قیام گاہ پر آ گئے، ظہر کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی، اس بات کا خاصا اہتمام تھا کہ چالیس نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا ہو جائیں تاکہ اس حدیث کا مصداق ہم لوگ بھی ہو جائیں جس میں اس پر نفاق سے بری ہونے کی بشارت آئی ہے۔ الحمد للہ چالیس سے زائد نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، **فللّٰہ الحمد والمنة**

مولانا نے حافظ مسعود صاحب سے کہا ہم لوگ کھجوریں مدینہ شریف کے ہی باغات سے خریدنا چاہتے ہیں، حافظ صاحب ہم لوگوں کو اپنی گاڑی سے ایک باغ میں لے گئے، نہایت گھنا اور گنجان باغ تھا، اس میں کھجور کے ڈھیر سارے درخت تھے، نہایت گھنے اور صرف قد آدم کے بقدر بلند، ہم لوگ بے تکلف اس کے پھل کو توڑ سکتے تھے، اس وقت ابھی پھل آ رہے تھے، باغ کے مالک نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہم لوگوں کا استقبال کیا، اور کھجوروں سے ہم لوگوں کی ضیافت کی، اس کے بعد ہم لوگوں نے گھر کے لئے کھجوریں لیں، جو اس نے کولڈ اسٹوریج سے نکال کر دیں، معلوم ہوا کہ جولائی میں کھجوریں پکتی ہیں، اسی وقت توڑ کر اسٹور کر لی جاتی ہیں، پھر سال بھر اسی میں سے نکال نکال کر فروخت ہوتی رہتی ہیں۔ جس وقت اسٹور سے کھجوریں نکالی گئیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ بھی برف کا ایک ٹکڑا ہیں۔

حافظ مسعود صاحب مدینہ منورہ میں ''الرحمة'' نامی ایک مسجد کے امام ہیں، یہ مسجد نبوی سے تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، مسجد ہی سے ملحق مکان میں اپنے بچوں کے ساتھ مقیم ہیں، حافظ صاحب ایک روز ہم لوگوں کو اپنے مکان پر لے گئے، یہاں ان کے

صاحبزادے حافظ عبداللہ بن مسعود سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے اسی سال حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی ہے، اور قرآن عربوں کے لہجے میں بہت عمدہ پڑھتے ہیں، حافظ صاحب نے گاڑی میں ان کی کیسٹ ہمیں سنائی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ مسجد نبوی کے امام حذیفی صاحب کی رہائش بھی یہیں ہے، دو وقت وہ مسجد نبوی میں امامت کرتے ہیں، بقیہ نماز میرے ہی پیچھے اسی مسجد میں پڑھتے ہیں۔ حافظ صاحب کو معلوم ہوا کہ مجھے قلفی بہت پسند ہے، تو ایک روز کہنے لگے کہ چلئے میں آپ لوگوں کو ایک خاص جگہ کی قلفی کھلاؤں جو پورے مدینہ منورہ میں مشہور ہے، پہلے یہ دکان بالکل حرم کے سامنے تھی، جدید توسیع کے بعد اب حرم سے قدرے فاصلے پر ہے، ہم لوگ ان کے ساتھ گئے، واقعتاً ویسی قلفی نہ اس سے پہلے کہیں کھائی تھی، نہ اس کے بعد اب تک کہیں کھائی ہے۔ حافظ صاحب کی وجہ سے بڑی سہولت رہی، جہاں کہیں آنا جانا رہتا اپنی گاڑی لے کر موجود رہتے۔ **جزاک اللہ خیر الجزاء**

مدینہ کی برکات میں سے ایک چیز یہ بھی دیکھی کہ یہاں کے دورانِ قیام تقریباً روزانہ ہی کہیں نہ کہیں دعوت رہی، ایک روز مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے دعوت کی، اور مزید کرم یہ کیا کہ کھانا پکا کر قیام گاہ پر لائے، اسی طرح حافظ مسعود صاحب نے کیا، ایک روز عشاء کے بعد حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری مہاجر مدنی سے ملاقات ہوئی، مولانا موصوف برصغیر کے ممتاز و معروف عالم ہیں، (۲۸/نومبر ۲۰۰۱ء کو مولانا انتقال ہوا) مولانا سے اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی خدمت لی، ان کے چھوٹے بڑے سیکڑوں رسائل دینی موضوعات پر ہیں، جن سے ایک امت فائدہ اٹھا رہی ہے، ہمارے مولانا سے مولانا موصوف کی پرانی جان پہچان تھی، وہ مولانا کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی اپنے گھر لے گئے، اور خوب ضیافت کی، اور فرمایا کہ روزانہ عشاء کے بعد یہیں ملاقات ہوگی، اور رات کا کھانا میرے ساتھ کھانا ہوگا، چنانچہ اس کے بعد روزانہ مولانا اپنے ساتھ لوا جاتے، وطن واپسی سے ایک دن پہلے عشاء کے بعد مولانا، میں اور حافظ مسعود صاحب ہم تینوں آپ کے ساتھ گھر گئے، رات دیر تک آپ کے یہاں رہے، دیکھا کہ ایک افریقی طالب علم کو آپ ابوداؤد

شریف پڑھا رہے تھے، ہم لوگوں کو ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ رُخصت کیا، اور اپنی بہت ساری کتابیں ہدیۃً پیش کیں، اور بتایا ان کی کتاب **التسهيل الضروري لمسائل القدوري** بیروت میں چھپ گئی ہے۔ بارہ ایک بجے کے قریب ہم لوگ وہاں سے قیام گاہ پر واپس آئے۔

حج سے پہلے ہم لوگ حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی مدظلہ (صدر شعبہ تخصص فی الحدیث، جامعہ مظاہر علوم، سہارن پور) سے ملاقات کے لئے سہارن پور حاضر ہوئے تھے، مولانا نے کہا تھا کہ اگر علامہ طاہر پٹنی کی کتاب **المغني في ضبط الاسماء لرواة الانباء** اگر کہیں مل جائے تو اسے ضرور لے لینا، چنانچہ اسے مکہ مکرمہ میں بہت تلاش کیا، مگر نہیں ملی، مدینہ منورہ کے بھی کئی کتب خانوں پر تلاش کیا، مگر یہاں بھی اس کا سراغ نہیں مل رہا تھا، آخر کار ایک صاحب نے ایک مکتبہ کے بارے بتایا، وہاں گیا تو صاحب مکتبہ نے بتایا کہ مجھے علم نہیں ہے کہ یہ کتاب ہے یا نہیں، آپ خود تلاش کر سکتے ہوں تو کر لیجئے، کتابوں کے اس جنگل میں ایک کتاب کی تلاش آسان نہ تھی، مگر اللہ نے فضل فرمایا، تھوڑی ہی تلاش کے بعد اس کے تین نسخے مل گئے، جسے میں نے خرید لیا، ایک حضرت مولانا زین العابدین صاحب کیلئے، ایک اپنے مولانا کے لئے، اور ایک اپنے لئے۔ بعد میں حضرت مولانا زین العابدین صاحب نے اسے اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کیا۔ اس کے علاوہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ کی جو کتابیں دستیاب ہوسکیں خریدیں، اسی طرح ایک دو کتابیں محمد علی صابونی کی لیں۔

ہم لوگ سعودی تقویم کے مطابق ۳ر محرم مطابق ۹ر مئی جمعہ کو مدینہ منورہ پہونچے تھے، یہاں کے شب و روز نہایت خیر و خوبی کے ساتھ گزر رہے تھے، دوسرے جمعہ کو قیام کا آٹھواں دن تھا، اور اسی دن دسویں محرم عاشورہ کا دن تھا، ہم لوگ روزہ سے تھے، اور بھی بہت سے لوگ روزہ سے تھے، سنا ہے کہ مدینہ منورہ میں نفلی روزہ رکھنے کا بہت اہتمام ہے، اور اس سے زیادہ اہتمام شام کو افطار کرانے کا دیکھا، وہاں کے باشندے اپنا اپنا دسترخوان

لے کر مسجد نبوی میں پہونچ جاتے، اور جو لوگ موجود ہوتے انھیں بڑی لجاجت اور اصرار کے ساتھ اپنے دسترخوان پر لے جاتے، ان کا انداز بڑا بھلا اور پیارا ہوتا ہے، خصوصاً ان کے معصوم بچے، یہ تمام لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر دسترخوان پر لے جاتے، ہم لوگ بھی ایک دسترخوان پر بیٹھے، قہوہ اور کھجور سے افطار کیا، مسجد میں کھانے کی کسی چیز کا لے جانا ممنوع ہے، چنانچہ نماز کے بعد دیکھا کہ مسجد کے باہر لوگ بریانی کے دیگ لے کر کھڑے ہیں، اور لوگوں کو کھلا رہے ہیں، دوسرے دن بھی یہی اہتمام دیکھا، اہل مدینہ کو قدرت کی طرف سے ضیافت ومہمان نوازی کا جذبۂ فراواں عطا ہوا ہے۔ شنبہ ۱۷ رمئی کو ہمارے قیام کا نواں دن تھا، معلوم ہوا کہ کل جدہ کے لئے روانگی ہے، اور ۱۹ رمئی دوشنبہ کو ہماری فلائٹ دہلی کیلئے ہے۔

یہ سن کر طبیعت پر افسردگی طاری ہوگئی، کہ خیر وبرکت کے یہ ایام کل ہی تمام ہو جائیں گے، پھر نہ جانے یہاں آنا کب نصیب ہو؟ اس کے بعد مسجد نبوی کی حاضری اور زیادہ ہوگئی، دوسرے دن صبح کو آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے، زبان سے دل نے جو کچھ کہنا سننا تھا کہا سنا، اور قیام گاہ پر آگئے، تھوڑی ہی دیر میں بس بھی آگئی، بس میں بیٹھ گئے، اب شہر رسول نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا، اور دل پر جو کچھ گذرنی تھی گذر رہی تھی، بقول محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی ؎

میروم سوئے وطن وز درد دل بے اختیار
نالۂ دارم کہ می گوئی بغربت می روم

میں وطن جا رہا ہوں، مگر دل سے بے اختیار ایسی چیخ نکل رہی ہے جیسے میں
(وطن سے) سفر میں جا رہا ہوں۔

شام کو جدہ ایرپورٹ پر پہونچ گئے، یہ کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ جدہ کا حج ٹرمنل ہے، جو سال کے صرف چار مہینہ استعمال میں رہتا ہے، اس قدر وسیع وعریض اور کشادہ ہے کہ ہمارے دہلی ایرپورٹ جیسے کئی ایرپورٹ اس میں سما جائیں گے، اس کی چھت شامیانوں جیسی ہے، اول وہلے میں یہی محسوس ہوا کہ ہم لوگ کسی خیمے میں پہونچ گئے ہیں،

بعد میں معلوم ہوا کہ چھت اسی طرز کی بنائی گئی ہے۔ ہم لوگ شام کو یہاں پہونچے تھے، پہلا کام یہ کیا کہ ٹکٹ لے کر سیٹ کنفرم کروائی، معلوم ہوا کہ جہاز دوسرے دن ساڑھے بارہ بجے ہے، رات ایرپورٹ پر گزری، ایرپورٹ پر کوئی پُرسان حال نہیں تھا، دیگر ہوائی کمپنیاں مسافروں کو فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ٹھہراتی ہیں، ہم لوگ چونکہ حج کمیٹی سے آئے تھے، اور ہندوستان کے دیگر سرکاری اداروں کی طرح اس کمیٹی کا بھی حال ہے، کوئی خیریت پوچھنے کا بھی روادار نہیں تھا، اپنے طور پر آپ کو جو کرنا ہے کریں۔ دوسرے دن دوشنبہ کو صبح ۹/ بجے ایرپورٹ کے اندر پہونچے، ایک گھنٹے میں کسٹم وغیرہ سے فارغ ہوگئے، بارہ بج کر پچیس منٹ پر ہمارا جہاز اُڑا، سعودی عرب، عمان (مسقط) ایران اور پاکستان کی فضائی حدود سے گذرتا ہوا راجستھان کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوا، اور سات بج کر پینتیس منٹ پر اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایرپورٹ پر اتر گیا۔ جب تک جہاز میں تھے، اس وقت تک مغرب کا وقت نہیں ہوا تھا، چونکہ جہاز مشرق کی جانب جارہا تھا، اس لئے اترتے اترتے بالکل اندھیرا ہوگیا، جہاز سے اترنے کے بعد مغرب اور عشاء دونوں نماز پڑھ کر باہر نکلے، باہر بہت ہجوم تھا، میری نگاہ اپنے برادر مکرم فیض الحق صاحب پر پڑی، بے اختیار آگے بڑھ کر ان سے گلے لگ گیا، اور آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، ان کے لئے ڈھیر ساری دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور قبولیت کو ظاہر فرمائے۔ وہاں سے دفتر جمعیۃ علماء آئے، دوسرے دن لیچوی اکسپریس سے گھر کے لئے روانہ ہوئے، مولانا کو لینے کے لئے شیخوپور سے مفتی منظور صاحب ومولانا سفیان صاحب وغیرہ بنارس آگئے تھے، مولانا بنارس سے مدرسہ چلے گئے، ہم لوگ مئو پہونچے، اسٹیشن پر ملنے والوں کا بہت ہجوم تھا، سامان وغیرہ اتارنے کے بعد مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے دعا کرائی، لوگوں سے مصافحہ ومعانقہ کے بعد بخیر وعافیت ۲۱/ مئی بدھ کے دن گھر پہونچے۔ اس طرح ڈیڑھ ماہ کا یہ سفر اختتام کو پہونچا۔

دو تین روز گھر رک کر اتوار کو دیوبند روانہ ہوا، ٹھیک دو ماہ کے بعد دیوبند پہونچا، ۱۵/ ذی قعدہ کو دو ماہ کی رخصت لے کر گھر آیا تھا، اور ۱۹/ محرم کو واپس پہونچا۔ چندروز کے

بعد حضرت مولانا کا درج ذیل خط ملا۔

باسمہ تعالیٰ

عزیزم! **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ**

> اللہ کا شکر ہے کہ تم خیر وعافیت سے دیوبند پہونچ گئے ، اب یکسوئی اورمحنت کے ساتھ پچھلے چھوٹے ہوئے اسباق کی تلافی کی کوشش کرو، ساتھ ہی آگے کا مطالعہ بھی جاری رکھو، سبق کی رفتار تو اب بھی کم ہی ہوگی، تم ہر کتاب کے کچھ صفحات متعین کرلو اور اتنے کا روزانہ مطالعہ کرلیا کرو، اور کوشش کرو کہ کتاب پورے طور پر حل ہوجائے، تمہارا مطالعہ کیا ہوا حصہ سبق میں گذرتا رہے گا، اس طرح کتاب کا معتد بہ حصہ سبق سے پہلے ہی حل ہو چکا ہوگا، جو کتابیں مشکل ہیں مثلاً شرح عقائد، ان کا مطالعہ غور وتعمق سے کرو، اور ذہن کو مشکل مسائل حل کرنے کا مکلّف اور عادی بناؤ، ذہن اور علم کی سطحیت سے آگے گزر کر اب عمق کی طرف متوجہ ہو، عربی کتب کا مطالعہ زیادہ کرو۔

مولانا کی اس شفقت ومحبت اور عنایت وتوجہ پر دل بھر آیا، اور دل کی گہرائیوں سے ان کیلئے دعائیں نکلیں، باری تعالیٰ تادیر ان کا سایۂ شفقت ہمارے سروں پر قائم رکھیں، اور ان کی یہ توجہ وعنایت ہمیشہ باقی رہے، **آمین یارب العالمین**

☆☆☆☆☆

التجائے عرض کا جواب

۱۴۲۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہٗ کو حج بیت اللہ کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ ورفرمایا، جب آپ سفر حج کیلئے روانہ ہونے لگے تو بہت سے طلبہ اوراساتذہ نے عریضے تحریر کر کے اپنے لئے دعاؤں کی درخواست کی، یہ تحریر طلبہ کے عریضوں کا مشترکہ جواب ہے، اس دعا کی درخواست تقریباً سبھی طلبہ نے کی تھی کہ ’’دعافرمایئے کہ باری تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت میں تاحیات لگائے رکھیں، چنانچہ جواب میں اس کی جانب اشارہ بھی ہے، یہ تحریر ۸؍ذی الحجہ سے ۸؍محرم تک ایک ماہ کے درمیان لکھی گئی۔

یہ تحریر جب میرے سامنے آئی تو جی چاہا کہ اسے شائع کردوں تاکہ اس سے اس ربط وتعلق کا ایک ہلکا سا نمونہ سامنے آجائے جو کبھی طلبہ واساتذہ کے درمیان ہوا کرتا تھا، اور ہمارے اسلاف کرام کا شعار تھا۔ پہلے یہ تحریر ماہنامہ ضیاء الاسلام میں شائع ہوئی، چونکہ اس کا تعلق خاص حج سے ہے اس لئے اسے اس کتاب کا جز بنایا جارہا ہے۔

ضیاءالحق خیرآبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ،والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ خاتم النبیٖن،وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین،اللّٰھم احشرنا فی زمرتھم یوم الدین.

میرے جگر پارو! میری آنکھوں کے نور، میرے قلب کے سرور، عزیز طلبۂ علوم دین! اللہ تم کو ہمیشہ آباد وشاداب رکھے!

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ

آج یوم ترویہ میں منیٰ شریف میں بحالت احرام حج حاضری ہوئی، تم لوگوں کے خطوط کا ذخیرہ جو میرے ساتھ شیخوپور سے آیا تھا، شدت ہجوم کی وجہ سے حرم شریف میں لے جانے کا موقع نہ ملا۔ بلکہ ضعف وعلالت اور دوری مکان کی وجہ سے میری حاضری ہی کم رہی ، جب منیٰ کے لئے چلا تو سارا ذخیرہ ساتھ رکھ لیا، آج موقع ملا تو تفصیلاً ایک ایک پرزہ کا ایک ایک حرف پڑھا، تم لوگوں کے خطوط سے دل بہت متاثر ہوا ، بار بار امنڈتا رہا، اور آنکھوں کے ذریعہ برستا رہا، سب کے لئے دعاء ہر ہر لفظ پر کرتا رہا، خدا تک رسائی ہو جائے، جب تو؟ میں نے تم لوگوں کے جذبات اللہ تعالیٰ کو دکھا دئے ہیں، حالانکہ وہ پہلے سے دیکھتے اور جانتے ہیں، مگر مجھے ایک ایک عریضہ پیش کرنے میں بہت لطف آیا، بڑی حلاوت ملی، میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ تمھارے دلی جذبات کے ترجمان صادق ہیں، بعد کے حالات وخیالات کیا ہوں؟ مگر میرے پاس تم لوگوں کے یہی حالات وجذبات ہیں، میں نے دعاء کی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو استقامت نصیب فرمائیں، اور تا حیات دین کی خدمت میں لگائے رکھیں، مگر دین کی خدمت میں لگنا ایک مشکل امر ہے، دنیاوی آزمائشیں انسان کو بہت گھیرتی ہیں، بالخصوص مالی تنگیاں، تو میں نے اس کے لئے بھی تسہیل و تیسیر کی دعاء کی ہے،

کل اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میدان عرفات میں پہونچایا اور وہاں کا وقوف نصیب ہوا، تو پھر یہ عریضے انشاء اللہ بارگاہ الٰہی میں پیش کروں گا، پھر مزدلفہ میں، پھر منیٰ میں، پھر جب مکہ مکرمہ میں قیام ہوگا، بیت اللہ شریف کے سامنے! پھر مسجد نبوی میں، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ، آج اتنا اس لئے لکھدیا کہ بعد میں اللہ جانے موقع ملے کہ نہ ملے، قلم قابو میں ہو یا نہ ہو، کون جانے؟ اگر قابو میں رہا اور موقع ملا، تو چند سطریں ان مقامات مقدسہ میں بھی لکھوں گا، انشاء اللہ، اس وقت تصور کی نگاہوں سے تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ اپنے جذبات نیک کے ساتھ دربار الٰہی میں حاضر ہو اور پر امید ہو کہ ادھر سے چشم التفات اٹھ کر

رہے گی۔

الحمد للہ دربارعرفات میں حاضری ہوئی، اس کریم ذات نے دعاؤں کی توفیق بخشی، میں دل کا اندھا مجھے کیا محسوس ہوتا، مگر حضور خداوندی میں تم لوگوں کے لئے بھی وہ سب دعائیں پیش کر دیں، جو الحزب الاعظم میں شیخ ملا علی قاری نے جمع کی ہیں، میرا کام ہے مانگے جانا، انکا کرم ہے کہ التفات ہو جائے، تم سب بچوں کے عریضے اجمالاً پیش کر دئے ہیں، وہ ذات کریم ضرور مہربانی فرمائے گی، میری سیہ کاریوں نے یاد آ کر بڑی تکلیف پہونچائی، خدا تعالیٰ سے معافی مانگ لی ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، یہ سطریں اسی دربار خاص میں لکھ رہا ہوں۔

اللہ کا شکر کس دل اور زبان سے ادا کروں کہ عرفات کے دربار خاص کے بعد مزدلفہ کی ڈیوڑھی پر دوبارہ عرض معروض کا موقع نصیب ہوا، عرفات سے واپسی میں قدرے دیر ہوئی، رات بہت ٹھنڈی تھی، سرد ہوا چل رہی تھی، نیند تو آ ہی گئی، ایک ہلکا سا کمبل مفتی عبد الرحمٰن صاحب نے فراہم کر دیا تھا، چار بجے آنکھ کھلی، وقوف کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر حسب توفیق دعاء وذکر میں مشغولیت رہی، تم لوگوں کے کاغذات نکالنے کا موقع نہیں ملا، اجمالاً بارگاہ الٰہی میں عرض کر دیا کہ یا اللہ! میرے ان بچوں کے جذبات اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کو قبول فرمائیے اور ہر ایک کے مقاصد حسنہ کی تکمیل فرما دیجئے، مزدلفہ سے پیدل چل کر منیٰ میں اپنے خیمے میں ہم لوگ آرام سے آ گئے، ہجوم عاشقاں انبوہ در انبوہ ہے، کنکری مارنے کا عمل باقی ہے، ظہر کی نماز کے بعد اس کے لئے جانا ہے ہمارے قافلے میں ضعفاء ہیں، ان کی رعایت میں تاخیر ضروری ہوئی، ورنہ صبح کا وقت اچھا ہے،

عصر کی نماز کے بعد کنکری مارنے کا عمل ہوا، بحمد اللہ آسانی رہی، دوسرے روز رمی جمار کے بعد طواف زیارت سے مشرف ہوئے، طواف رات میں کیا، ۱۲؍ کو پھر منیٰ میں حاضری ہوئی اور رمی جمار سے فارغ ہوئے، رات میں مکہ مکرمہ تک رسائی ہوئی، اب مسجد

حرام کی حاضری اور نفلی طواف اور عمروں کا عمل ہے، تم لوگوں کی درخواستیں رب البیت کے حضور پیش کر کے نگاہ التفات کا امیدوار ہوں،

یکم محرم کو **مدینة النبی** ﷺ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، دربار نبوت میں تم سب لوگوں کا سلام نیاز عرض کر دیا ہے، اور بہت التجا کے ساتھ دعاء کی درخواست پیش کر دی ہے، تم لوگوں پر نظر التفات کی درخواست کی ہے، قبولیت کے امیدوار رہو،

آج آٹھ محرم ہے، آج مدینہ طیبہ کے مطار (ایرپورٹ) پر شام کو سات بجے روانگی ہے، شام کو پھر صلوٰۃ وسلام عرض کروں گا، اور اذن رخصت چاہوں گا، تم لوگوں کے لئے عرض معروض کروں گا، بس اب رخصت! والسلام

اعجاز احمد اعظمی
۸ ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

رودادِ حرمین شریفین

(؁۱۴۲۳ھ، ؁۲۰۰۳ء)

اس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ظلوم وجہول بندے کو سفرِ حج کی سعادت بخشی، کوئی ارادہ نہ تھا کہ اس سفر کے متعلق کچھ لکھوں۔ سفر میں نکلتے وقت مدرسہ کے بعض اساتذہ اور طلبہ نے دعاؤں کے لئے عریضے لکھ لکھ کر میرے حوالے کئے تھے، تعمیل حکم میں میں نے وہ عریضے مقامات مقدسہ میں اجمالاً اور تفصیلاً پڑھے، جیسا بن پڑا دعائیں کیں، اور ان عریضوں کے جواب میں ایک تحریر سب کے نام مشترک لکھی، وہ تحریر پچھلے شمارے میں شائع ہو چکی ہے، میرے ایک عزیز طالب علم نے فرمائش کی کہ سفر کے حالات کچھ لکھ دئے جائیں، تو میں بطور یادگار اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ ان کی مرضی کی تکمیل کیلئے ارادہ ہوا کہ چند سطریں لکھ دوں، لکھنے بیٹھا تو بے ارادہ تحریر پھیلتی چلی گئی، جب مکمل ہوئی، تو مدیر رسالہ نے اسے شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ تحریر ایک طالب علم کے نام مکتوب ہے، وہی طالب علم اس کے مخاطب ہیں، خدا کرے قارئین رسالہ کیلئے افادیت کا باعث بنے۔

اعجاز احمد اعظمی

میں اپنے سفرِ حج کے حالات کیا تحریر کروں، کوئی خاص بات ہو تو لکھوں، مگر نہ میں خاص آدمی ہوں اور نہ میرا کوئی خاص حال ہے، ہاں اس سفر میں اگر کہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ قلبی اور باطنی مجاہدہ زیادہ ہوا۔ اور اس کا آغاز دلی ہی سے ہوا۔ کچھ لکھتا ہوں۔

میرا حال شاید تم کو معلوم ہو کہ میں کاہل اور راحت پسند ہوں، کاہلی کے تقاضے اور راحت پسندی کی وجہ سے مال زیادہ خرچ کرتا ہوں، اور سفر آرام سے کرتا ہوں، اس سفر میں میری نیت یہ کہ ماں باپ کے ساتھ ایک بیٹا رہے گا، تو وہ بہت آرام پہونچائے گا۔ اسی لئے میں عادل کو ساتھ لے کر گیا تھا اور اپنی دعاؤں پر اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر یقین کئے بیٹھا تھا کہ اسباب نہ ہونے کے باوجود یہ بھی حج کرلے گا۔ پہلا سبب مال تھا، وہ بحمداللہ حاصل ہوگیا۔ اب اور یقین ہوگیا کہ دوسری منزل بھی سر ہوجائے گی۔ مگر دہلی پہونچ کر ہزار کوششوں کے باوجود اس کی منظوری نہ ہوسکی، یہ سخت مجاہدہ تھا، جب میں اس سے ہوائی اڈہ پر گلے مل کر جدا ہو رہا تھا، تو دل پر صدموں کا پہاڑ محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے اس وقت سخت اندیشہ تھا کہ اللہ کی اس تقدیر پر میرا دل کہیں بے صبری اور شکایت میں نہ مبتلا ہوجائے۔ اس وقت مجھے قلب کی خاص نگہداشت کرنی پڑی، اللہ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اس کریم ذات نے رضا بالقضا کی توفیق بخشی، اور مزید کرم یہ کہ اس حادثہ نے دعاؤں کی کیفیت ومقدار میں خاصا اضافہ کردیا تھا۔ تمام حمد وثنا اللہ کی ذات پاک کیلئے ہے کہ اس خلاف طبع حادثہ پر طبیعت بوجھل ضرور ہوئی، مگر الحمدللہ دل ودماغ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن رہا۔

دوسرا مجاہدہ سنو! ایک ایسا شخص، جو کاہل بھی ہو، آرام پسند بھی ہو، ہر وقت خدمت کا محتاج بھی ہو وہ ایک طرف تو وہ اپنے خدمت گزار اور سلیقہ شعار بیٹے کی رفاقت سے محروم ہوا، اور دوسری طرف اس کے سپرد ضعفاء اور مریضوں کا ایک قافلہ ہوا۔ بظاہر اسباب ان سب کا مدار وانحصار اس شخص پر تھا جس کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی، ہر قدم پر بے کسی اور بے بسی کا احساس ہوتا تھا۔ مگر قربان جاؤں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے کہ ان کے کرم سے مناسک حج کے تمام مراحل آسان ہوگئے، دشواریاں آئیں، بعض اوقات رفقاء میں کشمکش کی صورت بھی پیدا ہوئی، مگر بحمدللہ شیطان حاوی نہ ہوسکا، اس کا جادو جلد ہی اتر گیا۔

تیسرا مجاہدہ سنو! تم جانتے ہو کہ میرے شیخ ومرشد پاکستان کے رہنے والے ہیں۔ برسوں ان سے ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملتا، میں یہ سوچ

سوچ کر خوش ہوتا تھا کہ حضرت بھی حج میں تشریف لائیں گے، زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد ہر وقت معلوم کیا کرتا تھا کہ حضرت کب تشریف لائیں گے، خبر ملتی کہ آج شام کو آجائیں گے، کل صبح آجائیں گے۔ لیکن یہ آج، کل ہوجاتا، اور کل، پرسوں بن جاتا اور حضرت تشریف نہ لائے، ۷/ ذی الحجہ کو بے قرار ہوکر میں نے پاکستان فون کیا، تو حضرت ہی مل گئے، فرمایا ویزا نہ مل سکا، اس لئے سفر منسوخ ہوگیا۔ میں فون ہی پر پھوٹ پھوٹ کر رو یا۔ ادھر سے دعائیں ملیں، محبت کی بشارتیں ملیں، دل تھام کر حرم چلا گیا، صدموں سے چور تھا۔ مگر بحمد اللہ دل اللہ کے اس فیصلے پر شکر گزار اور مسرور تھا، یہ فیصلہ جو میری طبیعت کے خلاف تھا، اللہ کی طرف سے تھا۔ میرے پروردگار کا حکم نافذ ہوا، تو اس غم میں ایک لذت اور حلاوت ملی۔ میں نے سوچا کہ سب ظاہری سہاروں سے الگ کر کے خالص اپنی بارگاہ میں بغیر کسی واسطے کے ناک رگڑتے دیکھنا چاہتے ہیں، اچھا تو ہم بھی تیار ہیں، جو آپ کو پسند وہی ہم کو بھی پسند!

أرید وصالهٗ ویرید هجری   فاترک ما أرید لما یرید

(میں اس کی ملاقات چاہتا ہوں، وہ میری جدائی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے، میں اپنے ارادے
کو اس کے ارادے پر قربان کرتا ہوں)

چوتھا مجاہدہ ملاحظہ کرو! مکۃ المکرّمہ میں حاضری ہوئی، تو اپنی کاہلی، کمزوری اور پیدل چلنے کی بالکل عادت نہ ہونے کی وجہ سے دل میں اللہ کی ذات سے امید لگائے ہوئے تھا کہ حرم پاک کے قریب ہی کہیں رہائش ملے گی، مگر جو رہائش ملی وہ بہت دور تھی حرم شریف سے رہائش گاہ تک پہونچنے میں بیس منٹ صرف ہوتے تھے، عادت نہ ہونے کی بنا پر پاؤں سوج سوج گئے، عمرہ ادا کرنے میں خاصی دقت محسوس ہوئی، امیدوں کی عمارت منہدم ہوگئی، ایک غیر متوقع صورت حال سے سابقہ پڑا، تو طبیعت پژمردگی وافسردگی کی طرف بھاگنے لگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کریم ہیں، ان کے کرم نے سنبھالا، پھر اس تصور اور خیال نے شگفتہ اور تازہ کر دیا کہ حرم کی طرف بڑھنے والے قدموں کی تعداد زیادہ ہوگی، تو رحمت الٰہی مسلسل متوجہ

رہے گی، ہر قدم پر مثلث بنتا رہے گا، یعنی ایک خطا معاف ہوگی، ایک نیکی بڑھے گی، ایک درجہ بلند ہوگا۔ جب یہ بشارت آئی......اور فوراً ہی آ گئی تھی......تو ہر قدم پر لذت وحلاوت بڑھنے لگی۔ دوریٔ منزل کی وجہ سے بعض نمازیں قریبی مسجد میں ادا کرنے کی نوبت آتی تھی۔

انسان کا نفس جن امور کا عادی ہوتا ہے، اس کے خلاف صورت حال کا جب سامنا ہوتا ہے، تو معاملہ اس پر سخت بھاری پڑتا ہے، میں مدرسہ میں طلبہ کے درمیان اور عوام میں اپنے ماننے والوں کے درمیان رہ کر راحت وآرام کا خوگر ہو گیا ہوں، دربارِ الٰہی میں گو کہ ازدحام بہت ہے، مگر سب اپنے حال میں مست اور اپنی کیفیت میں مگن ہیں دائیں بائیں جن لوگوں کو میں دیکھنے اور برتنے کا عادی تھا، انھیں نہ پاتا تھا، تو یہ ایک مستقل مجاہدہ تھا، مگر کس منہ سے اللہ کا شکر ادا کروں کہ اس کریم ذات نے سب کچھ آسان کر دیا، نفس وطبیعت کا رشتہ پچھلی حالت سے ٹوٹ گیا، اور نئی صورتِ حال پر اطمینان ورضا کی کیفیت بغیر تاخیر کے پیدا ہوگئی، **فالحمد للہ علیٰ ذلک.**

یہ مجاہدات جو میں نے ذکر کئے، یہ مسلسل اور علی الدوام تھے، ایک دو مجاہدے عین مناسک حج کی ادائیگی کے دوران پیش آئے تھے، انھیں بھی ملاحظہ کرو، اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس طرح دستگیری کرتی ہے۔

ہم لوگوں کے لئے ایک بڑا مجاہدہ جمرات تک پہنچنا تھا۔ ۱۴۱۷ھ کے حج میں منیٰ میں بڑی بھاری آگ لگی تھی ستّر ہزار خیمے جل کر خاک ہو گئے تھے، اس عظیم حادثہ کے بعد حکومت نے منیٰ میں ایسے خیموں کا انتظام کیا، جو آگ سے متاثر نہ ہوں، اور ان میں ایر کنڈیشن مشینوں کو نصب کر دیا، تاکہ گرمی کی شدت میں حجاج آرام کے ساتھ رہ سکیں، اس نئے نظم کے لئے جگہ زیادہ درکار تھی، تو حکومت نے منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی بہت دور تک خیمے نصب کئے ہم لوگوں کو مزدلفہ میں جگہ ملی تھی، جب ہم جمرات پر جانے کے لئے پیدل نکلے تو ڈیڑھ دو کیلومیٹر مزدلفہ میں چلے، اس کے بعد منیٰ کی حد شروع ہوئی، منیٰ کی یہ حد مشرقی سرے پر ہے، اور جمرات بالکل مغربی حد پر ہیں، یہ فاصلہ تقریباً تین چار کیلومیٹر کا

ہے، اس طرح پانچ چھ کیلومیٹر ہجوم کے درمیان پیدل چل کر جمرات تک پہنچنا ہوا، عورتیں بھی ساتھ میں تھیں، پہلے روز صرف ایک جمرہ کی رمی کرنی تھی، اللہ نے مدد کی وہ بوڑھی مریض خاتون، جو گھر پر چند قدم نہیں چل سکتی تھیں، وہ مریض خاتون جو کبھی ایک کیلومیٹر پیدل چلنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی، دونوں بحمد اللہ آہستہ روی سے سہی، مگر خیریت سے جمرات تک پہنچ گئیں، اور باطمینان سنت کے مطابق کنکری مار کر واپس ہوئیں۔

آج کے تجربے کے بعد طے کیا گیا کہ کل جمرات تک سواری سے جائیں گے، اور یہ بھی قرار پایا کہ عورتوں کو رات میں لے جائیں گے اور کنکری مارنے کے بعد وہیں سے مکہ شریف جا کر رات میں طواف زیارت کریں گے، ہجوم قدرے کم ہوگا، تو آسانی ہوگی، میں سوچتا رہا کہ ضعفاء اور عورتوں کیلئے رات میں کنکری مارنا مناسب ہے، مگر دوسروں کیلئے یہ وقت مناسب نہیں ہے، تو ہم تین ساتھی دن میں ظہر کی نماز کے بعد پیدل جمرات پر پہونچ گئے، اور مسنون وقت پر بآسانی کنکری ماری پھر مغرب تک قیام گاہ پر واپس آ گئے، رات میں عشاء کی نماز ذرا تاخیر سے پڑھ کر آدھی رات کے قریب نکلے، ہمارے ایک ساتھی کے حسن تدبیر سے سرکاری بس جمرات تک کیلئے مل گئی، اس نے قریبی راستے سے مختصر وقت میں جمرات تک پہونچا دیا، خیال تھا کہ ہجوم کم ہوگا، مگر وہاں اتنا ہجوم تھا کہ دن میں بھی اتنا ہجوم نہ تھا۔ میں تو سہم گیا کہ یہ ضعیف عورتیں کیونکر رمی کر سکیں گی، حاجی محمد زبیر تو قوی ہیں، وہ اپنی والدہ کو لے کر چلے، میں اپنی اہلیہ کو لے کر چلا، پہلے دو جمروں پر زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا مگر جمرۂ عقبہ پر یہ حال ہوا کہ باوجود کوششوں اور تدبیروں کے میں اہلیہ کو جمرہ کے قریب نہ پہنچا سکا، ایک مرتبہ کچھ قریب پہونچے ہی تھے کہ ادھر سے ایک ریلا ہجوم کا آیا، اور اس نے پیچھے ڈھکیل دیا، میں نے جن سے پوچھا کہ اب تو دور ہو گئے ہیں، کیا یہاں سے کنکری مار کر جمرہ کے حوض تک پہونچا دوگی، کہا ہاں! میں نے کہا تو **بسم اللہ اللہ اکبر** پڑھ کر کنکری مارو، ابھی وہ ہاتھ اٹھا ہی رہی تھی کہ اسی ہجوم میں جمرہ کے قریب ایک بزرگ نے پکارا، بیٹی! اتنی دور سے کیوں کنکری مارتی ہو قریب آؤ، ان کا یہ کہنا تھا، اور بھیڑ کا کائی کی طرح پھٹنا

تھا۔ چند سکنڈ میں ہم دونوں جمرہ کے حوض کے پاس تھے، انھوں نے سکون کے لہجے میں کہا ہاں بیٹی! اطمینان سے کنکری مارو، پھر بہت اطمینان سے کنکری ماری گئی۔ وہ خوش ہو رہے تھے، ہم سلام کر کے واپس ہوئے، اور بھیڑ پھر جام ہوگئی، میں اب بھی حیران ہوں کہ اس بھیڑ میں وہ کون بزرگ تھے، جن کی ایک آواز نے بغیر کسی مزاحمت کے راستہ بھی دیا، سنت کے مطابق رمی بھی کرائی، ضرور وہ کوئی مرد غیب تھے۔

رات میں طواف زیارت اور سعی کی سعادت حاصل کی، اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت آسانی ہوئی، صبح فجر کی نماز حرم میں ادا کر کے، منیٰ واپسی ہوئی۔ آج آخری دن ہے کنکری مارنے کے بعد وہیں سے مکہ مکرمہ لوٹ جائیں گے، ہم پانچ آدمی تھے، پانچوں کے ضروری سامان، جو حج کے پانچ ایام میں، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں درکار تھے تین بڑے بیگ میں تھے، ان میں ایک بیگ نسبتاً ہلکا تھا، میرے کاغذات کی ایک اٹیچی بھی ساتھ میں تھی، یہ سب سامان لیکر ہم لوگ ظہر کی نماز کے بعد پرائیویٹ سواری سے جمرات کیلئے چلے، پرائیویٹ سواریاں دور کا چکر کاٹ کر جمرات تک پہونچتی ہیں، جس گاڑی پر ہم لوگ سوار تھے، دو گھنٹے میں اس نے جمرات تک ہم لوگوں کو پہونچایا، جہاں ہم اترے وہاں سے بہت تھوڑے فاصلے پر جمرات کا بورڈ لگا ہوا تھا، بورڈ پر جمرات کی جانب اشارہ تھا۔ میں بہت خوش ہوا کہ جمرات کے قریب ہم لوگ اترے ہیں، ہم نے وہیں عصر کی نماز ادا کی، لیکن جب جمرات کی طرف چلے تو معلوم ہوا کہ ہم لوگ پہاڑی پر اترے ہیں، جمرات کی سطح بہت نیچے ہے، حکومت نے آسانی کے لئے زینے بنوادئے ہیں۔ اور ہر دس بارہ زینے کے بعد دس بارہ فٹ مسطح زمین بنادی ہے، تاکہ چڑھنے اترنے کا تسلسل منقطع ہوتا رہے، میں اترتے وقت زینے گننے لگا۔ پونے تین سو زینے میں نے گنے، اس کے بعد زمین آئی، میں بھی ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہوں اور اہلیہ بھی! ہم لوگ گھبرائے کہ کسی طرح اتر تو گئے ہیں، چڑھیں گے کیسے؟

ہمارے تین ساتھی اوپر تھے، اس لئے اوپر جانے کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں

تھی، یہی سوچتے ہوئے ہم جمرات کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ہمارے ملک کے مشہور شیخ الحدیث اور بزرگ ہستی حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور دکھائی دیئے، انھیں لوگ ’’وہیل چیر‘‘ پر لا رہے تھے، میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا، اور آسانی کی دعا کرائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا، بہت سہولت سے کنکری ماری، واپس لوٹے، تو اب سیڑھیوں پر چڑھنے کا عمل تھا، طبیعت ہراساں تھی، عرصہ سے میرے گھٹنوں میں قدرے درد رہتا ہے۔ پھر جسم بھاری، بلڈ پریشر ہائی، سیڑھیوں پر چڑھنا ایک دشوار عمل تھا، ہم دونوں کا یہی حال! اللہ کا نام لے کر چڑھنا شروع کیا، مغرب کی اذان ہوچکی تھی، کچھ اوپر چڑھے تھے کہ ایک درمیانی مسطح زمین پر جماعت ہو رہی تھی، میں جماعت میں شامل ہوگیا، اور اہلیہ سے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرلو، تم اوپر پہونچ کر نماز پڑھنا۔ نماز مغرب ادا کی، اور پھر اوپر چڑھنا شروع کیا، حیرت کی انتہا نہ رہی اللہ کے شکر میں رواں رواں بھیگ گیا، جب اچانک سیڑھیاں ختم ہوگئیں، اور ہم لوگ پہاڑی کے اوپر کھڑے تھے، ایسا محسوس ہوا کہ سیڑھیاں آدھی سے بھی کم ہوگئیں، اترنے میں جتنا وقت صرف ہوا تھا، چڑھنے میں اس سے بہت کم وقت لگا۔ اہلیہ حیرت میں تھیں کہ یہ کیا ہوا۔ اتنی جلدی کیسے اوپر آگئے، یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے معاملہ کو سہل فرما دیا،

مکہ مکرمہ جانے کیلئے سواری لی گئی، جس نے ڈھائی گھنٹے میں حرم کے قریب باب الملک عبدالعزیز کے سامنے اتارا۔ سامان لادے پھاندے ہم لوگ حرم کے باہر صحن میں پہونچ گئے، آج تمام حجاج یہاں اکٹھے تھے، بھیڑ بہت تھی، ایک جگہ سامان اتار کر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا گیا، مجھے تکان بہت تھی، نیند کا اثر بھی تھا، میں نے کہا کہ تھوڑی دیر یہاں لیٹ جاؤں تو نماز پڑھی جائے، لیٹنا تھا کہ میں نیند میں بے خبر ہوگیا ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد آنکھ کھلی، آنکھ کیا کھلی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے، انھیں جھونکوں نے جگا دیا، آنکھ ملتا ہوا، کپکپاتا ہوا اٹھا، تو سامان موجود اور قافلہ غائب! میں بیٹھ گیا کہ وضو کیلئے لوگ گئے ہوں گے، ابھی آجائیں گے، ایک عرب جوڑا آیا، اور ہمارے سامان کے ساتھ جو چٹائی بچھی تھی

اس پر اس طرح دونوں میاں بیوی آرام سے بیٹھ گئے، جیسے یہ سامان انھیں کا ہو، میں آدھ گھنٹہ تک انتظار کرتا رہا، وہ عرب جوڑا آدھ گھنٹے کے بعد اٹھ کر چلا گیا، میں نے بیگ سے ایک کمبل نکالا اور اوڑھ کر دوبارہ سوگیا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے جگایا گیا، قافلہ آگیا تھا۔ عورتیں وضو کرنے گئی تھیں، وہ بھیڑ میں کھوگئی تھیں، زبیر ڈھونڈ کر لائے، ایک ساتھی نہیں ملے، میں نے اٹھ کر وضو کیا عشاء کی نماز ادا کی۔ اب قیام گاہ پر جانا تھا جو وہاں سے کم از کم ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ زبیر تو ماشاء اللہ طاقتور بھی اور ہمتی بھی! انھوں نے بھاری بھاری دو بیگ اٹھائے، اور تیسرا جو نسبتاً ہلکا تھا میرے سپرد کیا، اور اٹیچی بہت ہلکی تھی وہ بھی میرے ہاتھ میں رہی۔ مجھے سامان اٹھانے کی کبھی عادت نہیں! بیس پچیس قدم چل کر میں ہانپنے لگا، میں نے زبیر کو روکا، سوچا کوئی مزدور مل جائے، مگر وہاں کون ملتا، وہ بھی رات کے ساڑھے بارہ بجے، زبیر نے اٹیچی بھی مجھ سے لے لی، اب صرف ایک بیگ میرے ہاتھ میں رہ گیا۔ میں نے اٹھا کر اسے سر پر رکھا، تب آسانی ہوئی، اس طرح تقریباً ایک کلومیٹر ہم لوگ چلے ہوں گے کہ ایک مزدور مل گیا، اس نے پانچ ریال لے کر قیام گاہ تک پہنچا دیا، حمالی کبھی کی نہیں تھی، آج کی حمالی عجب لطف دے رہی تھی، اس مشقت میں ایک خاص طرح کی حلاوت محسوس ہو رہی تھی، مجاہدہ تو سخت تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پر لطف بنا دیا تھا۔

اس کے بعد مکہ مکرمہ میں اٹھارہ روز رہنا ہوا۔ نماز وطواف اور تلاوت وذکر کی مشغولیت رہی، میرے بہت ہی عزیز دوست مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب غازی پوری جدہ سے آجاتے تھے، ان کے ساتھ رہ کر سکون قلب اور اطمینان جاں حاصل ہوتا تھا۔ ایک دن وہ مجھے اور مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی کو جدہ لیکر گئے۔ ایک جگہ ہلکی پھلکی تقریر کرنی تھی۔

ان مجاہدات کے دوران چند احباب کی وجہ سے بڑی راحت اور سہولت حاصل ہوتی رہی، مفتی عبدالرحمٰن، مولوی حافظ عبدالجبار جو میرے پرانے دوست ہیں، اور اس حج کے منتظم بھی وہی تھے، حکیم رشید احمد صاحب مبارکپوری، جو حضرت مولانا محمد عمر صاحب

مبارکپوریؒ کے صاحبزادے ہیں، مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، اور مطب کرتے ہیں، مولانا محمد عارف جمیل صاحب مبارکپوری، جو میرے استاذ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب کے صاحبزادے ہیں اور بڑے قابل قدر عالم ہیں۔ عزیزم مولوی افتخار احمد صاحب اور عزیزم مولوی انصار احمد صاحب مبارکپوری، یہ دونوں بھائی ہیں، یہ تینوں صاحبان ریاض کی کسی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں، حج کیلئے آئے تھے، ان حضرات کی وجہ سے بہت آسانیاں ہوئیں۔

مکہ مکرمہ کے قیام کے آخری دنوں میں میرے بہت ہی عزیز دوست، کلکتہ کے نامور عالم مولانا شرافت ابرار صاحب ملے، وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج میں آئے تھے، طالب علمی کے زمانے میں انہوں نے ہمارے گھر کی بہت خدمت کی تھی، اور اب تک ان کی خدمتیں مختلف عنوانوں سے جاری رہتی ہیں، ان کی اہلیہ بھی میرے بہت ہی عزیز دوست مولانا ابوذر اور مولانا ابوالخیر کی بہن ہے۔ پھر ان دونوں نے مل کر میری اور میری اہلیہ کی بہت خدمت کی، ان کی قیام گاہ حرم پاک سے متصل تھی، اس کی وجہ سے میری اہلیہ کو بہت آسانی ہوگئی۔

یکم محرم ۱۴۲۴ھ کو مدینہ شریف کیلئے روانگی ہوئی، شام کو مغرب کے پہلے بس کا پہیہ گھوما، اور راستے میں رکتے رکاتے فجر کی نماز سے پہلے مدینہ طیبہ **علیٰ صاحبہا صلوات اللہ وسلامہٗ** میں اذن حضوری ملا۔ دربار نبوت میں لرزتے کانپتے حاضری دی، میں سوچتا رہا کہ اتنا خراب اور گندہ دل لے کر کیونکر اس پاک جناب میں باریابی کی سعادت حاصل کروں، توبہ واستغفار کرتا ہوا، اللہ تعالیٰ سے ستاری کی دعائیں مانگتا ہوا حاضر خدمت ہو ہی گیا، مواجہ شریف کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوئی، ایک کھمبے کے قریب نیچے دروں نیچے بروں کی حالت بنائے سر جھکا کر کھڑا ہوگیا، پھر ایسا محسوس ہوا کہ رحمت کی گھٹا اٹھی، اور صحرائے جسم وجاں پر برس گئی، سخت گرمی اور گرد وغبار کی کثافت کے بعد آدمی نہا کر جیسا سبک روح اور شگفتہ بدن ہو جاتا ہے، اسی جیسی کوئی لطیف کیفیت نمودار ہوئی، میں حضور رسالتِ

مآب (ﷺ) میں صلوٰۃ وسلام کے بعد عرض گزار ہوا کہ حضور والا! اس شہرِ مبارک میں آپ کا یہ امتی! گناہگار وخطا کار امتی! حاضر ہے، اور آپ کی نگاہ کرم کا منتظر ہے۔ دور سے آیا ہے، حضرت والا کا مہمان بننا چاہتا ہے۔

اسی دن عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا--- قیام گاہ یہاں بھی مسجد نبوی سے اتنی ہی دور تھی، جتنی مکہ مکرمہ میں حرم شریف سے دور تھی--- درمیان میں ایک پی۔ سی۔ او سے اپنے پرانے مخدوم دوست مولانا حافظ محمد مسعود صاحب کو فون کرنے لگا، ادھر سے آواز آئی، آپ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ مدینہ میں ہوں۔ ہاں! لیکن کس جگہ؟ میں نہیں جانتا، صرف اتنا جانتا ہوں کہ مدینہ پاک کی سرزمین پر ہوں؟ کچھ پتہ بتایئے، تو میں آجاؤں؟ مجھے کچھ پتہ نہیں ہے، صبح کو فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں باب الملک فہد پر آجایئے، وہیں ملاقات ہوجائے گی، نہیں میں ابھی آنا چاہتا ہوں، آپ کچھ اتہ پتہ بتایئے، پی۔ سی۔ او والے سے پوچھیے؟ میں اس کی زبان نہیں سمجھتا، وہ میری زبان نہیں سمجھتا، البتہ یہاں ایک سرنگ ہے، سڑک پر طریق ابی بکر اور طریق عثمان بن عفان کا بورڈ لگا ہے، اچھا وہاں دیکھئے، کہیں مُجمَّع داؤدیہ کی عمارت تو نہیں ہے، جی میں اسی کے پاس ہوں! پھر وہیں رہیے، میں پانچ منٹ میں آتا ہوں، اور واقعی وہ پانچ منٹ میں گاڑی لے کر آگئے، بڑی محبت سے ملے، گلے لگایا۔ رسول ﷺ کی میزبانی شروع ہوگئی، پیدل چلنا موقوف! حافظ صاحب گاڑی لے کر موجود رہتے، جہاں جانا ہوتا۔ وہ نائب رسول بن کر مہمان رسول کی خدمت کیلئے ہمہ تن تیار رہتے، عورتوں کیلئے آسانی ہوگئی، حافظ صاحب اپنی گاڑی سے حرم نبوی میں پہونچا دیتے، پھر واپس لے آتے۔

مجھے قیام گاہ تک پہونچایا۔ دوسرے دن فجر کے بعد تشریف لائے، وہ ایک مسجد میں جو احد پہاڑ کے دامن میں ''مسجد رحمت'' کے نام سے موسوم ہے، امام ہیں۔ اور مسجد ہی کے مکان میں اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں، وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، ابھی ہم وہاں بیٹھے ہی تھے کہ ایک بزرگ تشریف لائے، ملاقات ہوئی، تعارف ہوا، حافظ صاحب نے ان سے

میرا تعارف پہلے سے کرا رکھا تھا۔ یہ قاری محمد رمضان صاحب تھے، مدرسہ شرعیہ میں مدرس ہیں، پاکستان کے رہنے والے، بہت خوش اخلاق، سبک روح اور باغ و بہار بزرگ ہیں۔ جب ذرا بے تکلفی ہوئی تو شام کی دعوت انھوں نے پیش کی، میں نے عرض کیا کہ اہل مدینہ کی دعوت رد نہیں کی جاسکتی، اور اپنے جی میں کہا کہ یہ تو سرکار کی دعوت ہے، پھر تو دعوتوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ آخر دن تک دعوتیں ہی دعوتیں تھیں۔ حافظ صاحب اپنی گاڑی سے لے جاتے، پورے قافلے کو لیجاتے، کھلا پلا کر واپس پہونچا دیتے۔

قبا میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے یہاں حاضری دی، حضرت مولانا کا تذکرہ میں ''بطوافِ کعبہ رفتم .....'' میں کر چکا ہوں، بہت محبت فرماتے ہیں۔ دیر تک ان کی خدمت میں حاضری رہی، ابراہیم پور کے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی، داؤد پور کے ڈاکٹر شمیم صاحب کے یہاں حاضری دی، ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ نے تو کمال ہی کیا، حکم دیا کہ استعمالی کپڑے اتار کر رکھ دیجئے، ہم اپنے گھر لے جا کر دھو کر پریس کر کے واپس کریں گے۔ بڑی شرم آئی، مگر میزبانی رسول (ﷺ) کی تھی، ان کے سامنے ایک عذر نہ چلا، وہ ہر روز آتے کپڑوں کا مطالبہ کرتے، حرمین شریفین میں کپڑے بہت کم میلے ہوتے ہیں، نہ ان میں بو آتی نہ گندے ہوتے، اس لئے بدلنے کی نوبت کم ہی آتی، پھر بھی وہ آٹھ دن میں دو مرتبہ تقاضا کر کے کپڑے لے گئے، اور صاف ستھرا دھو کر پہونچا گئے۔ ان کی اہلیہ کئی مرتبہ قیام گاہ پر آئیں، اور جب آئیں تو پورے قافلہ کا کھانا پکا کر لے آئیں، میرے سامنے تو ہر وقت رسول اکرم ﷺ کی صورت جمال جلوہ گر رہتی کہ یہ سب حضرت کی عنایات ہیں۔ میرا ریشہ ریشہ محبت نبوی میں بھیگا تھا۔ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتا تو ایسی جگہ بیٹھتا کہ گنبد خضراء نگاہوں کے سامنے ہو، اور جب اس سبز گنبد پر نگاہ پڑتی، دل امنڈنے لگتا، آنکھیں برسنے لگتیں، اور صاف محسوس ہوتا کہ میں حضور (ﷺ) کی مجلس مبارک میں حاضر ہوں، درود پڑھتا، تو اپنے کو آپ کے بہت قریب محسوس کرتا، پھر میں نے سوچا کہ آپ کو قرآن سناؤں، پھر اس خیال اور حال کا ایسا غلبہ ہوا کہ جب قرآن کی تلاوت شروع کرتا تو

تصور میں، میں آپ کی صورت مقدسہ کے سامنے آجاتا، اور جھوم جھوم کر قرآن سنانا شروع کردیتا، اس تلاوت میں جو حلاوت حاصل ہوئی اور جو کیف ملا۔ یاد نہیں کہ کبھی وہ حلاوت حاصل ہوئی ہو اور کبھی وہ کیف ملا ہو۔

مدینہ طیبہ میں نو دن قیام رہا، برابر موردِ عنایات رہا، نہ کبھی طبیعت بے کیف ہوئی، اور نہ کبھی تکان محسوس ہوئی، مہربانیاں ہی مہربانیاں، عنایتیں ہی عنایتیں!

ایک دن فجر کی نماز سے قبل مسجد نبوی میں حاضری ہوئی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ، بمبئی کے حاجی رضوان صاحب، اور سیوان کے حضرت قاری امیر حسن صاحب موجود ہیں، قاری صاحب مدظلہٗ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ کے مدرسہ میں مدرس ہیں، نہایت نیک اور بزرگ شخص ہیں، ان کی نیکی اور ان کی بزرگی ان کے چہرے سے پھوٹی پڑتی ہے، چہرہ اتنا نورانی ہے کہ ہر شخص ان کے نورِ قلب کی گواہی دے۔

فجر کی نماز سے فارغ ہوکر ان حضرات کی خدمت میں بیٹھا تھا، کہ ایک ہلکے پھلکے بدن کے، متوسط قامت بزرگ ہاتھ میں عصا لئے اور بغل میں ایک فولڈر کرسی دبائے ادھر سے گزرے، انھوں نے حاجی رضوان کے کندھے پر عصا رکھ کر دبایا، اور چہرے پر ایک نورانی اور دلنواز مسکراہٹ پھیل گئی، حاجی رضوان نے سر گھما کر ادھر دیکھا تو بے ساختہ کھڑے ہوگئے، پھر قاری صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔ میں نے بھی ان دونوں بزرگوں کی پیروی کی، مصافحہ ہوا، غالباً معانقہ بھی ہوا۔ انھوں نے کھڑے کھڑے بے تکلف باتیں شروع کردیں، لہجہ بہار والوں کا تھا، آنکھوں میں خاص طرح کی چمک تھی، گفتگو میں قدرے روانی تھی، کچھ دیر کے بعد میں نے پوچھا کہ حضرت! کہاں کے رہنے والے ہیں؟ فرمایا یہیں کے، اس جگہ کے بعد کسی اور جگہ کی طرف نسبت نہیں ہوسکتی، بس یہیں کا ہوں، جب عمر یہیں گزری تو کہیں کا نہیں ہوں، یہیں کا ہوں، وہ جلدی جلدی بولتے رہے مگر یہ بتا کر نہیں دیا کہ کہاں کے ہیں، کھڑے کھڑے تھک گئے تو اپنی فرشی کرسی بچھالی، اور معذرت کی، میں اپنی

تکلیف کی وجہ سے اسی پر بیٹھوں گا، پھر ہم لوگ بھی بیٹھ گئے، وہ باتیں کرتے رہے، اپنے مکشوفات بے تکلف بتاتے رہے، پہلے انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی حیات پر گفتگو کی، کہ آپ قبر میں زندہ ہیں، دوزانو بیٹھے رہتے ہیں، میں نے ہمیشہ اسی طرح بیٹھے دیکھا، پھر یہ بھی کہنے لگے کہ حضرت زائرین کی طرف رخ کر کے نہیں بیٹھتے، دوسری طرف چہرۂ انور کیے رہتے ہیں، لوگ اپنی صورتیں بھی اور اپنے دل بھی بگاڑ بگاڑ کر خدمت میں آتے ہیں، تو آپ ان کی طرف رخ ہی نہیں کرتے، سلام کا جواب بھی کسی کسی کو دیتے ہیں، ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! ملا عمر اور اسامہ بن لادن کے بارے میں کچھ بتائیے؟ فرمایا کہ دونوں زندہ ہیں۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے، آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا، یہ دونوں بے قصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی حفاظت فرمائی۔ طالبان پھر ظاہر ہوں گے۔ ان شاء اللہ، پھر کچھ دیر تک طالبان کا تذکرہ کرتے رہے۔ یہ سب وہ اس طرح بیان کر رہے تھے، جیسے ان کا مشاہدہ ہو، میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ جانے اس شخص کا کیا حال ہو؟ یونہی گپ ہانک رہا ہے یا اس کے کلام میں کچھ سچائی بھی ہے، میرے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ ان کا موضوعِ سخن بدل گیا، فرمانے لگے: مومن کہیں جھوٹ بولتا ہے، ایمان اور جھوٹ میں تضاد ہے، جھوٹ نفاق کی بنیاد ہے، پھر بڑی دیر تک جھوٹ کی قباحت وشناعت پر تقریر کرتے رہے، میں اپنے دل میں شرمندہ ہوا کہ ناحق میرا دل بدگمانی میں مبتلا ہوا، بہت دیر تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک وہ باتیں کرتے رہے، ان کی باتوں میں بڑی حلاوت تھی اور بڑا اثر تھا۔

ان کے جانے کے بعد میں نے حاجی رضوان اور قاری امیر حسن صاحب سے ان کے متعلق پوچھا، تو دونوں حضرات نے لاعلمی ظاہر کی، حاجی صاحب نے اتنا بتایا کہ بس یونہی کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے، لیکن وہ دیر تک باتیں نہیں کرتے، علیک سلیک کے بعد رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن آج تو انھوں نے بڑی تفصیل سے باتیں کی، مفتی عبدالرحمٰن صاحب جدہ سے آئے، تو میں نے ان سے تذکرہ کیا، ہم دونوں اس دن اور اس کے بعد بھی

انھیں تلاش کرتے رہے، مگر کہیں ان کا سراغ نہیں ملا، حاجی رضوان سے ذکر کیا، تو انھوں نے کہا کہ مت ڈھونڈیئے، وہ از خود ہی کبھی مل جاتے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔

اس حج میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مہربانی یہ ہوئی کہ واپسی کیلئے جدہ نہیں جانا پڑا۔ مدینہ ہی سے ہوائی جہاز پر بیٹھے اور دلی اتر گئے۔ سفرِ حج میں کم کرتے کرتے بھی سامان زیادہ ہو ہی جاتا ہے، حاجیوں کیلئے زمزم دس لیٹر کے علاوہ ۴۵/ کیلو لگیج میں اور دس کیلو ہاتھ میں فری تھا۔ اس کے بعد ہر کیلو پر ۱۳/ ریال محصول ادا کرنا پڑے گا۔ میں ہراساں تھا کہ ہوائی اڈہ پر بس سے سامان اتارنا، اسے اندر لے جانا، وزن کرانا، محصول ادا کرنا سب ایک لمبا اور مشکل عمل ہے، قیامگاہ پر تو مددگار بہت تھے، ہوائی اڈہ کے اندر مسافروں کے علاوہ کوئی جا نہیں سکتا، ضعفاء اپنا اپنا سامان کیسے سنبھالیں گے۔

مگر قربان جائیے اللہ کی مہربانی کے، اور رسول کی رحمۃٌ للعالمینی کے، بس ہوائی اڈے پر پہونچی، مسافروں سے کہا گیا آپ لوگ سب سامان چھوڑ کر اندر جائیے، اب ہمیں نہیں معلوم ہمارے سامان کس نے اتارے، تولے گئے یا نہیں، کس طرح اندر پہونچے، ہمیں تو وقت پر حکم ہوا کہ ہوائی جہاز پر سوار ہو جائیے، ہم سوار ہو گئے، میرے ساتھ کچھ ایسا معاملہ پیش آیا کہ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ بالکل آخر میں جہاز کے اندر پہونچا، جہاز کے بورڈنگ کارڈ پر سیٹوں کا نمبر نہیں لکھا ہوا تھا، جس کو جہاں جگہ ملی قبضہ کر کے گیا، مجھے اکٹھی دو سیٹوں کی تلاش تھی جو نہیں مل رہی تھی، میں نے ایر ہوسٹس سے کہا کہ دو سیٹیں اکٹھی مہیا کرو، اس نے صبر کی تلقین کی، میں نے کہا جتنی دیر تک کہو میں صبر کروں گا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور اپنے ساتھ آنے کا مجھے اشارہ کیا، میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، اس نے فرسٹ کلاس کی دو نہایت عمدہ اور آرام دہ سیٹوں پر ہمیں بیٹھا دیا، کریم میزبان نے اپنے ایک نہایت ناکارہ اور گنہگار مہمان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔

یاربِّ صلِّ وسلِّم دائمـاً أبداً

علیٰ حبیبک خیر الخلقِ کلھم

پھر بہت آرام سے صرف چار گھنٹے میں دلی کے ایر پورٹ پر اتر گئے، یہاں استقبال کیلئے میرے تین بیٹے حافظ محمد عادل، مولوی حافظ محمد عابد، مولوی محمد عامر اور چوتھا انھیں جیسی محبت رکھنے والا ابو طالب اور میرے بزرگ دوست حاجی محمد شمیم وکیل، ان کے صاحبزادے دلی کے میرے میزبان شاہد شمیم، اور وکیل صاحب کے بہنوئی ماسٹر محفوظ صاحب پرنسپل مولانا آزاد انٹر کالج انجان شہید، اعظم گڈھ اور ان کے صاحبزادے موجود تھے۔ اس طرح شانِ جلال کے مجاہدات سے شروع ہوکر رحمت و جمال کے مشاہدات پر یہ مبارک سفر پورا ہوا۔

سعودی تاریخ کے لحاظ سے ۱۰ر محرم کو اور ہندوستانی تاریخ کے لحاظ سے ۹ر محرم کو ہم دلی اتر گئے، یعنی ۱۰ر محرم کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۹ر محرم کو دلی پہونچ گئے۔

دیوانگانِ عشق شاید الٹی ہی چال چلتے ہیں، انگریزی حساب سے ۱۳ر مارچ کی تاریخ تھی ۲۰۰۳ء، اس امید کے ساتھ لوٹے کہ پھر شرفِ زیارت حاصل ہوگا۔

☆☆☆☆☆

رودادِ حرمین شریفین

(۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۶ء)

بقلم: الحاج نور اللہ صاحب دربھنگوی

مقدس ترین سفر، سفرحج کا تصور ہی سیہ کار، گنہ گار کو لرزا دیتا ہے، پر اللہ غفور رحیم کی عفو و رحمت اسے اپنی طرف اس طرح کھینچتی ہے کہ وہ اس کے بیت اقدس تک پہونچنے کے لئے تڑپ اٹھتا ہے۔

ناچیز بھی ایک عرصہ سے فریضۂ حج ادا کرنے کیلئے بیتاب تھا، لیکن اس گنہگار کو کسی ایسے برگزیدہ بندے اور ولی اللہ کی ضرورت تھی جس کے طفیل اس کے گناہ معاف ہوجائیں۔ اللہ نے کرم فرمایا اور اپنے ایک مقبول بارگاہ بندے کی رفاقت و ہمنشینی عطا فرمادی، حضرت اقدس مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے ساتھ جانا طے ہوا، اسی درمیان حضرت پر پے درپے دوبار فالج کا حملہ ہوا، اور سفر ملتوی ہوگیا، اللہ نے خیر فرمایا حضرت کی صحت بحال ہوئی، تو آرزو نے کروٹ لی اور شوق انگڑائیاں لے کر اٹھ بیٹھا، مگر دقت یہ تھی دو الگ صوبوں سے اکٹھا درخواست کیسے دی جائے، حضرت کے شاگرد حافظ عبد الجبار صاحب کے توسط سے مرکزی کوٹہ نئی دہلی میں درخواست جمع کی گئی، حافظ صاحب نے بہت کوشش کی، لیکن درخواست دہندگان کے ہجوم کی وجہ سے منظوری نہیں ملی، امید و بیم کے درمیان کسی طرح درخواست ممبئی منتقل کی گئی۔ حضرت بھی ممبئی پہونچ گئے، میں اپنے وطن میں خوشخبری سننے کا منتظر رہا، ممبئی میں قیام کے دوران مولانا لیاقت، بھائی اسلم، منیر بھائی اور دیگر شیدائیان حضرت کے فیوض سمیٹتے رہے، مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی کی باغ و بہار شخصیت ساتھ ساتھ رہی، حضرت نے حج کمیٹی مہاراشٹر کے چیف ایکزیکٹو عبد الرشید ملک

کشمیری سے براہ راست ملاقات کی، پہلی ہی ملاقات میں ملک صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ ہر کام آسان ہوگیا، منظوری کا مژدہ ملتے ہی حضرت نے مجھے خبر کی، میں وارفتگی کے دوش پر سوار ہو کر ممبئی پہونچا، حضرت بھائی اسلم صاحب کے چھوٹے مگر خوبصورت مکان میں مقیم تھے، ہر طرح کی سہولت اور آسانی رہی۔

آخر وہ مبارک ومسعود ساعت آ ہی گئی جس کے لئے دن گنے جاتے تھے، اب احرام باندھ کر جہاز پر سوار ہونے کا مرحلہ تھا، مخلصین کے جھرمٹ میں ہم ایرپورٹ پہونچے، طائرِ تخیل نے تو پہلے ہی مسافت طے کرلی، البتہ جہاز شام دیر گئے جدہ کے وسیع وعریض ایرپورٹ پر پہونچا، ضروری کاروائی میں رات کا بیشتر حصہ گذر گیا، فجر کے وقت مکہ مکرمہ کی سرحد پر بس رُکی، نمازِ فجر ادا کی گئی، پھر روانگی ہوئی، جذبۂ عشق اور حالت خوف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخلہ ہوا، معلم کے دفتر پر بس نے خاصا وقت لیا، خیال تھا کہ بیت اللہ شریف سے دور عزیزیہ میں کہیں ٹھہرائے جائیں گے، لیکن واہ رے اللہ کی مہربانیاں! بہت ہی قریب، بیت اللہ سے چند فرلانگ پر واقع مسفلہ کے ایک ہوٹل میں جگہ ملی، کمرہ میں ہم دو کے علاوہ مدھیہ پردیش کے دو چار لوگ تھے، ضلع دھار، مدھیہ پردیش کے نثار خاں اور ان کی اہلیہ پہلی ہی نظر میں حضرت پر نثار ہوگئے، ان کا کچھ ایسا حال ہوا کہ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کے لئے بیکل ہوگئے، مجھ سے بھی سفارش وپیروی کرائی، انھیں یہ شرف مدینہ منورہ پہونچ کر حاصل ہوا۔

قیام گاہ پر پہونچ کر ذرا سی دیر میں تیار ہوکر ایک خوفزدہ بچے کی طرح اللہ جل شانہٗ کے بیت مقدس کی دہلیز پر قدم رکھا، کعبہ پر نظر پڑتے ہی ایک ہیبت طاری ہوگئی، بے ساختہ زبان پر دعا جاری ہوگئی اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں، تشنگی بڑھتی گئی، آبِ زمزم نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا، شب وروز حضرت کی معیت میں اللہ کی یاد میں گذرنے لگے، حضرت کے تعلق سے بہت سارے علماء وزہاد سے ملاقات ہوئی۔ مولانا ازہر صاحب رانچی، مولانا اجمل غازی پوری، مولانا ذاکر ابوالقاسم اڑیسہ، مولانا غلام رسول صاحب مغلسرائے، مولانا

اشتیاق صاحب مظفر پور کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔ حضرت کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبد الواحد صاحب سے ملاقات تو تاروں بھرے گگن پر مہتاب کے دیدار کے مانند تھی، حضرت شیخ فالج کے تازہ ترین حملے اور درازیٔ عمر کے باوجود عشق الٰہی میں کشاں کشاں چلے آئے تھے، ان سے ملاقات کے نقوش اب بھی دل پر ثبت ہیں۔ جدہ میں بھی حضرت شیخ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔

مفتی عبد الرحمٰن صاحب غازی پوری سراپا خدمت بن کر اکثر و بیشتر جدہ سے مکہ آتے رہے، حضرت نے فرمایا کہ آسانیاں مفتی عبد الرحمٰن کے ساتھ چلتی ہیں، اس کا خوب مشاہدہ ہوا، تقریباً روزانہ ہی بعد نمازِ عشاء باب ملک عبد العزیز کے باہر حضرت کے شناسا اور معتقدین سے ملاقات ہوا کرتی تھی، مولانا امیر الحسن، امام جامع مسجد جمشید پور، حکیم رشید احمد صاحب مبارکپوری اور مولانا ابوسعد صاحب بارہا عشائیہ کے لئے اپنی قیام گاہ پر لے گئے، جامع مسجد شہر اعظم گڈھ کے امام مولانا انتخاب عالم صاحب قاسمی کی صحبت بھی خوب رہی، ان کی سادگی اور نیکی کا اثر اب تک دل پر ہے، حضرت کے نوجوان شاگرد مولانا فرقان (انجان شہید) نے خوب ساتھ دیا، بعد حج بارہا ان کے ساتھ مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

حج کے دن آ گئے، قافلہ منیٰ پہونچ کر خیمہ زن ہوا، عرفات کی طرف جب کوچ کرنے کا وقت آیا تو مفتی عبد الرحمٰن صاحب کی رہنمائی میں ہم روانہ ہوئے، وہاں ایک پرائیویٹ ایجنسی کے خیمے میں ٹھہرے، حضرت کی موجودگی نے روح میں سوز و گداز پیدا کر دیا، دعا آنسو بن کر عرفات کی مٹی میں جذب ہوتی رہی، دل کو ایک گونہ آسودگی حاصل ہوئی، شام ہوئی تو مزدلفہ روانگی ہوئی، کچھ دوری پیدل طے کی، پھر گاڑی مل گئی، ایک جگہ کا انتخاب کر کے مزدلفہ میں اتر گئے، رات سرد تھی مگر دل گرم تھا، یہ احساس ہی حرارت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا کہ اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ ساتھ ہے، کتنا پاکیزہ سفر تھا، ہر قدم نیکی کی طرف اٹھ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ گناہ گرد راہ بن کر پیچھے چھوٹ رہا ہے۔ منیٰ پہونچ کر

رمی سے فارغ ہوکر طوافِ زیارت کے لئے مکہ روانہ ہوئے، پھر منیٰ واپس آئے، بس نے عزیزیہ میں جمرات سے کافی فاصلہ پر اتار دیا، ایک لمبی دوری طے کرنی تھی، چڑھائی بھی تھی، دردِ شکم نے مجھے پریشان کر رکھا تھا، حضرت بھی تکلیف میں مبتلا تھے، اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل شامل رہا، بخیر وعافیت جمرات پر پہونچے، رمی کی، خیمہ کی طرف چلے تو راستہ بھٹک گئے، مسجد خیف سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے مسجد خیف کئی چکر لگ گئے، صبح تین بجے اللہ اللہ کرکے خیمہ ملا، حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تکان کا نام ونشان نہ تھا، توانائی اور تازگی سے بھرپور احساس نے جسم وجان میں سرور بھر دیا تھا، دوسرے دن قربانی اور حلق کے بعد حضرت کی ہدایت پر بعد عصر رمی کرتے ہوئے مکہ لوٹنا تھا، اسی بیچ حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی کہ سیکڑوں لوگ جمرات پر بھیڑ میں کچل کر جاں بحق ہوگئے، ہوا یہ کہ سامان سے لدے پھندے لاکھوں لوگ رمی کے لئے جمرات کی طرف رواں دواں تھے کہ جلد بازی اور زور آوری میں بھیڑ بے قابو ہوگئی، جس کے نتیجے میں یہ حادثہ پیش آیا۔ ہم لوگ بعد مغرب خیمہ سے نکلے، بہت آسانی سے رمی کی اور مکہ لوٹ گئے۔

ایام حج کے بعد حضرت کے ایک نوجوان عقیدت مند کی کوشش سے باب ملک عبد العزیز کے قریب اشراف میں جگہ مل گئی، روحانی فضا تھی اور حضرت کی معیت میں دل یادِ الٰہی میں محو تھا، ہر نماز کے بعد نماز جنازہ کا اعلان دنیائے فانی کی یاد دلا رہا تھا۔

مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے ایک نوجوان شاگرد گاڑی لے کر آ گئے، ان کے ساتھ مقدس مقامات کی زیارت کے لئے نکلے۔ غارِ ثور، غارِ حراء، کی دشوار گزار گھاٹیوں اور بلندیوں کو دیکھ کر پیارے رسول ﷺ کی صعوبتوں کے تصور سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور پورا وجود گرفتہ ہوگیا۔

سعودیہ عربیہ میں اسلامی ادبی عربی کتابیں ایک سے بڑھ کر ایک جدید خوبصورت طباعت کے ساتھ دستیاب ہیں۔ حضرت کی بڑی خواہش تھی کہ پیسے کا نظم ہوجائے، تو ضرورت کی کتابیں جدہ اور مکہ سے خرید لی جائیں۔ موبائل پر ایک صاحب سے بات چیت

ہوئی، انھوں نے رقم بھیجنے کا وعدہ کیا، نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ غیر معمولی تاخیر ہوگئی، رابطہ بھی ٹوٹ گیا، حضرت کو قلق ہوا کہ کیوں کسی پر تکیہ کیا۔ بعد حج عمرہ کی سعی کے درمیان حضرت پر رقت طاری ہوگئی، ندامت آنسو بن کر ٹپکنے لگی، سعی مکمل ہوتے ہی اللہ کی جانب سے استجابت کا پروانہ آ گیا، فون آیا کہ رقم بھیج دی ہے، فلاں شخص سے وصول کر لیں، دعاء کی قبولیت کی کیسی پھڑکتی یہ مثال ہے۔

قیام مکہ کے ایام تمام ہو رہے تھے، مکہ چھوٹنے کا غم اور مدینہ پہونچنے کی خوشی قریب آ رہی تھی، آخر کار مدینہ روانگی کے دن اور وقت کا اعلان ہوگیا، سامانِ سفر سمیٹ کر ہم لوگ بس میں سوار ہوگئے، اللہ کی یاد اور رسول ﷺ کی محبت سجا کے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆☆☆☆☆

بس مدینہ جانے والی چکنی سڑک پر پھسلتی چلی جا رہی تھی، دونوں طرف سنگلاخ زمین پر نظر گئی۔ آنحضرت ﷺ کے سفر ہجرت کا خیال آ گیا، ایک ایک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اونٹ کی سواری، موسم کی سختی، تپتی ہوئی وادی، طویل دوری اور دشمن کا خطرہ...... کس قدر دشوار گزار سفر رہا ہوگا، تصور محال ہے، اور آج ہم ان کے گنہ گار امتی ایرکنڈیشنڈ بس میں کتنے آرام سے مسافت طے کر رہے ہیں، یہ سوچ کر دل بھر آیا، آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ زبان پر درود و سلام جاری ہوگیا، گو دوری سمٹ رہی تھی، مگر بے تابی بڑھ رہی تھی۔ آخرش مسجد نبوی کی جھلک نظر آئی۔

مدینہ میں ہوٹل کے جس کمرہ میں جگہ ملی، وہ مسجد نبوی سے متصل تھا، کھڑکی کھولتے ہی ٹھیک سامنے گنبد خضراء پر نظر پڑی۔ محسن اعظم ﷺ کا پیکر آنکھوں میں سما گیا، دل بے قرار ہوگیا، پر گناہ گاری کے خیال نے شرمسار کر دیا کہ کیا منہ لے کر حاضر ہوگے؟ ڈھارس تھی کہ حضرت ساتھ ہیں، ڈرتے ڈرتے حضرت کے پیچھے پیچھے مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس کی شان و شوکت دیکھ کر مبہوت رہ گیا، ہر قدم پر حسن بکھرا ہوا تھا، ترکوں کا تعمیر کردہ حصہ خوبصورت نقش و نگار سے مرصع تھا، اور نبی پاک ﷺ سے ان کے والہانہ تعلق کا پتہ دے رہا تھا

، نظر اٹک کر رہ گئی۔ نماز ادا کر کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، سلام و درود پیش کیا، شیخین مکرمین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھی تسلیم بجالایا۔ خیال آیا کہ ان دونوں کی بزرگی میں بھلا کسے شک ہوسکتا ہے، جو قرب انھیں حضور ﷺ کی زندگی میں حاصل تھا، آج بھی میسر ہے۔ اللہ نے اسے دوام بخش دیا ہے، اب جو کوئی بھی ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔

مسجد میں جدید طرز کی دو چھتریاں لگی ہوئی ہیں، جو دن میں کھول دی جاتی ہیں، اور سائبان کا کام کرتی ہیں، پھر شام کو بند کر دی جاتی ہیں، ایک چھتری کے نیچے اس جگہ پہونچا جہاں سے گنبد خضراء صاف نظر آتا ہے، یہی وہ مقام ہے، جہاں ایک سفر میں حضرت بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اسی جگہ متعدد بار دوران تلاوت بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

ایک دن فون پر حضرت کے چھوٹے داماد مولانا ابرار صاحب نے خواب میں آپ ﷺ کے دیدار کا مژدہ سنایا کہ وہ حضرت کے ساتھ روضۂ اقدس میں داخل ہو رہے ہیں، اور پیارے نبی ﷺ اپنا دست مبارک حضرت کے شانے پر رکھے ہوئے ہیں، اس خوش بختی پر آسمان بھی نازاں ہوا ہوگا۔ حضور ﷺ کے عشق نے نہ جانے کتنے ذروں کو آفتاب بنا دیا۔

مدینہ کے قیام کے دوران حضرت کے چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ حافظ مسعود صاحب، پاکستان کے رہنے والے، اور وہاں سے شائع ہونے والے رسالہ ''حق چار یار'' کے مدیر! رنگ یار بکھیرتے رہے۔ بارہا ان کی قیام گاہ پر طعام کا شرف حاصل ہوا، اور ان کی گاڑی سے اِدھر اُدھر جانے کا! ایک صبح ناشتہ کی دعوت پر حافظ مسعود صاحب کے ساتھ ہم لوگ قاری رمضان صاحب کی وسیع و عریض رہائش گاہ پر پہونچے۔ موصوف کثیر الاولاد ہیں ، اور ایک ہی اہلیہ سے تقریباً دو درجن بچے ہیں، اور سب کے سب حافظ و قاری! اللہ کی شان نرالی ہے، ان کی اہلیہ بڑی باہمت خاتون ہیں، ان کی جرأت کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ پہلے یہ خاندان ایک عمارت کی ساتویں منزل پر رہتا تھا، ایک بار اس منزل میں آگ لگ گئی،

آگ بجھانے والے عملے نے نیچے جال لگا دیا۔ خاتون نے اپنے ایک شیر خوار بچے کو جال پر پھینک دیا، اور خود سیڑھی سے اتر آئیں۔

بعد ناشتہ قرأت ونعت کی محفل سجی، مئو آئمہ (الہ آباد) سے آئے ہوئے قاری رحمت اللہ صاحب نے بھی اپنی آواز کا جادو جگایا۔ مفتی عاشق الٰہی صاحب بھی موجود تھے، ان کی شخصیت میں بڑی جاذبیت تھی، گفتگو بہت خوبصورت کرتے تھے، دل موہ لینے والا انداز! پرہیزگاری تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی محتاط اس قدر کہ جب سے وہاں مقیم ہیں، ثلاجہ والا گوشت کبھی خرید کر نہیں کھایا ہے کہ مشکوک ہوا کرتا ہے۔ ان سے بار بار ملاقات ہوئی، حضرت سے انھیں دلی تعلق ہو گیا، دعوت دے کر گھر بھی بلایا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت کے پرانے شناسا ہیں، WAMY سے وابستہ ہیں، مسجد قبا کے قریب رہتے ہیں، دوبار ان کے یہاں حضرت کے ساتھ کھانے میں شریک رہا۔

میرے قریبی لوگوں میں عزیزی انظار احمد سلّمہٗ مدینہ طیبہ میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں، انھوں نے بڑی خدمت کی، تقریباً روزانہ ہی کھانا لے کر آجایا کرتے تھے۔ نتیجتاً ایک بار بھی کھانے کے لئے ہوٹل کا رخ نہیں کرنا پڑا۔ مسجد قبا تین بار جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک دن وہاں ایک خوش پوش بزرگ سے ملاقات ہوئی، بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے، عطر لگایا، ان کی محبت پاشی کی خوشبو اب بھی محسوس ہو رہی ہے۔

مقامات غزوات دیکھنے کا بڑا ارمان تھا۔ حافظ مسعود صاحب اور عزیزی انظار کے ساتھ ان مقامات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ سیّد الشہداء اور دیگر شہدائے کرام کی اجتماعی قبریں بھی دیکھیں۔ دل ودماغ کے پردے پر ایک ایک واقعہ ابھرنے لگا۔ ایمان جوش مارنے لگا، وہاں گذرے ہوئے لمحات جب بھی یاد آتے، صحابۂ کرام کی عظمت کا احساس تازہ ہو جاتا ہے۔

جنت البقیع کی زیارت کے موقع پر حضرت کے ساتھ کئی علماء کرام بھی تھے، قبروں میں آرام فرما اصحاب کرام اور اولیاء اللہ کی تصویریں لوحِ دل پر ابھر آئیں، حکومت

نے تمام علامتوں کو اس طرح مٹا دیا ہے کہ کسی قبر کا پہچاننا ممکن نہیں ہے، وہاں ایک لطیفہ پیش آیا، ایک نوجوان نے جو زائرین کی نگرانی کر رہا تھا سلام کیا، مولانا غلام رسول صاحب نے جواب دیا، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا، نوجوان نے اعتراض کیا کہ سلام ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے، مولانا نے پیار بھرے لہجہ میں کہا کہ برخوردار سلام منہ سے کیا جاتا ہے، ہاتھ سے تو مصافحہ کیا جاتا ہے، اس لطافت بیانی نے نوجوان کو خاموش کر دیا۔

بے شک مدینہ کا ذرہ ذرہ عقیدت ومحبت کا آفتاب ومہتاب ہے۔ افطار کے وقت چھوٹے چھوٹے بچے ضیافت کیلئے سراپا تواضع بنے رہتے ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب ......جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے...... کے صاحبزادے مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے ایک صبح مسجد نبوی میں ملاقات ہوئی۔ مہاجر بچوں کو حفظ کرانے پر مامور ہیں۔ حضرت سے اپنے ابا حضور کی مہمان نوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ موت سے قبل صرف اس بات کی فکر ان کو کھائے جا رہی تھی کہ میرے لڑکے نے مہمان کا خاطر خواہ خیال نہیں رکھا، حالانکہ ان کو ہر طرح سے اطمینان دلایا گیا کہ بعد طعام وہ اپنے مستقر پر لوٹنا چاہتے تھے، اس لئے کرایہ دے کر روانہ کر دیا گیا، لیکن ان کے دل میں پھانس پڑ گئی، جس کا درد لئے وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ پیارے رسول ﷺ کی ایک ایک ادا کا کیسا کیسا نمونہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما جاتے ہیں، رشک آتا ہے۔

بڑی تمنا تھی ان بزرگ سے ملنے کی، جن کا تذکرہ سابقہ حج کی روداد میں حضرت نے کیا تھا۔ روانگی سے ایک دن قبل دوسری چھتری کے نیچے ان سے ملاقات ہوئی، نحیف و ناتواں، معذور کرسی لگائے بیٹھے تھے، جنت کی نعمتوں کی چاشنی ان کی زبان سے ٹپک رہی تھی۔ مفتی عبدالرحمٰن صاحب ساتھ تھے، بزرگ سے ان کی بے تکلفی تھی، وہ بھی بذلہ سنج تھے۔ دھیمے لہجے میں فرما رہے تھے "مری ہوئی مرغی کھا کر دعاء کروگے تو کیا قبول ہوگی" ہمارے مکہ ومدینہ کے دورانِ قیام نمازِ استسقاء پڑھی گئی تھی، لیکن بارش نہیں ہوئی، اسی پس منظر میں ان کا یہ تبصرہ تھا۔ افسوس مغرب پرستی نے وادئ حرمین کو بھی حلال طعام سے محروم کرنے کی سازش

کررکھی ہے۔ انھوں نے ایک بات اور کہی کہ جو حضور پاک ﷺ کی روح کو روضۂ اقدس میں موجود نہیں مانتے ہیں، ان سے پوچھو میرے کان میں حضور پاک ﷺ کی آواز کیسے آرہی ہے۔

گو مسجد نبوی کے ریاض الجنۃ اور صفہ میں خاصا وقت گذرا، پر دل کو سیری نہ ہوئی، وقت رخصت عجب کیفیت تھی۔ ایک محرومی، ایک تشنگی ستارہی تھی اور الوداعیہ سلام غمزدہ کررہا تھا۔ حضرت نے اس گھڑی دعاء کی کہ اپنے کسی پیارے بندے سے ملا، سلام پیش کر کے لوٹتے ہوئے ایک بزرگ نے حضرت کو مخاطب کیا اور کہا کہ آج آپ رخصت ہورہے ہیں نا! نہ کبھی کی ملاقات نہ کسی طرح کی شناسائی، یقیناً اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہوگی۔

مدینہ سے ۱۵۔۱۵؍کلو کھجور لے لی گئی، وزن زیادہ ہوگیا تھا۔ معلوم ہوا کہ ۳۰؍کلو سے زائد کی اجازت نہیں ہے، کھجور کی تھیلیاں تو مدھیہ پردیش کے ساتھیوں کے سامان میں شامل کردی گئیں، اب باقی سامان کے اضافی وزن کا مسئلہ تھا، حضرت نے توجہ فرمائی، وزن کرنے والا مہربان ہوگیا اور بہ آسانی یہ مرحلہ طے ہوگیا۔

حضرت کے سفر حج کے ایک پرانے رفیق مفتی محمد عمر صاحب بھی ممبئی ہی سے ساتھ رہے، واپسی بھی ساتھ ہی ہوئی۔ مدینہ ایرپورٹ پر خاصا وقت گذارنا پڑا، بھوک ستانے لگی، سوکھی روٹی اور چاٹ مسالہ تھا، ہم لوگوں نے کھا کر پانی پیا، بڑا لطف آیا۔ جہاز کی پرواز میں دیر تھی، عصر کا وقت ہوا چاہتا تھا، گھڑی پر نظر تھی کہ وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے، اسی اثناء میں ہندوستانی عملہ کا ایک فرد مصر ہوگیا کہ جہاز کی طرف کوچ کرو، جبکہ کچھ لوگ لانج میں موجود تھے، اس کی شدت پسندی کھل رہی تھی، انداز بھی گستاخانہ تھا، خیر کی نماز ادا کر کے ہی ہم لوگ جہاز پر سوار ہوئے۔

ممبئی ہوائی اڈے پر مولانا مستقیم صاحب اور زیدی صاحب...... جو ایرپورٹ میں کسی اونچے عہدے پر فائز ہیں...... وہ اور ان کے ماتحت موجود تھے، ضروری مراحل طے کر کے باہر آگئے، ایک روز ممبئی میں ٹھہر کر اپنے اپنے گھر لوٹ گئے۔

رودادِ حرمین شریفین

(۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء)

ذکر حج ومکہ مکرمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات بندوں پر ان کے استحقاق کے بغیر ہمہ وقت برستے رہتے ہیں، کوئی کمال نہیں، کوئی ہنر نہیں، کوئی عمل نہیں بلکہ بے عملی وناکارگی سے داغ داغ ہے، مگر حق تعالیٰ کی عنایتیں ہیں کہ متوجہ ہیں، آدمی دھوکا کھانے لگتا ہے کہ شاید وہ کچھ ہے جس کی قدر شناسی ہو رہی ہے، مگر حقیقت صرف اتنی ہے کہ ؎

خواجہ خود روش بندہ پروری داند

وہ جو خالق ومالک ہے، وہ جو رب کائنات ہے، وہ جو رؤوف ورحیم ہے، بس وہی نوازتا ہے، وہی رحم فرماتا ہے، ورنہ انسانوں کی شامت اعمال پر آسمان سے پتھر برس جائیں، زلزلہ سے زمین پھٹ جائے، ہر چہار جانب آگ ہی آگ پھیل جائے، جو بھی ہو عین حق ہے۔

حق تعالیٰ کی شانِ رحمت بندوں پر انفراداً بھی ہے اور اجتماعاً بھی! حق تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اپنے ایک ایسے بندے کو جو خود کو بندہ کہتے ہوئے شرماتا ہے کہ وہ بندگی کی اداؤں اور غلامی کی نیازمندیوں سے عاری ہے، سراپا معصیت ہے، گناہوں میں لت پت ہے، بدن اس کا زندہ اور دل اس کا مردہ ہے، ایک ایسے ہی مہمل اور بے معنی وجود کو اپنی خاص جلوہ گاہ، اپنے پاک دربار اور اپنے آخری نبی (ﷺ) کی ڈیوڑھی پر حاضری کی اجازت

مرحمت فرمائی، پھر کرم بالائے کرم یہ کہ نیک اور صالح رفقاء کے زمرہ میں اسے رکھا۔

مولانا سعید احمد صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ دارالعلوم فرقانیہ اِکْسَڑْوَا ضلع مہراج گنج، مولانا لیاقت علی صاحب امام وخطیب مسجد بال واڑی، بھنڈی بازار ممبئی، مولانا حمید اللہ ندوی امام مسجد ساکی ناکا، ممبئی، جناب محمد الیاس بھائی، ممبئی، فرزند عزیز مولوی حافظ محمد عارف سلّمہٗ مدرس مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، ماشاء اللہ اکثر عالم وحافظ، اور نیک وصالح تو سب کے سب، ان لوگوں کی رفاقت میں خطاء وعصیان اور بیماری وکمزوری کے ایک پتلے کی بھی اچھی گزر گئی۔

اللہ کے احسان کے آگے دل بھی سربسجود ہے، اور قلم بھی تعظیم بجالاتا ہے کہ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور سے متعدد حضرات اس سال بیت اللہ شریف کی حاضری سے نوازے گئے اور حج کی سعادت انھیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جیسے انھیں پہونچایا، ویسے ہی قبول بھی فرمائے۔

مدرسہ شیخ الاسلام کے درجۂ عربی کے استاذ مولانا حافظ سفیان احمد صاحب قاسمی، درجۂ حفظ کے استاذ حافظ ولی اللہ صاحب، مکتب کے استاذ مولوی حافظ محمد عارف صاحب، شعبۂ اہتمام کے معتمد مالیات حافظ عبدالقادر صاحب (سَلَّمَہُمُ اللّٰہُ وَحَفِظَہُمْ) اور ان کے ساتھ یہ خاطی وعاصی راقم سطور!

اس سال اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اپنے زائرین وحجاج پر یہ بھی رہا کہ قیامِ عرفات کا دن یوم الجمعہ تھا، رسول اکرم فداہ ابی وامی ﷺ نے جب آخری حج کیا، اور اس وقت امت میں عام اعلان فرمایا تھا تاکہ لوگ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حج میں آپ کے ساتھ شریک ہوں، اسی حج کے چند مہینوں بعد آپ رب البیت کی جناب میں حاضر ہوگئے تھے، آپ کا یہ حج جو رہتی دنیا تک آپ کی امت کے حج کا امام ہے، جمعہ کے دن ہوا تھا، خوش نصیبی اور بلند بختی کے احساس سے خوش ہونے کے لئے ڈیڑھ ہزار سال کے بعد اتنی ہی موافقت بھی بہت بڑی چیز ہے، نیز ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا حج ستر حج کے برابر ہے۔

جمعہ کے حج کی وجہ سے اس سال خصوصی طور پر حجاج کرام کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، اللہ کے دیوانوں کا وہ ہجوم تھا، اور محبت الٰہی کی وہ جلوہ ریزی تھی کہ بس اللہ یاد آتا تھا، اور دین اسلام کی حقانیت روشن ہوتی تھی۔ مکہ مکرمہ کی سرزمین اللہ کے لئے، اللہ کے گھر آنے والوں کے ازدحام سے مالا مال تھی مگر برکت ووسعت کا وہ عالم تھا کہ **هل من مزيد** کی صدائے حال اکثر محسوس ہوتی تھی، روز وشب کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا، کہ مسجد حرام کی طرف قافلے کے قافلے رواں دواں نہ ہوں، شمع حرم کے گرد پروانے ہمہ وقت چکر لگاتے، پورے دن اور پوری رات پروانوں کی دیوانہ وار آمد ورفت اور گردش جاری رہتی، مسجد حرام کا وسیع وعریض رقبہ ہر وقت لبریز رہتا، لبیک کی پکار گونجتی رہتی، دعاؤں کی صدائیں بلند ہوتیں، ذکر کا زمزمہ فضا میں رس گھولتا، کوئی رو رہا ہے، کوئی ہاتھ باندھے حضور حق میں سرنگوں کھڑا ہے، کوئی سربسجود ہے، کوئی زیرلب مصروفِ تلاوت ہے، غرض عبادت ہی عبادت ہے، جو آرہا ہے وہ بھی عبادت میں ہے، جو جارہا ہے وہ بھی عبادت کے لئے پلٹنے کی نیت لے کر جارہا ہے۔

اللہ اللہ! کیا پُراثر وہ آواز تھی، جو ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے کائنات میں ہزاروں سال پہلے لگائی تھی، جس کی گونج بحکم الٰہی عالم ارواح میں جاپہونچی، اور اس پر آتے رہنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ

آمد ورفت کی سہولتوں نے آج مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی طنابیں کھینچ کر گھر آنگن بنادیا ہے، دم کے دم میں آدمی ہزاروں میل طے کرکے اللہ جانے کہاں کہاں پہونچتا ہے، پہلے سفر حج مہینوں نہیں برسوں کی خبر لیتا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ آدمی چاہے تو ہفتہ بھر میں حج مکمل کرکے گھر آجائے، نزدیک کا آدمی نہیں؟ دور دراز کا حاجی! پھر زمین نے اپنے خزانے بحکم الٰہی اگل دیئے ہیں، مال کی وسعت گھر گھر پہونچی ہوئی ہے، چھوٹے چھوٹے بچے بھی حج میں احرام کی حالت میں سفید گلاب کی طرح کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سال بہ سال حجاج کرام کی تعداد بڑھ رہی ہے، بلاشبہ اللہ کا دین حق ہے، اور سیّدنا محمد

رسول اللہ ﷺ کی رسالت ایک روشن صداقت ہے، اس کی دلیل حاجیوں کا یہ بڑھتا ہوا جم غفیر ہرسال ایک ناقابل تردید ثبوت پیش کرتا جا رہا ہے۔

جہاں انسانوں کا اتنا زبردست ہجوم ہر سال ہوتا ہو، اور صرف چند روز کے لئے نہیں بلکہ ماہ ذی قعدہ سے شروع ہو کر ماہ محرم کے نصف تک ڈھائی ماہ مسلسل رہتا ہو، اور پھر یہ کہ انسانوں کے اس سیلاب میں صرف ایک ملک سے نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام ممالک سے انسان امنڈتے ہوں، مختلف رنگ کے، مختلف نسل کے، مختلف مزاج کے، الگ الگ قد وقامت اور جسامت کے، بھانت بھانت کی زبانیں بولنے والے، مرد بھی عورتیں بھی، بچے بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی، بہت بوڑھے جو اپنے پاؤں سے ایک قدم نہ چل سکیں، حسین اور گورے چٹے بھی، بدصورت اور بدخوارہ بھی، غرض ساری دنیا کا رنگ وروغن اپنی امتیاز وشناخت کے ساتھ حرم محترم کی پاک سرزمین پر اتر آتا ہے، بہت بھیڑ ہوتی ہے، کھوئے سے کھوا چھلتا ہے، ایک دوسرے سے جسموں کو دھکے بھی لگتے ہیں، ہجوم کی وجہ سے چلتے ہوئے قدم رک رک بھی جاتے ہیں، بسا اوقات آدمی خود سے دوسروں کے زور سے چلنے پر مجبور ہوتا ہے، یہ وہ حالات ہیں، جن میں لڑائی جھگڑے کے جتنے طوفان آجائیں، بعید نہیں، کتنے لوگ دب دب کر مر جائیں، تعجب نہیں، کتنے بچے اور عورتیں اغوا ہو جائیں، کچھ دور نہیں، کتنی گندگی پھیل جائے، کتنے لوگ بھوکے رہ جائیں، کتنوں کے سامان گم ہو جائیں اور پھر نہ ملیں، کتنے کمزور اور بوڑھے پس جائیں، کتنی تلخیاں، کتنی دشمنیاں جاگ اٹھیں، پھر پیدل چلنا اور چلتے رہنا، بہت دور دور تک پیدل چلنا کہ اس ہجوم میں سواری کا گزر کہاں؟ پیدل چل چل کر لوگ تھک تھک کر نہ جانے کہاں کہاں گر جائیں۔ ہجوم کی گردش میں بسا اوقات ایسے احوال بھی پیش آتے ہیں کہ دوسری کوئی جگہ ہو آدمی کان پکڑ کر بھاگ نکلے اور دوبارہ آنے کا نام نہ لے۔

لیکن کیا یہاں بھی ایسا ہوتا ہے؟ نہیں! بالکل نہیں! اگر کہیں کچھ ہوتا ہے تو اتنا کم کہ اسے ہونا کہنا، کسی طرح درست نہ ہو، دنیا بھر کے لوگ اپنے اپنے امتیازات کے ساتھ آتے

ہیں، لیکن اللہ کا انتظام ہے کہ حدودِ حرم سے پہلے ہی لباس کی حد تک سب کی شناخت ختم کر کے ایک لباس میں ملبوس کر دیا جاتا ہے۔ اختلاف میں اتحاد کے اس سامان کے ساتھ جب لوگ ایک اللہ کی وحدانیت کا نعرہ لگاتے ہوئے لبیک کی صدا کے ساتھ حرم کی بارگاہ میں داخل ہوتے ہیں، تو اب کوئی اختلاف نہ رہا۔ ایک لباس میں، ایک صدا کے ساتھ ایک پروردگار کی تجلی گاہِ خاص میں داخل ہو کر سب ایک ہی عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں، لوگوں کے وطن الگ الگ ہیں، زبانیں جدا جدا ہیں، رنگ مختلف ہیں، مگر جذبات وخیالات میں اتنی وحدت ہے کہ سوچا بھی نہیں جاسکتا، ہر ایک کی زبان پر ایک ہی ترانہ ہے، آنکھوں میں سبھی کے یکساں آنسو ہیں، رُخ سب کے ایک ہی طرف ہیں، دل میں ایک ہی طرح کی موج اٹھ رہی ہے کہ الٰہی گناہوں کی معافی ہو، جہنم سے رہائی ہو، جنت کی رہنمائی ہو، ، دنیا میں بھی بھلائی ہو، آخرت میں بھی بھلائی ہو، اس انسانی سیلاب کی دعاؤں کو اگر کشید کیا جائے تو یہی خلاصہ نکلے گا۔ سب اپنی اپنی زبان میں دعا کر رہے ہیں، مگر مضمون یہی ہے، اپنے لئے، اپنی اولاد کیلئے، اپنے آباء واجداد کے لئے، پوری ملت اسلامیہ کے لئے!

بھلا ایسی حیرت انگیز وحدت کہیں اور دیکھنے میں آئے گی، پھر اس حیرت انگیز وحدت کا مظاہرہ ہر ہر قدم پر آپ دیکھیں گے، بھیڑ کی وجہ سے دھکے لگنے سے چارہ نہیں، لیکن کیا کوئی چیں بجبیں ہوتا ہے، کوئی ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کوئی غصہ میں لال پیلا ہوتا ہے، کچھ نہیں، خود دھکا کھانے والا معذرت کرتا ہے، شرماتا ہے، اگر کسی کو کچھ تکلیف کا احساس ہوتا ہے، تو بہت سے لوگ اس تکلیف پر مرہم رکھنے لگتے ہیں۔

نہ لڑنا نہ جھگڑنا، سب کو ایک دھن ہے کہ جس اللہ نے یہاں تک پہونچایا ہے وہ راضی ہو جائے، حاجتیں روا کر دے، مردوں اور عورتوں کے اس سیلاب میں کیا آپ نے کبھی سنا کہ کوئی اغوا ہو گیا ہو، یہاں آ کر دل پاکیزہ ہو جاتے ہیں، نگاہیں پاکیزہ ہو جاتی ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک حسن نگاہوں کے سامنے گزرتا رہتا ہے، مگر کیا مجال کہ نگاہیں آلودہ ہوں، اور دل میں ذوقِ گناہ جاگتا ہو، ایک پاکیزگی سی پاکیزگی اور ایک تقدس سا تقدس

نگاہوں کا ہالہ بنا رہتا ہے، اور آدمی محبت الٰہی کی مستی میں عالم شہود سے بے خبر عالم غیب کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر

حجاج کرام کی وسعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حکومت کو بھی توفیق بخشی ہے کہ اس کے قائم کردہ انتظامات کو دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، صفائی ستھرائی کا وہ عالم ہے کہ مسجد حرام تو خیر مسجد حرام ہے، سڑکوں اور راستوں میں بھی کوئی گندگی، کوئی تکلیف دہ چیز، کوئی کوڑا کرکٹ آپ دیکھ لیں، ممکن نہیں، ادھر کوئی چیز کسی کے ہاتھ سے گرتی ہے، اُدھر اٹھانے والے اسے لپک لیتے ہیں، مسجد حرام میں تو صفائی کا وہ نظم ہے کہ شاید ہی اس کی نظیر کہیں مل سکے، اور صفائی کرنے والے اتنے تیز دم، تیز رَو اور سلیقہ مند ومہذب کہ نہ شور وغل ہوگا، نہ کسی کو تکلیف پہونچائیں گے، خاموشی سے آئیں گے اور جتنے حلقے کی صفائی منظور ہوگی لال فیتے سے گھیرنا شروع کردیں گے، لوگ دیکھتے ہی جگہ خالی کردیتے ہیں، کوئی بے خبر ہے یا سورہا ہے تو آہستہ سے اسے بتادیتے ہیں یا جگادیتے ہیں، اور چند منٹوں میں ایک لمبا چوڑا حلقہ دھوکر، پونچھ کر، صاف کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں، بیٹھنے والوں کو شاید دو تین منٹ سے زیادہ انتظار کرنا نہیں پڑتا۔ یہ عموماً دوسرے ملکوں کے ملازم ہوتے ہیں، تھوڑی تنخواہ پر اپنی سعادت اور ذریعۂ نجات سمجھ کر نہایت مستعدی کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

اتنے بڑے ہجوم میں کچھ نازیبا حادثات کا ہوجانا بعید نہیں ہے، حکومت نے ایسے حالات کے لئے پولیس کا انتظام کیا ہے، لیکن عجیب بات ہے ہمارے ذہنوں میں پولیس کے جس طرزِ عمل، پولیس کی جس زبان اور اس کی بداخلاقیوں اور لوٹ کھسوٹ کا جو تصور قائم ہے، وہاں ایسا کچھ نہیں، پولیس اپنے کام اور ڈیوٹی میں تو نہایت مستعد ہے، اس کے فریضہ کی ادائیگی میں مال کی کوئی مقدار رکاوٹ نہیں ڈال سکتی، مگر ڈیوٹی کی یہ مضبوط اور فولادی پولیس زبان اور دل کی نہایت نرم ہوتی ہے، کہیں کوئی نہ دیکھے گا کہ حاجیوں کو پولیس ڈانٹ رہی ہو، گالی دے رہی ہو، دھکے دے رہی ہو، بلکہ نہایت تہذیب وشائستگی سے بات کرے گی، اپنی ہمدردی پیش کرے گی، آپ مخاطب کریں تو ذرا بھی اعراض ورُوگردانی نہ کرے گی، بلکہ ہمہ

تن متوجہ ہوکر آپ کی بات سنے گی، زبان سمجھ میں نہ آئے گی، تو اشارات سمجھنے کی کوشش کرے گی، اس پر بھی بات نہ بنے گی، تو کسی واقف کار تک پہونچا کر اپنا فرض ادا کرے گی۔

تجربہ ہے کہ ہجوم اور مجمعوں میں جہاں آدمیوں کی ضروریات پھیل جاتی ہیں، وہیں اشیاء ضروریہ کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگتی ہیں، دیکھا گیا ہے کہ کھانے پینے اور چائے کی قیمتیں کئی کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، مگر وہاں حکومت کا انتظام قابل تعریف ہے۔ یہ خاکسار پہلی مرتبہ ۱۹۸۹ء میں وہاں حاضر ہوا تھا، اور اب ۲۰۰۶ء کے بالکل اواخر کا حج تھا، مگر دیکھا کہ کھانے پینے، چائے، ٹھنڈے کی قیمتوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے، جو قیمتیں اس وقت تھیں اب بھی وہی ہیں، بہت مناسب اور ہلکی! جبکہ ہمارے ملک میں دم بہ دم قیمتیں چڑھتی رہتی ہیں۔ صرف منیٰ کے دو تین روز میں کچھ قیمتیں بڑھی ہوئی محسوس ہوئیں، لیکن اتنی نہیں کہ اس پر گرانی کا اطلاق ہو، گاڑیوں کے کرایہ کا بھی یہی حال ہے، ہاں حج کے پانچ ایام میں ضرورت کے بہت بڑھ جانے کی وجہ سے کرائے کا نرخ کبھی کبھی بہت زیادہ ہو جاتا ہے، مگر یہ بہت محدود مدت کے لئے ہوتا ہے۔ البتہ سعودی عرب کے بعض حصوں پر امریکہ کے تسلط کا یہ اثر محسوس ہوا کہ عام اہل عرب کے اخلاق میں قدرے گراوٹ آ گئی، اور مال کی حرص کچھ بڑھ گئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حج کے پانچ دن جبکہ حاجیوں کا سارا مجمع اکٹھا ہوتا ہے، اور تھوڑے تھوڑے وقفے میں سب کی اجتماعی نقل وحرکت ہوتی ہے اور مختصر مختصر قیام بھی ہوتا ہے، یہ پانچ روز حاجیوں کے لئے زیادہ مشقت کے، اور اہل انتظام کے لئے خاصے دقت کے ہوتے ہیں، مگر حکومت کا انتظام اور اس پر خدائی مدد کا مشاہدہ بھی خوب ہوتا ہے۔

۸ / ذی الحجہ کو حاجیوں کا یہ پورا مجمع ہر طرف سے سمٹ کر منیٰ میں پہونچتا ہے، منیٰ میں پہلے کپڑے کے خیمے ہوا کرتے تھے، جن میں آگ لگنے کا خطرہ ہوتا تھا، ۱۹۹۷ء کے بعد حکومت نے فائر پروف کیمیاوی خیموں کا انتظام کر دیا ہے، جو ایر کنڈیشنڈ ہیں، اس سے امکانی حد تک حاجیوں کو سہولت ہو گئی ہے خیموں کے مختلف حلقے ہیں، ان میں بیت الخلاء اور

غسل خانوں کا نظم اتنی فراوانی اور عمدگی کے ساتھ ہے کہ کسی کو تنگی اور شکایت نہ ہو، سڑکیں کشادہ، صاف شفاف، لوگ پیدل بھی بکثرت آتے ہیں، سواریوں کا بھی انتظام ہوتا ہے، ۸؍کو دن بھر اور رات بھر یہ مجمع یہاں رہتا ہے، ۹؍ذی الحجہ کی صبح یہ انسانی سیلاب میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوتا ہے، یہ منظر قابل دید ہوتا ہے، ہزاروں حاجیوں کے قافلے یکے بعد دیگرے پیدل لبیک کا نعرہ لگاتے ہوئے بیک لباس، بیک آواز قدم قدم عرفات کی طرف چلتے ہوئے، ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے آسمان سے فرشتے اتر آئے ہوں، پیدل والے اپنے راستے سے چلے جا رہے ہیں، سواری والے اپنے راستے سے جا رہے ہیں، اور زمین و آسمان اللہ کی وحدانیت کے ترانوں، کبریائی کے نعروں اور لبیک کے زمزموں سے گونجتے رہتے ہیں، دوپہر کے پہلے یہ سیلاب میدانِ عرفات میں لہریں لینے لگتا ہے، ظہر سے لیکر مغرب تک یہاں رہنا ہے، نمازیں ہیں، تلاوت ہے، لبیک کے نعرے ہیں، دعائیں ہیں، آہ وزاریاں ہیں، مناجاتیں ہیں، یہاں بھی حکومت کے انتظامات بے نظیر ہیں، ہر حاجی کو دوپہر کا کھانا حکومت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، ہر ہر حاجی تک قلیل وقت میں کھانا پہونچا دیا جاتا ہے، طہارت خانے یہاں بھی بافراط ہیں، بہت سے اہل خیر گاڑیوں سے پانی، ٹھنڈا، لبن اور حلیب تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

شام ہوتے ہوتے عرفات سے کوچ کی تیاریاں ہونے لگتی ہیں، سورج غروب ہوا اور قافلے مزدلفہ کی طرف واپس ہونے لگتے ہیں، مغرب کی نماز چونکہ یہاں نہیں پڑھنی ہے، اس لئے لوگ پیدل اور سواریوں پر نکل پڑتے ہیں، اور رات گئے تک یہ پورا مجمع مزدلفہ میں جا کر آباد ہو جاتا ہے، راستے کے انتظامات قابل تعریف ہیں، ڈرائیور اگر راستے کی غلطی نہ کرے تو ٹھیک عشاء تک یا عشاء کے بعد تک باوجود شدید ترین ٹریفک کے مزدلفہ پہونچ جائے گا، لیکن اگر راستہ بھول گیا تو ساری رات پہونچنا مشکل ہے۔

پیدل والے البتہ بے تکلف ڈیڑھ دو گھنٹے میں مزدلفہ جا اترتے ہیں، وہاں صرف رات بھر کا قیام ہے، وقوف کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، انسانی ضروریات

تو انسان کا پیچھا کہیں نہیں چھوڑتی ہیں، حکومت نے پیدل کے راستے میں اور مزدلفہ میں اس کا زبردست انتظام کر رکھا ہے، کھانے پینے کی اشیاء کا بھی، طہارت اور وضو کا بھی، بس

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

پھر طلوعِ آفتاب کے کچھ پہلے سے یہ ہجوم منیٰ کی جانب منتقل ہونے لگتا ہے، آج تین کام ہیں، جمرۂ عقبہ کی رمی، قربانی اور مکہ جا کر طوافِ زیارت، رمی تو آج ہی ضروری ہے، قربانی اور طوافِ زیارت میں ۱۲ر کی شام تک گنجائش ہے، کتنے ہمت والے تو آج ہی تینوں عمل پورا کر لیتے ہیں، اس پورے مجمع کی یہ پنج روزہ نقل وحرکت آسان نہیں، مگر کسی خلفشار اور بغیر کسی انتشار کے سب کچھ آسانی سے انجام پا جاتا ہے، یہ اللہ کی مدد اور انتظام کی خوبی ہے۔

جمرات کی جگہ محدود ہے، وقت بھی محدود ہے، اور انسانوں کی تعداد جیسے لامحدود ہو، یہاں حادثوں کے اندیشے رہتے ہیں، اور ہر سال کچھ حادثے پیش بھی آجاتے ہیں، پچھلے حج میں قدرے بڑا حادثہ رُونما ہو گیا تھا، تو حکومت نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس انتظام میں مزید وسعت دینی ہے، اخراجات میں زبردست اضافہ ہوگا، مگر جو ہو، انتظام تو کرنا ہی ہے، اس سال اس جگہ میں اتنی وسعت کر دی ہے کہ اب سماں ہی بدل گیا ہے، پانچ منزلہ سڑک کا منصوبہ ہے، جہاں سے کنکری ماری جائے، ابھی زمین کے اوپر ایک ہی منزل ہے، اور مزید ایک اچھا نظم یہ کیا ہے کہ مقامی اور آس پاس کے حجاج جو سڑکوں اور راستوں پر قیام کر لیتے تھے اور ان کی وجہ سے جمرات تک آنے جانے میں بہت دقت ہوتی تھی، اس مرتبہ ان کا انتظام الگ کر دیا گیا، سڑکیں بہت کشادہ ہیں، جب وہ خالی ہو گئیں تو خود بخود کشادگی بڑھ گئی، اتنا ہی انتظام اگر برقرار رہے، تو بہت دنوں تک مزید توسیع کی ضرورت نہ ہوگی، اور لوگ آرام سے بغیر کسی اندیشے کے رمی کا فریضہ انجام دے لیا کریں گے۔

غرض انتظام کیا ہے؟ حسن انتظام ہے، اللہ کی مدد ہے، حاجی اطمینان سے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے، اور اپنے اوقات عبادت، تلاوت، ذکر واذکار میں مشغول رکھتا ہے، حاجیوں کو انتظامی خرخشوں کی کوئی الجھن نہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے وقت معلمین کا عملہ لگا رہتا ہے، مدد کرتا ہے، سواریاں ہوتی ہیں، جو منیٰ، عرفات میں خیموں تک پہونچاتی ہیں، نہ مکان تلاش کرنا ہے نہ خیمہ ڈھونڈھنا ہے، بس ایک رقم خرچ ہوتی ہے اور حاجی تمام انتظامات سے بے نیاز ہوجاتا ہے، ایرپورٹ سے دوبارہ ایرپورٹ پہونچانے کی تمام تر ذمہ داری معلم کی ہے، اور وہ اسے پورا کرتا ہے۔

یہ انتظامات تو مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور حج سے متعلق ہیں، جن کا ہلکا سا خاکہ تحریر کیا گیا، مدینہ شریف کا سفر اور وہاں کا قیام ایک مستقل موضوع ہے، اس پر اگر توفیق ہوئی تو دوسری مجلس میں کچھ لکھا جائے گا۔

اس کے بعد ہندوستان کی حج کمیٹی، اور ہندوستان کے حاجیوں کے سلسلے میں بھی کچھ گزارش کرنے کا ارادہ ہے، دیکھئے اس کا موقع کب آتا ہے، **والامر بید اللہ وبنعمتہٖ تتم الصالحات۔**

☆☆☆☆☆

ذکر مدینہ طیبہ

زباں پر بارِ الٰہا! یہ کس کا نام آیا
کہ نطق نے مرے، بوسے مری زباں کے، لئے

مدینہ شریف کا تصور آتے ہی، ایک مومن کے قلب پر ایمان کی بادِ بہاری چلنے لگتی ہے، روح تر وتازہ ہوجاتی ہے، وِجدان پر مستی چھانے لگتی ہے، وہ شہر بھی کیا شہر ہے؟ جہاں دنیا جہان سے عقیدت ومحبت کے بادل امنڈ امنڈ کر آتے ہیں، اور کسی کے پاؤں چوم کر

سرشار ہو جاتے ہیں، کائنات کے گوشے گوشے سے جنونِ عشق کی لہریں آتی ہیں، اور کسی کی خاکِ پا میں جذب ہو جاتی ہیں۔

دنیا میں شہر بہت ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت، پُر فضا، روشن اور بارونق! لیکن کیا کوئی شہر اس شہر کا مقابلہ کر سکتا ہے، جس کے ذرے ذرے سے قلب وجگر کا ریشہ ریشہ بندھا ہوا ہے، اس شہر کی مٹی بھی ویسی ہی مٹی ہے، جیسی دوسرے شہروں کی مٹی ہے، اس شہر کی فضا، اس کا آسمان، اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے سب وہی ہیں، جو دوسرے شہروں کے ہیں، لیکن اس کی آغوش میں رحمت عالم کا جو لازوال سرمایہ ہے، وہ اور کہاں ہے؟ اسی رحمۃ للعالمین کی دلنواز شخصیت ہے جس نے دنیا کے ہر گوشے کے باشندوں کو جذب کر رکھا ہے، بقول علامہ محمد اسد:

> ”تیرہ سو برس (اب چودہ سو برس) گزر جانے کے بعد بھی ان کا روحانی وجود، اسی طرح زندہ ہے، جیسے اس وقت تھا، انھیں کی وجہ سے گاؤں کا وہ مجموعہ جس کا نام یثرب تھا، مسلمانوں کا محبوب شہر بن گیا ہے، اتنا محبوب کہ کوئی شہر اتنا محبوب نہیں ہے، اس کا کوئی خاص نام بھی نہیں، تیرہ سو برس سے آج تک اس کو ”**مدينة النبی**“ کہتے آئے ہیں، اس طویل مدت میں نہ جانے محبت کے کتنے طوفان اس طرح یہاں آکر ملے تھے، کہ سارے اشکال اور حرکات نے ایک خاندان اور ایک گھرانے کے ماحول کی سی صورت اختیار کر لی تھی، اور مظاہر کے سارے اختلافات ایک مشترک نغمہ...... میں متحد ہو گئے تھے۔
>
> یہ وہ مسرت وسعادت ہے جس کا یہاں ہر شخص کو ہمیشہ احساس رہتا ہے، ایک خاص قسم کی یکسانی اور ہم آہنگی!............ کوئی شہر ایسا نہیں ہے، جس سے لوگوں کو کسی شخصیت کی وجہ سے اتنی محبت ہو، جتنی مدینہ سے! نہ دنیا میں کوئی ایسا شخص گزرا ہے، جس نے اپنی وفات پر باوجود تیرہ سو برس

> گزر جانے کے اتنے انسانوں کے دلوں سے خراج محبت وصول کیا ہو، سوائے اس شخصیت کے جو اس عظیم سبز گنبد کے نیچے آرام فرما ہے! ۔
>
> (طوفان سے ساحل تک، ص۲۱۰)

اس سال حجاج کی ایک بڑی تعداد اپنے وطن سے براہ راست مدینہ شریف پہونچی تھی، ادھر کئی برسوں سے مدینہ شریف کا ایر پورٹ حجاج کے لئے استعمال ہو رہا ہے، ہمارے یہاں لکھنؤ کی تقریباً تمام فلائٹیں مدینہ شریف ہی حاضر ہوئی تھیں، حجاج نے آٹھ دن حضرت رسالت مآب رحمۃ للعالمین نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے قدموں میں سعادت حاصل کی، اور پھر وہاں سے احرام باندھ کر مکہ شریف میں حاضری دی، مدینہ منورہ میں اس وقت سردی شباب پر تھی، مگر لوگ بہت خوش تھے، اور وقت کی تنگ دامانی کے شاکی تھے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ہمارے قافلے کا سفر بمبئی سے ہوا تھا، اور ہم لوگ جدہ میں اترے تھے، اور مدینہ شریف جانا حج کے بعد متعین تھا، مکہ شریف میں قیام کے ایام اس طرح گزرے کہ پہونچنے کے بعد ایام حج کا انتظار تھا، ہر روز ایک ایک دن کھسک رہا تھا، اور حج کی عبادت قریب آتی جا رہی تھی، حج کے بعد ایک جانب طبیعت پر یہ سہم طاری تھی کہ اب مکہ شریف سے، بیت اللہ شریف کے قرب ومواجہت سے دوری ہونے والی ہے، کاش کہ وقت کی رفتار رُک جاتی، سورج سکون سے کہیں ٹھہر جاتا، بیت اللہ الحرام کا سایۂ رحمت دیر تک میسر ہوتا، مگر خدا کا انتظام سب پر غالب ہے، وقت گزرتا رہا، اب اس کے ساتھ قلب وذہن میں مدینہ شریف کی حاضری کا شوق بھی آمیز ہو رہا ہے، حسرت وشوق کی اس ترکیب سے دل کی حالت ناقابل بیان تھی، مگر جو بھی تھی اس میں محبت اور ایمان کا وہ ذائقہ شامل تھا کہ جنت کا لطف آ رہا تھا، اللہ نے اس خاک کے پتلے میں کیا کیا رکھ دیا ہے، اور اسے کس کس کیفیت سے گزار دیا ہے، الفاظ اپنی وسعت وکثرت کے باوجود شاید اس کی کما حقہ تعبیر سے قاصر ہیں۔

۹؍ جنوری کو مدینہ شریف کا سفر ہوا، بس کا ڈرائیور نیک انسان تھا، ظہر اور عصر کی نماز

کے وقت اس نے بہت مناسب جگہ پر گاڑی روکی ، مسافروں نے اطمینان سے دونوں نمازیں ادا کیں، کھانے پینے کی ضروریات کا دونوں جگہ وافر انتظام تھا۔

مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا، مدینہ شریف سامنے تھا، عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں، بس کی گردش میں مسجد نبوی کے میناروں کا جلوہ بھی نظر آ جاتا تھا۔ یہاں پہونچ کر بے اختیار دل کھنچتا تھا کہ جلد تر مسجد نبوی کی آغوش میں، نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں باریابی ہو، مگر قوانین سفر کی پابندیوں نے وہیں پابہ زنجیر کر رکھا تھا، یہ مدینہ شریف کا دفتر استقبال ہے، یہاں حجاج کے کاغذات دکھائے جائیں گے، ان کے لئے مدینہ طیبہ میں آٹھ روز کے لئے مکانات متعین کئے جائیں گے، پھر ایک رہبر دیا جائے گا جو متعلقہ مکان تک پہونچائے گا، اس میں بہت دیر لگی، صرف ایک ہی بس تو نہ تھی، حجاج کرام کی بسوں کا تانتا لگا ہوا تھا، اپنے اپنے نمبر پر سب فارغ ہو رہے تھے، ہم نے وہیں مغرب کی نماز ادا کی، پھر عشاء کا وقت ہو گیا، مدینہ شریف کے دامن میں یہ نماز بھی ادا کی، لوگ اندیشہ ظاہر کر رہے تھے کہ آدھی رات یہیں گزر سکتی ہے، کیونکہ ہجوم بہت ہے، گو کام کی رفتار قابل اطمینان ہے، لیکن ہر ایک کاغذ کو چیک کرنا، اور ہر ایک کے لئے عمارتوں کا متعین کرنا خود دیر طلب مسئلہ ہے۔

لیکن اللہ کی مہربانی دیکھئے، جونہی عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، ڈرائیور نے پکارا کہ چلئے! خوشی خوشی سب لوگ بس پر سوار ہوئے، اور ڈرائیور نے مدینہ شریف کا ایک طویل چکر لگا کر ''عَوَالِیْ'' میں بس روک دی، ایک اچھی سی عمارت تھی، اس کی تیسری منزل پر ایک حجرہ ہم چھ آدمیوں کے لئے مل گیا، یہ جگہ مسجد نبوی سے قدرے فاصلہ پر ہے، مگر جذب وشوق نے فاصلہ کا احساس ہونے ہی نہیں دیا، بحمد اللہ پانچوں وقت مسجد شریف میں حاضری ہوتی رہی، رسول اللہ ﷺ کا اتنا ظاہری قرب پا کر دل کا عجب عالم تھا، مواجہہ شریف پر ہر وقت سلام عرض کرنے والوں کا جم غفیر رہتا تھا، میں ہمت کا کمزور، بدن کا ضعیف دور ہی دور سے اس امید پر سلام عرض کر لیا کرتا کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جیسے بالکل قریب کھڑے ہونے والوں کا سلام نبی ﷺ تک پہونچا دیتے ہیں، میں بظاہر تھوڑے فاصلہ پر کھڑا

ہوا تو کیا ہوا؟ اس گنہگار کا سلام بھی باریابی کا شرف پا ہی لے گا، بسا اوقات میں باہر گنبد خضرا کے سامنے کھڑا ہوتا، پھر دل امنڈ امنڈ کر آنکھوں کی راہ برستا رہتا، محبت نے زبان کو خاموش کر دیا تھا، مگر کیا بتاؤں کی پورا وجود ناطق ہو جاتا تھا۔

مدینہ منورہ کی سب باتیں ہی خاص ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کا سایۂ رحمت پوری فضا پر چھایا رہتا ہے، اس لئے یہاں کی زمین اور یہاں کے آسمان کا رنگ کچھ اور ہی ہے، لیکن ایک خاص بات جو مجھے بارہا محسوس ہوئی ہے، اسے لکھتا ہوں، کیا عجب کوئی اور صاحب بھی اس کی تائید کریں۔

مدینہ شریف میں جہاں فضا کی پاکیزگی اور نورانیت کا احساس ہوتا ہے، وہیں اللہ کے بہت سے نیک اور پاکیزہ بندوں سے ملاقاتیں بھی ہو جاتی ہیں، مکہ شریف اور مدینہ شریف دونوں مقاماتِ قدس ہیں، دونوں جگہ اہل اللہ موجود رہتے ہیں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب نسبت! لیکن ان کا عرفان و ادراک مشکل ہوتا ہے، مکہ مکرمہ میں بھی اللہ کے خاص بندے بہت ہوتے ہیں، مگر انھیں پہچاننا اور ان سے ملاقات ایک مشکل چیز ہے، مجھے بارہا خیال ہوا کہ یہاں جلالِ الٰہی کا آفتاب چمک رہا ہے اس لئے انسانی ستارے روپوش ہوتے ہیں، مجھے ابتدائے عمر سے خاصانِ خدا کی تلاش رہتی ہے، گو کہ دل کا اندھا ہوں، لیکن اندھے کو بھی جب کسی چیز کی تلاش ہوتی ہے تو اسے اس کی قوت لامسہ ڈھونڈ نکالتی ہے، تو مجھے مکہ شریف میں ایسے بندوں کی جستجو رہتی ہے، مگر بہت کم عرفان ہو پاتا ہے، اس وقت مجھے وہاں سب ہی ”خاصانِ خدا“ محسوس ہونے لگتے ہیں، ایک اپنا وجود گندا دکھائی دیتا ہے، باقی سب پاکیزہ اور صاف ستھرے!

لیکن مدینہ منورہ میں اصحابِ نسبت اہل اللہ سے ملاقات آسان ہوتی ہے، وہ محسوس بھی ہو جاتے ہیں، شاید یہاں جمالِ نبوت کی چاندنی میں ستاروں کی روشنی بھی نظر آتی رہتی ہے، اس سفر میں مجھے تلاش تھی کہ اللہ کا کوئی خاص بندہ ملے، تاکہ اس کے سائے میں رحمت الٰہی اس چوبِ خشک کو طراوت پہونچائے، میں چاہتا ہوں کہ بطورِ تحدیث نعمت کے

ان کا قدرے ذکر کروں۔

(۱) مکہ شریف میں میرے لئے سب سے مغتنم ہستی جن سے ملاقات کیلئے میری روح بیقرار رہتی ہے، وہ میرے شیخ کی ہستی ہے، وہ ہیں حضرت اقدس مولانا الحافظ شاہ عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم! ادھر دوسالوں سے وہ بہت بیمار رہتے ہیں، عمر بھی کافی ہے، اور دوسال میں دوبار فالج کا حملہ ہوچکا ہے، اس سال ایام حج سے پانچ چھ ماہ پہلے شدید حملہ ہوا تھا، اندیشہ تھا کہ حج کے لئے نہ آسکیں گے، لیکن مجھے اس وقت خوشگوار حیرت ہوئی جب معلوم ہوا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں، ایام حج سے دوروز پہلے تشریف لائے، ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضرت پر بہت زور کا گریہ طاری ہوا، بڑی عنایتیں فرمائیں۔

مدینہ شریف میں بھی حضرت کی خدمت میں حاضری رہی، اللہ تعالیٰ اس سراپا خیر وبرکت ہستی کو بعافیت تمام رکھے۔ آمین

(۲) سنہ ۲۰۰۳ء کی حاضری مدینہ میں ایک صاحب کشف اور بے تکلف بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی، اور دل ان سے بہت متاثر ہوا تھا، ایک مضمون میں ان کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ میرے کرم فرما جناب ڈاکٹر شمیم احمد صاحب اعظمی جو عرصۂ دراز سے مدینہ طیبہ میں شرف اقامت رکھتے ہیں، انھوں نے ان بزرگ سے بعد نمازِ عشاء ملاقات کرائی، دیکھتے ہی پہچان گئے، اور بڑی شفقت وعنایت سے ملے، اور محبت ومعرفت کی باتیں کرتے رہے، ان کے پاس بیٹھ کر اوران باتیں سن کر ایسا احساس ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا میں نہیں، ہمہ وقت آخرت میں رہتے ہیں، اللہ کے حضور اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں! اپنے مکشوفات بیان کرتے رہے، یقین واعتماد کے ساتھ!

میں نے دیکھا کہ حضرت صوفی صاحب بہت کمزور ہوگئے ہیں، میں نے عرض کی، حضرت بہت کمزور ہوگئے ہیں، مسکرا کر فرمایا یہاں کمزور دیکھتے ہیں نا، وہاں (جنت میں) پہنچوں گا، تو چھلانگیں لگاؤں گا، **ان شاء اللہ**۔

میں نے ایک ملاقات میں عرض کیا کہ جلالین شریف کی شرح لکھ رہا تھا، چار

پاروں کی شرح ہوئی تھی کہ فالج کا حملہ ہوگیا، اب اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا دیدی ہے، مگر دماغ میں ضعف ہوگیا ہے، تھوڑی دیر لکھتا ہوں تو تھکان ہوجاتی ہے، اور دماغ پر غنودگی چھاجاتی ہے، فرمایا...... اور روضۂ اطہر کی جانب اشارہ کیا...... آئے تو ہو، وہاں کہہ دو، اتنا سننا تھا کہ میرا دل امنڈ آیا، اور بے تحاشا آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے، میں نے عرض کیا، آپ ہی گزارش کردیجئے، ایک خاص جوش سے فرمایا، ضرور ضرور، میں خاص طور سے یہ بات عرض کروں گا، ان شاء اللہ، اب امید ہوچلی ہے کہ شرح جلالین پایۂ تکمیل تک پہونچے گی۔

☆☆☆☆☆

ایک روز بعد نمازِ عشاء مسجد نبوی شریف سے باہر نکل رہا تھا، ساتھ میں چند رفقاء بھی تھے، مسجد نبوی کے ایک دروازے سے جس کا نام ’’باب مکہ‘‘ ہے، داخلہ اور نکلنا ہوتا تھا، دروازے کے قریب پہونچے ہی تھے کہ ایک نورانی پیکر پر نگاہ پڑی، روشن چہرہ، نرم بشرہ، ہلکا بدن، میں نے انھیں دیکھا اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے، طبیعت میں اس قدر کشش محسوس ہوئی کہ بے اختیار ان کی خدمت میں جانے کو جی چاہا، لیکن چہرہ شناسا نہ تھا، اس لئے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی، پھر دیکھا کہ وہ خود ہی اٹھ کر قریب آرہے ہیں، سلام ہوا، مصافحہ ومعانقہ ہوا، انھوں نے تعارف چاہا، میں نے عرض کیا ہندوستان سے حاضر ہوا ہوں، میں نے ان سے دریافت کیا، فرمانے لگے، میں عبدالمنان ہوں، پاکستان کا رہنے وال ہوں، یہیں مدینہ طیبہ میں مقیم ہوں، نے عرض کیا مولانا عبدالمنان صاحب؟ مجھے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا، میرے شیخ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب آپ کا ذکر بہت محبت سے کررہے تھے، اسی وقت اشتیاق ہوگیا تھا، فرمایا کہ شیخ تو بہت بیمار اور معذور ہیں، لیکن ان کی روحانی طاقت ہے کہ اس حال میں بھی وہ تشریف لائے۔

پھر فرمایا کہ میں ظہر اور عشاء کی نماز میں حاضر ہوتا ہوں، اور یہیں بیٹھتا ہوں، پھر ہر روز ملاقاتیں ہونے لگیں، بہت کریم النفس، ظاہر بھی روشن اور باطن بھی نہایت شفاف! ان سے بھی جلالین شریف کی شرح کے لئے دعا کی درخواست کی۔

ایک روز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے، جو سادگی اور معصومیت کے گویا پیکر ہیں، حضرت مولانا طلحہ صاحب سے ملاقات ہوئی، بڑی ادائے دلنواز سے ملے، ان کی قیامگاہ پر بھی حاضری ہوئی، جوشِ میزبانی میں بچھے جاتے تھے، خوب باتیں کررہے تھے، سادہ اور معصوم لہجے میں خوش طبعی اور ظرافت کی لطافت لفظ لفظ میں رَس گھول رہی تھی، نہایت بزرگ، اللہ کی یاد میں غرق، مگر مخلوق کے حقوق کے پورے امانت دار! جتنی دیر ان کی صحبت میں رہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا ہر طرح کے چھکے پنجے، مکر وریا اور فریب و دغا سے بالکل آزاد ہوچکی، ایمانی اور روحانی اطمینان کی چادر اس طرح سروں پر تنی ہوئی ہے جیسے اب یہاں کسی غم کا گزر نہ ہوگا، ان کی مجلس عجب مجلس برکت و کیف رہی۔

☆☆☆☆☆

مدینہ طیبہ میں ہندوستان کا ایک مقدس اور برگزیدہ خاندان عرصۂ دراز سے آباد ہے، یہ **شیخ الاسلام** حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کا خاندان ہے، بہت دیندار، بہت خوش حال، بہت فیاض، بہت خدمت گزار، نہایت مہمان نواز! حضرت مدنی قدس سرہٗ کے نواسے، جو مولانا رشید الدین علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں، مولانا اخلد رشیدی صاحب، مسجد نبوی میں ان سے ملاقات ہوئی، اللہ نے ایسی باغ و بہار شخصیت بنائی ہے کہ دیکھتے ہی دل پر ایک سرور کی کیفیت چھا جاتی ہے، ادائے دلنوازی ایسی کہ بس یہی جی چاہتا ہے کہ یہ ایک تبسم کے ساتھ خیریت پوچھتے رہیں، اور مخاطب اسی راہ سے ان کے قریب ہوتا رہے۔

انھوں نے دعوت دی کہ گھر تشریف لائیں، یہاں مجال انکار کہاں؟ سعادت سمجھ کر ہاں کردی، وہاں حاضری ہوئی، مشائخ اور علماء کا ایک باوقار مجمع تھا، علم وفضل اور بزرگی ومشیخت کی کہکشاں مولانا اخلد کے یہاں اتر آئی تھی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین جامعہ مظاہر علوم، سہارن پور، حضرت مولانا خلیل

حسین میاں صاحب نبیرہ حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب محدث، اوران کے علاوہ دوسرے اصحاب تقویٰ وطہارت ! مولانا اخلد صاحب کی دعوت بہت بابرکت ثابت ہوئی، یہ وہ حضرات ہیں، جواللہ ورسول کے بڑے عاشق اوروفادار ہیں۔

مولانا اخلد صاحب بہت خوش تھے، اور بہت مسرت کے ساتھ کھلانے کے انتظام میں لگے ہوئے، میں جی میں سوچ رہا تھا کہ دعوت کھانے کے بعد حدیث میں ایک دعا وارد ہے، جس میں میزبان کے لئے اللہ کے حضور ایک خاص عرضی پیش کی جاتی ہے، **أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الابرار وصلت عليهم الملائكة**، آپ کے پاس روزہ دار افطار کیا کریں، اورآپ کا کھانا نیک وبرگزیدہ لوگ کھائیں، اورفرشتے آپ پر رحمت کی دعائیں بھیجیں، مولانا اخلد صاحب کا دسترخوان **أكل طعامكم الابرار** کی قبولیت کا پورا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھیں۔

مدینے کے قیام کے آٹھ دن کس طرح نکل گئے ، احساس ہی نہیں ہوا، ابھی تو آئے تھے اور ابھی جانے کا حکم ہوگیا، آٹھ دن اس طرح اڑ گئے جیسے وہ دن نہیں چند لمحات تھے، جب مدینہ منورہ کا ایرپورٹ حاجیوں کے لئے استعمال نہ ہوتا تھا، تو مدینہ منورہ سے ایک لمبا سفر کرکے جدہ جانا پڑتا تھا اب آسانی ہوگئی ہے، قیامگاہ سے نکلے بس پر بیٹھے، اور پندرہ بیس منٹ میں ایرپورٹ پہونچ گئے ، وہاں ہوائی جہاز پر سوار ہوئے اور ساڑھے چار گھنٹے میں بمبئی آپہونچے، **فللّٰه الحمد والنعمة ، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم**، آمین

☆☆☆☆☆

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

سفر حج کے متعلق دو مضمون لکھ چکا ہوں، دل پر تیسرے مضمون کا تقاضا مسلط ہے، یہ تقاضا سر ابھارتا ہے کہ اسے بھی لکھ دیا جائے، مگر مرحلہ نازک ہے، یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے، جنھوں نے سفر حج میں، سرزمین حرم میں اس ناکارہ اور مہمل بندے پر احسانات کی بارش برسائی ہے، سوچتا ہوں کہ یہ تذکرہ انھیں ناگوار نہ ہو۔ یہ بھی سوچتا ہوں کہ حق کی ادائیگی میں مجھ سے کوتاہی نہ ہو جائے، پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ قلم ہاتھ میں ہے، حج کا کچھ نہ کچھ تذکرہ لکھ بھی دیا ہے، تو کیا یہ احسان فراموشی نہ ہوگی کہ جن حضرات کے احسانات میں ڈوب ڈوب کر رہا ہوں، قلم انھیں کے بارے میں کوتاہ ہو جائے، دل کی یہ کشمکش ہے، اور عقل کا فیصلہ ہے کہ لکھو ضرور! ناگواری کی پیشگی معذرت، اور ادائے حق میں تقصیر کے لئے التجائے عفو و درگذر!

خواجہ آتش لکھنوی کا شعر ہے۔ ؎

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

آدمی جب سفر پر نکلتا ہے، تو گوگرانیاں اور ناگواریاں بہت سی پیش آتی ہیں، قدم قدم پر دشواریاں جھیلنی پڑتی ہیں، لیکن انھیں دشواریوں کے درمیان سہولتیں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں، بہت سے اللہ کے بندے ایسے مل جاتے ہیں، جن کی وجہ سے سفر پُر بہار اور پُرکیف ہو جاتا ہے۔

(۱) موسم حج میں، سرزمین حرم انسانوں کے ہجوم سے لبریز ہو جاتی ہے، اللہ کے نام کے دیوانوں کا وہ ازدحام ہوتا ہے کہ بسا اوقات چند قدم کی مسافت طے کرنے میں بہت

بہت دیر لگتی ہے، یہ حقیر بندہ ایک بار عین اسی زمانۂ ازدحام میں حاضر ہوا تھا۔ میں اپنے ضعیف جسم اور کمزوریٔ قلب نیز فطری کاہلی کی وجہ سے سفر میں ہمہ وقت ایک معاون کا محتاج ہوتا ہوں، اور معاون بھی ایسا جس کا مزاج مجھ سے ہم آہنگ ہو، اس وقت میں ایسے کسی رفیق سے محروم تھا، جان ضیق میں تھی، طواف کر رہا تھا اور دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! کوئی ایسا رفیق عنایت فرمایئے، جو آپ کا مقبول بندہ ہو، اور میرے لئے راحت کا سامان ہو، پھر سعی کر رہا تھا اور یہی دعا کر رہا تھا، طواف وسعی سے فارغ ہو کر نظر اٹھا اٹھا کر اپنی دعا کی قبولیت تلاش کر رہا تھا، پھر دعا کرتے ہوئے مسجد حرام سے باہر نکلا، لیکن نگاہوں کے سامنے دعا کی قبولیت کے آثار ظاہر نہ ہوئے، ابھی چند ہی قدم مسجد کے دروازے سے نکل کر صحن مسجد کی جانب بڑھا تھا کہ ایک مسکراتا چہرہ نظر آیا، قدرے دراز قد ہمہ محبت وہمہ محبوبیت! پرانا جانا پہچانا چہرہ، دل کی دنیا میں بسا ہوا منور چہرہ، میں لپک کر آگے بڑھا اور بے ساختہ لپٹ گیا، کہ میری دعا کتنی جلد قبول ہوگئی، اللہ تیری مہربانی! اب مشکل آسان ہوگئی، حج کرنا آسان ہوگیا، سفر کا ہر مرحلہ آسان ہوگیا، یہ چہرہ اپنے جلو میں آسانیاں رکھتا ہے۔

یہ تھے میرے پرانے رفیق اور دوست مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب غازی پوری، عمر میں مجھ سے قدرے کم ہیں، لیکن خدمات کے لحاظ سے ان کا رتبہ بہت بلند ہے، میں ۱۹۷۵ء میں مدرسہ دینیہ غازی پور میں مدرس تھا، تو یہ اسی وقت جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے درس وافتاء کی تکمیل کر کے مدرسہ دینیہ میں استاذ بن کر آئے، اور پھر بالکل گھل مل گئے، خدمت کا انھیں فطری ذوق ہے، اسی ذوق اور جذبہ کے تحت انھوں نے خدمت کا بیڑا اٹھایا اور اتنی خدمت کی کہ میں ہمیشہ کے لئے ان کا ممنونِ کرم ہوگیا، ان دنوں میں ایک بار سخت بیمار ہوا، اور ڈیڑھ ماہ فرشِ علالت پر پڑا رہا۔ ان کی خدمتیں میں کبھی نہیں بھول سکتا، تیمارداری کے تمام لوازم انھوں نے بحسن وخوبی اس طرح انجام دیئے کہ دل ان کی محبت سے لبریز ہوگیا۔

بہت ذی استعداد عالم ہیں، معتبر مفتی ہیں۔ عرصہ تک درس وتدریس کے مبارک

مشغلے سے وابستہ رہے، لیکن ایک وقت میں کچھ خاص حالات ایسے پیش آئے کہ قضا وقدر کے فیصلے نے انھیں مکہ شریف کے دروازے یعنی جدہ پہونچا دیا، اب عرصے سے جدہ میں مقیم ہیں۔ یہاں بھی تعلیم وتدریس کا شغل ہے، اور خوش قسمتی یہ ہے کہ ہر سال حجاج کرام کی خدمت میں سرگرم رہتے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے حاجیوں کو ان سے راحت حاصل ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں سے سرفراز ہوتے ہیں، حاجیوں کی ہر خدمت بغیر عذر کے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک وصفِ خاص سے نوازا ہے کہ جس کام کا قصد کرتے ہیں، آسانیاں قدم بڑھا کر آجاتی ہیں۔

اس سال ۹؍ذی الحجہ یوم عرفہ جمعہ کے روز تھا، اس کی وجہ سے ہجوم میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا، میں اور میرے فرزند حافظ محمد عارف سلّمہٗ عرفات میں مسجد نمرہ کے قریب ازدحام میں اس طرح گھر گئے تھے کہ نماز کے لئے نہ رکوع کی گنجائش تھی، اور نہ سجود وقعود کی، ایک سڑک کے حاشیہ پر جماعت کی نماز اشاروں سے ادا کر رہے تھے، جماعت کی نماز سے فراغت کے بعد جب ہجوم کو جنبش ہوئی، اور ایک جگہ تھوڑی سی گنجائش ملی، تو ظہر کی نماز اپنی جماعت کے ساتھ ادا کی، پھر عصر کو اس کے وقت پر ادا کرنا تھا۔ اب جائیں تو کہاں جائیں، اپنے معلم کے خیموں تک پہونچنے کی کوئی صورت نہ تھی، میں فالج کے باعث ٹانگوں کی کمزوری میں گرفتار، پیدل چلنے سے معذور، ویل چیر پر سوار، حق تعالیٰ سے دعائیں کیں اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو فون کیا، تو ہمیشہ کی طرح نہایت آسان راہ نکل آئی، وہ بول رہے تھے کہ آپ جہاں ہیں وہیں رہئے، میں قریب ہی ہوں اور آرہا ہوں، پھر چند منٹ میں وہ آگئے۔ ویل چیر انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اپنے خیمے میں لے کر چلے گئے۔ وہاں باطمینان وقت پر عصر کی نماز پڑھی، انفرادی اور اجتماعی دعائیں ہوئیں، مغرب تک بہت اچھا وقت گذر گیا۔ عرفات کی گھڑیاں جو اضطراب میں منتشر ہو رہی تھیں، سکون وعافیت سے ہمکنار ہوئیں۔

سورج غروب ہوا تو پیدل ہی مزدلفہ روانگی ہوئی، رہبر مفتی عبدالرحمٰن تھے، ویل

چیر کبھی حافظ محمد عارف سلّمہٗ اور کبھی مفتی صاحب موصوف چلاتے رہے، مفتی صاحب کو اس کا بڑا اچھا سلیقہ ہے، عارف نے ان سے سیکھا۔ ہجوم سے گذرتے ہوئے انھیں کی ہمت وعزیمت کی وجہ سے ہم لوگ مشعر حرام تک پہونچ گئے۔ رات وہاں باطمینان گزاری، اور طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک فجر کی نماز اور وقوفِ مزدلفہ کی مشغولیت رہی۔

مفتی صاحب کی خدمتیں مکہ شریف میں حاصل رہیں، مکہ شریف سے جدہ بہت قریب ہے، مدینہ شریف کی مسافت البتہ بہت زیادہ ہے، مگر مفتی صاحب وہاں بھی خدمت کیلئے موجود رہے۔

مفتی صاحب کو حج کے مسائل کا استحضار بھی ماشاء اللہ بہت ہے، پوچھنے والے دن رات ان سے مسائل پوچھتے رہتے ہیں، اور یہ نہایت خندہ پیشانی سے مطمئن کرتے رہتے ہیں، بحمد اللہ مزاج میں دینی صلابت خوب ہے، فرضی مصلحتوں اور چہروں کے تیور دیکھ کر مسائل میں مداہنت کا رویہ نہیں اختیار کرتے۔

اللہ نے بہت خوبیاں عطا فرمائی ہیں، گھر اور خاندان کے لحاظ سے بھی بہت نصیبہ ور ہیں، والد گرامی خود عالم دین حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب مدظلہٗ، اولاد بھی ایک سے ایک نیک وصالح، عالم وحافظ قرآن!

(۲) مدینہ طیبہ میں میرے دیرینہ کرم فرما، محسن ومخلص حضرت مولانا حافظ محمد مسعود صاحب! جوار جبل احد میں مسجد رحمت کے امام، پاکستانی پنجاب کے ضلع ہزارہ کے رہنے والے، بڑے صاحب علم، صاحب ذوق اور بزرگ شخصیت کے مالک! محبت تو ایسی کرتے ہیں کہ قلب وروح کو توانائی حاصل ہو، مدینہ طیبہ کی حاضری میں سراپا خدمت بنے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ ان کے پاس گاڑی ہے، کہیں بھی جانا ہو، بغیر کسی عذر کے ہمہ تن تیار!

۲۰۰۳ء میں اہلیہ اور ایک معمر ضعیف خاتون کے ساتھ حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی، مسجد نبوی سے قیامگاہ دور تھی، حافظ صاحب گاڑی سے مسجد نبوی عورتوں کو پہونچاتے

اور پھر لے آتے، ان کی بدولت مسجد شریف کی حاضری بہت آسان رہی، ایسا نیک نفس، پاک طینت آدمی کم دیکھنے میں آتا ہے۔

حافظ صاحب لاہور، پاکستان سے نکلنے والے ایک معیاری رسالہ ’’حق چار یار‘‘ کے مدیر بھی ہیں۔

(۳) مکہ معظّمہ میں ایک اور بزرگ شخصیت کی شفقت وعنایت کا وافر حصہ نصیب ہوتا ہے، یہ ہیں مولانا قاری خلیق اللہ صاحب، بہت عرصہ سے مکۃ المکرّمہ میں مقیم ہیں۔ حرم شریف میں تحفیظ القرآن کی درسگاہیں قائم ہیں، ان میں مدرس ہیں۔ اصول اور ضابطے کے بہت پابند ہیں، اور ساتھ ہی بہت محبت وکرم بھی فرماتے ہیں، حرم شریف سے قریب ترین ایک بلڈنگ ان کے انتظام میں ہے، اس میں وہ ہندوستان وپاکستان کے اکابر بزرگوں کو ٹھہراتے اور ان کی خوب خدمت کرتے ہیں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب علیہ الرحمہ، مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ، میرے شیخ حضرت مولانا حافظ عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم اور دوسرے اکابر کی وہاں زیارت ہوئی۔ فصیح عربی بولتے ہیں، احادیث کے متن بہت یاد ہیں، دلائل ومسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں، سعودی عرب میں غیر مقلدین کے اثر سے احناف کے خلاف ایک عام ذہن بنا ہوا ہے، حضرت قاری صاحب مدظلہٗ احناف کا دفاع خوب کرتے ہیں، ان کے دلائل اور ان کی گفتگو کے سامنے کوئی غیر مقلد ٹھہر جائے، مشکل ہے، جزئی مسائل اور ان کے دلائل انھیں ہمہ وقت مستحضر رہتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت جری ہیں، اس سلسلے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کا دباؤ قبول نہیں کرتے، ان سے مل کر جی بہت خوش ہوتا ہے، اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، فضول باتوں کا ان کے یہاں گذر نہیں ہے، علمی، فقہی اور حدیثی معلومات پر گفتگو کرتے ہیں، موسم حج میں بزرگوں کی اور علماء کی دعوت اپنے گھر پر ضرور کرتے ہیں، اور آداب واکرام کے ساتھ لے جاتے ہیں، اور اسی اکرام کے ساتھ رخصت کرتے ہیں، ان کے صاحبزادگان بھی اس باب میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر ہیں۔ رہنے والے ضلع بستی کے ایک مردم خیز

گاؤں ''ناوَن'' کے ہیں۔

(۴) مکہ شریف میں شیخوپور کے رہنے والے، ہم لوگوں کے ایک قریب ترین عزیز بھی ہیں اور بزرگ بھی! عمران بھائی، ۱۹۹۱ء میں مجھے شیخوپور سے حج کی سعادت نصیب ہوئی، اس وقت مدرسہ کے ناظم مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی (بمبئی) کے فرزند گرامی مولانا محمد عارف صاحب عمری تھے، عمران بھائی ان کے بڑے والد الحاج جناب عبدالاول صاحب کے فرزند ہیں، ان سے ملاقات ہوئی، اور ان کی خدمت وسعادت کے جوہر خوب کھلے، بہت نیک، متواضع اور ذاکروشاغل آدمی ہیں، اور جفاکش تو اس درجہ ہیں، کہ اس سے بڑھ کر تصور مشکل!

اُس سفر میں حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے مولانا رشید احمد الاعظمی بھی تھے، میں نے مدرسہ شیخ الاسلام کے لئے اور انھوں نے اپنے والد گرامی کے لئے بڑی اہم کتابیں خریدی تھیں، انھیں ہندوستان تک پہونچانے کا مسئلہ تھا، مولانا رشید احمد صاحب حج کے بعد شارجہ جانے والے تھے، حجاج کرام کے پانی کے جہاز بند ہوچکے تھے، کارگو سے کتابوں کا بھیجنا دردِسر بھی تھا اور اس پر مصارف بھی اتنے آرہے تھے کہ نو کی لکڑی نوے خرچ کا معاملہ تھا، مولانا گھبرائے ہوئے تھے، میں نے عمران بھائی سے تذکرہ کیا، وہ مولانا کی قیامگاہ پر گئے اور کتابوں کے دو بڑے بڑے کارٹون خود ہی اٹھا کر لے گئے اور مولانا کا بوجھ ہلکا کردیا۔ ساتھ ہی مدرسہ شیخ الاسلام کی کتابیں بھی اپنے ذمہ لے لیں، اور خیروخوبی کے ساتھ پانی کے جہاز سے بھجوادیں۔ مکہ شریف میں قیام رکھتے ہیں، اور دنیوی واُخروی سعادتوں سے بہرہ ور ہیں۔

(۴) مدینہ شریف میں لطف ومحبت کے ایک پیکر جناب ڈاکٹر شمیم احمد صاحب شرفِ اقامت رکھتے ہیں، ضلع اعظم گڈھ میں سنجرپور کے پاس ایک گاؤں داؤدپور کے رہنے والے ہیں، اللہ نے انھیں بھی خدمت کا بڑا حوصلہ دیا ہے، حاجیوں کی خدمت بہت خلوص سے کرتے ہیں، میرے ساتھ تو ان کا جذبۂ سلوک واحسان کچھ اور ہی بڑھ جاتا ہے، ان کی

کوشش ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میرے کپڑے ان کے ذمے رہیں، بڑی محبت سے اور بڑے خلوص سے پیش آتے ہیں، ان کے یہاں قہوہ کا دور چلتا ہے، ان کی بھی گاڑی خدمت کے لئے وقف رہتی ہے۔

(۵) جوارِ رسول میں، مسجد قبا کے زیر سایہ موضع ابراہیم پور، ضلع اعظم گڈھ کے میرے دیرینہ کرم فرما مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رہتے ہیں، سراپا محبت، پیکر تواضع، مہمان نوازی کے نہایت شوقین! ان کے گھر چلے جایئے، تو اپنے گھر جیسا سماں ہوتا ہے، بے تکلف جو چاہا فرمائش کردی، وہ بڑی خوشی سے تعمیل کرتے ہیں، دعوت ضرور کرتے ہیں، اور اگر کہہ دیجئے کہ کھانا پکا کر قیام گاہ پر لایئے تو اس سے بھی عذر نہیں، لیکن گھر پر چلے جایئے، تو خوشیوں کا ٹھکانا نہیں، ایسے مخلص حضرات ملتے ہیں تو جینے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

(۶) ہندوستان و پاکستان کے مشہور عالم دین، جو دونوں جگہ سے ہجرت کرکے جوارِ رسول میں مقیم ہوگئے تھے، حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلندشہری علیہ الرحمہ، چند سال پہلے ان کا وصال ہوا، ان کے وصال کے بعد حاضری میں ایک دوسرے مفتی عاشق الٰہی سے ملاقات ہوئی۔ یہ ضلع مہراج گنج کے رہنے والے، میرے ایک عزیز مولوی محمد صادق سلّمہٗ کے بڑے بھائی ہیں، چند برسوں سے مدینۃ الرسول ﷺ میں اقامت گزیں ہیں، ذی علم، باوقار، ذہین وفطین عالم ہیں۔ فصیح عربی بولتے ہیں، علمی باتوں کے سمجھانے کا ملکہ بہت خوب ہے، مخاطب کو مطمئن کردیتے ہیں، بہت بااخلاق اور خدمت گزار ہیں، ان کے علمی ذوق اور رسوخ کی وجہ سے توقع ہے کہ علم کی حفاظت اور اس کی ترویج واشاعت کا فریضہ انجام دیں گے۔

قلم جب محسنین کے تذکرے میں چل پڑا ہے، تو قلب کا تقاضا ہے کہ اپنے ان رفقاء کا تذکرہ بھی بطور احسان مندی کے کروں، جن کی رفاقت میں مجھ کاہل اور ناکارہ کا سفر آسان ہوا، نہ صرف آسان ہوا بلکہ بہت بہتر اور راحت جان ہوا، ان کی محبت اور حسن نیت کی برکت سے امیدوار ہوں کہ حق تعالیٰ کا کرم اس دن بھی شامل حال ہوگا جس دن ہر شخص

اپنا اپنا اعمال نامہ لیکر حاضر ہوگا۔

(۱) میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہمارا یہ قافلہ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا سعید احمد صاحب مدظلہٗ کی تھی، مولانا سعید احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، میں دارالعلوم میں جلالین شریف کی جماعت میں تھا، تو مولانا دورۂ حدیث میں تھے، درجۂ تعلیم کے اعتبار سے مجھ سے دو سال آگے! مگر اب وجاہت اور بڑھاپے کے وقار نے انھیں بہت آگے بڑھا دیا ہے، اجنبی آدمی مجھے اور انھیں دیکھے تو شاگرد استاذ کے رشتہ کا گمان کرے، بہت خوش مزاج، تجربہ کار، نیک طینت، پاک نہاد، انتظام کا مادہ بہت اعلیٰ درجے کا، رفقاء اور دوستوں کو ساتھ لے کر چلنے اور ملا کر رکھنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم، بہت پھرتیلے، سستی وکاہلی کا دور دور نشان نہیں، ساتھیوں کو بھی چست اور مستعد رکھتے، وقت وقت پر مسجد حرام کی حاضری میں، خواہ کتنا ہی ہجوم ہوتا تخلف نہ کرتے، بدن بھاری، مگر پیدل چلنے میں طاق، کھانے پینے کے انتظام اور پیسوں کے حساب کے بہت ماہر، عبادت کا ذوق بھی ماشاءاللہ خوب، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں بہت آگے، جس کسی نے کسی ضرورت کے لئے ان سے کہا، یہ ساتھ دینے اور مدد کرنے کے لئے تیار، سفر حج کی رفاقت میں ان کی خوبیوں کے جوہر کھلے، اور دل ان کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی، کپڑے خود دھو لیتے، حالانکہ دوسرے رفقاء ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے، مگر یہ اپنے انداز میں مگن تھے۔

ضلع مہراج گنج میں نوتنواں کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں، گورکھپور سے نیپال جانے والی شاہراہ پر نیپال سے ۱۸/ ۲۰ رکیلومیٹر پہلے ایک گاؤں ہے، ''اِکْسَڑْوَا'' وہاں دارالعلوم فرقانیہ کے مہتمم اور روح رواں ہیں۔

حج کی رفاقت میں ایک دن تذکرہ آیا کہ مہراج گنج کے اس علاقے کا مجھے ایک دینی اور تبلیغی دورہ کرنا چاہئے، میں نے عرض کیا کہ آپ انتظام کریں، میں حاضر ہوتا ہوں، چنانچہ انھوں نے ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں ایک ہفتہ کا بہت منظّم پروگرام بنایا۔ میں حاضر ہوا،

انھوں نے ''اِکُسَڑُوَا'' اور کلوہی سے لے کر نیپال کے اندر بھیراواں اور بُٹوَل تک کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ ہر روز دو وعظ ہوتے۔ ایک بعد نمازِ ظہر اور ایک بعد نمازِ مغرب! مولانا کی برکت سے یہ پروگرام کامیاب رہا۔ مسلمانوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔

(۲) ہمارے دوسرے رفیق سفر، میرے بہت ہی عزیز دوست مولانا لیاقت علی سلّمہٗ تھے، سفر حج کے محرک درحقیقت یہی تھے، انھیں کی تحریک پر چھ آدمیوں کا یہ قافلہ تیار ہوا تھا۔ مولانا لیاقت علی سلّمہٗ نے ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں حاصل کی۔ دو سال کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر تعلیم مکمل کی۔ دار العلوم سے فراغت کے بعد بمبئی چلے گئے، اور ایک مسجد میں امام وخطیب ہوئے، کچھ عرصے کے بعد بھنڈی بازار میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی، تو منتظمین نے انھیں دعوت دے کر اس میں بلالیا، اب عزت وتکریم کے ساتھ یہیں اپنے کارِ منصبی کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔

جب سے بھنڈی بازار کی اس مسجد میں وہ امام ہیں، میرے بمبئی کے میزبان اور صاحب انتظام وہی ہیں، عموماً سال میں ایک دو مرتبہ بمبئی کا سفر ہو ہی جاتا ہے، اور اکثر انھیں کی تحریک پر ہوتا ہے، تو میزبانی انھیں کے ذمہ ہوتی ہے، یہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے حلقے میں مقبول ومؤثر ہیں، ان کی وجہ سے ان کے دوستوں کا حلقہ بھی بہت محبت کرتا ہے۔ حج کے سفر میں ان کی رفاقت کی وجہ سے بہت آسانیاں رہیں، چونکہ کچھ حروف مجھ سے پڑھ رکھے ہیں، اس لئے اس کا حق خوب ادا کرتے ہیں، اللہ انھیں ہمیشہ بعافیت رکھے اور دین کی خدمت میں لگائے رکھے۔

(۳) حج کے ایک ساتھی برادر عزیز مولانا حافظ حمید اللہ ندوی تھے، یہ بھی بمبئی کی کسی مسجد میں امام وخطیب ہیں، مستعد صالح نوجوان، خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار، ضلع بستی کے رہنے والے، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل! کھانا پکانا خوب جانتے ہیں، ان کی وجہ سے رفقاء کو صبح کی چائے، ناشتہ اور دونوں وقت کھانا سادگی کے ساتھ نہایت عمدہ مل جایا کرتا

تھا، سفر میں گھر جیسا لطف حاصل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے، ان کی وجہ سے بہت راحت رہی۔ اسکے ساتھ ارکانِ حج کی ادائیگی اور مسجد حرام اور مسجد نبوی کی حاضری میں بھی بہت مستعد تھے، چستی اور مستعدی میں مولانا سعید احمد صاحب کے نقش قدم پر تھے۔

(۴) حاجی محمد الیاس صاحب، اس قافلہ کے ذمہ دار، بہت سادہ، خوش مزاج، خدمت گزار، ساتھیوں پر مال خرچ کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار، مولوی حمید اللہ ندوی کے ساتھ مطبخ کے کارگزار، سارا قافلہ ان کے احسان سے گرانبار، مگر خود اتنے سبکسار کہ کسی پر بوجھ نہ بنتے، بلکہ سب کا احسان مانتے، بمبئ مدن پورہ میں ان کا لوہے کا کارخانہ ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ ارادہ وعزم میں فولاد جیسی صلابت ہے، مگر معاملات میں بہت نرم ہیں۔ شرعی احکام کا خاص دھیان رکھتے ہیں، حج کے سفر میں پوچھ پوچھ کر مسائل پر عمل کرتے تھے، دورانِ سفر دانت کی تکلیف میں مبتلا رہے، مگر صبر وضبط کے پیکر بنے رہے، حج سے واپسی پر چند روز بمبئ میں قیام رہا، تو ہر وقت اپنے گھر سے جو کہ میری قیام گاہ سے خاصے فاصلے پر تھا، کھانا پکوا کر لاتے، انھوں نے بڑا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں برکتوں سے نوازے۔

(۵) حج کے اس سفر میں میرے ہمہ وقتی خدمت گزار میرے عزیز فرزند مولوی حافظ محمد عارف سلّمہٗ رہے، چار سال قبل مجھ پر فالج کا عارضہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے مکمل شفا بخشی، مگر بقول میرے دوست قاری شبیر احمد صاحب دربھنگوی مدظلہٗ کے کہ فالج بدن کا زلزلہ ہے، اس سے اعضا کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، اس کا اثر میں محسوس کرتا ہوں۔ دیکھنے والوں کو تو کوئی احساس نہیں ہوتا، مگر مجھ پر کمزوری کی گرفت اتنی شدید ہے کہ میں اس سے کسی وقت آزاد نہیں ہو پاتا، اس صورت میں سفر تو سفر ہے، حضر میں بھی مجھے کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت پڑ ہی جایا کرتی ہے۔

سفر حج میں عارف سلّمہٗ نے یہ خدمت انجام دی، ماشاء اللہ نوجوان صالح، اللہ نے بدن میں طاقت بھی دی ہے اور پھرتی بھی! ساتھ میں عقلی اور تدبیری صلاحیت ولیاقت بھی خوب ہے، سفر کے مختلف امور وانتظام میں نہ مجھے جسمانی طاقت لگانے کی ضرورت پیش آئی

، نہ کوئی انتظامی الجھن سامنے آئی، عارف سلّمہٗ اپنی خداداد قوت اور صلاحیت سے سب انتظام کر لیتے، اور میں ان کے انتظام میں بے فکری کے ساتھ اپنے معمولات میں مشغول رہتا۔

حج کے سفر میں کمزوروں کے لئے جو سب سے مشکل مرحلہ آتا ہے، وہ ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کے لئے پانچ روزہ عمل، مکہ شریف سے منیٰ، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ، پھر رمی جمرات، طوافِ زیارت کے لئے مکہ شریف جانا اور طوافِ زیارت کرنا، طوافِ زیارت کر کے منیٰ لوٹنا، پھر آخری رمی کر کے مکہ شریف جانا۔ اچھے اچھے طاقت ور اس مرحلے میں تھک کر چور ہو جاتے ہیں، کیونکہ حجاج کرام کا پورا مجمع جو ۳۰؍۴۰؍ لاکھ پر مشتمل ہوتا ہے، بیک وقت نقل وحرکت کرتا ہے، اس لئے اس میں سواریاں پیدل سے پیچھے رہ جاتی ہیں، زیادہ تر لوگوں کو پیدل ہی چلنا پڑتا ہے۔ میں پیدل چلنے سے معذور، مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے ویل چیر کا انتظام کیا، اور عارف سلّمہٗ نے نہایت مستعدی سے اسے تھاما اور مجھے اس پر بٹھایا اور منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں میں اسی بھیڑ بھاڑ اور ہجوم میں مجھے چلاتے رہے، مجھے رہ رہ کر خیال ہوتا تھا، ان کا پہلا حج ہے، اور اسی میں دوہری مشقت میں پڑ گئے، مگر عارف سلّمہٗ نے نہ کہیں اکتاہٹ محسوس کی، نہ گھبراہٹ، بلکہ کہیں تکان کی بھی شکایت نہیں کی، ہمہ وقت ایک نشاط ایک خوشی وسرمستی ان پر چھائی رہتی، بیٹے نے نیم معذور باپ کی ایسی خدمت کی کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی دعائیں، صرفِ شکرانہ ہوئیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ہجوم کے وقت یہ حال ہوتا ہے کہ لوگ شروع ہی میں بیٹھ جاتے ہیں، اور آگے کی طرف جگہ خالی رہتی ہے، عارف سلّمہٗ اس انداز کو خوب سمجھ گئے تھے، وہ مجھے لے کر مسجد میں جاتے، تو ابتدائی ہجوم میں نہ کہیں رکتے، نہ مجھے رکنے دیتے، آگے ایسی جگہ پہونچا دیتے جہاں خوب فراغت سے جگہ مل جاتی، پھر وہ مسجد حرام میں طواف کے لئے آگے چلے جاتے اور خوب طواف کرتے، اور اُدھر ہی جہاں جگہ مل جاتی نماز کی جماعت میں شامل ہو جاتے، اور ضرورت کے وقت میرے پاس آ جاتے، بندے کا حق بھی

نبھایا، اور اللہ تعالیٰ کی نیاز مندی میں بھی لگے رہے۔

مکہ شریف میں میرے شیخ و مرشد حضرت مولانا حافظ عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو بیعت ہو کر ان کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ عارف کو اپنی کامل معرفت اور سچی محبت نصیب فرمائیں، اور بار بار حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

یہ سب حضرات اور یہ سب رفقاء اللہ کے انعام ہیں، جو بغیر کسی استحقاق کے ایک گنہگار غلام کو حاصل ہوئے، اس احسان وانعام پر قلب بھی، زبان بھی، اور قلم بھی، سب شکر وسپاس کا نذرانہ حق تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ ان سے دعا ہے کہ جہاں اتنی مہربانیاں فرمائی ہیں، یہ مہربانی بھی فرمائیں کہ ان کی جانب سے قبولیت کا اشارہ ہو جائے، اس حقیر کے تمام محسنین اور رفقاء کے لئے، اور ان کی محبت کے صدقے میں خود اس حقیر کیلئے بھی۔

وماذٰلک علی اللہ بعزیز

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرِ قدس ﴿۱۴۲۸ھ﴾

(حج کی ڈائری)

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہٗ

حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے پچھلے سال حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، رفیق سفر اپنے چند احباب کے علاوہ میرے فرزند حافظ مولوی محمد عارف سلّمہٗ تھے، اس سال پھر ارادہ کی توفیق ہورہی تھی، اور یہ خیال تھا کہ اس حج میں دوسرے فرزند حافظ محمد عادل سلّمہٗ ہوں گے، میرے یہ دونوں بیٹے توأم (جڑواں) ہیں، مگر مشکل یہ تھی کہ اس سال پانچ سال کے وقفہ پر سختی سے عمل درآمد کا اعلان ہوا تھا، کہ جو لوگ پانچ سال پورا ہونے سے پہلے دوبارہ حج کمیٹی میں درخواست دیں گے وہ مسترد ہوجائے گی، اس کارروائی کے بعد ارادے میں اضمحلال آنا ناگزیر تھا، مگر سنٹرل حج کمیٹی کے ایک فعال ممبر جناب حافظ نوشاد احمد صاحب نے اس مشکل کو حل کیا، انھوں نے حج کمیٹی سے باقاعدہ سفرحج کی تحریری اجازت دلوائی، اس اجازت کو فارم میں منسلک کرکے درخواست بھیجی، لیکن قرعہ میں اسے منظوری نہ مل سکی، اس سال یو۔پی سے دس گیارہ ہزار درخواستیں کوٹے سے زائد تھیں، یہاں بھی حافظ نوشاد احمد صاحب کے ناخن گرہ کشا نے کرشمہ دکھایا، دوسرے کوٹے سے منظوری ہوگئی۔

سفر کی اجازت گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے تو مل گئی، لیکن سفر کی تاریخ کیا ہوگی، اس کا مسئلہ معلق ہوگیا۔ حافظ نوشاد احمد صاحب بہت عرصے سے حاجیوں کی خدمت نہایت سرگرمی اور تندہی کے ساتھ کررہے ہیں، اس کے لئے انھوں نے ایک تنظیم قائم کررکھی

ہے، جس کا نام ''حج سیوا سمیتی'' ہے، اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے وہ مسلسل حجاج بیت اللہ کے لئے سہولیات کے واسطے کوشاں رہتے ہیں، انھیں کی کوششوں سے یو۔ پی کے حجاج کے لئے بجائے ممبئ اور دہلی کے پروازوں کا سلسلہ لکھنؤ سے شروع ہوا، اور اب پھر انھیں کی جدوجہد سے مشرقی یو۔ پی کو خاص سہولت ملی، یعنی اس سال بنارس سے ہوائی جہازوں کے پرواز کی اجازت ملی، چنانچہ ۱۶/نومبر سے بنارس کی پرواز شروع کئے جانے کا اعلان ہوا۔ ۱۶/ سے ۳/دسمبر تک! جس کوٹے سے میرے لئے حج کی منظوری ہوئی، وہ مذکورہ ترتیب میں شامل نہیں تھا، اس لئے بکثرت سوال ہوتا تھا کہ کب جائیں گے اور کہاں سے جائیں گے؟ میں تو اطمینان سے جواب دیتا رہا کہ کچھ معلوم نہیں کہ کب جانا ہے، لوگوں کو شبہ ہونے لگا کہ جانا ہے بھی یا نہیں؟ مجھے اطمینان تھا کہ یہ منظوری حق تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس لئے سفر ہوگا۔ ان شاءاللہ

۵/دسمبر کو خبر ملی کہ ۱۱/کو بنارس سے فلائٹ ہے۔ ۱۰/دسمبر کو مدرسہ اور گھر سے رخصت ہوکر رات کو عشاء کے وقت بنارس حاجی منظور احمد صاحب کے گھر پہونچا۔ ساتھ میں میرے بیٹوں کے علاوہ مولانا انتخاب عالم صاحب قاسمی، ناظم مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اور عزیزان گرامی مولانا محمد اسجد اور مولانا سلمان احمد اعظمی بھی تھے، حاجی منظور احمد صاحب گھر پر موجود نہ تھے، سفر میں تھے، ان کے صاحبزادگان عزیزم الحاج محمد صالح والحاج محمد انعام سلّمہما نے خدمت کا حق ادا کیا۔ صبح فجر کی نماز کے بعد حج ہاؤس، سر سیّد پبلک اسکول کی طرف چلے، راستے میں اردلی بازار میں جہاں حافظ نوشاد احمد صاحب کا قیام تھا، ان سے ملے، پاسپورٹ اور سب کاغذات انھوں نے حوالے کئے، اور ہم لوگ عارضی حج ہاؤس سر سیّد پبلک اسکول میں آگئے۔ یہاں متعدد دوستوں سے ملاقات ہوئی، انتظامیہ کی جانب سے حکم تھا کہ جامۂ احرام یہیں پہن لو، اور ضروری کاغذات لے لو، پھر ایر پورٹ کی بس پر بیٹھ کر ایر پورٹ جاؤ، چنانچہ ہم اپنے دوستوں سے رخصت ہوکر بابت پور ایر پورٹ پر پہونچ گئے، بس پر ایک بریلوی مسلک کے مولوی صاحب کچھ بیان کرتے رہے، اور لبیک

پڑھاتے رہے، اورلوگ جامۂ احرام پہنے ہوئے لبیک پڑھتے رہے۔ اوّلاً تو لبیک پڑھنے پڑھانے کا یہ طریقہ حسب تصریح علماء وفقہاء صحیح نہیں ہے، پھر جامۂ احرام پہن لینے کے بعد ظاہر ہے کہ حج یا عمرے کی نیت ہوجاتی ہے، زبان سے کچھ کہنے کا نام نیت نہیں، دل کے ارادے کا نام نیت ہے، تو نیت موجود ہے، اس پر لبیک پڑھ لی گئی، تو احرام مکمل ہوگیا، اور اس کی پابندیاں عائد ہوگئیں، اب اس کے بعد ان کو یہ بتاتے رہنا کہ حج کی یا عمرے کی نیت فلاں جگہ سے کریں گے، ابھی احرام نہیں ہوا ہے، غلطی میں ڈالنا ہے۔ تلبیہ کا بلند آواز سے پڑھنا حج کا شعار اور احرام کی علامت ہے، اسے حالت احرام ہی میں پڑھنا چاہئے، وہ عام دعاؤں کی طرح نہیں، ہاں عام دعاؤں کی طرح سراً کوئی پڑھتا ہے، تو اس کی بات اور ہے، لیکن جامۂ احرام میں جب کوئی تلبیہ پڑھے گا، تو دوسروں کو بھی خیال ہوگا، اور خود حاجی بھی یہ خیال کرے گا کہ میں احرام والا لبیک پڑھ رہا ہوں، لیکن برا ہو ظاہرداری اور نمائش کے جذبے کا کہ اس نے عبادتوں کو بھی نمائش بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایر پورٹ پہونچ کر زرِ مبادلہ کے ریال ۲۰۵۰/ریال ملے، ہم لوگ ایر پورٹ کی حفاظتی فارملٹیوں کو پورا کرتے ہوئے اندر پہونچ گئے، بنارس کا ایر پورٹ چھوٹا ہے، اس لئے حج کے لئے اسے چھوٹا جہاز ۱۷۰/سواریوں والا دیا گیا ہے، اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ بنارس سے جدہ ۱۰/۹ گھنٹے میں پہونچتا ہے، درمیان میں احمد آباد اور شارجہ میں تیل لینے کے لئے اترتا ہے، اس وقفہ میں کسی مسافر کو جہاز سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی، جن مسافروں کو طہارت ونماز سے کوئی مطلب نہیں، ان کے لئے تو کوئی خاص بات نہیں، لیکن یہ حاجیوں کا قافلہ ہے، اسے طہارت کا بھی اہتمام ہے، نمازیں بھی ادا کرنی ہیں، پھر عازمین حج میں ایک بڑی تعداد بوڑھوں کی ہوتی ہے، انھیں پیشاب پاخانے کا بار بار تقاضا ہونا بعید نہیں، ادھر ہوائی جہاز میں پانی گرانا ممنوع، چھوٹا استنجا ہو یا بڑا، کاغذ استعمال کرنے کا حکم ہے، سمجھا جاسکتا ہے کہ اس طریقۂ عمل سے مطلوبہ طہارت کہاں تک حاصل ہوگی، پھر وضو کرنے کی بالکل اجازت نہیں، تو آدمی نماز کس طرح پڑھے، ہماری فلائٹ کا وقت ۱۲/۲۰ بجے تھا،

اور جہاز میں کم از کم آدھ گھنٹہ پہلے بیٹھا کر بند کر دیتے ہیں، ظہر کی نماز کا وقت آج ۱۱/۵۰ پر ہے، اور جہاز میں بیٹھانے کا سلسلہ ساڑھے گیارہ بجے سے شروع ہو گیا تھا، حجاج جلد جلد جا کر مناسب سیٹوں پر قبضہ کر رہے تھے، کیونکہ بورڈنگ کارڈ پر سیٹوں کا نمبر نہیں دیا گیا تھا، میرے ساتھ کو پا گنج کے میرے عزیز مولوی جمال احمد سلّمہٗ تھے، میں نے کہا کہ ۱۱/۵۰ پر ہم لوگ ظہر پڑھ لیں، پھر جہاز پر سوار ہوں، پورا ہال خالی ہو گیا تھا، لوگ تقاضا کر رہے تھے جلد جہاز میں چلو، ہم لوگ وضو کر چکے تھے، جب ۱۱/۵۰ ہو گئے، تو تین افراد نے ظہر کی نماز ادا کی، میں اور میرا بیٹا محمد عادل اور مولوی جمال احمد سلّمہٗ، یہاں تو ظہر کی نماز ادا کر لی، اب عصر اور مغرب کا اللہ ہی حافظ ہے، ہوائی جہاز میں ہم لوگ آخری سوار تھے خیر بحمد اللہ سیٹ مل گئی، ۱۲/ بج کر ۳۰/ منٹ پر جہاز اُڑا، عصر سے پہلے احمد آباد ایرپورٹ پر اترا، جہاز کے مسافروں میں ظہر کی نماز کا چرچا تھا، مگر جہاز کے ٹوائیلٹ میں پانی کا استعمال ممنوع! جہاز سے باہر نکلنے پر پابندی! جہاز میں سیٹوں کے درمیان نماز پڑھنے کی اجازت نہیں! اب آدمی کرے تو کیا کرے، ہم تو ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے اس لئے مطمئن تھے، لیکن عصر اور مغرب میں یہ مسئلہ ہم کو بھی پیش آنے والا تھا، اس لئے پریشانی جھانک رہی تھی، حج کے سفر میں نمازیں قضا ہوں، بڑے امتحان کی بات ہے۔

سفرِ حج میں مفتیوں کی کثرت:

ایک اور عجیب بات کا حج کے سفر میں تجربہ ہوا، وہ لوگ جو مسائل سے بالکل واقف نہیں ہوتے، یا ان کی واقفیت ناتمام ہوتی ہے، اپنی جگہ پر ہوں تو علماء کے سامنے انھیں زبان کھولنے کی جرأت نہ ہو، مگر سفرِ حج میں وہ بے تکلف فتوے صادر کرتے ہیں، اگر کوئی عالم موجود بھی ہو، تو اس سے پوچھنے کے بجائے بے تکلف اپنی طبیعت سے مسائل پر حرف زنی کرتے رہتے ہیں، اور اگر انھیں صحیح مسئلہ بتایا جائے، جو ان کے فتوے کے خلاف ہو، تو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یہ اتنی تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے کہ بسا اوقات خاموش رہنے سے ضمیر ملامت کرتا ہے، اور بولیں تو اس سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے، اور فضول بک بک

جھک جھک سننی پڑتی ہے۔

میں جس سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے پیچھے ایک صاحب جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے معلوم ہوتا تھا، بے تکلف فتووں کی بوچھار کئے ہوئے تھے، ان کے متعدد رفقاء تھے، وہ ان سے پوچھتے تھے، اور وہ بے تکلف چلا چلا کر اس طرح مسائل بیان کرتے تھے، اور لوگوں کو مشورے دیتے تھے، جیسے دین انھیں نے وضع کیا ہو۔

مثلاً ایک شخص نے وضو کے بارے میں ان سے سوال کیا، تو فرمایا کہ بیت الخلاء میں پانی مت گرانا، ہاتھ بھگو کر منہ پر ہاتھ پر اور پیر پر ہاتھ پھیر لو کہ وہ سب اعضاء بھیگ جائیں، بس وضو ہو گیا، اور وہ صاحب غالباً اسی طرح وضو کرکے آئے تھے، کسی نے پوچھا کہ نماز کیسے پڑھیں؟ فرمایا کہ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے، سامنے جو کھانا کھانے کے لئے تختہ رہتا ہے اسے کھول لو، اور بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لو، اور سجدہ کھانے کے تختہ پر کرو، نماز ہو گئی، دیکھو کتنا آسان مسئلہ ہے۔

اس کے بعد جہاز کے عملے سے کہنے لگے کہ تھوڑی سی مٹی نیچے سے لا دو تا کہ ہم لوگ تیمّم کر لیں، ان مسائل میں پورے دورانِ سفر وہ حلق کی پوری طاقت لگا لگا کر چلاتے رہے، میں تو حیران تھا کہ یا اللہ! یہ صاحب اللہ پر کتنے جری ہیں، اور یہی نہیں اسی طرح اور دوسرے مسائل پر بھی وہ طبع آزمائی اور رائے زنی کرتے رہے، میں دم بخود سنتا رہا۔

ایک صاحب اور سامنے آئے، وہ اپنے دعوے کے مطابق عالم تھے، انھوں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ جو مسائل پوچھنے ہوں میں موجود ہوں، ان سے بعض لوگوں نے میرے متعلق بتایا، مگر وہ ہاں ہاں کر کے رہ گئے، اس کے بعد انھوں نے فلائٹ کے لاؤڈ اسپیکر کو استعمال کرنا شروع کیا، اور الٹے سیدھے مسائل بتانے لگے، ان کی تقریر سے اندازہ ہوا کہ وہ بریلوی ہیں، اور مسائل سے کوئی خاص واقفیت نہیں رکھتے، انھوں نے بھی تیمّم کے مسئلے پر زور دیا، اور یہ بھی بتایا کہ سجدہ کے لئے اشارہ کرنا کافی ہے، کھانے کے تختے پر سر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جدہ میں اترنے کے بعد اتفاق سے امیگریشن کے مرحلے میں وہ میرے پاس ہی آ بیٹھے، تو تعارف ہوا، کہنے لگے کہ میں نے جو مسائل بیان کیۓ وہ درست تھے؟ میں نے کہا نہیں؟ پھر وہ مجھ سے الجھنے لگے، میں بحث نہیں کرنا چاہتا تھا، اولاً سفر حج میں ہر شخص مفتی بننے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر یہ تو بریلوی ہیں، ان کا تو طرۂ امتیاز ہی کج بحثی اور کٹ حجتی ہے، لیکن وہ مصر ہوئے، تو چند ایک باتیں میں نے عرض کیں، جن کا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا، تو کہنے لگے کہ

ملا آں باشد کہ چپ نہ شود

میں نے کہا کہ میں تو چپ ہی تھا، آپ ہی نے بولنے پر مجبور کیا، تو اس مصرعہ کو مجھ پر نہیں اپنے اوپر پڑھیۓ، یہ کہہ کر میں دوسری طرف چلا گیا، انھوں نے بھی کھسک جانے ہی میں عافیت سمجھی، کہیں اور چلے گئے، پھر دکھائی نہیں دیۓ۔

جہل کا اتنا زبردست غلبہ ہے کہ بتانے پر بھی احساس نہیں، اپنی مرغی کی ایک ٹانگ پر اڑے رہتے ہیں، اسی لئے میں عموماً خاموشی اختیار کیۓ رہتا ہوں، حالت احرام مولویت کے لئے ایک اچھا پردہ بھی ہے، عوام کے حکم میں رہتا ہوں، کوئی ظاہر کرنا چاہتا ہے تو انکار کر دیتا ہوں۔

اصل مسئلہ:

ہوائی جہاز میں پانی موجود ہوتا ہے، بے تحاشا پانی گرانے کی ممانعت ہوتی ہے، حجاج کرام کوئی رعایت نہیں کرتے، اس لئے عملہ سختی سے منع کرتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے اس لئے تیمّم کرنا جائز ہے، درست نہیں، تیمّم کرنا بحالت موجودہ جائز نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج:۱ص:۲۸، وبدائع الصنائع، ج:۱ص:۵۰)

ہوائی جہاز پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی پوری قدرت ہوتی ہے، قدرت ہوتے ہوئے فرض نماز بیٹھ کر پڑھنی ہرگز درست نہیں ہے، اگر عملہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے، تو اس سے قدرت ختم نہیں ہوتی، اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ جو مجبوری منجانب اللہ نہیں،

منجانب عبد ہے، تو وہ مجبوری بیٹھ کر پڑھنے کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج:۱، ص: ۲۸، شامی، ج:۱، ص: ۱۸۵، وبحر، ج:۱، ص: ۱۴۲) بالکل مجبوری ہو، اور وضو موجود ہو تو اگر وقت کا حق ادا کرنے کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھ لی ہے، تو اسے بعد میں قضا کرے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالکل نہ پڑھے، بعد میں اسے بطور قضا پڑھ لے۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ خندق کے موقع پر دشمنوں کے سخت دباؤ کی وجہ سے ایک روز ظہر، عصر اور مغرب کی نماز نہ پڑھ سکے تھے، تو آپ نے قضا باجماعت عشاء کے وقت پڑھی تھی۔

ہمارا جہاز چھوٹا تھا، اور مسافروں نے جہاز کے مختصر سے بیت الخلاء میں بے تحاشا پانی اور استنجاء کے کاغذات گرادئے تھے، عملہ پریشان تھا، اس نے مطلقاً پانی کے استعمال کو روک دیا تھا، وضو کی گنجائش نہ تھی، اس صورتحال میں بہت سے لوگ بلکہ مذکورہ بالا مجتہدین اور ان کے چند ایک مقلدین کے علاوہ کوئی بھی نماز نہ پڑھ سکا، ظہر تو ہم پڑھ کر سوار ہوئے تھے، عصر اور مغرب کی نماز قضا ہوگئی، جہاز سے اترنے کے بعد قانونی کارروائی سے ذرا مہلت ملی تو میں نے عصر اور مغرب کی قضا پڑھی اور عشاء کی نماز ادا کی۔

احمد آباد کے بعد جہاز شارجہ میں اترا، وہاں ڈیڑھ گھنٹے کے قریب کھڑا رہا، وہاں سے اُڑا تو اعلان ہوا کہ دو گھنٹے چالیس منٹ میں جدہ پہونچ جائے گا، چنانچہ ساڑھے سات بجے شب میں جدہ ہوائی اڈہ پر وہ اترا، ہندوستانی وقت کے لحاظ سے دس بجے رات میں، اس طرح ساڑھے نو گھنٹے میں بنارس سے یہ جہاز جدہ پہونچا، بنارس سے پرواز پہلے سال شروع ہوئی ہے، وہاں کا ایرپورٹ بہت چھوٹا ہے، بڑے جہاز وہاں سے پرواز کرنہیں سکتے، اس لئے مجبوری تھی کہ چھوٹے جہازوں سے کام لیا گیا، جنھیں کچھ کچھ دور پر غذا لینے کی ضرورت پیش آئی، اب امید ہے کہ ایرپورٹ کی توسیع ہوگی، تو یہ مسئلہ ختم ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

جہاز کا کھانا:

جہاز پر مسافروں کی تواضع کھانے اور مشروبات سے کی جاتی ہے، حاجیوں کے

لئے جو جہاز مخصوص کئے جاتے ہیں، ان میں کوئی نازیبا چیز کھانے پینے میں نہیں دی جاتی، جہاز کا عملہ کہتا ہے کہ گوشت حلال ہے یعنی شرعی ذبیحے کا گوشت ہے، مشروبات بھی مشتبہ نہیں ہوتے، مگر بہت چھان بین کے بعد یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ مرغیوں وغیرہ کا جو گوشت حاصل کیا جاتا ہے وہ ڈبوں میں آتا ہے، اور ان کے ذبیحے شرعی نہیں ہوتے، چونکہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مرغیاں درکار ہوتی ہیں، اس لئے انھیں خاص قسم کی مشینوں سے ذبح کیا جاتا ہے، اور مشینی ذبیحہ کا جائز ہونا نہایت مشکوک ہے۔ اس لئے یہ خاکسار ہوائی جہاز پر کبھی ازقسم گوشت کوئی چیز نہیں کھاتا، دال ترکاری کھالیتا ہے، یا صرف چائے بسکٹ پر گزارا کرلیتا ہے، اس سفر میں بھی یہی کیا، سفر وقت کے لحاظ سے طویل تھا، اس لئے کھائے بغیر چارہ نہ تھا، تو دال سبزی پر اکتفاء کی۔

جدہ:

جدہ میں ایرپورٹ کے حلقے میں، جہاز سے اتر کر جونہی داخل ہوئے، ایک ناگوار چیز سامنے آئی، وہ یہ کہ ایک شخص بالکل دروازے پر پولیو ڈراپ لئے کھڑا تھا، منہ کھولو اور پولیو ڈراپ پیو، میں نے کہا کہ میں ہندوستان میں پی کر آیا ہوں، اس کی سند بھی موجود ہے، مگر امریکہ کی منحوس غلامی نے اس اسلامی ملک کے حکمرانوں کی قوت فکر وعمل کو مفلوج کررکھا ہے، کچھ نہیں سنا، مجبوراً یہ ناگوار اور تلخ گھونٹ اتارنا پڑا، اللہ جانے یہ دوا ہے یا نجاست، اب تک اس کے اجزاء ترکیبی کو واضح نہیں کیا گیا ہے، امریکہ نے یہ دوا تیار کی ہے، اس لئے کسی کو پوچھنے کا حق نہیں، بس چپ چاپ پی لو، یہی ہندوستان میں بھی ہورہا ہے، لیکن یہاں تو انکار کی گنجائش ہے، توحید کے ان دعویداروں کے یہاں انکار تو کیا شک کرنے کی بھی مجال نہیں۔

واللہ المستعان

مکہ مکرمہ میں:

جدہ میں ہندوستانی حج مشن کا عملہ کام میں مصروف تھا، انتظامات مکمل کرکے ہمیں

ایک بس پر سوار کر دیا، بس قدرے سست رفتاری سے چلی، اور تقریباً دو گھنٹے میں مکہ شریف پہونچی ۔ بلڈنگ نمبر ۴ جو ''ابراج خزندار'' کے نام سے موسوم ہے، اس کے حصہ بی میں آٹھویں منزل پر روم نمبر ۱۰ میں جگہ ملی، یہ عمارت محلّہ ''اَجیاد'' میں ہے، جو حرم شریف سے زیادہ دور نہیں ہے، مگر بہت قریب بھی نہیں ہے، کمرے میں آئے، تو اس میں تین بیڈ لگے ہوئے تھے اور چار آدمیوں کا نام چسپاں تھا، ایک خاتون بھی تھیں، ہمیں گھبراہٹ ہوئی، مگر دوسرا قافلہ ابھی آیا نہ تھا، ہم لوگ سو گئے، ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد صبح صادق ہوئی، میری آنکھ صبح صادق سے آدھ پون گھنٹے قبل کھل گئی، کچھ نفل اور وتر ادا کئے، پھر فرزند عزیز حافظ محمد عادل کو جگایا، حرم جانے کی گنجائش نہ تھی، یہیں ہم باپ بیٹوں نے جماعت کر لی، اور پھر سو گئے ۔ میں اِفراد کے احرام میں تھا، اپنی بیماری اور ضعف نیز عاشقین خدا کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے حرم جانے کی ہمت نہ کر سکا، مفتی عبد الرحمٰن صاحب تشریف لائے، ان کے ساتھ عادل کو بھیج دیا، اس نے جا کر عمرہ ادا کیا، میں کاہل اور نکما آرام پرستی میں پڑا رہا، اور نفس حیلے بہانے بناتا رہا، مجھے طوافِ قدوم کرنا تھا، اس کے ساتھ سعی بھی کرنی تھی ۔

شام کو میاں بیوی پر مشتمل دوسرا قافلہ آ گیا، اس نے ایک بیڈ دیکھا تو بہت پریشان ہوا، بہت فریاد کی، انڈین حج مشن میں درخواست دی، مگر اب حج کا وقت قریب ہے، ہجوم بہت ہے، دوسری جگہ دینے کی گنجائش نہیں ہے، یہ لوگ گوالیار کے ہیں، لیکن تھوڑی دیر ساتھ رہ کر بہت مانوس ہو گئے، مجھ سے کہا گیا کہ حج تک گزارا کر لیجئے، بعد میں انھیں دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا، میں نے ان سے کہا، یہ لوگ راضی ہو گئے ہیں، دو تین روز کے بعد منیٰ جانا ہے، اسی میں گزر ہونے لگی ۔

طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کا مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ مفرد بالحج طواف قدوم کے ساتھ سعی کر لے...... ایسا کرنا مسنون ہے...... تو اسے طوافِ فرض یعنی طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنے کی حاجت نہیں رہتی، ہم ۳؍ ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچے تھے، دوسرے روز یعنی ۴؍ ذی الحجہ کو طوافِ قدوم کیا،

طواف میں پروانوں کا شدید ریلا تھا، طواف کرنے والے اپنی دھن میں طواف کرتے ہیں، مرد بھی عورتیں بھی، عموماً ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تیز رفتاری میں کوئی سست رفتار حائل ہوتا ہے، تو اسے ہاتھ کے زور سے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، میں ٹھہرا کمزور اور بیمار! اور پھر یہ التزام کہ سر جھکا کر، دونوں ہاتھ گرا کر طواف کرنا ہے، کیسا بھی موقع ہو نہ ہاتھ اٹھانا ہے، نہ نگاہ! میں اپنے انھیں التزامات کے ساتھ چلتا ہوں، اور دائیں بائیں سے دھکے اور ضرب محسوس کرتا رہتا ہوں، خصوصاً عورتوں کی تیز گامی کافی دھکے لگاتی ہے، خدا خدا کر کے ایک گھنٹے میں طواف پورا ہوا، اضطباع تو کر لیا تھا، مگر رمل کی نوبت کم ہی آئی، ارادہ تھا کہ سعی بھی کر لوں گا، مگر تھک کر چور ہو گیا تھا، دو رکعت نفل پڑھ کر تھکے ہوئے بیل کی طرح بیٹھ گیا۔

طواف اور سعی کے درمیان فصل:

مفتی عبد الرحمٰن صاحب کو فون کیا کہ کیا سعی کا اتصال طواف کے ساتھ ضروری ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، بعد میں بھی کر سکتے ہیں، اس جواب کو میری کاہلی نے بہت پسند کیا، اور میں کمرے میں چلا آیا، پاؤں پر ہلکا ورم تھا، آرام کیا، دوسرے روز صبح کو سعی شروع کی، چار چکر کے بعد تھک گیا، تو تین چکروں کو کل پر اٹھا دیا اور واپس آ گیا، دوسرے دن باقی تین چکر پورے کر لئے، بحمد اللہ سعی مکمل ہو گئی، سعی کے لئے نہ اتصال شرط ہے اور نہ مسلسل لگاتار ہونا شرط ہے۔ (غنیۃ الناسک، ص:٦٨ بحوالہ زبدۃ الناسک، ص:١٤٢)

میری کاہلی:

٦/ذی الحجہ کو میں نے سعی مکمل کی، اب حجاج کا پورا مجمع مکہ شریف میں اکٹھا ہو گیا ہے، حرم شریف کا ہر حصہ بالکل لبریز ہے، سڑکوں پر آدمی ہی آدمی ہیں، حرم شریف کے اندر جگہ لینے کے لئے بہت پہلے جانا شرط ہے، ورنہ راستوں میں نماز کی صفیں اس کثرت سے لگ جاتی ہیں کہ حرم تک پہونچنا ممکن نہیں ہوتا، میں بچپن سے ضعف مثانہ کا شکار ہوں، استنجاء

کا تقاضا جلد جلد ہوتا ہے، اور حرم میں پہونچ جانے کے بعد استنجا خانہ تک پہونچنا سخت مشکل ہے، اور پہونچ بھی جایئے تو لمبی لائن کا تحمل اس سے زیادہ مشکل، میری آرام پسند طبیعت نے ان کمزوریوں اور مجبوریوں کا بہانہ بنا کر بے ہمتی اختیار کی، میں نمازیں کمرے ہی میں پڑھتا رہا، کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا، اور جماعت کا انتظام ہو جاتا، البتہ فجر کی نماز میں روزانہ حرم شریف پہونچ جاتا، وہ اس طرح کہ چار بجے سے پہلے ہی ہمت کر کے حرم شریف چلا جاتا، اور حرم شریف کے گرم ترین حصے یعنی ملک عبد العزیز کے تہہ خانے میں پہونچ جاتا، وہاں اے۔ سی نہیں ہے، گرمی کی وجہ سے استنجا کے تقاضے سے ذرا مہلت مل جاتی ہے، فجر کی نماز ساڑھے پانچ بجے کے قریب ہوتی، آرام سے گزر ہو جاتا، تہ خانے میں ذرا اطمینان رہتا ہے، دوسرے وقتوں میں یہاں تک نماز سے اتنے قبل پہونچنا مشکل ہوتا، کیونکہ لوگ شروع ہی میں راستوں میں مصلیٰ بچھا بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

بعض اہم ملاقاتیں:

حج کے اس ہجوم میں کسی کو تلاش کرنا اور اس سے ملاقات کرنا ایک کارِ دشوار ہے، اور میں عموماً اس کارِ دشوار میں نہیں پڑتا، بس جس سے ملنے کی آرزو ہوتی ہے اس کے لئے اللہ سے دعا کر کے فارغ ہو جاتا ہوں، مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ میرے مخدوم و محسن اور پیر صحبت، صوبۂ بہار کے مسلّم صاحب نسبت بزرگ حضرت ماسٹر شاہ محمد قاسم صاحب مدظلہٗ ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ حج میں تشریف لائے ہیں، ان سے ملاقات کی آرزو تھی، سوچا تھا کہ حج کے بعد ملاقات کروں گا، لیکن دیکھا کہ ایک روز بعد نمازِ عشاء بنفس نفیس اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، حضرت کی اس ذرہ نوازی اور کرم فرمائی سے میں پانی پانی ہو گیا، حضرت کے ساتھ میرے ایک حج کے رفیق اور دربھنگہ میں میرے مستقل میزبان جناب الحاج نور اللہ بھائی کے برادر نسبتی جناب ممتاز احمد صاحب بھی تھے، ان کے ساتھ ایک اور صاحب تھے، سفید ریش، ہنس مکھ، میں حضرت سے ملاقات کی مسرت میں کھویا ہوا تھا کہ کسی نے توجہ دلائی کہ یہ مولانا باقی باللہ کریمی صاحب ہیں، مجھے حیرت ہوئی، میں نے کہا

نہیں، مولانا باقی باللہ تو جوان آدمی ہیں، یہ تو بوڑھے معلوم ہورہے ہیں، کہنے لگے ہاں، بال بہت جلد سفید ہوگئے، بہار کے ایک عظیم صاحب نسبت اور صاحب علم بزرگ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۳۴ھ تھے، مولانا باقی باللہ انھیں بزرگ کے پوتے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔

یہ حضرات کچھ دیر تک تشریف فرما رہے، پھر رخصت ہوئے، **دحلة الرشد** میں حضرت کا قیام ہے۔

ضیاء الدین صاحب:

پچھلے حج میں جدہ میں رہنے والے ایک بزرگ سے فون پر تعارف ہوا، فون ہی پر بات ہوتی رہی، وہ بزرگوں کے قدردان، بزرگوں سے واقفیت رکھنے والے، اور خود بزرگ ہیں، مشہور بزرگ ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا سیّد محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے صاحب نسبت عالم دین حضرت مولانا سیّد فضل اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ اور مجاز ہیں، نیز حضرت مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی مجددی علیہ الرحمہ سے بھی تعلق تھا۔ اعظم گڈھ کے رہنے والے! عرصہ سے جدہ میں قیام پذیر ہیں، پچھلے دنوں اعظم گڈھ اپنی صاحبزادی کے نکاح کے لئے گئے تھے، مجھے بھی دعوت دی تھی، مگر مجھے مشغولیت تھی جا نہ سکا، اور ملاقات بھی نہ ہوسکی، ۵/ یا ۶/ ذی الحجہ کو وہ میری قیام گاہ پر ازراہ ذرہ نوازی تشریف لائے، ملاقات ہوئی، طبیعت خوش ہوئی، دوبارہ ۱۴/ ذی الحجہ کو بھی تشریف لائے، دیر تک تصوف اور بزرگوں کے حالات پر گفتگو رہی۔

مجلس:

۷/ ذی الحجہ بروز اتوار ہمارے دوستوں مولوی جمال احمد اور ڈاکٹر عظیم اللہ صاحبان نے پروگرام بنایا کہ کل سے حج کے مناسک کا آغاز ہونا ہے، معلم آج رات ہی سے لوگوں کو منیٰ لے جانا شروع کردیں گے، اس لئے حجاج کرام کے سامنے کچھ مسائل اور کچھ فضائل بیان کردینے چاہئیں۔ میری طبیعت خاموشی چاہتی ہے، حج کے سفر میں کوئی ایسا عمل نہیں کرنا

چاہتا جس سے شہرت ہو، اگر کوئی اور صاحب یہ کام کر سکتے تو میں معذرت پر اصرار کرتا، مگر ہماری بلڈنگ میں کوئی صاحب نظر نہ آئے، تو مجبوراً میں نے قبول کرلیا، ۹/ بجے صبح کی اطلاع سب کو ان حضرات نے کردی، بلڈنگ کے زمینی حصہ میں ایک حصہ نماز وغیرہ کے لئے مختص ہے، وہاں لوگ جمع ہوگئے، میں نے حج کی ترتیب بیان کردی، اس دوران کے حالات اور نزاکتیں اور کیا رویہ عمل میں رکھنا چاہئے سب بیان کئے، پھر لوگوں نے مسائل پوچھنے شروع کئے، میں نے مسائل بتائے، مجھے خوشی ہوئی کہ اللہ کے فضل اور دوستوں کی تحریک سے بروقت ایک مناسب اور ضرورت کا کام ہوگیا، لوگوں میں بھی خوشی کے آثار پائے گئے کہ مسائل کے معلوم کرنے میں سہولت ہوگی، کہ ہمارے درمیان مسائل بتانے والا ایک شخص قابل اعتماد موجود ہے، ورنہ مسائل بتانے والے تو بہت ہیں، مگر لاعلمی اور جہالت کے ساتھ دینی مسائل سے کھلواڑ کرنے والے! جن سے مسائل پوچھ کر لوگ اور بھی دقت میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۸/ ذی الحجہ:

شور تھا کہ رات ہی میں منیٰ جانا ہوگا، بہت سے حجاج ۸/ کی رات میں جاگتے رہے کہ کسی وقت گاڑی آسکتی ہے، مگر گاڑی نہ آئی، صبح کو معلم کی بس آئی، اور مسنون بھی یہی ہے کہ ۸/ کو ظہر سے پہلے منیٰ پہونچیں، اور پانچ وقت نماز وہاں پڑھیں، ۹/ کو سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات روانہ ہوں، ہم لوگ بس سے منیٰ ۱۱/ بجے کے قریب پہونچے۔ معلم نے جو خیمہ ہم لوگوں کو عنایت فرمایا تھا ہم پہونچے، تو وہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، جو لوگ پہلے پہونچ گئے تھے وہ چادریں بچھا بچھا کر دراز تھے، معلم کی بدانتظامی تھی کہ جس خیمے بیس آدمیوں کی گنجائش تھی، اس میں چالیس آدمی ڈال رکھے تھے، اب جگہ ملے تو کیونکر ملے، ہم لوگوں کے لئے بیٹھنے کی تو کیا، سامان رکھنے کی بھی گنجائش نہ تھی، معلمین کی شکایت تو بہت پرانی ہے، مگر ادھر جب سے عربوں میں پیٹرو ڈالر کی خوشحالی آئی ہے، شکایات کم ہوگئی تھیں، حاجیوں کی ناتجربہ کاری اور بے ہنگم پنے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوجایا کرتے تھے، سفر میں یونہی

آدمی کا باطن، ظاہر بن کر ابھر آتا ہے، پھر ہجوم کا سفر، اس سے خود غرضیوں کا جذبہ اور سامنے آجاتا ہے، بہت سے حالات حجاج کی عجلت اور بے ڈھنگے پن کی وجہ سے پیدا ہوجایا کرتے تھے، انتظام کے سر الزام کم جاتا تھا، مگر ۱۹۹۲ء میں کویت، عراق جنگ کے بعد سعودی عرب کے مالی اور اخلاقی حالات میں نمایاں انقلاب آیا ہے، امریکہ کی طاقت نے اس جنگ کے بہانے سعودی عرب میں قدم جمایا، اور یہاں کی حکومت اس کے اشارے کی غلام بن گئی، اس کے بعد یہاں کے مالی حالات میں تنگی آئی، اور اخلاقی حالت بھی بدلی۔ معلمین کو حکومت کی جانب سے خیمے الاٹ کئے جاتے ہیں، اور کتنے بڑے خیمے میں کتنے حاجی رکھے جائیں گے یہ بھی متعین کیا جاتا ہے، مگر معلمین اس میں یہ تصرف کرتے ہیں کہ کچھ خیمے یہ پرائیویٹ صاحب ثروت اداروں کو فروخت کردیتے ہیں، اور باقی خیموں میں تمام حجاج کو ٹھونس دیتے ہیں، اس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعدد حاجی خیموں میں جگہ سرے سے پاتے ہی نہیں، پچھلے سال حج میں ہمارے جاننے والے کئی حاجی اسی طرح کٹی پتنگ کی طرح پریشان رہے، اس سال خیموں کا کارڈ تو سب کو ملا، مگر جگہ بہتوں کو نہیں ملی۔

میرے بیٹے حافظ محمد عادل سلّمہٗ نے ایک جگہ سامان رکھ دیا، اور بیٹھنے بھر جگہ بنا کر وہیں بیٹھ گیا، مجھے بھی بیٹھایا، بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ خیمے کے باہر راستوں پر چادریں بچھا کر پڑ گئے۔ بیٹھ جانے کے بعد تھوڑی دیر میں نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا، جاننے والوں نے نماز کے بارے میں مجھے ہی ذمہ دار بنایا، ظہر کی نماز کے لئے جب لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھے، اور تھوڑی تھوڑی گنجائش نکلی، تو عادل نے پاؤں پھیلانے بھر جگہ بنائی، تنگی سے، دقت سے، خیر کسی طرح جگہ بن گئی، اس طرح کہ رات کو سویا تو میرے سر پر ایک صاحب کا پیر پڑتا، اور میرا پیر میرے بیٹے کے بدن پر پڑتا، خیر گزر کرنی تھی کرلی، پچھلے حجوں میں تجربہ تھا کہ معلم کا آدمی آکر ہر حاجی کی جگہ متعین کردیا کرتا، اب کی مرتبہ دفتر میں شکایت کی گئی تو کچھ کہہ کر ٹال دیا، اور کوئی آدمی اس مسئلہ کو دیکھنے بھی نہیں آیا، معلم کی بلڈنگ میں جو مجلس ہوئی تھی، اس میں جن لوگوں نے شرکت کی تھی، انھوں نے میری بڑی رعایت کی۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء**

۹؍ذی الحجہ (یوم عرفہ)

۸؍ذی الحجہ کا دن گزر گیا، رات کے وقت بارہ بجے کے بعد معلم کے آفس سے اعلان ہونے لگا کہ لوگ عرفات کو روانہ ہو جائیں، بسیں لگی ہوئی ہیں، فجر کے بعد بس نہیں ملے گی، بہت سے تیاری کر کے جانے بھی لگے، میرے جی میں آیا کہ رات ہی میں نکل جاؤں، پچھلے سال کافی پریشانی بھگت چکا تھا، لیکن یہ سوچ کر کہ فجر کے بعد فوراً نکل جائیں گے، اول وقت میں فجر پڑھی، نماز کے بعد استنجاء اور وضو کرنے کے لئے باہر نکلا، واپس آیا، تو خیمہ کے مین گیٹ سے کافی پیچھے تک حجاج کرام سامان لئے کھڑے تھے، صدر دروازہ بند تھا، بس آئے گی، تو دروازہ کھلے گا، ہم چند رفقاء خیمہ میں بیٹھ گئے کہ ہجوم کھسکے تو ہم بھی اس میں شریک ہو جائیں، لیکن جام تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، صدر دروازہ بند تھا، کوئی نکل نہیں سکتا تھا، منیٰ میں یہ پہلا تجربہ تھا، ورنہ دروازہ کھلا ہوتا، تو بہت سے حجاج پرائیویٹ سواری سے عرفات نکل جاتے، کتنے حوصلہ مند پیدل چلے جاتے، مگر اللہ جانے معلم کی آفس کی یہ کون سی منطق تھی کہ دروازہ بند کر رکھا تھا، کسی کو باہر نکلنے کی مطلق اجازت نہ تھی۔ ایک کالا پہلوان دربان دروازے پر کھڑا تھا، عجب کش مکش کا عالم تھا، بہت دیر کے بعد ایک بس آئی، اس پر کتنے آدمی آتے، وہ چلی گئی اور جام جوں کا توں برقرار رہا، نو بجے ہم لوگ بھی اس ہجوم کا حصہ بن گئے، پھر ایک بس دس بجے کے قریب آئی، اس کی وجہ سے ہجوم میں قدرے حرکت ہوئی، ہم لوگ صدر دروازے کے قریب پہونچ سکے، بس اپنی وسعت بھر آدمیوں کو لے کر چلی گئی، دھوپ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی، دروازہ تھا کہ کھلنے کا نام نہ لیتا تھا، حجاج پریشان تھے، دربان کی خوشامد کرتے تھے، مگر وہ اندھا بہرا بنا ہوا تھا، معلم کا کوئی ذمہ دار آدمی نہ تھا کہ اس سے بات کی جاتی، ایک گھنٹے کے بعد جب حاجیوں نے زیادہ شور مچایا تو شاید کالے کا بہرا پن ختم ہوا، اس نے دروازہ کھول دیا، اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنائی کہ اب بس نہیں آئے گی، تمام حجاج سراسیمہ تھے کہ اب کیا کیا جائے، میں نے عادل سے کہا کہ اب وقت ضائع نہ کرو، کبری ملک عبد العزیز پر چلو، وہاں سے کوئی سواری ملے گی، یہ بات ٹیلیفون سے مفتی عبد

الرحمٰن صاحب نے بتائی تھی، انھوں نے کہا تھا کہ آپ عرفات آجایئے اور مجھے فون سے اطلاع کردیجئے، میں آپ کو آکر لے لوں گا، میں نے اپنے خیمے کا کارڈ آپ لوگوں کے لئے لے لیا ہے، کبری ملک عبدالعزیز ہماری قیام گاہ سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر تھی، وہاں پہونچے ہی تھے کہ ایک ایمبولینس جاتی ہوئی ملی، ہم نے اسے رکوایا، ڈرائیور اردو بولنے والا تھا، اس نے کہا کہ مکتب نمبر ۶ پر ابھی بس آنے والی ہے، انڈین حج مشن والوں نے انتظام کردیا ہے، آپ وہیں چلے جائیں، میں نے سوچا کہ ایک کیلومیٹر چل کر آئے ہیں، پھر اتنا ہی واپس جائیں، اور اللہ جانے بس کا حال کیا ہو، میں نے اسے قبول نہیں کیا، کبری پر چڑھ گئے، اللہ تعالیٰ کی مدد تھی کہ فوراً ایک ٹیکسی مل گئی، اس سے ہم لوگ بارہ سوا بارہ تک عرفات پہونچ گئے، ڈرائیور نے ۵۰/ ریال لئے، اور عرفات کے باہر اتار دیا، ہم لوگ تھوڑی دور پیدل چل کر عرفات کی حد میں داخل ہوگئے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو فون کیا، وہ عجلت میں بھاگتے ہوئے آئے، انھیں دیکھ کر تمام کلفت ختم ہوگئی، وہ ہمیں اپنے خیمے میں لے کر چلے، خیمہ دور تھا، مگر ان کی معیت میں دوری کا احساس نہیں ہوا۔ ان کے خیمے میں پہونچے، یہ خیمہ ان باہری حجاج کا تھا، جو سعودی عرب میں کسب معاش کے لئے مقیم ہیں، سعودی میں اقامت گزیں افراد کو یہاں کی اصطلاح میں داخلی حجاج کہتے ہیں، اس خیمے میں ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشی حجاج تھے، ان تینوں ملکوں کے حجاج مسلکاً زیادہ تر حنفی ہیں، لیکن سعودی عرب میں رہ کر غیر مقلدیت کا رُجحان ان میں سرایت کرگیا ہے، اور غیر مقلدیت کا ترجمہ ہے اباحیت اور سہولت پسندی! اس اباحیت اور سہولت پسندی نے جہالت اور نفس پرستی سے مل کر دین اور دینی اعمال کا کھلواڑ بنا دیا، کوئی قانون نہیں، کوئی دستور نہیں، کسی عمل کے لئے کوئی شرط نہیں، جیسے جی چاہا، جو جی چاہا عمل کرلیا، سب ٹھیک ہے۔

ہم خیمے میں پہونچے تو یہ کش مکش چل رہی تھی کہ ظہر اور عصر کو جمع کیا جائے، یا الگ الگ ان کے وقت پر پڑھا جائے، حنفیہ کے نزدیک بڑی جماعت جس کا امام، سلطان کا نائب ہوتا ہے، جمع کرنے کے لئے اس کا ہونا شرط ہے، اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہر نماز کا الگ

الگ وقت متعین ہے: إِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتاً۔ مومنین پر نماز وقت وقت کے اوپر فریضہ ہے، اگر ایک وقت کی نماز فوت ہو جائے، تو دوسرے وقت میں قضا کی جائے گی، شریعت میں یہی حکم ہے، اور بات معقول اور قیاس کے مطابق ہے، لیکن نماز کو وقت سے پہلے ادا کرنے کی کوئی نظیر نہیں ہے، وہ نہ ادا ہوگی، نہ قضا ہوگی، وقت سے پہلے نماز کا ادا کرنا قطعاً خلاف قیاس ہے، یہ خلافِ قیاس عمل اگر کہیں مشروع ہوا ہے، تو اس کو جاری کرنے کے لئے وہ تمام شرطیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں، جن کی بنیاد پر اس کا جواز ثابت ہوا ہے، اور اس کو عمل میں لانے کے لئے دلیل بھی اتنی قوی اور طاقت ور ہونی چاہئے، جتنی قوی دلیل سے نماز کا موقت ہونا ثابت ہے۔

نماز کا موقت ہونا اور ان کے اوقات کا متعین ہونا، تو قرآن کریم سے اور تواتر قولی اور عملی سے ثابت ہے، اب اگر کسی نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھنا ہے، تو گویا اس کا وقت بدل دیا گیا ہے، اس تبدیلی کے لئے ویسی ہی دلیل چاہئے، پھر اس دلیل کی تشکیل جس طور پر ہوئی ہے، وہی طریقہ ضروری ہے۔

جمع تقدیم یعنی ایک نماز کو اس کے وقت سے مقدم کر کے پہلے والی نماز کے ساتھ جوڑنا، یہ دلیل قطعی متواتر سے کسی جگہ اور کسی وقت ثابت نہیں ہے، سوائے میدان عرفات کے کہ ۹؍ ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامت سے ادا فرمائی ہیں، اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے، تو ثبوت اس کا تواتر سے ہے، اس لئے یہاں جمع تقدیم واجب ہے، لیکن جس طور پر رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا طریقہ وہی ہونا ضروری ہے، اور طریقہ ظاہر ہے کہ آپ جماعت کے امام تھے، اور تمام صحابہ آپ کے مقتدی تھے، تو یہ طریقہ شرط ٹھہرا کہ امام الحج ہو، جو سلطان یا نائب سلطان ہو، تب تو نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا جائے گا، ورنہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ضروری ہوگا۔

حنفیہ کا صدیوں سے اسی پر عمل ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، اس مسئلے میں نہ کوئی سختی ہے نہ کوئی دشواری! مگر سعودی عرب میں ایسی ہوا چلائی گئی ہے، جیسے حنفیہ کا مسلک حدیث

کے خلاف ہو، لیکن سوچنا چاہئے کہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے قرآن کریم کو پس پشت تو نہیں ڈالا جا سکتا، یہ عجیب بات ہے کہ خبر واحد اور اپنے قیاسات کے مقابلے میں قرآن کریم کے حکم کو توڑا اور مروڑا جائے، یہی اس دور میں غیر مقلدیت کی علامت ہے۔

اختلاف مسلک کوئی نئی چیز نہیں، ائمہ فقہ میں اختلاف قدیم زمانے سے ہے، مگر کوئی کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ اپنا مسلک ترک کر کے دوسرے کے مسلک کو اختیار کرے، اور نہ کوئی کسی کی تغلیط کرتا تھا، مگر اب جو غیر مقلدیت کی ہوا چلی ہے، تو آنکھ بند کر کے اپنے علاوہ سب کو غلط کہنے لگے ہیں، اور سب کو مجبور کرتے ہیں کہ ایک مسلک پر سب آجائیں، اس سے امت میں سخت انتشار پیدا ہوتا ہے، یہ انتشار ہم نے داخلیوں کے اس خیمہ میں دیکھا، وقوف عرفات کی جو روح ہے یعنی انابت اللہ، تضرع وزاری، خشوع وخضوع، دعا وگریہ، سب مفقود! خوامخواہ کی کش مکش میں لوگ الجھے ہوئے تھے، بیشتر افراد اسی میں مبتلا تھے، یا دوسرے مشاغل میں مشغول! بہت کم تھے جو اللہ کے حضور انابت میں مشغول تھے۔

اسی دوران مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس ایک شخص یہی اختلاف لے کر آیا، انھوں نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا کہ یہ وقت اور یہ جگہ بحث مباحثہ کی نہیں ہے، اس کو سمجھایا تو وہ چلا گیا۔

میری طبیعت ان احوال کو دیکھ کر بہت بدمزہ ہوئی، مجھ سے بعض لوگوں نے عصر کے بعد اجتماعی دعا کے لئے کہا، مگر میری طبیعت مکدر تھی، مفتی صاحب بہت زور دے رہے تھے، مگر عصر کے بعد وہ بھی خاموش رہے، انفراداً دعا اور ذکر میں مشغولیت رہی۔

عرفات سے کوچ:

سورج غروب ہوا تو عرفات سے روانگی کی ہماہمی شروع ہوئی، داخلی حجاج ہی میں سے ایک مخلص جناب الحاج محمد ازہر صاحب...... جو پاکستان کے رہنے والے ہیں...... نے پیش کش کی کہ بس ہے فلاں جگہ کھڑی ہے، اس سے مزدلفہ چلیں، ہمیں بھی آسانی معلوم ہوئی، اس کی تلاش میں نکل پڑے، میرے ساتھ مزدلفہ میں ٹھنڈک سے بچنے کا سامان تھا، پچھلے

سال بہت ٹھنڈک لگی تھی، اس سال بھی اندیشہ تھا، تو بنارس کے حاجی منظور احمد صاحب کے صاحبزادوں نے ایک سلیپنگ بیگ دے دیا تھا، اس کے ساتھ ایک ہلکا کمبل بھی تھا، ازہر بھائی سامانوں کے لئے ایک گاڑی لئے ہوئے تھے، اس میں یہ سامان رکھ دیا، بس کی تلاش میں ہم لوگ ہجوم کے اندر ادھر ادھر ہو گئے، ہم تین آدمی یعنی مفتی عبدالرحمٰن صاحب، میں اور عادل چلتے چلتے مسجد نمرہ سے دور ٹیکسیوں کے موقف پر پہونچ گئے، بھیڑ اور شور وغل میں موبائل بھی ناکام ہو رہا تھا، بڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ازہر بھائی عورتوں کے ساتھ پریشان ہیں، بس نہیں ملی، مفتی صاحب نے ان سے کہا کہ وہ ہم لوگوں کا انتظار نہ کریں، پھر ہم لوگوں نے ایک ٹیکسی لی اور آٹھ بجے سے کچھ پہلے مزدلفہ پہونچ گئے، وہاں ایک جگہ رک کر مغرب اور عشاء پڑھی گئی، پھر کنکریاں چنی گئیں، اب رات گزارنے کا مسئلہ تھا، گو کوئی خاص ٹھنڈک نہ تھی، مگر احرام میں بغیر کچھ اوڑھے ہوئے کھلے آسمان کے نیچے رات بسر کرنی میرے لئے مشکل تھی، انتظام جو بڑے اہتمام سے لایا تھا، وہ جدا ہو گیا، حق تعالیٰ کا ارادہ ہمارے تمام منصوبوں پر غالب ہے، میں نے مفتی عبدالرحمٰن صاحب سے کہا کہ میرا فالج زدہ جسم اتنی ٹھنڈک کا بھی تحمل نہ کر سکے گا، اس لئے آپ کا خیمہ جو مزدلفہ میں لگا ہوا ہے، وہیں چلئے، رات وہیں گزاری جائے، اور وہیں وقوف کیا جائے، انھیں جواز میں کوئی تردد نہ تھا، کیونکہ مزدلفہ بروئے حدیث پورا موقف ہے، البتہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ وقوف مزدلفہ کی جو کیفیت کھلے آسمان کے نیچے ہوتی ہے وہ بات پیدا نہ ہوگی، میں اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے اندیشہ میں تھا کہ اگر اللہ نہ کرے طبیعت خراب ہو گئی، تو میں بھی پریشانی میں پڑوں گا اور رفقاء کے لئے بھی باعث تکلیف بنوں گا، بادل ناخواستہ ہم لوگ خیموں میں آ گئے، یہاں بستر وغیرہ کا خوب انتظام تھا، ہم لوگ آرام سے سو گئے، میں صبح صادق سے دو گھنٹے قبل اٹھ گیا، استنجا وضو سے فارغ ہو کر میں نوافل میں مشغول ہو گیا۔

اباحیت کا لطیفہ:

میں چند رکعتیں پڑھ چکا تھا، دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھ رہا تھا، ایک مرتبہ

دوسری رکعت میں تھا کہ ایک صاحب آئے ، اور میرے دائیں مصلیٰ بچھا کر کھڑے ہوگئے ، میں سمجھ گیا کہ یہ مغرب یا عشاء کی نماز کی نیت سے میری اقتداء میں کھڑے ہوگئے ہیں ، انھیں عرفات سے یہاں پہونچنے میں دیر ہوئی ہے، وہ بغیر کسی تحقیق کے اقتداء میں آگئے ہیں ، اور ایسا یہاں بہت ہوتا ہے، ایک شخص کوئی نماز پڑھ رہا ہو، یہاں کے لوگ بے تکلف اس کی اقتدا کسی بھی نماز میں کر لیتے ہیں، نہ کوئی مسئلہ اور نہ کوئی قانون! میں نے دوسری رکعت پر سلام پھیرا تو یہ اٹھ کر اپنی نماز پوری کرنے لگے، میں نے اٹھ کر پھر نیت باندھ لی، خیر ہوئی کہ یہ صاحب پھر شریک نہیں ہوئے۔

جب فجر کا وقت ہوگیا تو عزیزم حافظ محمد عادل سلّمہٗ نے اذان دی، مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی ، نماز کے بعد میں ذکر ودعا میں مشغول ہوگیا، مفتی صاحب اسی جگہ کھڑے ہوکر دعا میں مشغول ہوگئے، اور باقی لوگ سونے کی تیاری اور فضول گفتگو میں مصروف ہوگئے ، ایک صاحب نے مجھ سے چائے کے لئے پوچھا، میں معذرت کی ، اتنے میں دوسرے صاحب چائے لے کر آگئے ، اب معذرت کی گنجائش نہ تھی ، وہ مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو تلاش کرنے لگے، میں نے اشارہ کیا، وہ وہاں وقوف میں ہیں، ایک صاحب جو قریب لیٹے ہوئے تھے، کہنے لگے وہ وہاں کیوں کھڑے ہیں، میں سمجھ گیا کہ انھیں کچھ معلوم نہیں ، میں نے بتایا کہ وقوفِ مزدلفہ کا یہی وقت ہے ، اس وقت ذکر ودعا میں لگنا چاہئے ، وقوفِ عرفات کا یہ تکملہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں تین اہم دعائیں کی تھیں، دو کی قبولیت تو وہیں ظاہر ہوگئی تھی، ایک دعا کی قبولیت جو مظالم (۱) سے متعلق تھی، اس کی قبولیت یہاں ظاہر ہوئی تھی ، یہ بہت اہم وقت ہے، انھوں نے جب یہ بات سنی تو چونکے اور کہنے لگے، یہ بات تو سب کو بتا دینی چاہئے ، میں نے کہا ہاں ، پھر انھوں نے آس پاس والوں کو بآوازِ بلند متنبہ کیا، پھر لوگ ذکر ودعا میں لگ گئے ، تھوڑی دیر میں نے بھی کچھ عرض کیا، ان لوگوں نے دعا کے لئے کہا، میں نے ہاتھ اٹھا دئے ، حق تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص

---

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر

کیفیت طاری ہوئی، دیر تک سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان دعا ہوتی رہی، لوگوں کی بھی آنکھیں برس رہی تھیں، جب تک انشراح رہا دعائیں کرتا رہا، طبیعت صاف ہوگئی، دل کا بوجھ اتر گیا، آنسوؤں نے دل کے گردوغبار کو پاک صاف کر دیا۔ دعا سے فارغ ہو کر کچھ وقت باقی تھا، میں پھر مشغول ہوگیا، مفتی صاحب اور عادل سلّمہٗ بھی مشغول رہے، جب طلوع شمس کا وقت ہوا، وہاں سے نکلنے کی تیاری ہوئی، پھر کئی لوگ مفتی صاحب سے مسئلے پوچھنے لگے، اس سے فارغ ہو کر ہم لوگ خیمے کے احاطے سے باہر نکلے، مفتی صاحب کو قربان گاہ جانا تھا، ان کے ذمے بہت سے لوگوں کی قربانیاں تھیں، کبری ملک عبدالعزیز تک ہم لوگوں کو لے گئے، وہاں انھوں نے ہمارے خیمے کا راستہ بتایا، اور خود قربان گاہ چلے گئے۔

۱۰/ ذی الحجہ کی رمی:

ہم دونوں باپ بیٹے ہجوم میں ایک کیلومیٹر سے زیادہ پیدل چل کر خیمے میں پہونچے، ساڑھے سات یا آٹھ کا عمل رہا ہوگا، اس وقت خیمہ بالکل خالی تھا، ابھی کوئی نہیں پہونچا تھا، ہم لوگ تھکے ماندے اور رات کے جاگے تھے، کچھ دیر کے لئے سو گئے، پھر جب حاجیوں کے قافلے آنے لگے اور جو بھی آیا شور وغوغا کے ہنگامے کے ساتھ آیا، تو آنکھ کھل گئی۔ ۱۱/ بجے کے بعد ارادہ ہوا کہ آج کی رمی کر لی جائے، آج ایک ہی جمرہ...... جمرۂ عقبہ...... کی

(حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) حضرت عباس بن مرداس سلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے عرفہ کے دن اللہ سے دعاء کی، کہ میری امت کے گناہ معاف فرما دے، تو اللہ نے میری دعاء قبول فرمالی کہ میں نے انھیں معاف کر دیا، مگر ان کے وہ گناہ جو ان کے اور میری مخلوق کے درمیان ہیں (یعنی جو حقوق العباد سے متعلق ہیں ان کے سوا معاف کر دیا) میں نے اسی دن پھر دعا کی، مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ اگلے دن مزدلفہ میں، میں نے عرض کیا: پروردگار! آپ اس بات پر قادر ہیں کہ اس مظلوم کو اس پر ہونے والے ظلم کا بہترین بدلہ عطا کریں، اور اس ظالم کی مغفرت فرما دیں، تو اللہ نے میری دعاء قبول فرمالی کہ میں نے معاف کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، ہم نے کہا یا رسول اللہ! آج کے دن سے زیادہ ہنستے ہوئے ہم نے آپ کو نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے دشمن ابلیس کی حالت پر ہنسی آئی، اس نے جب یہ سنا تو چلانے لگا، ہائے ہلاکت و بربادی! اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ (تفسیر طبری، ج:۲، ص:۱۷۱)

رمی کرنی ہے، اوراس کا وقت صبح صادق ہی سے شروع ہوجاتا ہے، لوگ بکثرت رمی کر کے واپس ہوچکے تھے، ہم لوگ نکلے تو راستے کا ہجوم کم ہوچکا تھا، پچھلے سال سے رمی کے انتظام کی حکومت نے اصلاح کردی ہے، اس سے پہلے رمی کے راستے میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہوتی تھی کہ داخلی حجاج، خیموں کے اخراجات سے بچنے کے لئے جمرات کی سڑکوں پر سامان سمیت ڈیرا ڈال دیتے تھے اور سڑک کا بڑا حصہ گھیر لیتے تھے، تھوڑی سی جگہ پیدل چلنے والوں کے لئے باقی رہتی تھی، یہ سلسلہ عین جمرات تک ہوتا تھا، اس کی وجہ سے رمی کے لئے جانے اور خود رمی کرنے میں بڑی دقت ہوتی، اور کوئی معمولی بات بھی ہوتی تو ان راستے پر بیٹھنے والوں کی وجہ سے بڑا حادثہ ہوجاتا، دوسال قبل حادثے میں اسی ازدحام کا بڑا دخل تھا، اسی کے بعد جمرات کی توسیع کا منصوبہ بنا، وہ منصوبہ تو ابھی زیرِ تکمیل ہے، پانچ منزلہ جمرات کے انتظام کا منصوبہ ہے، جس میں دو منزل مکمل ہے، باقی منصوبہ زیرِ تکمیل ہے، لیکن راستوں پر بیٹھنے کا عمل پچھلے سال ہی ختم کردیا ہے، اس کی وجہ سے بہت سہولت ہوگئی، جمرات پر بھیڑ تو ضرور ہوتی ہے، مگر کنکری مارنے میں دقت نہیں ہوتی، جمرہ پہلے مختصر حجم کا ایک ستون تھا، اب اس کے بجائے اسے چالیس میٹر چوڑا بنادیا گیا ہے، جس کی وجہ سے بہت پھیل کر اور بڑے دائرے میں رمی کی جاتی ہے، بہر حال اب رمی کا انتظام بہت اچھا ہوگیا، مزید یہ کہ رمی کرنیوالے ایک راستے سے جاتے ہیں اور دوسرے راستے سے واپس آتے ہیں، اس طرح آنے جانے کا ٹکراؤ نہیں ہوتا، چلنے والے ایک ہی رُخ پر چلتے رہتے ہیں۔

ہم لوگوں کا خیمہ جمرات کے قریب ہی ہے، جلد ہی جمرات پر پہونچ گئے، باہر سے بہت بھیڑ محسوس ہورہی تھی، لوگ کافی دور سے کنکریاں ماررہے تھے، ہم لوگ آہستگی سے اندر گھستے چلے گئے، نہایت سہولت سے جمرہ کے قریب پہونچ گئے، اطمینان سے کنکریاں ماریں، اور اطمینان سے باہر آگئے، پھر دوسرے راستے سے واپسی ہوئی، خیمہ میں پہونچے تو ظہر کی نماز ہوچکی تھی، ہم لوگوں نے اپنی جماعت کرکے نماز ادا کی۔

میرا احرام افراد کا تھا، اب مجھے سر منڈانا تھا، عادل کا حج تمتع تھا، ترتیب میں اب

اس کی قربانی ہونی تھی، میرے سر مونڈنے کی خدمت عادل ہی کو انجام دینی تھی، اور وہ قربانی سے پہلے نہ اپنا سر منڈوا سکتا تھا، نہ میرا سر مونڈ سکتا تھا، قربانی مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے ذمے تھی، انھیں فون کیا، تو انھوں نے بتایا کہ ۲/ بجے قربانی کردی جائے گی، چنانچہ دو بجے قربانی کی تصدیق کرلی، پھر عادل سلّمہ نے میرے سر کے بال اتارے، ایک بڑے میاں نے عادل کے سر کا حلق کیا، اور اس نے ان بڑے میاں سمیت کئی لوگوں کا حلق کیا، اللہ کا شکر ادا کیا، اب نہادھو کر عام روزمرہ کے کپڑے پہن لئے۔

۱۱/ذی الحجہ:

آج ایام تشریق کا پہلا دن ہے، فجر کی نماز کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے، کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، کہ اذان کا وقت ہوگیا، میں کہہ رہا ہوں کہ مسجد خیف سے اذان کی آواز آتی ہے، جب وہاں اذان ہوگی، تو یہاں بھی ہوگی، اتنے میں ایک صاحب باہر سے خیمہ میں داخل ہوئے، اور کہنے لگے کہ ابھی اذان میں دس منٹ باقی ہیں، یہ کہہ کر انھوں نے تقریر شروع کردی کہ منیٰ اور عرفات ومزدلفہ میں امام چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسافر ہوتا ہے، یہ غلط ہے، وہ حرم کا امام ہوتا ہے، اور حج کے دنوں میں دو ہی رکعت ہے، میں نے دیکھا کہ یہ خاموش رہنے کا موقع نہیں، ابھی خیمہ والوں کو یہ شخص دو فرقوں میں تقسیم کردے گا، میں نے بآوازِ بلند کہا کہ ہم لوگ حنفی ہیں، اور احناف کے نزدیک مسافر کے علاوہ کسی کو قصر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے اس مسئلے کو یہاں مت چھیڑیئے، وہ مصر تھے کہ میں بھی حنفی ہوں اور حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں، میں نے پکارا، آپ کو حقیقت کی کچھ خبر نہیں ہے، خاموش بیٹھ جایئے، وہ بار بار کہتے رہے کہ میری بات سن تو لیجئے، اب کچھ اور لوگ بھی کہنے لگے کہ سن لیجئے، میں نے کہا سننے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم سنایئے، فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں قصر کیا تھا، میں نے کہا کہ مسافرت کی وجہ سے آپ نے قصر کیا تھا، بولے کہ آپ کے پیچھے تمام لوگ جو مسافر نہ تھے، اقتداء کررہے تھے اور سب نے قصر کیا تھا، اور آپ نے کسی سے نہیں فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو، میں نے

پکار کر کہا کہ یہ بات تو آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ سب نے قصر کیا تھا، حدیث میں اسے دکھایئے، باتوں کو خلط نہ کیجئے، اس پر سب لوگوں نے کہا کہ آپ چپ ہو جایئے، میں نے کہا آپ، لوگوں میں شک وشبہ اور مغالطہ نہ ڈالئے، خیر وہ چپکے بیٹھ گئے، نماز کا وقت ہو گیا، نماز پڑھی اور آہستہ سے چلے گئے۔

فتنہ پردازوں کا یہی وطیرہ ہے، اختلاف مسالک اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے مسلک کو بالکل غلط کہے، عوام جو علمی و تحقیقی دلائل ومسائل سے واقف نہیں ہوتے، غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسلاف سے بدگمان ہوتے ہیں، اور ان کے دین وایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں، مگر منافقوں کی یہ قوم اسی کو کمال عمل سمجھتی ہے کہ کچھ لوگوں کو دینی مسائل میں بے اطمینانی میں مبتلا کر دے۔

ایامِ حج میں قصر کا مسئلہ:

میں نے لوگوں کو بتایا کہ ایام حج میں منیٰ وعرفات میں قصر کرنا امام احمد اور غالباً امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک مناسک میں سے ہے، مگر امام ابوحنیفہ اور امام شافعی علیہما الرحمہ اسے سفر کی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ (زبدۃ المناسک: ۱۶۲) مناسک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ جب حج کے لئے تشریف لائے تھے، تو مسافرت کی وجہ سے آپ نے قصر کیا تھا، یہ قصر مکہ مکرمہ میں بھی تھا، منیٰ وعرفات ومزدلفہ میں بھی تھا، اگر قصر کا تعلق مناسک حج سے ہے، تو مسجد حرام میں بھی قصر کرنا چاہئے، حالانکہ ائمہ حرم قصر نہیں کرتے، یہاں کے لوگ حنبلی ہیں مگر غیر مقلدیت کا غلبہ ہے، اس لئے منیٰ وغیرہ میں قصر پر زور دیتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے حج کے تعلق سے نہیں، سفر کی وجہ سے قصر کیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ سیّدنا عثمان غنی ؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک سال منیٰ میں ظہر یا عصر کی نماز چار رکعت پڑھائی، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو سخت اعتراض ہوا، لیکن ان کے امام ہونے کی وجہ سے ان کی اقتداء کی، بعد میں امیر المومنین نے اپنا عذر بیان کیا کہ ہم لوگ مسافرت کی وجہ سے دو رکعت پڑھا کرتے تھے، مگر میں نے مکہ مکرمہ میں

نکاح کرلیا ہے، اور اہلیہ یہیں رہیں گی، اس لئے مکہ مکرمہ میرے لئے بحکم وطن ہے، اس لئے میں نے اتمام کیا، قصر نہیں کیا، اس پر لوگ مطمئن ہوئے، اس سے واضح ہوا کہ قصر کا تعلق مناسک حج سے نہیں ہے، سفر کی ضرورت سے ہے۔

(اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے مولف کا رسالہ ''حج وعمرہ کے مسائل میں غلو اور ان کی اصلاح'' دیکھئے۔)

۱۱؍ذی الحجہ کی رمی اور طوافِ زیارت:

۱۱؍ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنی چاہئے۔ آج رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، خودغرض اور جاہل معلمین نے اپنی آسانی کے لئے یہ اعلان بلڈنگوں میں لگا رکھا ہے کہ رمی چوبیس گھنٹے میں جب چاہیں کر سکتے ہیں، یہ بات قطعاً غلط ہے، رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمہ تابعین وتبع تابعین کسی نے ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کو زوال سے پہلے نہ رمی کی ہے اور نہ رمی کی اس وقت اجازت دی ہے، ہجوم اور بھیڑ بھاڑ کا مسئلہ آج کا مسئلہ نہیں ہے، زمانۂ قدیم سے یہ مسئلہ موجود ہے، اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ضعفاء، عورتوں اور بچوں کو رخصت دی ہے، چنانچہ وقوف مزدلفہ کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک ہے، مگر آپ نے ہجوم کی وجہ سے عورتوں اور ضعفاء کو رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت دی ہے، لیکن گیارہویں، بارہویں کی رمی کے متعلق زوال سے پہلے کبھی اجازت نہیں دی، ان دونوں دنوں میں زوال سے رمی کا وقت شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی کی، تو وقت سے پہلے ہونے کی وجہ سے کسی امام کے نزدیک رمی درست اور معتبر نہ ہوگی۔

ہمیں آج رمی بھی کرنی ہے اور طوافِ زیارت بھی! مفتی عبد الرحمٰن صاحب قربانیوں میں مشغول ہیں۔ میرے بہت عزیز طالب علم مولوی محمد فاروق سلّمہٗ، جنھوں نے گورینی زمانۂ تدریس میں میری اور میرے گھر کی عدیم المثال خدمت انجام دی ہے، اب عرصے سے جدہ میں رہتے ہیں، وہ اور ان کے ساتھ **سیّد القراء والمجوّدین** حضرت مولانا قاری محمد اسمٰعیل صاحب مدظلہٗ صدر شعبۂ قرأت مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے

صاحبزادے حافظ محمد یونس سلّمہٗ رفاقت کے لئے تشریف لائے، ہم چار آدمیوں کا قافلہ خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر جمرات کی طرف چلا، بحمد اللہ سہولت کے ساتھ جمرات تک پہونچ گئے اور قریب پہونچ کر کنکری ماری، پہلے اور دوسرے جمرے کی کنکری مارنے کے بعد اس سے بجانب قبلہ قدرے ہٹ کر دعا کرنی مسنون ہے، چنانچہ ان آداب کو بحمد اللہ پورا کیا گیا، تیسرے جمرے کی رمی کے بعد دعا نہیں کرنی ہے، ہم لوگ اس سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ کی طرف بڑھتے چلے گئے، کچھ دور چلنے کے بعد بائیں طرف بس اڈہ ملا، وہاں ایک بس پر سوار ہوکر مغرب سے آدھ گھنٹہ پہلے حرم شریف پہونچ گئے، وہاں اطمینان سے مغرب کی نماز ادا کی۔ میرا ارادہ ہے کہ میں عشاء کی نماز کے بعد طواف زیارت کروں، مفتی عبدالرحمٰن صاحب اس کے لئے آچکے تھے، وہ تشریف لائے، عادل کو ان کے ساتھ کر دیا کہ طواف شروع کریں، انھیں سعی بھی کرنی تھی، اور میں طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کر چکا تھا، اس لئے میں اس سے فارغ تھا، یہ لوگ عشاء تک طواف کرلیں گے، اور عشاء کے بعد سعی کرلیں گے۔

میں ننگے پاؤں چلنے کی طاقت نہیں رکھتا، چار سال قبل فالج کا شکار ہو چکا ہوں، اس کا اثر قدم پر ہے، اس لئے اس میں حساسیت اتنی زیادہ ہے کہ ننگے پاؤں چند قدم چلنا مشکل ہوتا ہے، اسی علت کی وجہ سے چمڑے کا ایک جرموق بنوایا ہے، جسے حالت احرام میں بھی پہنا جاسکے، اس کے علاوہ چمڑے کا ایک موزہ بھی سفر حج میں رکھتا ہوں کہ بغیر حالت احرام کے اس کو پہن کر طواف کرسکوں، لیکن قسمت کی خوبی دیکھئے کہ جرموق بھی اور موزہ بھی منیٰ میں بھول کر آگئے۔ میں نے مولوی محمد فاروق سلّمہٗ کو موزہ خریدنے کے لئے بھیجا، وہ اچھے قسم کے دو پائتابے خرید کر لائے، عشاء کی نماز کے بعد دونوں کو ایک دوسرے کے اوپر چڑھایا، بحمد اللہ اس سے طواف میں بہت سہولت ہوئی، عشاء کے بعد طواف میں بڑی آسانی رہی۔ ۴۰ رمنٹ میں باطمینان تام طواف مکمل ہوگیا، ادھر میرا طواف ہوا، ادھر عادل کی سعی پوری ہوئی۔ باب عبدالعزیز کے سامنے گھڑی کے پاس ہم دونوں آگئے، دیکھا تو گورکھپور کے مولانا حکیم محمد احمد صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ موجود تھے، ان کے بھائی حافظ محمد اکمل

صاحب بھی تھے، مبارک پور کے مولوی افتخار احمد صاحب، جو ریاض یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، مل گئے، بڑی دیر تک وہاں مجلس رہی، مولوی افتخار سلّمہٗ نے چائے پلائی، حافظ محمد اکمل صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے کھانا کھلایا، ملنے والے آتے رہے، ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ وہاں سے اٹھے، شارع ابراہیم خلیل پر ایک ٹیکسی لی، اور منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، ٹیکسی والے نے بتایا کہ مزدلفہ کی طرف منیٰ کے شروع میں اتارے گا، راستے میں بڑا سخت جام تھا، ایک جگہ ایک گھنٹے گاڑی پھنسی رہی، ایک جگہ اس نے بدایة منیٰ کہہ کر سواریوں کو اتارا، تو دو بج چکے تھے، ہم نے چلنا شروع کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ مزدلفہ ہی ہے، بدایة منیٰ ابھی دور ہے، بات یہ ہے کہ حکومت نے حاجیوں کے لئے منیٰ میں جو خیمے خاص قسم کے ۱۹۹۷ء کی آتشزدگی کے بعد تعمیر کرائے ہیں، ان کے لئے حاجیوں کی تعداد کے لحاظ سے منیٰ کا میدان ناکافی تھا، تو حکومت نے مزدلفہ کے ایک بڑے حصے میں خیمے لگا دیئے، یہاں گاڑی والوں کے عرف میں جہاں تک خیمے نصب ہیں، وہ حصہ منیٰ ہی کہلانے لگا ہے، اس لئے اس نے ''بدایة منیٰ'' کہا تھا، ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد ہمارا خیمہ ملا، ۳؍ بجے خیمے میں پہونچے، ساڑھے چار بجے آنکھ کھل گئی، وضو سے فارغ ہو کر چند رکعتیں نوافل کی ادا کیں۔

۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی اور ایک وعظ:

۱۲؍ ذی الحجہ کی صبح صادق ہوئی، گلبرگہ کے ایک حاجی صاحب نے جن کی آواز ماشاء اللہ کافی بلند تھی، اذان کہی، ایک صاحب کو مسئلہ کا جوش اٹھا، بہت زور سے چلانے لگے کہ کیا مسجد کی اذان نہیں سنائی دے رہی ہے؟ اس کے بعد اس اذان کی کیا ضرورت ہے؟ ان کی چیخ میں نے سنی، مگر عادت کے مطابق میں خاموش رہا، اتفاق سے نماز پڑھانے والے حضرات موجود نہ تھے، میں اپنی بیماری اور ضعف کی وجہ سے نماز نہیں پڑھاتا، لیکن اس وقت سب نے زور دیا کہ پڑھا دیجئے، چنانچہ میں نے نماز پڑھائی، دوران نماز خیال آیا کہ آج مناسک حج کا آخری عمل ہے، طواف زیارت حجاج عموماً کر چکے ہیں، رمی کریں گے اور مکہ شریف روانہ ہو جائیں گے، میں نے مناسب جانا کہ حاجیوں کے سامنے کچھ باتیں عرض

کردوں، کیونکہ حجاج کو آج بہت جلدی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے بدمزگی اور بے لطفیاں پیدا ہوتی ہیں۔

نماز کے بعد میں کھڑا ہوا، اور بتایا کہ آج آپ حج کا آخری عمل کریں گے، اسے احتیاط سے شرعی طریقے پر ادا کیجئے، کنکری مارنے کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، بعض لوگ کہتے ہوئے ملیں گے، اور بہت سے لوگ عملاً تلقین کررہے ہوں گے کہ زوال سے پہلے بھی کنکری ماری جاسکتی ہے، مگر یہ غلط ہے، امت میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اس لئے اسے نہ سنئے گا، پھر میں نے دیر تک حج کے فضائل، ان فضائل کے شرائط، اور ان کی بقاء کے طریقے بیان کرتا رہا، اسی دوران یہ بھی بیان کیا مسجد میں اذان ہوتی ہے، وہ مسجد کی نماز کے لئے ہے، کسی کو اور کہیں نماز پڑھنی ہے تو اس کے لئے مستقل اذان کہنا بہتر ہے، میں نے یہ وعظ ایک خاص کیف اور حال میں کیا، جب میں نے اسے ختم کرنا چاہا تو سامعین نے اصرار کیا کہ ابھی سلسلۂ کلام بند نہ کیجئے، آدھ گھنٹہ مزید بیان چلا، اب جو ختم کرنا چاہا، تو ایک صاحب باہر سے کرسی لائے، اور پیش کردی کہ آپ تھک گئے ہیں، اس پر بیٹھ جایئے، پھر آدھ گھنٹہ بیان ہوا، اس طرح ڈیڑھ گھنٹہ بیان ہوا، دیکھا کہ سامعین پر اچھا اثر ہوا، چنانچہ ان میں سے کسی نے نہ عجلت کی نہ زوال سے پہلے کنکری مارنے کو سوچا۔

۱۲؍ذی الحجہ مطابق ۲۱؍دسمبر ۲۰۰۷ء جمعہ کا دن ہے، ہم لوگ منیٰ میں ہیں، یہاں نماز جمعہ کی کیا صورت ہوگی؟ یا ظہر پڑھی جائے گی، حکومت کی طرف سے سڑکوں پر یہ اطلاع کی گئی تھی کہ منیٰ میں حاجیوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، حالانکہ یہ مسئلہ اب مسلّم ہوگیا ہے کہ منیٰ شریف، مکہ مکرمہ کا جز بن گیا ہے، اس لئے اگر کوئی حاجی مکہ مکرمہ، منیٰ اور مزدلفہ میں قیام کا ارادہ مجموعی طور سے پندرہ دن رکھتا ہے تو مقیم شمار کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے جمعہ جیسے مکہ مکرمہ میں فرض ہے، منیٰ میں فرض ہے، لیکن بعض لوگوں سے سننے میں آیا کہ منیٰ کی بڑی مسجد، مسجد خیف میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، اب سوال یہ ہے کہ خیموں میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے یا ظہر کی؟ کچھ لوگ جمعہ کی تیاری کررہے تھے، مجھے خیموں میں جمعہ پڑھنے میں تردد تھا، کیونکہ جمعہ

کی نماز کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں، ان شرطوں کے بغیر جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی، منجملہ ان شرائط کے ایک ’’اذن عام‘‘ ہے، کہ نمازِ جمعہ جہاں ادا کی جارہی ہے، ہر کس وناکس کو آنے کی اجازت ہو، کوئی رُکاوٹ نہ ہو، اور منیٰ میں خیموں کا حال یہ ہے کہ خود خیمے والے اپنا کارڈ دکھائیں، تو داخل ہوں، دوسرا تو داخل ہو ہی نہیں سکتا، الا باجازت۔

اس حال میں اگر جمعہ کی نماز خیموں کے مجموعے میں ادا کی جائے، تو کیا نماز ادا ہوگی؟ میں اس اشکال کو حل کرنا چاہتا تھا، میرا رُجحان یہ تھا کہ ظہر کی نماز پڑھی جائے، یہی گفتگو ہم چند لوگوں کے درمیان ہورہی تھی کہ ہردوئی کے مولانا افضال الرحمٰن صاحب تشریف لائے، ان کے سامنے میں نے یہ مسئلہ رکھا، انھوں نے بتایا کہ قاری خلیق اللہ صاحب کے یہاں حکیم کلیم اللہ صاحب اور مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب جمع تھے، اور باہم جمعہ کی نماز کا مذاکرہ ہورہا تھا، اور یہی طے ہوا تھا کہ خیموں میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی، میں نے مفتی ابوالقاسم صاحب کو فون لگایا، انھوں نے تصدیق کی، اور فرمایا کہ ہم اپنے خیمے میں جمعہ کی نماز ادا کریں گے، اذن عام کے متعلق حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے حوالے سے بتایا کہ اگر کسی قلعے میں آبادی ہے، اور انتظاماً قلعہ کا دروازہ بند ہے، لیکن قلعہ کے باشندوں کو کسی ایک جگہ جمع ہونے کی سہولت ہو، تو اسے بھی اذن عام ہی کے حکم میں قرار دیا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ، ج:۱، ص:۶۱۳/۶۱۴، فتاویٰ دار العلوم، ج:۵، ص:۱۰۵ تا ۱۰۷) اسی طرح کی صورتحال منیٰ کے خیموں کی ہے، کہ ایک حلقے میں کثیر تعداد میں خیمے ہیں، دوسرے حلقہ والوں کو اس حلقہ میں آنے کی اجازت عام نہیں، لیکن خود اس حلقے کے لوگ بے تکلف کسی ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں، مفتی صاحب کی بات سے اطمینان ہوگیا، اور میں نے بھی جمعہ کا اعلان کردیا، تین چار خیموں کے پردے کی دیواروں کو لوگوں نے ہٹا کر ایک بڑا ہال بنادیا، اور عزیزم مولوی جمال احمد سلّمہٗ کی امامت میں جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔

جمعہ کی نماز کے بعد مفتی عبدالرحمٰن صاحب آگئے، عصر کی نماز پڑھ کر ان کی معیت میں رمی جمرات کے لئے ہم لوگ نکلے، پورے اطمینان سے تینوں جمرات پر کنکریاں ماریں،

دو جمروں پر اطمینان سے دعائیں کیں، پھر لوٹ کر مغرب کے وقت خیمے میں آ گئے، وہاں مغرب کی نماز ادا کی، اس کے بعد معلم کی بس میں بیٹھے، ہم لوگ مطمئن تھے کہ ان شاء اللہ اپنی بلڈنگ کے پاس اتریں گے، سامان ساتھ میں تھا، اس لئے پیدل جانے کی ہمت نہیں کی گئی، بس چلی، اس میں کچھ حجاج عزیزیہ میں اور کچھ شیشہ میں اترنے والے تھے، ہماری بلڈنگ کے ہمیں دو تھے، اللہ جانے ڈرائیور راستہ بھول گیا یا کیا ہوا، پھر جام میں بھی خوب پھنسا، بس ہمارے محلّہ اجیاد تک نہ جاسکی، اور بارہ بج گئے۔ ڈرائیور اکتا گیا، گھبرا گیا، ہم لوگ اور زیادہ تکلیف میں تھے، اس نے ہمیں کُــدَیٔ میں اتار دیا، مفتی صاحب کی رہبری میں کچھ دور پیدل چلے، کئی ٹیکسیاں رکوائی گئیں، مگر ان کا کرایہ ناقابل تحمل تھا، ۳۰؍ریال فی کس مانگ رہے تھے، جبکہ فاصلہ دو تین کلومیٹر سے زیادہ نہ تھا، میں ذہنی اذیت کی وجہ سے تھک کر چور تھا، بالآخر ایک ٹیکسی ملی جس نے ۵؍ریال فی کس کے حساب سے، بلڈنگ کے ٹھیک سامنے اتار دیا، ساڑھے بارہ بج رہے تھے، یہاں آ کر عشاء کی نماز ادا کی، عشاء کی نماز کے بعد مفتی صاحب اپنی قیامگاہ پر چلے گئے، ان کی قیام گاہ خاصے فاصلے پر تھی، ہم لوگ فوراً سو گئے، معمول کے مطابق فجر سے کافی پہلے آنکھ کھل گئی، نمازِ فجر کے لئے حرم جانے کی ہمت نہ ہو سکی، یہیں نماز جماعت سے ادا کی، اور پھر سو گئے، بحمد اللہ حج کے ارکان سے فارغ ہو گئے۔

> ”یا اللہ! ہم کمزوروں نے بھاگ دوڑ کر لی، آپ کے پیغمبر نے اور ان کے برگزیدہ اصحاب اور آپ کے نیک بندوں نے تو عبادت کی تھی، ہم لوگ ان کی نقل کرتے رہے، جہاں وہ گئے ہم بھی گئے، جیسے جیسے انھوں نے کیا ہم نے بھی کیا، جہاں وہ ٹھہرے ہم بھی ٹھہرے، لیکن یہ صرف صورت کی نقالی تھی، حقیقت اور باطن کہیں بھی ان کی پیروی نہ کر سکا، نہ وہ دل، نہ وہ دماغ، نہ وہ مزاج، نہ وہ طبیعت، نہ وہ جذبہ، نہ وہ اخلاص، نہ وہ للٰہیت، بس ایک بے جان سا ڈھانچہ بن گیا، یہ مردہ عمل کس لائق ہے، مگر اے اللہ! ہم سے جو کچھ ہو سکا، وہ یہی ہے، آپ کی قدرت ہے......اور بے شک آپ قادر مطلق

ہیں...... کہ اس مردہ قالب میں قبولیت کی روح ڈال دیں، یہ بے جان ڈھانچہ ہم لئے بیٹھے ہیں، اور امید لگائے ہوئے ہیں کہ آپ کی رحمت جانفزا کا جھونکا آئے گا، اور اسے زندہ کرکے قبولیت کے لائق بنادے گا، جو کچھ ہوا ہے، پروردگار! آپ کی رحمت سے ہوا، ورنہ کہاں ہم جیسے روسیاہ، اور کہاں یہ پاک سے پاکیزہ تر بارگاہ! دور ہی سے دھتکار دئے جاتے، تو جو کچھ ہوا آپ کی رحمت سے ہوا، اور جس کی ہم آس لگائے بیٹھے ہیں، وہ بھی آپ کی رحمت ہی سے ہوگا، اور آپ نے فرمایا ہے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوْا عَلیٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورۂ زمر:۵۳) اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردیں گے، اور وہی تو ہیں جو مغفرت بھی فرمانے والے ہیں، رحم فرمانے والے بھی۔ آپ کے اس فرمان ذی شان پر ہمارا ایمان ہے، پس ہم اپنی امید میں غلطی پر نہیں ہیں، لیکن ہاں جو ہوگا آپ کی رحمت ہی سے ہوگا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وصلی الله علی خیر خلقه سیّدنا محمد نبیه و رسوله وعلیٰ آله وصحبه سلم أجمعین۔

دعاؤں کی قبولیت کا مظہر:

میں مدرسے کا آدمی ہوں، بچپن سے اب تک جبکہ میری عمر ۵۸؍ کو پار کرچکی ہے مدرسے ہی میں رہا، نہ کبھی مدرسہ کی چاردیواری سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا، اور نہ کبھی دنیوی مال ومتاع کو مطمح نظر بنایا، ظاہری احوال کے اعتبار سے ایک تو کیا، آدھ فی صد بھی امید نہ تھی کہ مجھے سفر حج کی سعادت نصیب ہوگی، مگر دعا کرتا رہا، اور جہاں تک مجھے یاد ہے سترہ اٹھارہ سال تک متواتر دعا کی ہے۔ علمی و دینی موضوعات میں مجھے سب سے زیادہ دلچسپی رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے ہے، آپ کی ذات گرامی سے محبت اور عشق جذرِ قلب میں پیوست ہے، اس عشق ومحبت کا لازمی اثر ہے کہ آپ کے دیار سے بھی اسی درجہ میں محبت ہے، تو

بہر حال دعائیں کیں اور بہت دن تک کیں، ہا! یہاں حضرت خواجہ میر درؔد کی ایک رباعی سن لیجئے، جو مدتوں میری زبان پر رہی، اور اب بھی جب یاد آجاتی ہے، تو دل پر کیف و سرمستی کی ایک گھٹا چھا جاتی ہے، قلب کا ہر ریشہ بھیگ جاتا ہے، آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، فرماتے ہیں ؎

اتنا پیغام دردؔ کا کہہ دے — جب صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی شب وہ آئیں گے — دن بہت انتظار میں گزرے

میں یہ رباعی پڑھتا تھا، اور دل میرے تصور کو کبھی مدینہ طیبہ اور کبھی مکہ مکرمہ، کبھی عرفات، کبھی مزدلفہ اور کبھی منیٰ میں لے جاتا تھا، میں نے تصور کی نگاہوں سے اس دیار قدس کو اتنی بار دیکھا، مسلسل دیکھا کہ گویا میں یہیں کا رہنے والا ہوں۔

۱۸؍ سال کی دعا کے بعد پہلا سفر ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۹ء) میں نصیب ہوا، پھر تو وقفہ وقفہ سے یہ سعادت مسلسل ہوگئی۔ میں مدرسے کا آدمی ہوں، جب میرا سفر ہوتا، تو میرے طلبہ مجھ سے کہتے کہ ہم لوگوں کے لئے بھی اس سفر کی دعا کر دیجئے، پھر میں اپنے بچوں کے لئے دعائیں کرتا رہا ہوں، اب ان دعاؤں کی قبولیت دیکھ رہا ہوں، کئی سال سے متواتر میرے طلبہ، جو میری طرح عربی مدارس میں قلیل تنخواہ پر دین کی خدمت کر رہے ہیں، ظاہری سامان ان کے پاس کچھ نہیں ہے، مگر پہونچانے والا انھیں مسلسل حج بیت اللہ کیلئے پہونچا رہا ہے، اس سال بھی دیکھ رہا ہوں کہ متعدد طلبہ حاضر بارگاہ ہیں۔

(۱) مولوی محمد عاصم سلّمہٗ، صاحبزادہ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ
(۲) مولوی مفتی اطیع اللہ صاحب فیض آبادی
(۳) مولوی مفتی محمد اظہار الحق صاحب کلکتہ
(۴) مولوی محمد اظہار سلّمہٗ، استاذ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ
(۵) مولوی محمد منصور مہراج گنجی سلّمہٗ، امام مسجد مدور، کرناٹک
(۶) مولوی مجیب الرحمٰن ارریاوی سلّمہٗ، مدرسہ قاسم العلوم، مالیکی، بھرت پور، راجستھان
(۷) مولوی فیض الحسن سلّمہٗ مدھوبنی۔

(۸) مولوی عمران الحق ارریاوی سلّمہٗ

(۹) حافظ محمد عادل سلّمہٗ بن خاکسار راقم الحروف

بعض طلبہ وہ ہیں، جو کچھ عرصے سے سعودی عرب میں رہتے ہیں، اور مشغلہ ان کا بھی تعلیم کا ہی ہے، ان میں سے بعض اس سال حج میں حاضر تھے، جیسے مولوی محمد فاروق صاحب سلّمہٗ اور مولوی حافظ محمد عرفان احمد دربھنگوی سلّمہٗ۔

اور اگر چند اسباق کے پڑھنے سے آدمی خود کو شاگرد تسلیم کرلے تو مولانا غلام رسول صاحب مہتم مدرسہ عرفان العلوم، مغل سرائے، چندولی بھی اس فہرست میں سرفہرست ہیں، مولانا موصوف نے جامعہ مخزن العلوم، دلدارنگر، غازی پور میں تعلیم حاصل کی ہے، اس وقت میں مدرسہ دینیہ غازی پور میں مدرس تھا۔ ان کے خصوصی استاذ مولانا مشتاق احمد صاحب مدظلہٗ میرے ساتھیوں اور دوستوں میں ہیں، میں اکثر ان کی خدمت میں دلدارنگر حاضر ہوا کرتا تھا، اس وقت مولانا موصوف کے حکم سے متعدد اسباق پڑھاتا تھا، ان پڑھنے والوں میں مولانا غلام رسول صاحب بھی تھے، وہ ماشاء اللہ بہت صاحب سعادت ہیں، اب بھی وہ اسی حیثیت سے ملتے ہیں اور اکرام کرتے ہیں۔ ان سے بہت گہرا قلبی وحبی تعلق ہے، وہ مغل سرائے میں سرگرم فیض رسانی ہیں، اللہ ان کے فیض کو عام وتام فرمائیں، اور قبولیت سے نوازیں۔

ماشاء اللہ یہ سب تعلیم وتدریس کے ذریعے دین کی خدمت انجام دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے حج وعمرہ کو قبول فرمائیں، اور باقی احباب کو بھی اس سعادت سے نوازیں۔ آمین

تحریر کا مشغلہ:

اس سے پہلے حج کے اسفار میں خاکسار نے کبھی کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں کیا، لکھنے سے مجھے مناسبت بھی نہیں ہے، کسی کے حکم سے، کسی کی فرمائش پر یا کسی مجبوری پر کچھ لکھتا ہوں۔ سفر حج کسی اور دھن کا سفر ہوتا ہے، اس لئے کبھی لکھنے لکھانے کا خیال نہیں آیا۔ پچھلے حج میں اپنے ایک عزیز ومخدوم زادہ مولانا محمد عارف صاحب ابن استاذی حضرت مولانا جمیل احمد

صاحب مبارک پوری مدظلہٗ کی کتاب ’’ **المعتصر من اعلاء السنن** ‘‘ کے کتابت شدہ فرموں کی تصحیح میں کچھ مشغولیت رہی تھی۔ اب جب سفر شروع ہونے والا تھا، تو عزیزم مولوی ضیاء الحق سلّمہٗ، مدیر ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور نے فرمائش کی، کہ فلاں مضمون جو ادھورا رہ گیا ہے اس سفر میں ساتھ لیتے جائیں، جتنا ہو سکے اسے لکھیں، میں نے اس کے چند اوراق ساتھ رکھ لئے۔

میرے شیخ ومرشد دامت برکاتہم کے صاحبزادے مولانا مفتی عاصم عبد اللہ صاحب مدظلہٗ نے مجھے حکم دیا تھا کہ سلسلۂ قادریہ کے اَذکار واَوراد اور اَذکار ومراقبات کو اس ترتیب پر مرتب کردوں، جس ترتیب کے ساتھ مشائخ قادریہ راشدیہ (۱)......جن سے بندہ وابستہ ہے......ان کی تلقین کرتے ہیں، اس کا آغاز تو میں نے مدرسے ہی پر کردیا تھا، مگر تمہید سے کچھ ہی آگے تحریر پہونچی تھی کہ مسلسل اسفار نے اس کا سلسلہ منقطع کردیا، مکہ مکرمہ میں موقع ملا تو پہلے اسی کو ہاتھ لگایا اور اسے لکھنا شروع کیا، مولانا مفتی عاصم عبد اللہ صاحب حج میں آنے والے تھے، میں نے سوچا کہ اسے مکمل کرکے ان کے حوالے کردوں، میں ۱۲؍دسمبر، ۳؍ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچا، صاحبزادۂ گرامی ایک روز کے بعد پہونچے، ان سے فون پر بات ہوئی، تو معلوم ہوا کہ وہ حج کے بعد دو تین دن میں چلے جائیں گے، یہ سن کر میں نے کام میں تیزی پیدا کی، بحمد اللہ ۱۵؍ذی الحجہ کو اس کی تکمیل ہوگئی، وہ ۱۶؍کو میری قیام گاہ پر تشریف لائے۔ میں نے اس تحریر کی فوٹو کاپی جو اصل سے بہت صاف اور واضح تھی، انھیں دیدی۔ میں نے عرض کیا کہ اسے وہ حضرت مرشدی مدظلہٗ اور حضرت مولانا عبد الصمد صاحب پیر طریقت ہالیجی شریف کے ملاحظہ سے گزاردیں، ان کی اصلاح وتصدیق کے بعد اسے شائع کریں، بحمد اللہ سلسلۂ قادریہ کی ایک خدمت کی اس ناکارہ کو توفیق بخشی گئی۔

---

(۱) سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی ذات اقدس کی جانب تصوف کا جو سلسلہ منسوب ہے، وہ قادریہ کہلاتا ہے۔ اس میں ایک شاخ حضرت پیر سیّد محمد راشد قدس سرہٗ کے واسطے سے پھیلی ہے، بندے کی نسبت سیّدی ومرشدی حضرت مولانا حافظ عبد الواحد صاحب مدظلہٗ کے واسطے سے اسی سلسلے سے ہے۔

اسی کے ساتھ اس حج کے احوال کو بھی قلمبند کرنا شروع کیا، جس کا سلسلہ بحمد اللہ چل رہا ہے، جس مضمون کو مولوی ضیاء الحق سلّمہٗ نے حوالے کیا تھا، ابھی ۱۹/ذی الحجہ مطابق ۲۸/دسمبر تک اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اب سوچتا ہوں کہ اس پر کام شروع کروں۔

۱۴/ذی الحجہ:

ہر سال حج میں نئے تجربات ہوتے ہیں، ہمارے بزرگ مولانا قاری ولی اللہ صاحب فتحپوری امام نور مسجد ممبئی، جو ۱۹۷۲ء سے مسلسل حج کے لئے آرہے ہیں، فرماتے ہیں کہ پچھلے حج کے تجربات اگلے حج میں کام نہیں آتے، ایک نیا تجربہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں کو حافظ نوشاد احمد اعظمی کی کوشش سے بلڈنگ تو بہت اچھی ملی، حرم سے بہت قریب نہیں تو بہت دور بھی نہیں ہے، محلّہ اجیاد میں، ایک بلڈنگ ہے، ''ابراج خزندار'' اسی کی آٹھویں منزل پر کمرہ نمبر ۱۰ ہے، یہ کمرہ اصلاً دو آدمیوں کے لئے ہے، مگر حج کی بھیڑ میں اس کے اندر تین بیڈ لگادئے گئے ہیں، ہم جیسے لوگ اس میں بھی بسہولت گزر کرلیں گے، مگر ستم یہ ہوا کہ بیڈ تین، افراد اس میں چار رکھے گئے، ہم باپ بیٹے پہلے آئے، دوسرے دن گوالیار کے میاں بیوی آئے، یہ لوگ بہت پریشان ہوئے، انڈین حج مشن سے فریاد کی، مگر حج کے قریب ہونے کی وجہ سے بھیڑ بہت ہوگئی تھی، اور کام بہت جمع ہوگیا تھا، کوئی شنوائی نہیں ہوئی، مجبوراً وہ لوگ بھی اسی میں تنگی کے ساتھ رہنے لگے۔ حج مشن میں اعظم گڈھ کے مولوی محمد یونس صاحب کام کرتے ہیں، ان سے میرے تعلقات ہیں، ان کا تعلق بلڈنگوں کے انتظام سے نہیں ہے، مگر ان سے میں نے کہا کہ آپ اس میں دخل دے کر مسئلہ کو حل کرائیے، انھوں نے کوشش کی، مگر مسئلہ حل نہ ہوسکا، آخر میں انھوں نے کہا کہ دو روز کی اور بات ہے، اس وقت انتظام مشکل ہے، دو روز کے بعد منیٰ چلے جائیں گے، حج سے واپسی کے فوراً بعد حاجیوں کی واپسی شروع ہوجائے گی، اس کے بعد جلد ہی انتظام کردیا جائے گا۔ میں نے گوالیار کے حاجی احسان خان کو یہ بات سمجھائی، وہ مان گئے، ایک دو روز میں وہ مانوس بھی بہت ہوگئے، حج سے فراغت کے بعد ضروری تھا کہ کوئی انتظام کردیا جائے، کیونکہ میرے پاس ملنے والے

بکثرت آتے تھے، حاجی صاحب کی خاتون کو پریشانی ہوتی تھی۔ ۱۲؍کو ہم واپس آئے، ۱۳؍کا دن گزرا، ۱۴؍کو مغرب بعد ایک صاحب آئے، وہ متحرک آدمی تھے وہ حج مشن میں گئے، اور حاجی صاحب کے لئے ایک دوسرا کمرہ چوتھی منزل میں منظور کرالائے۔ حاجی صاحب کو ہماری جدائی شاق ہورہی تھی، اللہ کا انتظام کہ ہماری منزل میں ایک حاجی صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ تھے، انھوں نے حاجی احسان سے لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ہم دونوں کو نیچے جانے دیجئے، اور آپ دونوں ہماری جگہ پر آجایئے، یہ کمرہ بالکل ہمارے کمرے کے پاس ہے، ان حضرات نے بخوشی منظور کرلیا۔ اب وہ اسی میں ہیں، اور یہ کمرہ نمبر ۱۰ ہم باپ بیٹے کے لئے خالی ہوگیا، اب مہمانوں اور ملنے والوں کے لئے بھی آسانی ہے۔

۱۸؍ذی الحجہ:

آج صبح شیخو پور کے عمران بھائی کا فون آیا کہ شام ہمارے یہاں تشریف لایئے، اور کھانا یہیں کھایئے۔ عمران بھائی بہت محبت کرنیوالے، بہت نیک آدمی ہیں، مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی کے بھتیجے ہیں، معذرت کا کوئی سوال نہ تھا، مگر جب عشاء بعد جانے کا وقت ہوا، تو مجھے غیر معمولی ضعف اور تکان کا احساس ہورہا تھا، میں نے چاہا کہ معذرت کردوں، مگر نہ کرسکا۔ وہاں سے واپسی گیارہ بجے رات کے بعد ہوئی، آتے ہی سوگیا۔ آج پاکستان میں بے نظیر بھٹو حادثہ میں ماڑ ڈالی گئی، طارق نے خبر دی۔

۱۹؍ذی الحجہ:

صبح اٹھا، وضو سے فارغ ہوکر مسجد حرام کی طرف چلا، تو غیر معمولی ضعف محسوس ہوا، بار بار تقاضا ہوا کہ بیٹھ جاؤں، یا واپس کمرے میں چلا جاؤں، لیکن کم ہمتی کو کوستا ہوا کسی طرح مسجد حرام تک پہونچ گیا، سات بجے وہاں سے واپس آیا، تو بجز لیٹنے اور سونے کے کوئی اور کام نہیں ہوسکا، جمعہ کا دن ہے، اخیر وقت میں اٹھ کر نہایا اور بارہ بجے کسی طرح کمرے سے باہر نکلا، مسجد تک جانے کی گنجائش نہ تھی، ایک بلڈنگ میں گھس کر نمازِ جمعہ ادا کی، پھر فوراً واپسی ہوگئی، میں حیران تھا کہ اتنا ضعف اچانک کیسے ہوگیا، مجھے خیال ہوا کہ چند ماہ سے کبھی کبھی

شوگر غیر معتدل ہوجاتی ہے، کہیں اس کا اثر تو نہیں ہے، کلکتہ سے بھائی مجیب حج کے لئے آئے ہیں، ان کے پاس شوگر چیک کرنے کی مشین ہے، انھیں فون کیا، انھوں نے کہا کہ جس وقت آپ کھانا کھائیں، تو مجھے اطلاع کریں، میں دو گھنٹے کے بعد آکر چیک کروں گا، ڈھائی بجے میں نے اطلاع کی، کہ کھانا کھا چکا ہوں، وہ چار بجے آئے، ساڑھے چار بجے انھوں نے چیک کیا، تو شوگر ۶۷ رنکلی، انھوں نے بتایا کہ بہت گھٹ گئی ہے، ۱۴۰ رہونی چاہئے، یہ تو آدھے سے کم ہوگئی ہے، یہ کمزوری اسی کا اثر ہے، کچھ میٹھا استعمال کیجئے۔

شام کو مبارکپور کے حاجی اکرم کا فون آیا کہ میں عشاء کے بعد کھانا لے آؤں گا، وہ بڑے اہتمام سے مرغی پکا کر لائے، میں نے کہا ڈبے والی مرغی ہوگی، انھوں نے کہا ہاں، میں نے معذرت کی کہ میں اسے نہیں کھاتا، ذبیحہ مشکوک ہے، بلکہ یقینی ہے کہ ذبیحۂ شرعی نہیں، یہ مرغیاں مشین سے ذبح ہوتی ہیں، ڈبہ کی مرغیاں خواہ وطنی ہوں، خواہ امریکن ہوں، عرصہ سے میں نے نہیں کھایا۔

آج عشاء کے بعد باب عبد العزیز کے سامنے گھڑی کے پاس قاری شمیم احمد صاحب استاذ مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے ملاقات ہوئی، مفتی عبدالرحمٰن صاحب جدہ سے کل آئے تھے، عشاء کے بعد وہ جدہ روانہ ہوئے، آج ضیاء الدین صاحب بھی جدہ سے آئے تھے، مولانا ابوالحسن زید دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ’’سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ‘‘ لائے، مولانا زید صاحب ضیاء الدین صاحب کے مرشد ہیں۔

میرے استاذ محترم حضرت مولانا شمس الدین صاحب مبارکپوری نور اللہ مرقدہٗ کے پوتے نجم الدین سلّمہٗ سے ملاقات ہوئی، ان کے والد قمر الدین بھائی کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ گھر گئے ہیں، پوچھنے پر بتایا کہ آ گئے ہیں، فون پر ان سے بات ہوئی۔

۲۰ رذی الحجہ:

حجاج بہت سے جا چکے ہیں، مگر ابھی بہت بڑی تعداد موجود ہے، مطاف کا ہجوم قابل دید ہوتا ہے، آج مولوی شفیع اللہ مدھوبنی کا بھائی رحمت اللہ ملاقات کے لئے آیا، وہ

حیز ان میں رہتا ہے۔

۲۱/ذی الحجہ، ۳۰/دسمبر:

آج بعد نماز مغرب حرم کے تہہ خانے، جہاں میں عافیت کی تلاش میں پڑا رہتا ہوں، ہمارے گاؤں کے اس سال کے واحد حاجی، حاجی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی، ابھی ان سے خیر خیریت دریافت کر رہا تھا کہ مولانا محمد اصغر صاحب، صدر مدرس مدرسہ منبع العلوم، خیرآباد تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حاجی حفظ الرحمٰن اور حافظ محمد مبین خیرآبادی تھے۔ ذکر اس کا تھا کہ حجر اسود پر پہونچنا بغیر دھکم دھکا کے ممکن نہیں ہے، میں نے کہا کہ میرا یہ ساتواں حج ہے، مگر عام ہجوم نہ ہونے کے باوجود حجر اسود پر اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ بغیر شدید مزاحمت کے وہاں تک پہونچا نہیں جاسکتا، اسلئے اب تک اس محرومی پر صبر کئے ہوئے ہوں، پھر اس کی اہمیت اور اس تک نہ پہونچ سکنے کا تذکرہ ہوا، میں نے کہا، حجر اسود بہت متبرک ہے، مگر نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تلقین اس سے زیادہ متبرک ہے، جب آپ نے مزاحمت اور دھکم دھکا سے منع کر دیا ہے، تو یہی زیادہ متبرک بات ہے، پھر میں نے کہا ایک پختہ بات سنئے!

کبیر داس کے بیٹے کمال شاہ تھے، جس طرح کبیر داس سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی دلچسپی تھی، اسی طرح کمال شاہ سے بھی ہندو عقیدت رکھتے تھے۔ ایک پنڈت گنگا اشنان کے لئے جا رہا تھا، اس نے کمال شاہ کی خدمت میں حاضری دی، اور ان سے درخواست کی، کہ کوئی خاص وظیفہ بتائیے، کمال شاہ نے ایک وظیفہ بتایا کہ رات کے سناٹے میں گنگا کے کنارے اس وظیفہ کا جاپ کرنا، تو گنگا مائی کے دو ہاتھ نکلیں گے، ان میں کنگن ہوں گے وہ کنگن تم مانگ لینا، تمہاری زندگی بھر کے لئے بھلا ہوگا، اس نے وہ وظیفہ ان کی ہدایت کے مطابق پڑھا، اس نے دیکھا کہ دو ہاتھ نمودار ہوئے، اس نے کنگن مانگے، وہ اسے مل گئے، وہ نہال ہو گیا، خوش و خرم گھر کو لوٹا، ایک انگوچھے میں اس نے دونوں کنگن لپیٹ رکھے تھے، لیکن چلتے چلتے وہ راستے میں کھول کر دیکھتا بھی رہتا تھا، ایک مرتبہ وہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک چیل نے جھپٹا مارا اور ایک کنگن چھین لے گئی، اسے بہت صدمہ ہوا، گھر جانے کے

بجائے سیدھا کمال شاہ کے پاس پہونچا اور سارا ماجرا عرض کیا، کمال شاہ جوش میں اپنی کرگہہ کے پاس گئے، اور لکڑی کا پیالہ جس میں کپڑا بننے والے پانی رکھتے ہیں، جسے ’’کٹھوت‘‘ کہتے ہیں، اٹھالائے، اور فرمایا: من ہو چنگا تو کٹھوت میں گنگا
یعنی اگر دل سلامت ہو تو کٹھوت ہی میں گنگا مائی آجائیں گی، یہ کہنا تھا کہ کٹھوت میں ایک ہاتھ نمودار ہوا، کمال شاہ نے وہ کنگن اتار کر پنڈت کو دیدیا۔

میں نے کہا کہ اپنے باطن کو سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور اس کی خوبصورتی ادب سے ہوتی ہے۔ اللہ کا ادب، اللہ کے شعائر کا ادب، نبی کا ادب، نبی کی تعلیم کا ادب! آدمی باادب ہو تو جہاں رہے گا کعبہ اور حجر اسود اس کے پاس ہوگا، دین کی عمدہ ترین خصلت ادب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ادب بہت کم رہ گیا ہے، یہ حرم ہے، یہ کعبہ ہے، لیکن اس طرح شور ہوتا ہے جیسے بازار اور میلہ ہو۔

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ حج کے لئے آئے، تو کعبہ کو نہ پایا، نگاہِ باطن سے دیکھا، تو وہ ایک پارسا خاتون کے استقبال کے لئے گیا ہے، آج کے ظاہر بیں اس واقعہ کا مذاق اُڑاتے ہیں، یہاں صحن حرم میں ایک صاحب کا وعظ بڑے زور وشور سے ہوتا ہے، میں آج سے اٹھارہ انیس سال پہلے حج میں آیا، تو ایک روز ٹھہر کر ان کی تقریر سننے لگا، وہ یہی واقعہ بیان کرکے اس کا مذاق اڑا رہے تھے، مجھے بہت ناگوار ہوا، اس کے بعد میں نے ان کی تقریر نہیں سنی۔ بات یہ ہے کہ کعبہ صرف دیوار اور چھت کا نام نہیں، کعبہ کی حقیقت وہ ’’تجلیات ربّانی‘‘ ہیں، جو خصوصیت سے اس مقدس جگہ اترتی رہتی ہیں، یہی حقیقت کعبہ درحقیقت قبلہ ہے، ورنہ آدمی حرم شریف کی چھت پر ہوتا ہے، کعبہ کی دیوار وہاں تک نہیں پہونچتی، مگر قبلہ درست ہے، اگر خدانخواستہ، اللہ نہ کرے کعبہ کی دیوار منہدم ہوجائے، تو کعبہ فنا نہیں ہوگا، اس جگہ ہونے کی وجہ سے یہ عمارت بھی متبرک ہوگئی ہے، تو واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم ادہم نے نگاہِ باطنی سے دیکھا تھا کہ تجلیاتِ ربانی ایک عفیفہ کی جانب متوجہ ہیں، ورنہ دیواریں تو اپنی جگہ موجود تھیں، میں نے کہا کہ مومن کی وقعت بہت زیادہ ہے، دیکھئے آدمی ایسی جگہ ہو،

جہاں قبلہ کی سمت کا پتہ نہ ہو تو آدمی تحری کر کے کسی جانب نماز پڑھ لے تو ہو جاتی ہے، اگر نماز کے بعد کسی نے بتایا کہ قبلہ دوسری جانب ہے، تو نماز دہرانے کی حاجت نہیں، وہی نماز ہوگئی، فقہاء لکھتے ہیں، کہ جانب تحری اس کا قبلہ ہے، اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے، اس نے تحری کی تو قبلہ اسی جانب آ گیا، اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا رتبہ کعبہ سے بڑھا ہوا ہے، تو ادب کا لحاظ رکھنا فرض ہے، ان شاء اللہ جہاں ہوں گے حجر اسود وہیں ہوگا، اس کی برکتیں چاہئیں، اس کی تجلیٔ خاص چاہئے، قلب اتنا مؤدب ہو کہ رحمت الٰہی خود بخود متوجہ ہو جائے۔

اسی جگہ مخدوم محترم حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامؔی علیہ الرحمہ کے بھائی حافظ عبد العزیز سعدی صاحب کے فرزند عزیزم مولوی محمد معاویہ سلمہٗ آ کر ملے، انھوں نے بتایا کہ ان کے چچازاد بھائی مولانا خبیب صاحب بھی تشریف لائے ہیں، یہ مولانا رومی کے فرزند ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چھوٹے چچا مولانا عبد العلیم عیسیٰ صاحب تشریف لائے ہیں۔ آدھ گھنٹے کے بعد دیکھا تو مولانا عیسیٰ صاحب بنفس نفیس تشریف لا رہے ہیں، یہ ہمارے بزرگوں کی بزرگانہ ادائیں ہیں، طبیعت بہت متاثر ہوئی، ایک چھوٹے، بہت چھوٹے کے لئے زحمت فرمائی، اللہ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

۲۲؍ ذی الحجہ، ۳۱؍ دسمبر:

آج صبح فجر کی نماز کے بعد تہہ خانہ میں بیٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، دربھنگہ کے ممتاز بھائی پوچھ رہے تھے کہ آپ کہاں ہیں؟ میں نے بتایا، پھر میں نے کہا کہ آپ باب عبد العزیز کے پاس آجایئے، میں آرہا ہوں، میں سمجھ گیا تھا کہ ساتھ میں مخدومی حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب زید مجدہ بھی ہوں گے، میں فوراً نکلا تو حضرت پر نگاہ پڑی، وہ ازراہ کرم مجھے تلاش کر رہے تھے، میں ملا، میں نے درخواست کی کہ میرا کمرہ بالکل خالی ہے، بس ہم باپ بیٹے ہیں، وہیں چلیں، حضرت نے بخوشی منظور فرمالیا، ممتاز بھائی سے میں نے کہا کہ خاطر تواضع کا سامان آپ ہی کو کرنا ہوگا، کیونکہ عادل عمرہ کا احرام باندھنے مسجد عائشہ چلا گیا ہے، کمرے پر

آئے، کچھ ناشتے کا سامان تھا، وہ میں نے پیش کیا، چائے ممتاز بھائی نے بنائی، اسی دوران کلکتہ کے مجیب بھائی اور قاری محمد ایوب صاحب آ گئے، کمرہ بزرگوں کے وجود سے چمک اٹھا، مولوی ابوالاویس اصلاحی بھی آ گئے، کچھ دیر مجلس رہی، پھر وہ لوگ تشریف لے گئے۔

ساڑھے دس بجے عزیزم حافظ محمد عادل عمرہ سے فارغ ہو کر آئے۔

مغرب کے بعد اپنے معمول کے مطابق تہہ خانے میں بیٹھا تلاوت کر رہا تھا، عشاء کی اذان میں دس منٹ باقی تھے کہ اچانک ایک جانا پہچانا چہرہ سامنے آیا، مجھے پہچاننے میں قدرے تامل ہوا، تو خود ہی بتایا کہ جامع مسجد مغل سرائے کا امام ہوں، ابھی ان کی طرف متوجہ ہو ہی رہا تھا کہ ایک دوسرا چہرہ اور سامنے آیا، یہ مولانا قاری اظہار الحق سلّمہٗ تھے، جو کلکتہ سے آئے تھے، قاری اظہار نے گورینی میں مجھ سے الاشباہ والنظائر پڑھی تھی، مل کر بہت خوشی ہوئی، چند روز پہلے ان کے ایک ساتھی مفتی اطیعوا اللہ صاحب فیض آبادی ملے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد میں اپنی بلڈنگ کی طرف آ رہا تھا، ایک صاحب روک کر باتیں کرنے لگے، تھوڑی دیر میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ناظم دار المصنفین آتے ہوئے ملے، معلوم ہوا تھا کہ مولانا حج کے لئے تشریف لائے ہیں، ملاقات آج ہوئی۔

۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ، یکم؍جنوری ۲۰۰۸ء:

آج جدہ سے غازی پور کے نسیم بھائی کے فرزند اختر سلّمہٗ کا فون آیا کہ آپ تیار رہئے، میں آ رہا ہوں، آپ کو جدہ چلنا ہے، میں تیار تو ہوا، مگر بے دلی سے، مکہ مکرمہ سے کہیں جانے کا جی نہیں چاہتا، وہ عصر کے بعد آئے، میں اور عادل سلّمہٗ ان کے ساتھ مغرب کے وقت جدہ پہونچے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو فون کیا کہ آپ بھی اختر کے یہاں آ جائیں، وہ کہیں پڑھاتے ہیں، اختر نے کہا کہ میں وہیں آتا ہوں، میں نے سوچا تفریح ہو گی، عشاء پڑھ کر اختر کے ساتھ ہم دونوں چلے، مفتی صاحب نے جو جگہ مقرر کی تھی، وہاں موجود تھے، انھیں لیا، واپسی میں ایک عجیب وغریب مارکیٹ میں جانا ہوا، اس میں مصنوعی درخت اور مصنوعی چٹانیں بنائی گئی ہیں، نیچے پانی بہہ رہا ہے، اوپر آسمانی فضا ہے، بادل گرج رہے ہیں،

بجلی چمک رہی ہے، کہیں درندوں شیروں وغیرہ کے غرانے کی آوازیں آرہی ہیں، آبشار مصنوعی پہاڑیوں سے گررہا ہے، پن چکی چل رہی ہے، مصنوعی مینڈک اور مگرمچھ پانی میں ہیں، ایک بہت بڑا مصنوعی درخت ہے، غرض عجیب سماں پیدا کر رکھا ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، ہم لوگ وہاں کھڑے تھے کہ اچانک اندھیرا ہونے لگا، معلوم ہوا کہ رات ہورہی ہے، دیکھا تو آسمان پر ستارے چمکنے لگے، فضا بھی بہت خوشگوار تھی، تفریح کرنے والوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر ٹہل پھر کر ہم لوگ نکل رہے تھے کہ اختر ہم لوگوں کو ایک دوکان پر لے گئے، وہاں پھولی، غازی پور کے مجیب صاحب ملازم ہیں، ان سے ملاقات ہوئی، پھر اختر کے یہاں آگئے، یہاں کھانا کھایا، مولوی فاروق اور مولوی متین الحق فتح پوری بھی آگئے، ایک بجے سونا نصیب ہوا۔

مولوی ابوالاویس اصلاحی:

کئی سال پہلے ایک صاحب اساڑھے کے مولوی ابوالاویس اصلاحی ملے تھے، وہ کسی پریشانی میں تھے، سرائمیر میں مکتبۃ الحرمین کے نام سے ان کا ایک تجارتی کتب خانہ تھا، اس وقت وہ کسی ابتلاء میں گرفتار تھے، مجھ سے جو تدبیریں بن پڑی میں نے کیں، پھر وہ سعودی چلے آئے، اس سال حج میں آیا، تو ان سے ملاقات ہوئی، وہ بہت خوش ہوئے، انھوں نے انڈین حج آفس میں ملازمت کرلی ہے، ۳۱/دسمبر تک ملازمت کا ارادہ ہے، پھر وہ دمام چلے جائیں گے، آج وہ ملازمت سے فارغ ہوگئے ہیں، بہت خوب آدمی ہیں، اشعار بھی اچھے کہہ لیتے ہیں، سعودیہ کی ملازمت سے بیزار ہیں، معاش کی مجبوری روکے ہوئے ہے، بعض ضروریات ان کے سامنے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کا مسئلہ حل ہوجائے، تو میں ہندوستان واپس ہوجاؤں، مگر معاش کی الجھن ایسی ہے کہ اسباب پر نظر ہوتے ہوئے اس کا سلجھنا ممکن نہیں، ہاں رب الاسباب سے صحیح اور قوی تعلق ہو، تو اس سے نجات مل سکتی ہے۔

۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ، ۲؍جنوری ۲۰۰۸ء (بدھ):

حاجی بابو نے اطلاع دی کہ سلامتی وسہولت کے ساتھ بچہ تولد ہوا، اللہ تعالیٰ اسے صحت وعافیت کے ساتھ نیک وصالح بنائیں۔ (۱)

آج شام کو عزیزم مولوی محمد فاروق سلّمہٗ کے یہاں دعوت ہے، میرے مخدوم زادہ بھائی قمرالدین صاحب بن حضرت الاستاذ مولانا شمس الدین الحسینی مبارکپوری نوراللہ مرقدہٗ گھر گئے ہوئے تھے، وہ اب آ گئے ہیں، انھیں فون کرکے میں نے دعوت دے دی تھی، وہ بھی تشریف لائے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب بھی تھے، اختر سلّمہٗ اپنی گاڑی سے لے گئے تھے، پھر گیارہ بجے واپسی ہوئی۔

۲۵؍ذی الحجہ، ۳؍جنوری:

آج صبح ۹؍بجے سے کچھ پہلے اختر سلّمہٗ اپنی گاڑی لے کر مکہ مکرمہ کو چلے، دس بجے سے پہلے بلڈنگ پر خیر وعافیت سے پہونچ گئے۔ گاڑی سے اترتے ہی کلکتہ سے مولانا ابوالخیر صاحب سلّمہٗ کا فون آیا، دوسری باتوں کے ساتھ ایک اندوہناک حادثے کی خبر دی، ان کے ساتھی مولوی مجاہد الاسلام سیتا مڑھی، جنھوں نے مدرسہ دینیہ غازی پور میں مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے، پانچ چھ دن پہلے اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے، کہ باہر شور سنائی دیا، وہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا بات ہے، باہر نکلے، جونہی باہر نکلے، ایک گولی ان کے سینے میں لگی اور وہ گر گئے، صبح تک روح پرواز کرگئی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، وہاں ڈکیتی پڑ رہی تھی، یہ گھر سے باہر نکلے تو ڈاکوؤں نے دیکھتے ہی گولی چلادی، ساتھ میں ان کا چھوٹا بھائی ذاکر بھی تھا، اس پر بھی گولی چلائی، مگر وہ بچ گیا، اللہ تعالیٰ اس شہید کی مغفرت فرمائے، اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہونچائے۔

---

(۱) یہ میرا بچہ محمود ضیاء سلّمہٗ ہے، حضرت الاستاذ مرحوم کی دعاؤں کے اثرات اللہ کا شکر ہے کہ اس کے اندر محسوس ہورہے ہیں، ابھی سے لکھنے پڑھنے اور نماز وغیرہ کی طرف رغبت دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کی دعا پورے طور پر اس کے حق میں قبول فرمائیں۔ آمین

۲۶/ذی الحجہ، ۴/جنوری:

آج صبح مفتی عبدالرحمٰن صاحب تشریف لائے، میں نے ان سے شوگر چیک کرنے والی مشین کے لئے کہا تھا، چنانچہ وہ لے کر آئے، قیمت ۲۲۰/ریال ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد حیدرآباد کے مولانا محمد اسحاق صاحب سے ملاقات ہوئی، مولانا حیدرآباد کے ایک مدرسہ غالباً فیض القرآن نام ہے، کے ناظم ہیں، بہت بااخلاق، بہترین منتظم، مہمان نواز ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد بلڈنگ پر مئو آئمہ کے غلام رسول صاحب اپنے فرزند عبدالرب سلّمہٗ کے ساتھ تشریف لائے، جدہ میں رہتے ہیں، ایک مرتبہ شیخوپور تشریف لے گئے تھے۔

عشاء کی نماز پڑھ کر نکلے تھے کہ قاری خلیق اللہ صاحب کے صاحبزادے حافظ عبدالعلیم صاحب مل گئے، انھوں نے کھانا کھانے کی دعوت دی، تھوڑی دیر میں قاری شمیم صاحب تشریف لائے، انھوں نے بھی عبدالعلیم کی بات دہرائی، میں نے معذرت کی، کہ دعوتوں میں دیر ہوتی ہے، اور میں سویرے سونے کا عادی ہوں، دیر تک جاگ جاتا ہوں، تو کئی دن تک تکلیف رہتی ہے، قاری صاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں علیم کو بتا چکا ہوں، آپ کی رعایت ہوگی، پھر علیم کسی طرف چلے گئے اور دیر ہونے لگی، تو میں نے پھر معذرت کی، قاری صاحب جلدی سے علیم کو بلا لائے، ان کے گھر جانے کے لئے چڑھائی بہت ہے، میں اپنے پیروں سے فالج کے بعد کمزوری کی وجہ سے معذور ہوں، علیم نے کہا گاڑی سے چلنا ہے، خیر میری ایک نہ چلی، ان کے گھر پہونچے، خلاف معمول انھوں نے عجلت سے کام لیا، پونے دس بجے تک کھانے سے فارغ ہوگئے، ان کے فرزند نے گاڑی سے بلڈنگ کے پاس لاکر اتار دیا، قاری صاحب بھی ساتھ میں تشریف لائے تھے، دس بجے سے پہلے ہم اپنے کمرے میں تھے، **فالحمد للہ علیٰ ذالک**

۲۷/ذی الحجہ، ۵/جنوری:

آج حضرت اقدس ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ اور ان کے ساتھ ممتاز بھائی کی

واپسی ہے، باب ملک فہد کے سامنے حضرت سے فجر بعد فوراً ملاقات کی، ممتاز بھی تھے، معلوم ہوا کہ ابھی جدہ کے لئے نکلنا ہے، آج ہی شام کی فلائٹ ہے، کلکتہ جائیں گے، وہاں سے دوسری فلائٹ سے پٹنہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ سفر آسان فرمائیں، آمین۔ جاڑے اور کہرے کی وجہ سے ہندوستان کی فلائٹیں بہت لیٹ جارہی ہیں۔

آج معلوم ہوا کہ بنارس کی فلائٹیں بہت لیٹ جارہی ہیں، اور ان کا نظم بھی بہت خراب ہے، فلائٹ کی تاریخ سے ایک دن پہلے ہی روانہ ہورہی ہے، اور دوسری مصیبت یہ ہے وہ حاجیوں کا سامان نہیں لے جارہی ہے، سامان جدہ میں پڑا ہوا ہے، اسے کارگو کے جہاز سے بھیجا جائے گا، یہ الگ مسئلہ ہے کہ حاجی بغیر سامان اور بغیر کھجور کے گھر پہونچے، اور ہر روز انتظار کرے، پھر جب اطلاع ملے تو بنارس جاکر سامان لے آئے، اس صورت میں سامان گڑبڑ ہونے کا بہت اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

۲۸/ذی الحجہ، ۶/جنوری:

آج دوپہر میں عزیزم مولوی جمال احمد سلّمہٗ نے کھانے کی دعوت کی، بٹیر کا گوشت پکوایا، بہت پُر لطف دعوت رہی۔

عشاء کی نماز کے بعد امام حرم نے نمازِ استسقاء کا اعلان کیا، کہ کل سوا سات بجے صبح حرم میں ادا کی جائے گی، دو مرتبہ اور پڑھی جاچکی ہے، مگر بارش نہیں ہوئی، اللہ کی مصلحت ہے، حق تعالیٰ اپنا رحم وکرم فرمائیں۔

آج مولوی محمد اظہار سلّمہٗ واپسی کے لئے جدہ گئے، رات میں ۳/بجے فلائٹ ہے، فلائٹیں بہت لیٹ جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں۔

۲۹/ذی الحجہ، ۷/جنوری (دوشنبہ):

مولوی اظہار کی فلائٹ آج ۹/بجے کے بعد گئی، ۷/بجے شام کو بنارس پہونچی، مغرب کی نماز پڑھنے جارہا تھا، تو مولوی اصغر، حفظ الرحمٰن اور حافظ محمد مبین صاحب بس پر

سوار ہو چکے تھے، جدہ جا رہے تھے، ان کی فلائٹ بھی ۳؍ بجے رات میں ہے۔

آج مولوی ابوسعد آنوک والے نے دعوت دی، ان کے گھر جانے کے لئے چڑھائی پر جانا ہوتا ہے، اس کا تحمل پاؤں کو نہیں، اور عشاء کے بعد دعوتوں کے چکر میں دیر بھی ہوجاتی ہے، پھر سویرے اٹھنے میں دقت ہوتی ہے، اس لئے میں نے معذرت کی، انھوں نے ازراہِ کرم کھانا بلڈنگ میں پہونچا دیا، **فالحمد للہ وجزاہ خیراً**

حافظ غلام ربّانی دربھنگہ کے رہنے والے، گجرات میں پڑھاتے ہیں، مدرسہ عظیمیہ غازی پور میں تعلیم حاصل کی ہے، وہیں سے مجھے جانتے ہیں، انھوں نے کئی روز پہلے بیعت کی درخواست کی تھی، میں نے کچھ وظائف بتا دیئے ہیں، کل صبح وہ ناشتہ لے کر آئے۔

عزیزم محمد عادل سلّمہٗ اور قاری محمد ایوب صاحب سلّمہٗ کلکتہ والے، آج فجر کی نماز کے بعد جبل نور (حراء) پر اس غار کی زیارت کے لئے گئے، جہاں قرآن کریم کی پہلی وحی نازل ہوئی، یہ ڈھائی ہزار فٹ کی کھڑی چڑھائی تھی، دونوں بآسانی پہونچ گئے، وہاں ایک مقام ایسا ہے، جہاں سے مسجد حرام اور خانہ کعبہ نظر آتا ہے، ان دونوں نے بھی دیکھا۔

۳۰؍ ذی الحجہ، ۸؍ جنوری:

آج شام کو گھر فون کیا، تو معلوم ہوا کہ فرزند عزیز مولوی حافظ محمد عابد سلّمہٗ نے اپنے بیٹے کا عقیقہ مدرسہ شیخ الہند انجان شہید میں کیا ہے، اس کے بھائی وہیں دعوت کھانے گئے ہیں، پھر اس سے بھی میں نے بات کی، اور بتایا کہ ایک بکرا آج ذبح کیا ہے، دوسرا میری واپسی کے بعد ذبح ہوگا، اللہ تعالیٰ بیٹے کو صالح اور عالم باعمل بنائے۔

مغرب کی اذان میں تھوڑا وقت باقی تھا، میں اور عادل اور مولوی ابوالاویس اصلاحی اکٹھا بیٹھے ہوئے تھے، اصلاحی صاحب نے کہا کہ مفتی ابوالقاسم صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی، میں بھی ملنا چاہتا ہوں اور عادل بھی! میں نے فوراً فون سے رابطہ کیا، تو وہ مطاف میں باب فہد کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے، ان دونوں کو میں نے بھیج دیا، ابھی راستے میں تھے کہ اذان شروع ہوگئی، آگے بڑھ کر کہیں نماز پڑھ لی، نماز کے بعد ان سے

ملاقات ہوئی، پھر انھوں نے کرم فرمایا کہ مجھ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، میں شرمندہ ہوا، میں اپنے پیروں کی کمزوری کی وجہ سے کہیں آنے جانے میں بہت کوتاہ ہوں، مفتی صاحب کی بزرگانہ عنایت تھی جو تشریف لائے، کچھ دیر تک بیٹھے، پھر تشریف لے گئے۔

مولوی ابوالاویس صاحب اصلاً تو دمام میں رہتے ہیں، حج کے لئے آ گئے، جس جگہ ان کا قیام رہتا ہے، اس جگہ منجیر پٹی اعظم گڈھ کے ایک صاحب سہراب بھائی کی رہائش ہے، ان کے ساتھ کانپور کے بھی بعض لوگ رہتے ہیں، ایک دن وہ لوگ ملنے آئے تھے، اور آج کی دعوت کر گئے تھے، عشاء کی نماز کے بعد کانپور کے حصیر الحق بھائی گاڑی لے کر آئے، مجھے اور عادل کو لے گئے، میری شرط تھی کہ دس بجے تک مجھے جگہ تک پہونچا دیں، چنانچہ انھوں نے وعدہ پورا کیا، سویرے کھانا تیار کیا اور دس بجے تک پہونچا دیا، ورنہ یہاں کھانا کھاتے کھاتے عموماً گیارہ بارہ بج جاتے ہیں، اس لئے میں دعوتوں سے معذرت کر دیتا ہوں۔

یکم محرم الحرام ۱۴۲۹ھ، ۹؍جنوری (چہارشنبہ):

آج مولوی محمد یونس اعظمی نے رات کی دعوت کی، وہ محلّہ عتیبیہ میں رہتے ہیں، حرم شریف کے ڈاکٹر محمد خلیل شجاع الدین اپنی گاڑی سے لے کر گئے، ڈاکٹر صاحب دلچسپ آدمی ہیں، لکھتے پڑھتے رہتے ہیں، اپنے بعض مقالات کا ذکر کر رہے تھے، مولوی محمد یونس کے یہاں سے ان کے بعض مقالات دستیاب ہوئے، ابھی مطالعہ کی نوبت نہیں آئی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد مولوی محمد یونس نے اپنے یہاں سے کچھ کتابیں بطور ہدیہ کے عنایت کیں، مقدمہ ابن خلدون اور تفسیر کشاف کی تین جلدیں قابل ذکر ہیں، ایک جلد ان کے پاس نہیں تھی۔

۲؍محرم الحرام، ۱۰؍جنوری (پنجشنبہ):

آج عزیزم عادل سلّمہٗ نے دوسرا عمرہ ادا کیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

شیخوپور کے افتخار اعظمی اور حافظ اسامہ بن اکرام، ریاض سے مدینہ ہوتے ہوئے آئے۔

آج کتابوں کی خریداری کے لئے بعد نماز عشاء کتب خانہ جانے کے لئے شامیہ کی طرف نکلا، ایک شخص نے آ کر سلام کیا، معلوم ہوا کہ گورینی کا احتشام ہے، وہ یہیں مکتبہ دار الکوثر میں کام کرتا ہے، کچھ دیر اس کے یہاں ٹھہرے، اس نے امام نوویؒ کی کتاب ''**التبیان فی آداب حملة القرآن**'' بطور ہدیہ کے دی، مفتی عبدالرحمٰن بھی وہیں آ گئے، پھر افتخار اور اسامہ بھی آ گئے، وہاں سے فارغ ہو کر میں مکتبہ دار الباز گیا، جس کا مالک عباس نامی ہے، وہاں سے ''تاریخ الاسلام للذہبی'' زرقانی شرح مواہب اللدنیہ، اور متعدد کتابیں خریدیں، مفتی صاحب کے حوالہ کیا، وہ ان کتابوں کو جدہ لے جائیں گے، وہاں سے کارگو کے ذریعہ بھیجیں گے۔

آج بڑھل گنج والے ابوالکلام صاحب کے رشتہ دار شمشاد احمد جدہ سے آئے، کھانا بھی بعد نماز عشاء وہی لائے، عادل زمزم لینے حرم گیا ہے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب کا بھی انتظار ہے، دونوں آ جائیں تو کھانا کھایا جائے۔

۳؍محرم الحرام، ۱۱؍جنوری (جمعہ):

رات کو ذرا دیر میں سونا ہوا، سوا چار بجے کے بعد آنکھ کھلی، وضو کر کے حرم جانے کے لئے باہر نکلا، دیکھا تو زبردست بارش ہوئی ہے، سڑک پر پانی اس طرح بہہ رہا ہے، جیسے نالہ بہتا ہو، کئی روز نماز استسقاء ہوئی تھی، آج اس کا ظہور ہوا، میں جب باہر نکلا تو بارش موقوف ہو چکی تھی، معلوم ہوا کہ تین بجے کے پہلے سے بارش ہو رہی تھی، دو گھنٹے بڑی طوفانی بارش ہوئی، دن بھر موسم ابر آلود رہا، آج خالی پیٹ شوگر چیک کی گئی تو ۱۱۲ تھی، تھوڑی سی زائد۔

آج مولوی ابوالاویس صاحب جمعہ کی نماز کے بعد دمام کے لئے روانہ ہوئے، دمام سے عمرہ کے لئے بسیں آتی ہیں، وہ کم کرائے پر عمرہ کے عازمین کو لاتی اور لے جاتی ہیں، عام کرایہ نقل جماعی کا ۱۹۰؍ریال ہے، عمرہ کے لئے بسیں ۵۰؍ریال لیتی ہیں، مولوی

صاحب اسی سے گئے۔

آج عشاء کی نماز کے بعد مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ عشاء کی نماز امام حرم نے ترکی حرم میں مئذنہ کے نیچے کھڑے ہوکر پڑھائی، لیکن ان کے سامنے مطاف کا حصہ مقتدیوں سے خالی نہیں کرایا گیا، اس طرح سینکڑوں مقتدیوں کی نمازیں خراب ہوئیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے آگے ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی، مسجد حرام میں خانہ کعبہ کے چاروں طرف صفیں لگتی ہیں، تو جس حصے میں امام کھڑا ہوتا ہے، اس حصہ میں کوئی مقتدی امام کے آگے نہیں ہونا چاہئے، باقی تین طرف اگر کوئی مقتدی امام کے مقابلے میں کعبہ مکرمہ سے قریب تر ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن جس طرف امام ہے، ادھر کوئی مقتدی اس کے مقابلے میں خانہ کعبہ سے قریب تر ہوگا، تو اس کی نماز فاسد ہوگی، چنانچہ اس کا انتظام کیا جاتا ہے کہ کوئی مقتدی امام کے آگے نہ ہونے پائے، مگر آج اس کا انتظام واہتمام نہیں ہوا، اللہ جانے کیا بات ہوئی۔

کہتے اور لکھتے ہوئے خوف دامن گیر ہوتا ہے، ورنہ عالم اسلام کے اس مرکز میں اسلامی احکام کے سلسلے میں جو تساہل بلکہ تلعب کا معاملہ دیکھنے میں آتا ہے اس سے دل لرزتا ہے، شرعی احکام میں سہولت کی تلاش نے قیودِ آداب واحترام کو ختم کردیا ہے، جو کام جیسے ہوجائے سب ٹھیک ہے، نمازوں کا حال وہ ہے کہ بسا اوقات نماز عبادت نہیں، ایک طرح کا کھیل معلوم ہونے لگتی ہے۔ نماز عبادت ہے، اور عبادت ادب واحترام کے ساتھ غلامی کا مظہر ہے، اسی لئے شریعت نے اس کو بہت سی قیدوں اور پابندیوں کے حصار میں رکھا ہے، وضو، طہارت، بدن کی، کپڑے کی، جگہ کی، قبلہ رخ ہونا، مگر یہاں جہالت اور سہولت پسندی نے وہ حالت کر رکھی ہے کہ ناقابل بیان، نمازوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارے کرنا، بلکہ پکڑ کر کھینچنا، کپڑوں سے کھیلنا، موبائل کے ساتھ کھلواڑ کرنا، نمازیوں کے سامنے سے بے دردی سے گزرتے رہنا، مسجد حرام میں تو خیر اتنی گنجائش ہے کہ سجدے کی جگہ سے آگے گزر سکتے ہیں، لیکن یہاں صرف مسجد حرام کے ساتھ یہ سلوک نہیں، ہر مسجد میں یونہی بے

تکلف نمازیوں کے سامنے گزرتے رہنے کا دستور سا ہوگیا ہے، مسجد نبوی میں بھی لوگوں نے یہی دستورِ گناہ بنا رکھا ہے، یہاں کے علماء حنفیت اور تصوف کی مخالفت تو شاید اپنا فرض سمجھتے ہیں، لیکن ان گناہوں پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

مسجد حرام میں عورتوں کی نماز کا مسئلہ بہت شدید ہے، عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ نمازیں پڑھتی ہیں، جبکہ فرض ہے کہ ان کی صفیں مردوں ہی نہیں بچوں کے پیچھے ہوں، مگر اس پر یہاں کے لوگ جو حنفیت اور تصوف کو گمراہی کہتے نہیں تھکتے، پورے طور پر توجہ نہیں دیتے، مردوں، عورتوں کا مخلوط طواف خود ایک سنگین مسئلہ اور خلاف شرع طریقہ ہے، لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں، جو جیسے کرے سب ٹھیک ہے، بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دین کے ساتھ کھلواڑ ہو رہا ہے۔

حج کے مسائل میں بھی یہی تساہل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حج میں کوئی غلطی ہوتی ہی نہیں، احناف کسی مسئلہ میں اگر بتادیں کہ دم واجب ہوگا، تو یہ اس پر ہنستے ہیں جیسے دین کو یہ لوگ مشکل بنا رہے ہوں، حج کرنے ہر مسلک کے لوگ آتے ہیں، یہاں کے ذمہ داروں پر واجب ہے کہ ہر مسلک کے مسائل کی رعایت کریں، مگر یہ سب پر اباحیت کو مسلط کرنا چاہتے ہیں، جیسے کرلو، سب ٹھیک ہے۔

بعض اور باتیں بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہیں، اسلام نے مسلمانوں کو شکل وصورت، رہن سہن، لباس و پوشاک، سب کی ایک خاص تہذیب عنایت کی ہے، کپڑا ایسا ہو جس سے ستر پوشی ہوتی ہو، پاجامہ، لنگی یا کرتا ٹخنوں سے نیچا کرنے کی سخت ممانعت ہے، اسلامی تہذیب میں ننگے سر رہنا معیوب ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے پگڑی کی تاکید فرمائی ہے، ورنہ کم از کم ٹوپی رہے، چہرے پر داڑھی رکھنا باتفاق ائمہ واجب ہے، مگر عالم اسلام سے آئے ہوئے مجمع کو دیکھئے، تو عجیب نقشہ نظر آتا ہے، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کے حجاج نہ ہوں، تو چہروں سے داڑھی غائب، سر پر ٹوپی ندارد، ٹخنوں کے اوپر لنگی پاجامہ قصۂ ماضی! بہت افسوس ہوتا ہے کہ داڑھی منڈانے کا عالم اسلام میں عام رواج ہے۔ انگریزوں

نے پتلون پہنایا، تو سب کے ٹخنے ڈھک گئے، سروں سے ٹوپی اُڑ گئی، نمازوں تک میں سر پر ٹوپی نہیں ہوتی، مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اب ٹوپی ہی کو عیب سمجھا جانے لگا ہے، بے ادبی اور بدتمیزی تو ایسی کہ ہم اپنے یہاں سوچ بھی نہیں سکتے، عالم اسلام کے اس قلب میں نمازیوں کا حال یہ ہے کہ ٹھیک قبلہ کی طرف دونوں پاؤں پھیلا کر بے ادبی سے بیٹھے اور لیٹے رہتے ہیں، اور انھیں کوئی ٹوکتا نہیں، اسی طرح بدتمیزی سے پاؤں پھیلائے قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، زمین پر قرآن کریم کو بے تکلف ڈال دیتے ہیں، ان امور کا خلاف ادب ہونا تو بالکل واضح ہے، افسوس اس پر ہوتا ہے کہ ادب واحترام کے ان تقاضوں پر کوئی عالم زور نہیں دیتا، البتہ حنفیت کی اور تصوف کی مخالفت کرنا فرض ہے، اللہ کے شعائر کی کوئی تعظیم نہیں، اور ہندوستان کے مسلمانوں کو مشرک سمجھنا ضروری!

مفتی عبدالرحمٰن صاحب دس بجے رات کے قریب جدہ کے لئے رخصت ہوئے، ان کا پروگرام یہ ہے کہ مکتبہ عباس باز سے کتابیں لیتے ہوئے، جدہ جائیں گے، مگر جب وہ پہونچے تو مکتبہ بند ہو چکا تھا، انھوں نے فون سے اسی وقت اطلاع کی، اور یہ بھی بتایا کہ اختر سے بات ہوئی ہے، وہ کل آپ سے بات کریں گے۔

۴؍محرم الحرام، ۱۲؍جنوری (شنبہ):

آج اختر کا فون آیا، وہ شام کو عصر کے وقت آئیں گے۔ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ کر ان کے ساتھ ہو لئے، پہلے مکتبہ دار الباز گئے، وہاں سے کتابیں لیں، دو کتابیں فتح الباری ۱۵؍جلدوں میں اور سیرت ابن ہشام ۲؍جلدوں میں، مولانا انوار احمد صاحب خیرآبادی کے لئے، اور باقی تاریخ الاسلام وغیرہ میرے لئے، کل قیمت ۱۰۹۹؍ریال ہوئی، ان سب کو گاڑی پر رکھ لیا، کچھ فاضل کپڑے اور احرام وغیرہ بھی رکھ لئے، یہ سارا سامان ”ڈور ٹو ڈور“ سروس کے ذریعہ بھیجا جائے گا، فی کلو ۵؍ریال میں۔

اختر سلّمہٗ ہمیں کیلو خمسین پر ایک لکھنوی نژاد سعودی کمال صاحب کے یہاں لے گئے، اس سے پہلے انھوں نے ایک نئی مارکیٹ میں ایک اچھی سی دکان کرایہ پر لی ہے، ان

کے لئے مشکلات میں سہولت کی راہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کردی ہیں، وہ اس نئی مارکیٹ میں اپنی دکان پر لے گئے، بہت موقع کی دکان ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

دکان سے وہ کمال صاحب کے گھر لائے، وہاں مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ان سے تعارفی باتیں ہونے لگیں، انھوں نے بتایا کہ وہ پرانے معروف معلم عبدالقادر سکندر مرحوم کے نواسے ہیں، لکھنؤ میں عرب ہاؤس انھیں کی طرف منسوب ہے، ترکوں کے دور میں عبدالقادر صاحب کسی افتاد میں پڑ کر لکھنؤ چلے گئے تھے، لکھنؤ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب علیہ الرحمہ نے انھیں اپنی کفالت میں رکھا تھا، پھر انھوں نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد کان پوری اور مولانا فتح محمد تائب لکھنوی سے اپنے خاندانی تعلقات بتائے، بہر حال اہل علم اور بزرگوں سے قربت کی وجہ سے ان سے بہت انس محسوس ہوا۔ رات کا کھانا وہیں کھایا، پھر اختر سلّمہٗ نے واپس مکہ شریف پہونچا دیا، یہاں پہونچے تو بارہ بجے کے قریب وقت ہو گیا تھا۔

۵؍محرم الحرام، ۱۳؍جنوری (یکشنبہ):

آج عبداللطیف صاحب جدہ سے کھانا پکوا کر لائے، کھانے میں سمندری جھینگے تھے، اور قربانی کا گوشت! ظہر سے پہلے لائے، ظہر کی نماز کے بعد وہ تو چلے گئے، ہم باپ بیٹے کھانے بیٹھے، تو سمندری جھینگے اللہ اکبر بہت بڑے ہوتے ہیں، ان کی بڑی بڑی بوٹیاں تھیں، مجھ سے تو بالکل نہ کھائے گئے عادل نے کسی قدر کھائے، میں نے گوشت پر اکتفا کی، آج صبح باسی منہ خالی پیٹ شوگر چیک کی گئی، (۱۱۲) تھی۔

رات کو بعد نماز عشاء قمر الدین بھائی جدہ سے تشریف لائے، مئو کے ایک صاحب محمد زبیر جو عزیزیہ میں رہتے ہیں، یہاں غالباً انجینیر ہیں، وہ بھی تشریف لائے، تھوڑی دیر رہ کر دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ ہماری بلڈنگ حجاج سے تقریباً خالی ہو گئی ہے۔

۶؍محرم الحرام، ۱۴؍جنوری (دوشنبہ):

آج پورہ معروف کے رہنے والے، مدرسہ صولتیہ کے مدرس مولانا حفظ الرحمٰن

صاحب کھانا پکوا کر بعد نماز عشاء لائے، ہم لوگوں کا پروگرام تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد عمرہ کیا جائے، عادل سلّمہٗ کا چوتھا عمرہ ہوتا، میں اپنے ضعف کی وجہ سے کوئی عمرہ نہ کر سکا، مکہ شریف سے رخصت ہونے سے پہلے ایک عمرہ کر لینا چاہتا ہوں، مگر حرم سے عشاء کی نماز پڑھ کر باہر نکلے تو بڑی ٹھنڈی برفیلی ہوا چل رہی تھی، اس لئے تنعیم (مسجد عائشہ) جانے کی ہمت نہ ہوئی، مفتی عبدالرحمٰن صاحب بھی جدہ سے آنے والے تھے، انھیں فون کیا، کہ اب کل عمرہ کیا جائے، ذرا دھوپ ہو جانے کے بعد، انھوں نے قبول کیا۔

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ کی جدید مطبوعہ کتابیں مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی کی فرمائش پر لایا تھا، آج رات ان کے فرزند محمد طارق سلّمہٗ انھیں لے گئے۔ آج شوگر چیک کی گئی، کھانا کھانے کے دو گھنٹہ بعد (۱۶۵) تھی، کچھ بڑھی ہوئی ہے۔

۷؍محرم الحرام، ۱۵؍جنوری (سہ شنبہ):

آج مفتی عبدالرحمٰن صاحب، افتخار اعظمی، عادل سلّمہٗ اور میں نے صبح عمرہ کیا، مکہ مکرمہ حجاج کرام سے خالی ہو گیا ہے، بڑی آسانی سے احرام اور طواف وسعی وحلق سے فراغت ہوئی، **فالحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات**۔ کل شاید مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہو۔

* * *

ذکر طیبہ

۸؍محرم الحرام، ۱۶؍جنوری (چہار شنبہ):

آج صبح دیوار پر یہ اطلاع چسپاں تھی کہ آج ہم لوگوں کو مدینہ شریف جانا ہے، ظہر کے بعد روانگی طے تھی، فجر کی نماز کے بعد طوافِ وداع کیا، ظہر کی نماز حرم شریف میں ادا کی، اور تھرتھراتے دل اور لرزتے قدموں سے ایک بوجھ لئے ہوئے حرم شریف سے رخصت ہوا، اپنی سستی وکاہلی اور ناکارگی کا احساس خاص طور سے اس وقت نمایاں ہو رہا تھا، میں سوچ رہا

تھا کہ جس بندے نے بارگاہِ خاص میں پہونچ کر بھی بندگی کا کوئی حق ادا نہ کیا ہو، کیا اس کے لئے آئندہ حاضریٔ دربار کی اجازت مل سکتی ہے، یہ سوچ سوچ کر میں کانپ رہا تھا، اور چاہتا تھا کہ پھر حاضری کی دعا مانگوں، مگر خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کس منہ سے دعا کروں، اب تک کیا کیا ہے؟ کہ آئندہ کوئی امید کی جائے؟ لیکن اگر دعا نہ کروں، تو گویا مایوسی کے کفر میں پڑتا ہوں، یہ اس سے زیادہ خطرے کی بات ہے، ان دونوں کیفیتوں کے درمیان دل ہچکولے کھا رہا تھا، اور زبان گنگ تھی، میں پریشان تھا، بالآخر رجاء کی کیفیت کو غالب کر کے دعا کر ہی لی، کہ الٰہی! گناہ گار سہی! مگر حاضری سے محروم نہ فرمایئے گا، مجھے جب اللہ نے اولادوں کی نعمت عطا فرمائی، تو دل میں، میں نے طے کیا تھا کہ سب اولادوں کے درمیان عدل کا برتاؤ رکھوں گا، عطاء وبخشش میں کسی جانب داری سے کام نہ لوں گا، چنانچہ حتی الامکان اب تک اس پر عمل کیا ہے، اور میری اولاد شاید اس کی گواہی دے۔

جب وقت آیا کہ اولاد کو حج میں ساتھ لے جاؤں، تو بعض وجوہ سے میں نے ۲۰۰۳ء کے حج میں پہلے کے بجائے دوسرے بیٹے کا انتخاب کیا، مگر اللہ نے اس انتخاب کو منظور نہیں فرمایا، میں اور اہلیہ دونوں حج میں گئے، بیٹا نہ جا سکا۔ اس کے بعد ۲۰۰۶ء کے حج میں اپنے بڑے بیٹے کو ساتھ لے جانا چاہا، تو وہ منظور ہو گیا، میرے ایک بیٹے مولوی محمد راشد سلّمہٗ نے کہا کہ اب ترتیب درست ہوگئی ہے، چنانچہ وہ حج بڑے بیٹے مولوی محمد عارف سلّمہٗ کی معیت میں بخوبی گزرا۔ اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو دوسرے بیٹے حافظ محمد عادل سلّمہٗ کے ساتھ آیا۔ اس ترتیب کا تقاضا ہے کہ باقی اولادوں کی معیت میں بھی حج ہوتا رہے، مگر میں بوڑھا ہو رہا ہوں، آئندہ نہ جانے کیا حالات ہوں، میں نے اپنے اللہ سے ہمت کر کے یہ بھی دعا کر لی کہ باقی اولادوں کی معیت بھی مجھے حاصل رہے۔ پچھلے سال ایک بزرگ نے مدینہ طیبہ میں اس کی دعا کی تھی، قبولیت کا امیدوار ہوں۔ خدا جانے یہ بات لکھنے کی تھی یا نہیں؟ مگر لکھ ڈالی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔

بلڈنگ پر پہونچے تو بس آچکی تھی، اور حاجیوں کے سامان زیادہ تر لد چکے تھے، ہم

بھی اپنا سامان لے کر نیچے آئے، ڈھائی بجے کے بعد بس چلی، معلم کی آفس پر جا کر ٹھہری، ساڑھے تین بجے کے قریب وقت تھا، کہ عصر کی اذان کی آواز آئی، میں باوضو تھا، گھڑی نہیں دیکھی، اور میں نے قبلہ معلوم کر کے وہیں عصر کی نماز پڑھ لی، نماز سے فارغ ہوا، تو رفقاء میں سے ایک نوجوان بنارسی حاجی نے بتایا کہ ابھی عصر کا وقت ہوا ہی نہیں ہے، گھڑی دیکھی تو وقت ہونے میں ابھی دو منٹ باقی تھے، بس والے سے اجازت لی، اس نے بتایا کہ قریب ہی مسجد ہے، اتنے میں اذان کی آواز آئی، معلوم ہوا کہ پہلی آواز کسی موبائل کی تھی، دھوکہ ہوا۔ ہم لوگ مسجد گئے، وہاں حمام میں استنجا کی ضرورت پوری کی، وضو کیا، ابھی مسجد کی نماز میں کچھ دیر تھی، میں نے اور عادل نے باہر ہی جماعت کر لی، بس والا جلدی کر رہا تھا۔

بس وہاں سے چلی، ایک جگہ رک کر ڈرائیور نے مغرب کی نماز پڑھوائی، پھر عشاء کی نماز اور چائے، کھانے کے لئے دوسری جگہ گاڑی روکی، ٹھنڈک بہت تھی، برفانی ہوائیں چل رہی تھیں، پھر گاڑی چلی، بس یہاں کے لحاظ سے بہت سست رفتار تھی، یہاں کی بسوں کے لحاظ سے اسے ساڑھے نو بجے، بیش از بیش دس بجے تک مدینہ طیبہ پہونچ جانا چاہئے، مگر بارہ بجے رات میں پہونچی، کمرے میں جب پہونچے تو ایک بج گیا تھا۔

اللہ کے کرم سے بلڈنگ مسجد نبوی شریف کے قریب ہی ملی، باب ملک فہد کی طرف پہلی بلڈنگ طیبہ نامی ہے، اس کے بعد ایک سڑک ہے، سڑک سے متصل ہماری بلڈنگ ہے جس کا نام ''دار السلام'' ہے، اللہ تعالیٰ آخرت کا دار السلام نصیب فرمائیں، دار السلام کی نویں منزل پر روم نمبر ۷ (A) میں جگہ ملی، حجاج کرام زیادہ تر اپنی اہلیہ کے ساتھ تھے، ہم دونوں باپ بیٹے اور گھوسی کے ایک حاجی محمود عالم صاحب تنہا تنہا تھے، ہم نے تین آدمیوں کا گروپ بنایا۔ بحمد اللہ ایک ایسا کمرہ ملا، جو تین ہی بیڈ پر مشتمل ہے، اچھا کمرہ ہے، میرے لئے لکھنے کی بھی سہولت ہے، یا اللہ! آپ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ آپ نے اپنے گنہگار بندے پر کتنا کرم فرمایا۔

خوب تھکے اور جگے تھے، بستر پر پڑتے ہی بے خبر ہو گئے۔

۹؍محرم الحرام، ۱۷؍جنوری (پنجشنبہ):

صبح آنکھ کھلی، وضو کر کے مسجد شریف میں حاضری ہوئی، بحمد اللہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی، امام صاحب قرآن بہت عمدہ پڑھ رہے تھے، نماز کے بعد دیر تک بیٹھے رہے، جب اندازہ ہوا کہ اب صلوٰۃ وسلام کے لئے مواجہہ شریف کی جانب ہجوم کم ہو گیا، تو ہم پانچ رفقاء میں، عادل، حاجی محمود عالم، مولوی جمال احمد اور ایک صاحب اور، صلوٰۃ وسلام کے لئے مواجہہ شریف کی طرف بڑھے، بھیڑ اب بھی تھی، ہم لوگ خاموشی سے گئے اور صلوٰۃ وسلام پیش کر کے باہر نکل گئے، گنبد خضراء نظر آیا، تو دل امنڈنے لگا، بڑی مشکلوں سے آنکھوں پر قابو پایا۔

حافظ مسعود صاحب کو اطلاع کی، انھوں نے فرمایا کہ آج رات ڈاکٹر شمیم صاحب کے یہاں چلنا ہے، مجھ سے پوچھا کہ کب آؤں؟ میں نے یہ سوچ کر کہ تکان بہت ہے، ذرا سو کر تازہ دم ہو جائیں، کہا کہ عشاء کے بعد آیئے، مگر ظہر کے وقت تک تکان رفع ہو گئی، میں سوچنے لگا کہ اگر حافظ صاحب آجاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ انھوں نے ظہر کی نماز کے بعد فون کیا کہ میں آرہا ہوں، ان سے ملاقات ہوئی، بے حد خوشی ہوئی، سفر کی دشواریوں کے تمام اثرات کافور ہو گئے، وہ ایک اچھے پاکستانی ہوٹل میں لے گئے، اور کھانا کھلایا، فجزاه الله خير الجزاء

عصر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی جس میں وہ امامت کرتے ہیں نماز کے بعد شہداء احد رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضری دی، شہداء کی قبروں کو ایک بہت وسیع احاطے میں حکومت نے گھیر کر بند کر دیا ہے، وہاں تک کوئی نہیں پہونچ سکتا، صرف ایک سمت میں دروازہ بنایا ہے، اس سے کچھ قبریں نظر آتی تھیں، لیکن اس سال نیا انتظام دیکھا کہ احاطہ کی پوری چار دیواری میں جالیاں لگا دی گئی ہیں، اب ہر طرف سے قبروں کی زیارت ہو سکتی ہے، قبلہ کی سمت میں دو قبریں ہیں۔ ایک سیّد الشہداء، عم رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی، اور دوسری میں دو بزرگ صحابی مدفون ہیں، ایک سیّدنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، وہاں اطمینان سے فاتحہ پڑھی، ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر باقی شہداء مدفون

ہیں۔ غزوۂ احد میں ۷۰ر صحابہ شہید ہوئے تھے، سب کی قبریں یہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائیں، اور ان کی برکت سے ہم کاہلوں اور کمزوروں پر بھی نظر عنایت فرماویں۔

وہاں سے فارغ ہوکر مسجد نبوی حاضر ہوگئے، عشاء کی نماز کے بعد ہم تینوں رفقاء کو حافظ مسعود صاحب لے کر ڈاکٹر شمیم صاحب کے گھر پہونچے، مفتی عبد الرحمٰن صاحب بھی جدہ سے آگئے تھے، وہ بھی ہمراہ تھے۔

ڈاکٹر شمیم صاحب کے گھر پہونچے، تو وہاں بمبئی کے مولانا حافظ منیر احمد صاحب خلیفۂ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ موجود تھے، ان سے مل کر خوشی ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے ایک طرف اشارہ کیا، تو دیکھا کہ وہ بزرگ لیٹے ہوئے ہیں، جن کا تذکرہ میں اپنے کئی مضامین میں کر چکا ہوں۔ صاحب دل، صاحب کشف، بچپن سے جوارِ رسول میں مقیم، حافظ مسعود صاحب مدظلہٗ نے آج بتایا تھا کہ ایک لاکھ طواف کر چکے ہیں، ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ان سے مل کر خاص مسرت حاصل ہوئی، وہ صحت کے بارے میں پوچھتے رہے، اور یہ کہ لکھنے کا کام چل رہا ہے؟ میں نے کہا الحمد للہ صحت پہلے سے بہتر ہے، اور لکھنے کا کام جاری ہے، اس کے بعد وہ اپنی دھن میں لگ گئے، سب سے پہلے انھوں نے درود شریف کی تاکید کی، مجھے احساس ہوا کہ میرا حال ان پر کھل گیا ہے، میں روزانہ درود شریف کی ایک خاص مقدار پڑھا کرتا تھا، ادھر چند ماہ سے بعض دوسرے وظائف و اعمال کی وجہ سے اس میں کمی آگئی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ اسی وجہ سے خصوصی تاکید کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی نصیحت کی باتیں کرتے رہے، دل کو لگنے والی، خالص ایمانی وعرفانی باتیں! اب بہت معذور ہوگئے ہیں، خود سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے، لیکن طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے، اللہ کے خاص بندے ہیں۔

۱۰ر محرم الحرام، ۱۸ر جنوری (جمعہ):

آج یوم عاشوراء ہے، سعودی تقویم کے لحاظ سے آج ۹ر محرم ہے، لیکن رویت

ہلال کے لحاظ سے ۱۰/ رہے، کیونکہ حج ۹/ ذی الحجہ سہ شنبہ کو ہوا ہے، تو ۳۰/ ذی الحجہ سہ شنبہ کو ہوئی، اور چہار شنبہ کو پہلی تاریخ، تو پنجشنبہ کو ۹/ اور جمعہ کو ۱۰/ ہوئی۔ ہم نے روزہ رکھا، جمعہ کی نماز کے بعد مفتی عاشق الٰہی مہراج گنجی مل گئے، ان کا ذکر میرے سابق مضمون میں آچکا ہے، آج عشاء کے بعد انھوں نے مدعو کیا، عصر کی نماز کے بعد قاری محمد ایوب اور مجیب بھائی کلکتوی سے ملاقات ہوئی۔

افطار کی بہار:

اہل مدینہ کو عاشوراء کے روزے کا بہت اہتمام ہوتا ہے، بلکہ یہ لوگ پہلی محرم سے روزہ رکھنا شروع کردیتے ہیں، اور افطار میں تو وہ رونق ہوتی ہے کہ ایمان تازہ ہوجاتا ہے، ہم لوگ افطار سے آدھ گھنٹہ پہلے مسجد میں داخل ہوئے، تو پوری مسجد میں افطاری کے دسترخوان بچھے ہوئے تھے، اور ہر دسترخوان والا لوگوں کو نہایت محبت اور لجاجت سے دعوت دے رہا تھا، ایک دسترخوان والے نے ہم لوگوں کو پکڑا، ہم لوگ وہیں بیٹھ گئے، افطاری میں کھجوریں، زمزم، لبن زبادی (دہی) اور مخصوص قسم کی پاؤروٹی ہوتی ہے، اس کے ساتھ چائے اور قہوہ کا انتظام ہوتا ہے، دسترخوان پر لوگ دعاؤں میں مشغول رہے، اذان ہوئی تو روزہ افطار کیا گیا۔

عشاء کی نماز کے بعد مفتی عاشق الٰہی صاحب اپنے گھر لے گئے، وہاں کھانا کھا کر جلد ہی ہم لوگ قیام گاہ پر واپس آگئے، مفتی صاحب نے اپنی گاڑی سے پہونچایا، **فجزاہ اللہ خیر الجزاء**

مغرب کی نماز کے بعد ابراہیم پور کے مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ قباء میں رہتے ہیں، انھوں نے پروگرام بنایا کہ صبح قباء آجایئے، میرے یہاں ناشتہ، اس کے بعد مسجد قباء کی حاضری! مولوی صاحب کی ڈیوٹی ۹/ بجے سے ہے، اس لئے پہلے ان کے یہاں جانا ہے، تاکہ ڈیوٹی کے وقت تک وہ فارغ ہوجائیں۔

۱۱ر محرم الحرام، ۱۹ر جنوری (شنبہ):

شنبہ کی صبح مسجد قبا میں حاضری دینا مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ ہفتہ کے روز مسجد قبا تشریف لے جایا کرتے تھے، مجھ کو اور عادل سلّمہٗ کو حافظ صاحب اپنی گاڑی سے مولوی حفظ الرحمٰن صاحب کے گھر لے کر گئے، وہاں ناشتہ کیا گیا، پھر کھجوروں کے ایک باغ میں گئے، وہاں سے اسی باغ کی عجوہ کھجور لی گئی، عجوہ کے فضائل حدیث میں آئے ہیں، اس سے مراد مدینہ کی عجوہ ہے، بازار میں عجوہ ملتی ہے، مگر وہ کہاں کی ہوتی ہے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اور باغ سے جو لی گئی، وہ یقیناً مدینہ منورہ ہی کی مبارک مٹی سے ہے، اس سے فارغ ہوکر مسجد قبا میں حاضری دی، چند رکعتیں پڑھیں، اور لوٹ کر جبل احد کے دامن میں دوبارہ گئے، وہاں شہداء احد کی زیارت کی، پھر حافظ صاحب کے گھر تھوڑی دیر ٹھہر کر حرم میں آ گئے۔

عصر کی نماز کے بعد جنت البقیع میں حاضری دی گئی، پرسوں ایک کتاب ''بقیع الغرقد'' میں نے خریدی۔ اس میں جنت البقیع کا تعارف ہے، ترکوں کی حکومت کے دور میں بقیع میں ممتاز حضرات صحابہ، مثلاً امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی ؓ، بنات رسول، اہل بیت اور امہات المومنین کے مزاروں پر قبے بنے ہوئے تھے، سعودی حکومت نے نہ صرف قبوں کو ڈھا کر ختم کر دیا، بلکہ قبروں کی شناخت بھی مٹا دی، صرف پتھر کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں لگا رکھی ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں یہاں قبریں ہیں، تاہم یاد رکھنے والوں نے بعض بعض قبروں کو اور ان کی جگہوں کو یاد رکھا ہے، کتاب میں ان مشاہیر کی قبروں کی نشان دہی کی گئی ہے، میں تھوڑی سی تفصیل یہاں درج کرتا ہوں۔

(۱) بقیع کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے رسول اللہ ﷺ کی تین بنات طاہرات یعنی صاحبزادیوں کی قبور مطہرہ ہیں۔

(۱) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا
(۲) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
(۳) حضرت زینب رضی اللہ عنہا

(۲) یہاں سے تقریباً ۲۵ / میٹر کے فاصلے پر دائیں طرف جانب جنوب میں اہل بیت کی قبریں ہیں، وہ یہ حضرات ہیں۔

(۱) حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا (دائیں طرف)
(۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (بائیں طرف)

ان کے بعد درج ذیل قبریں ہیں:

(۳) سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ
(۴) سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اقدس (ایک روایت کے مطابق)
(۵) حضرت علی بن حسین (سیّدنا زین العابدین) رضی اللہ عنہما
(۶) حضرت محمد باقر رحمہ اللہ
(۷) حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ
(۸) امیر المومنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ (ایک روایت کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے جسد اطہر کو مدینہ طیبہ لائے تھے)

(۳) بنات رسول کے پاس جو کھڑا ہو، اس کے بائیں طرف، جانب شمال میں تقریباً ۸ / میٹر کے فاصلے پر حضرات امہات المومنین ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کی قبریں ہیں، یہ ۹ / ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
(۲) حضرت سودہ عامریہ رضی اللہ عنہا
(۳) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا
(۴) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا
(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
(۶) حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا
(۷) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

(۸) حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا
(۹) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

باقی دو امہات المومنین بقیع میں نہیں، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں ہیں، اور ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کے قریب بارہ میل کے فاصلے پر مقام سرف میں آرام فرما ہیں۔

(۴) امہات المومنین کی جانب شمال میں ۵؍ میٹر کے فاصلے پر ان حضرات کی قبریں ہیں۔

(۱) حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۲) حضرت عبداللہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما
(۳) حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ (حضرت ﷺ کے چچازاد بھائی)

(۵) حضرت عقیل کی قبر کے مشرق میں تقریباً دس میٹر کے فاصلے پر

(۱) سیّدنا امام مالک علیہ الرحمہ اور
(۲) شیخ القراء امام نافع مدنی علیہ الرحمہ

محوخواب ہیں۔

(۶) اس سے مشرق میں تقریباً بیس میٹر کے فاصلے پر

(۱) حضرت عثمان بن مظعون ؓ (پہلے مہاجر صحابی جو جنت البقیع میں دفن کئے گئے)
(۲) حضرت ابراہیم ؓ بن رسول اللہ ﷺ،
(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ (یکے از عشرہ مبشرہ)
(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ (فاتح ایران)
(۵) حضرت اسعد بن زرارہ ؓ (انصار میں پہلے بزرگ جو بقیع میں دفن کئے گئے)
(۶) حضرت خنیس بن حذافہ سہمی ؓ
(۷) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا (والدۂ مکرمہ حضرت سیّدنا علی ؓ)

(۷) ان حضرات سے تقریباً ۷۵/میٹر کی دوری پر شہداء حرہ کا مدفن ہے، جو پتھروں کے ایک مستطیل حظیرہ میں ہے۔ یہ مدینہ شریف کے وہ بزرگ اور برگزیدہ حضرات ہیں، جو یزید بن معاویہ ؓ کے دورِ حکومت میں مدینہ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

(۸) شہداء حرہ سے تقریباً ۱۳۵/میٹر کے فاصلے پر امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ؓ کی قبر شریف ہے۔

(۹) امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ؓ کی قبر شریف سے تقریباً ۵۰/میٹر کے فاصلے پر شمال میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کا مدفن ہے۔

(۱۰) حضرت عثمان بن عفان ؓ کی قبر شریف کے شمال مشرق میں، اس راستہ پر جو شہداء حرہ کی طرف جاتا ہے، حضرت ابوسعید خدری ؓ اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔

(۱۱) جنت البقیع کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب شمال میں، بقیع کی چہار دیواری کے قریب، حضرت ﷺ کی دو پھوپھیاں

(۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (والدۂ حضرت زبیر بن عوام ؓ) اور

(۲) حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا

کی قبریں ہیں۔

یہ وہ مبارک قبرستان ہے، جس میں ہزاروں صحابہ، ہزاروں تابعین دفن ہیں، رسول اکرم ﷺ نے بقیع میں دفن ہونے والوں کے لئے مغفرت کی دعا بھی کی ہے، اور ان کے لئے بشارتیں بھی دی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: **اللھم اغفرلی لاھل بقیع الغرقد، رواہ مسلم**، اے اللہ! بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرما دیجئے (مسلم) اور آپ نے حضرت ام قیس بنت محصن سے فرمایا: **أترین هٰذه المقبرة يبعث الله منها سبعين ألفاً يوم القيامة على صورة القمر ليلة البدر يدخلون الجنة بغير حساب** (رواہ الحاکم فی المستدرک، ج:۴، ص:۵۶۸، والطبرانی فی الکبیر، ج:۲۵، ص:۱۸۱) تم اس مقبرے کو دیکھ رہی ہو،

یہاں سے اللہ تعالیٰ ستر ہزار افراد کو قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی صورت میں اٹھائیں گے، وہ لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

آج عشاء کی نماز کے بعد مرحوم حضرت قاری حافظ محمد رمضان صاحب کے گھر گئے، قاری صاحب مرحوم بہت خلیق ومتواضع، بہترین حافظ وقاری اور زندگی بھر خدمت قرآن میں مشغول بزرگ تھے۔ ۲۰۰۳ء میں جب میں اہلیہ کے ساتھ حج میں آیا تھا، تو حافظ مسعود صاحب نے ان سے ملاقات کرائی، اسی پہلی ملاقات میں طبیعت نے ان کی نیکی اور تواضع کا اثر قبول کیا، انھوں نے میرے قافلہ کی دعوت کی جو چار افراد پر مشتمل تھا، اس میں دو عورتیں تھیں، ان کے گھر کی عورتوں نے بہت خدمت کی۔

۲۰۰۶ء کا حج جو نور اللہ بھائی کے ساتھ ہوا تھا، اس میں انھوں نے اپنے گھر پر مجھ سے تقریر کی فرمائش کی، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، منیٰ ومزدلفہ اور عرفات میں مجھے تقریر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، یہاں تو اپنے گناہوں اور خطاؤں کو مٹانا چاہئے، اور ہم جیسوں کی تقریر جو اللہ جانے نیت اور دل کی کتنی خرابیوں سے لبریز ہوتی ہے، کہیں فردِ جرم میں مزید اضافہ نہ کردے، اس لئے میں چھپا چھپا شرمندہ شرمندہ رہتا ہوں، لیکن اس روز انھوں نے ہلکی پھلکی تقریر کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ پچھلے سفر میں مدینہ شریف پہونچا تو حافظ صاحب نے بتایا کہ قاری صاحب پاکستان روانہ ہوگئے ہیں، غالباً ان کی والدہ کا انتقال ہوا تھا۔

اس سال مکہ مکرمہ ہی سے خیال تھا کہ مدینہ شریف پہونچ کر قاری صاحب سے ملاقات ہوگی، مگر پہونچتے ہی حافظ صاحب نے بتایا کہ حج کرنے قاری صاحب گئے تھے، واپسی میں چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

ارادہ ہوا کہ تسلی اور تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے ان کے گھر جانا چاہئے، چنانچہ حافظ صاحب کے ہمراہ ان کے گھر ہم چند رفقاء گئے، صاحبزادگان ماشاء اللہ سب حافظ وقاری ہیں، ملاقات ہوئی، بہت نیک وصالح، اور بہت خلیق ومتواضع! اپنے والد کے نقش قدم پر۔

میں نے قاری صاحب کے کچھ حالات معلوم کئے، ایک مضمون ان پر لکھنے کا ارادہ ہے، کھانا وہیں کھایا، دیر تک مجلس رہی۔

۱۲؍محرم الحرم، ۲۰؍جنوری (یکشنبہ)

مولوی حفظ الرحمٰن صاحب ابراہیم پوری نے آج دوپہر میں پھر مدعو کیا، میرے ساتھ میرا بیٹا، رفیق کمرہ حاجی محمود عالم اور کلکتہ کے قاری محمد ایوب صاحب بھی تھے، حافظ صاحب کی گاڑی سے ظہر بعد ان کے گھر پہونچے، ڈاکٹر شمیم صاحب پہلے سے موجود تھے، انھوں نے بہت اہتمام سے پائے پکوائے تھے، کھانے کے بعد قہوہ سے تواضع کی، بہت خلیق اور اچھے انسان ہیں۔

ظہر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی، بہت تکان محسوس ہورہی تھی، عصر کے بعد یہاں کافی وقت رہتا ہے، کمرے میں آکر ایک گھنٹہ سویا، طبیعت تازہ ہوگئی، مغرب سے عشاء تک اطمینان سے مسجد میں رہا، عشاء کی نماز کے بعد بزرگ مرد صوفی مجیب الرحمٰن صاحب کی خدمت میں حاضری دی، صوفی صاحب مسجد نبوی میں قبلہ کی طرف دوسرے صحن میں چھتری کے نیچے ہوتے ہیں، مسجد نبوی میں ترکی عمارت کے بعد دو صحن ایسے ہیں، جن میں چھتریاں لگی ہوئی ہیں، چھتریاں کھول دی جاتی ہیں، تو وہ حصہ دھوپ سے محفوظ ہوجاتا ہے، اور بند کردی جاتی ہیں، تو کھلا صحن ہوجاتا ہے، تو دوسری چھتری میں عشاء کی نماز کے بعد وہیل چیر پر ہوتے ہیں، حاضری ہوئی تو بہت خوش ہوکر ملے، اور اپنے انداز میں دیر تک باتیں کرتے رہے۔

وہاں سے قیام گاہ پر آئے، تو دربھنگہ کے ابونصر سلّمہٗ آئے ہوئے تھے، وہ ہوٹل سے کھانا لائے۔

۱۳؍محرم الحرم، ۲۱؍جنوری (دوشنبہ)

آج حافظ صاحب سے طے تھا کہ وہ زیارات کے لئے ہم لوگوں کو لے جائیں گے، مسجد قباء اور شہداء احد کی خدمت میں حاضری ہوچکی تھی، آج پھر قباء میں حاضری ہوئی۔

وہاں کے باغ سے عجوہ کھجور لی گئی۔ قباء سے واپسی میں حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ آپ نے وہ غار دیکھا ہے، جس میں کفار کی یلغار میں زخمی ہونے کے بعد آپ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی، اور کفار نے آپ کی شہادت کی خبر اُڑا دی تھی، میں نے نفی میں جواب دیا، تو وہ احد پہاڑ کی اس کھوہ کے پاس لے گئے، کافی بلندی پر وہ کھوہ ہے، میں چڑھنے کی ہمت نہ کر سکا، البتہ عادل اور قاری محمد ایوب صاحب چڑھ کے اندر گئے، وہ بتا رہے تھے کہ اندر خاصی جگہ ہے، جس میں پانچ چھ آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ میں سوچتا رہا، زخمی ہونے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ اتنی اونچائی پر کیونکر چڑھے ہوں گے، آہ! اللہ کے محبوب رسول نے اللہ کے لئے کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں، میں یہی سوچتا رہا، دل دردِ محبت سے بھرتا رہا، آنکھیں آنسوؤں سے چھلکتی رہیں، **صلی اللہ علی سیدنا محمد نبیہ ورسولہ وبارک وسلم**۔

دوپہر میں ظہر بعد حافظ صاحب عربی طرز کا کھانا قیام گاہ پر لے آئے، ہم پانچ چھ آدمیوں نے آسودگی کے ساتھ اسے کھایا۔

بعد نمازِ عشاء افتخار اعظمی نے اپنے کفیل سے...... جو ایک نیک دل مدنی شخص ہے ...... ملاقات کرائی، وہ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا، مگر موجودہ بولی جانے والی عربی ہم لوگوں کے پلے نہیں پڑتی، اس نے کل دوپہر کھانے کی دعوت کی۔

گلوا کے عبد الباری سے ملاقات ہوئی، وہ ایک اچھا سا مصلیٰ لے کر آئے، بمبئی کے سیّد نجم الحسن کھانا لے کر آئے، ڈاکٹر شمیم احمد صاحب داؤدی ملنے کے لئے آئے۔

قاری رمضان صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے حافظ عبد الرحمٰن صاحب نے اپنے والد کے حالات کے لئے ایک کتاب ''**امتاع الفضلاء وتراجم القراء فیما بعد القرن الثامن الھجری**'' فراہم کی، اور پانچ کلو سکری کھجور بھی ہدیہ کی، **جزاہ اللہ**

۱۴؍ محرم الحرام، ۲۲؍ جنوری (سہ شنبہ)

آج باسی منہ شوگر چیک کی، ۱۲۳ ہے۔ کھانے کے دو گھنٹے بعد چیک کیا، تو ۱۴۵ نکلی۔

بڑھل گنج کا عبدالرحمٰن جو شیخوپور میں پڑھتا تھا، مسجد نبوی کے مکتبہ میں جلد سازی کا کام کرتا ہے، آج فجر بعد اس سے ملاقات ہوئی، ظہر کی نماز میں افتخار اور ان کے کفیل اپنی گاڑی سے آئے، وہ مدینہ طیبہ سے دور تقریباً ۱۵؍۲۰؍کلومیٹر کے فاصلے پر ایرپورٹ سے آگے اپنے زیر تعمیر مکان میں لے گئے۔ عربوں کے انداز میں ضیافت کی، قہوہ بھی پلایا، بہت خوشی کا اظہار کرتے رہے، عصر کی نماز سے پہلے ان کے نوجوان صاحبزادے نے ہم لوگوں کو حرم کے پاس لاکر اتارا، ایک تھرمس قہوہ بنا کر ساتھ کر دیا۔

۱۵؍محرم الحرام، ۲۳؍جنوری (چہارشنبہ)

آج ظہر کی نماز کے بعد مولوی محمد یونس صاحب کا مکہ مکرمہ سے فون آیا کہ ہم لوگوں کی واپسی کی فلائٹ جو جدہ سے تھی، اب وہ مدینہ شریف سے ہوگئی ہے، **الحمد للہ ثم الحمد للہ**، بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا شکر ادا کیا۔

مفتی عاشق الٰہی صاحب اپنی گاڑی سے عوالی میں لے گئے، جہاں پچھلے سال ہم لوگوں کا قیام تھا، جونپور کے عبدالرب صاحب کے یہاں سے کھجوریں لینی تھیں۔ میں نے دو طرح کی کھجوریں لیں، ایک عنبر ۴۰؍ریال کیلو، جو عموماً مارکیٹ میں ۴۵؍۵۰؍میں ملتی ہے، دوسرے صفاوی جسے عرف میں ''کلمی'' کہتے ہیں، یہ ۱۵؍ریال کلو۔ میری کوشش یہ رہتی ہے کہ کھجوریں خاص مدینہ شریف کی زمین کی لوں، خواہ کچھ گراں ہی ہو، مارکیٹ میں مختلف مقامات کی کھجوریں ملتی ہیں، خیبر کی قصیم کی! اسی لئے میں عموماً مارکیٹ سے کھجوریں نہیں لیتا، کسی باغ سے لیتا ہوں، پچھلے سال عبدالرب بھائی سے ملاقات ہوئی، ان سے شناسائی ۱۹۹۱ء سے ہے، گورینی والے قاری اخلاق صاحب کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، یہ کھجوریں رکھتے ہیں، اور خاص مدینے کی رکھتے ہیں، پچھلے سال ہمارے قافلے نے انھیں سے کھجوریں لی تھیں، اس سال بھی میں نے انھیں سے لیں، البتہ عجوہ میں نے قباء کے ایک باغ سے لی ہیں۔

آج حافظ محمد مسعود صاحب ساؤتھ افریقہ جا رہے ہیں، عشاء کی نماز کے بعد

تشریف لے گئے، گیارہ بجے کے قریب انھیں ایرپورٹ جانا تھا۔ قاری رمضان صاحب مرحوم کے متعلق مضمون تیار تھا۔ اس کی فوٹو کاپی لی، کھانا ساتھ میں کھایا، پھر وہ تشریف لے گئے، ان کے جانے سے تنہائی کا احساس ہونے لگا، حق تعالیٰ نے مجھے سفر میں اپنی رحمتوں اور نعمتوں کے ساتھ دو نعمتیں بہت خاص عطا فرمائیں۔ ایک مکہ مکرمہ میں مفتی عبد الرحمٰن صاحب اور دوسرے مدینہ منورہ میں حافظ محمد مسعود صاحب! یہ دونوں بے عذر خدمت کرنے والے ہیں، کوئی کام ہو، کہیں جانا ہو، یہ دونوں حضرات نہایت خوش دلی اور خوش اُسلوبی کے ساتھ تیار رہتے ہیں، میں اللہ کی اس مہربانی کا نہایت شکرگزار ہوں، اور دونوں کا بغایت احسان مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے راضی ہوں، ہر دو جہاں میں عافیت سے نوازیں، ان کو اور ان کی آل واولاد کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں، اور انھیں اہل تقویٰ کا امام بنائیں، اور ان کے زمرے میں مجھے بھی قبول فرمالیں اور میری اولاد کو بھی اور میرے طالب علموں کو بھی!

ڈاکٹر شمیم احمد صاحب داؤدی نے کہا کہ حافظ صاحب سفر میں جارہے ہیں، تو میں حاضر ہوں، بہت محبت والے ہیں، بہت خدمت یہ بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں سعادت دارین سے نوازیں۔ آمین

آج قاری محمد ایوب صاحب اور مجیب بھائی وغیرہ کی واپسی کلکتہ کے لئے ہے، کچھ کھجوریں کلکتہ بھیجنی تھیں، قاری محمد ایوب صاحب نے مہربانی کی اور ساتھ لے گئے۔

۱۶؍محرم الحرام، ۲۴؍جنوری (پنجشنبہ)

آج ساڑھے چار بجے صبح آنکھ کھلی تو چکر بہت آیا، مسجد گیا، تو وہاں بھی دورانِ سر برقرار رہا، واپسی پر شوگر چیک کروائی تو ۱۲۱؍تھی، شاید ریاح کا دباؤ ہو، جس کی وجہ سے چکر آیا۔ اور یہ چکر دیر تک آتا رہا۔

آج مولانا مستقیم احسن صاحب اور طارق کی بمبئی کے لئے روانگی ہے، الیاس بھائی کی کھجوریں طارق کے ہاتھ بھجوائیں۔ رات کو عشاء کے بعد مفتی عبد الرحمٰن صاحب

جدہ سے تشریف لائے، رات کا کھانا ڈاکٹر شمیم صاحب بنوا کر لے آئے۔

فجر کی نماز کے بعد رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ مواجہہ شریف میں سلام کر کے میں کنارے کھڑا ہوا درود شریف پڑھنے لگا، عجیب بات ہے، وہاں جو پولیس کھڑی رہتی ہے اور جو مطوع نگرانی کرتے رہتے ہیں، وہ زور زور سے چلا چلا کر کھڑے ہونے سے منع کرتے ہیں، اور بعض تو پوری تقریر کرنے لگتے ہیں، انتظام کے لئے ٹھہرنے نہ دینا جبکہ بھیڑ ہو، مناسب ہے، لیکن جہاں کھڑے ہونے سے کسی کا آنا جانا متاثر نہیں ہوتا، وہاں سے بھی بھگاتے رہنا، سمجھ میں نہیں آتا۔ حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں چلانا، تقریریں کرنا، تو سخت بے ادبی معلوم ہوتی ہے، ایک طرف وہ ہیں، جو ادب اور محبت میں غلو کرتے ہیں، اور ایک طرف یہ سعودی نجدی مولوی اور عوام ہیں کہ انھیں بے ادبی میں غلو ہے۔

میں آج عشاء کی نماز کے بعد صوفی مجیب الرحمٰن صاحب کی خدمت میں الوداعی مصافحہ کے لئے حاضر ہوا، تو وہ قرآن کریم کے ادب کے متعلق فرما رہے تھے کہ اللہ کی کتاب کا ادب کرنا ضروری ہے، اور کسی کو جو نعمت ملتی ہے، وہ ادب ہی سے ملتی ہے، اور اب یہ حال ہے کہ تلاوت کریں گے، تو قرآن شریف زمین پر رکھ دیتے ہیں، کتنی بے ادبی ہے۔

اور واقعی غیر مقلدیت اور نجدیت نے اس قدر بے ادبی پھیلا رکھی ہے کہ الامان والحفیظ۔ ہم یہاں ہندوستان میں رہتے ہیں، اور ہمیں ہمارے بزرگوں نے سکھایا ہے کہ قبلہ کی طرف پاؤں مت پھیلاؤ، یہ ادب کے خلاف ہے، اور یہاں لوگ مسجد حرام میں ٹھیک خانۂ کعبہ کی طرف پاؤں پھیلاتے ہیں، اور اسی طرح سوتے ہیں، قرآن کریم کے ساتھ بھی بکثرت بے ادبی کا معاملہ کرتے ہیں، زمین پر رکھ دینا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ بعض ظالم تو نماز پڑھتے ہوئے، قرآن پاک کو سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں، سجدہ کرنے میں وہ دونوں گھٹنوں کے بیچ میں آجاتا ہے۔

پھر مزید ستم یہ کہ اگر کوئی شخص ادب کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، تو اسے ٹوکتے ہیں

اور کہتے ہیں حدیث میں کہاں لکھا ہے۔ کوئی ان ستم ظریفوں سے پوچھے کہ شریعت میں اللہ کے شعائر کے ادب کا حکم ہے یا نہیں؟ تو کیا اس کی جزئیات کی تفصیل بھی کتاب سنت میں مل جائے گی، اور جس جزئی کا تذکرہ نہ ہو، وہ ادب سے خارج ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہر جزئی مسئلہ کے لئے حدیث کا مطالبہ ہوتا ہے، اور خود جو چاہیں کریں، اس کے لئے کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔ اصول دین کی ذرا بھی سمجھ ہوتی تو ایسی احمقانہ باتیں نہ کرتے۔

پاکستان کے مشہور عالم ومفتی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب علیہ الرحمہ ایک مرتبہ یہاں تشریف لائے تھے تو کسی نے ان کی ملاقات یہاں کے مفتی اعظم سے کرائی، اور تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ ایک مدرسے کے مدیر ہیں، انھوں نے نام پوچھا، تو فرمایا کہ مدرسہ قاسم العلوم، پوچھا کہ قاسم العلوم کیا؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے بزرگ تھے، مولانا محمد قاسم صاحب، ان کے نام کے ساتھ نام رکھنے کو بطور تلمیح کے استعمال کیا گیا ہے، مفتی اعظم کو توحید کا جوش اٹھا، اور بولے یہ کیا، یہ تو شرک ہے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہ شرک تو میں نے بیت اللہ شریف کے دروازے پر دیکھا ہے، دیکھا کہ لکھا ہوا کہ **بابِ عبد العزیز**، آخر اللہ کے گھر کے دروازے پر عبد العزیز کا کیا کام؟ اس پر وہ صاحب خاموش ہوگئے، استدلال سے ناواقف لوگوں کی یہی منطق ہے، جس سے مسائل میں گڑبڑ ہورہی ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد مفتی عبدالرحمٰن صاحب جدہ سے تشریف لائے۔

۱۷؍محرم الحرام، ۲۵؍جنوری (جمعہ)

آج مدینہ شریف میں قیام کا آخری دن ہے، مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ صحابہ کے مدفن مبارک جنت البقیع میں حاضری دی، اور یہاں کے مکینوں کو الوداعی سلام عرض کی، مغرب کی نماز کے بعد حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس بارگاہ میں آخری سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ طبیعت پر اس جدائی کا بہت اثر تھا، دیر تک کھڑا رہا، دعائیں کرتا رہا۔ آنسوؤں نے دل کو دھویا، سلام کیا، اور بوجھل

قدموں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا، پھر عشاء کی نماز کے بعد ۱۰ / بجے بس آئی اور ہم لوگ اس میں بیٹھ گئے، افتخار اعظمی بھی ساتھ میں تھے، ان کے فون کی گھنٹی بجی، وہ خوشی میں بس سے نیچے اترے، اور تھوڑی دیر میں واپس آئے، اور آکر بتایا کہ جامعہ اسلامیہ کے جس طالب علم سے فتاویٰ ابن تیمیہ کے متعلق بات ہوئی تھی، وہ کتابیں لے کر آئے ہیں، پھر وہ طالب علم بھی آگئے، مل کر وہ بھی بہت خوش ہوئے، مجھے بھی خوشی ہوئی، میں نے پوچھا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ مکمل ہیں، اس نے کہا جی ہاں مکمل ہیں، پھر وہ چلے گئے اور دوبارہ آکر ایک عطر ہدیہ میں پیش کیا، اور بوتل میں پانی دم کرایا، کتابیں کارگو سے آئیں گی۔

ساڑھے گیارہ بجے بس چلی، اور جلد ہی ایرپورٹ پہونچ گئی، وہاں کافی دیر تک بس کی جیل میں بند رہے، جب سامان تولا جاچکا تب رہائی ملی، سامان لوگوں کے مقررہ وزن سے زیادہ تھے، ۴۵ / کلو تک کی گنجائش ہے، حجاج زیادہ سے زیادہ سامان خریدتے ہیں، لیکن کسی سے کوئی کرایہ چارج نہیں کیا گیا۔

سوا تین بجے ہوائی جہاز کے اندر پہونچے، جہاز والوں نے مسافروں کے لئے سیٹ نمبر کی تصریح نہیں کی تھی، لوگوں کو اپنی اپنی سیٹ پر از خود قبضہ کرنا تھا، اس کی وجہ سے بہت بدنظمی اور انتشار کی کیفیت تھی، مسافروں میں چیخ پکار، دھکم دھکا کا وہ سماں تھا کہ پناہ بخدا! میں ایسے مواقع پر ہمیشہ پیچھے رہتا ہوں، لیکن ماشاء اللہ عادل سلّمہٗ پہلے پہونچ گئے، انھوں نے دو سیٹیں گھیر لیں، میں دیر میں پہونچا، میرے دوست قاری شمیم احمد صاحب گورینی والوں کے ساتھ مجھے بھی سیٹ مل گئی۔ الحمدللہ

پونے چار بجے کے قریب جہاز اُڑا، چھوٹا جہاز تھا، اسے شارجہ میں ایندھن لینے کے لئے اترنا تھا، چنانچہ ۶ / بجے سعودی وقت کے لحاظ سے اور شارجہ کے وقت کے لحاظ سے ۷ / بجے اترا، وہاں ایک گھنٹہ ٹھہرا، پرواز سے پہلے اعلان ہوا کہ تین گھنٹے میں جہاز وارانسی پہونچ جائے گا، بحمد اللہ ۱۲ / بجے وارانسی کے ہوائی اڈے پر پہونچ گیا۔

وارانسی کے جو جہاز اب تک آئے تھے، ان میں حاجیوں کے سامان نہیں آئے تھے

، اور اگر آئے تھے، تو محض چند لوگوں کے، وعدہ تھا کہ بعد میں سامان دیا جائے گا، مگر ابھی تک بہت سے لوگوں کے سامان نہیں ملے ہیں، ہم لوگ جہاز سے اترے تو دیکھا کہ سامان بھی اتر رہا ہے، اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس فلائٹ میں تمام حاجیوں کا سامان آ گیا ہے، البتہ زمزم نہیں ملا۔

جہاز وقت سے پہلے آ گیا، اس لئے جو لوگ استقبال کے لئے آنے والے تھے وہ نہیں پہونچ سکے تھے، میرے بیٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد پہونچے، اس سے پہلے حاجی منظور صاحب نے فون کر کے وعدہ لے لیا تھا کہ میں پہلے ان کے درِ دولت پر حاضری دوں، پھر شیخوپور جاؤں، چنانچہ بچوں کے آنے کے بعد اولاً ان کے گھر گئے، وہاں ظہر اور عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد جونپور کی طرف سے واپسی ہوئی، جونپور سے نکل کر گورا بادشاہ پور میں مغرب پڑھی، عشاء کی نماز اعظم گڈھ میں پڑھی، یہاں مولانا انتخاب عالم صاحب امام جامع مسجد اور مولانا قمر الحسن صاحب اور دوسرے مدرسین اور طلبہ اور اعظم گڈھ کے احباب سے ملاقاتیں ہوئیں

نو بجے کے بعد مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اپنے مرکز میں حاضری ہوئی، ۱۰؍ دسمبر ۲۰۰۷ء کو مدرسہ سے سفر شروع ہوا تھا، ڈیڑھ ماہ کے بعد ۲۶؍ جنوری ۲۰۰۸ء کو بخیر وخوبی واپسی ہوئی۔ **ربنا تقبل منا واغفرلنا ذنوبنا واجعل حجنا مبروراً وسعينا مشكوراً ياأرحم الراحمين وياخير الغافرين۔**

اعجاز احمد اعظمی

۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ (ہندی) ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ (سعودی)

۲۸؍ جنوری ۲۰۰۸ء دوشنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفر حج

(۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء)

ضیاء الحق خیرآبادی (مدرسہ سراج العلوم، چھپرا، ضلع مئو)

**نحمدالله ونصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله وأصحابه الذین
هم نصروا الدین القویم، أما بعد!**

(یہ تحریر سفر حج کے دوران ڈائری کی شکل میں لکھی گئی تھی اور اب اسے مضمون کی شکل میں
مرتب کر رہا ہوں، پھر بھی کہیں کہیں ڈائری کا اسلوب باقی رہ گیا ہے)

مولائے کریم کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے تمام تر سیہ کاریوں کے باوجود محض اپنے فضل وکرم سے ۱۱؍سال کے بعد پھر اپنے دربار مقدس کی حاضری کی سعادتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ عالم اسباب میں یہ سفر اور اس سے پہلے والا سفر بھی جس ذاتِ گرامی کا رہینِ منت ہے وہ استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی ذات بابرکات ہے۔ **أدام الله ظله علینا بخیر وعافیة ومتعنا بطول حیاته وبدوام فیوضه** اوراب **تغمده الله بغفرانه واسکنه فی فسیح جنانه۔**

اتوار کو اعظم گڈھ درس قرآن میں حضرت مولانا کے ہمراہ حاضری ہوتی تھی، ایک حاضری میں ایک صاحب نے کہا کہ میں آپ کو اور حضرت کو امسال حج میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر سعادت کی بات کیا ہوسکتی ہے، حضرت مولانا سے اس سلسلے

میں گفتگو ہوئی اور مئی کی آخری تاریخوں میں فارم بھرے گئے، اس سلسلہ میں تمام تر ذمہ داری حضرت مولانا کے محبّ ومحبوب دوست الحاج سلیم احمد عرف پپو بھائی نے لی، اور ہمیں اس بار سے پورے طور سے سبکدوش کردیا۔ **جزاہ اللہ احسن الجزاء**

رفقائے سفر میں حضرت مولانا اور اس سیہ کار کے علاوہ حضرت مولانا کے فرزندان گرامی قدر مولانا محمد عابد، مولانا محمد عامر اور مولانا محمد راشد صاحبان اور منشی عبدالسمیع صاحب تھے، ۶/افراد پر مشتمل ہمارا قافلہ تھا۔ اللہ کا فضل شامل حال رہا کہ قرعہ اندازی میں ہم لوگوں کا نام آگیا، ورنہ امسال تو کوٹے سے دگنا درخواستیں تھیں، کوٹہ تقریباً ۳۰/ ہزار اور درخواستیں ۶۰/ ہزار کے قریب! **الحمد للہ حمداً کثیراً**

وقت تیزی کے ساتھ گزرتا رہا، جولائی کے آخری دنوں میں درخواست منظور ہوئی اور دیکھتے دیکھتے اکتوبر کا مہینہ آگیا، معلوم ہوا کہ ۳۰/ اکتوبر کو فلائٹ ہے، اس سے دو دن پہلے بنارس حج ہاؤس کسی کو بھیج کر رپورٹنگ کرانی ہے، حضرت مولانا نے اپنے صاحبزادے مولانا محمد عامر اور قاری ظہیر اللہ صاحب کو ۲۸/ اکتوبر کو بنارس بھیج دیا، یہ لوگ رات میں سیٹ کنفرم کرواکے آگئے لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ فلائٹ کا وقت کیا ہے؟

میں روانگی سے ایک ہفتہ قبل مدرسہ سے رخصت لے کر گھر آگیا، کہ اعزا و اقربا اور متعلقین سے ملاقات کرلوں، اس دوران دعوتوں کی وہ کثرت رہی کہ الامان والحفیظ، شاید ایک وقت بھی گھر کھانے کی نوبت نہ آسکی، اب حجاج کی دعوتوں کی ایک رسم سی بن گئی ہے جس کو بجالانا دوست احباب اور رشتہ دار ضروری سمجھتے ہیں، اس لزوم کی وجہ سے اب یہ واجب الترک ہے۔

۳۰/ اکتوبر کو فلائٹ تھی، اس لئے ۲۹/ اکتوبر بدھ کو بنارس جانا تھا، پروگرام یہ بنا کہ بدھ کی صبح گھر سے مدرسہ جائیں اور وہاں سے حضرت مولانا کے ہمراہ بنارس۔ فجر کی نماز کے بعد بہت سے لوگ ملاقات کیلئے آنے لگے، اس میں ۸/ بج گئے، اس کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلنے کیلئے تیار ہوگیا، اہلیہ، بچوں اور دیگر اہل خانہ

سے الوداعی مصافحہ بڑا رقت آمیز اور اثر انگیز تھا، بالخصوص معصوم بچوں کو چھوڑ کر جانے کا دل پر کافی اثر تھا، اس وقت اماں کی بہت یاد آئی جو ابھی ساڑھے چار ماہ پہلے داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ بوقت رخصت سب کی آنکھیں نمناک تھیں، خود میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑنے کیلئے بے تاب تھے لیکن بہت ضبط کیا، اہلیہ کی حالت سب سے قابل رحم تھی، سب کیلئے دعائیں کیں، باری تعالیٰ انھیں قبول فرما کر اس کے اثرات کو ظاہر فرمائیں۔ آمین

نو بجے گھر سے نکلا، میرے خالہ زاد بھائی شہزاد احمد گاڑی لے کر آئے، استاذی مولانا فضل حق صاحب اور الحاج فضل حق دادا کے ہمراہ مدرسہ کیلئے نکلا، راستہ میں مدرسہ شیخ الہند انجان شہید میں رفیق مکرم مولانا مفتی ذیشان احمد صاحب سے ملاقات کیلئے حاضر ہوا، تھوڑی دیر وہاں رک کر شیخو پور پہونچا تو مسجد میں حضرت مولانا کی تقریر ہو رہی تھی جس میں تمام طلباء واساتذہ حاضر تھے، ہم لوگ بھی جا کر مجمع میں شامل ہوگئے۔

تقریر ختم ہونے کے بعد سب سے الوداعی مصافحہ کیا گیا، پھر کھانا کھا کر ظہر کی نماز ادا کی گئی، اور اس سفر سعادت کا آغاز ہوا، پہلی منزل جامع مسجد اعظم گڈھ تھی جہاں مولانا انتخاب عالم صاحب اور ان کے مدرسین سے ملاقات ہوئی، شہر کے اور بہت سے لوگ بھی ملاقات کیلئے آگئے تھے، جن میں ہمارے محبّ ومحبوب بزرگ دوست ڈاکٹر سلمان صاحب بھی تھے، سب سے مصافحہ ومعانقہ کر کے نکلے اور مدرسہ اشاعت العلوم کوٹیلہ پہونچے، وہیں عصر کی نماز مثل اول پر پڑھ کر روانہ ہوئے، جامعہ اسلامیہ میں مولانا انوار احمد صاحب خیر آبادی کے یہاں چائے پی گئی، آگے بڑھے تو کٹولی کے حافظ رئیس صاحب کے یہاں رکے، مغرب کی نماز چولا پور کے قریب ایک ہری ہری عیدگاہ میں..... جس پر عیدگاہ قادری، برکاتی، رضوی، عزیزی اور اس طرح کے بہت سارے الفاظ لکھے ہوئے تھے.... ادا کی گئی۔ سات بجے کے قریب چوکا گھاٹ پہونچے وہیں مقبول عالم روڈ پر گوتم بدھ ٹریڈ سینٹر میں عارضی حج ہاؤس بنایا گیا ہے، ہم لوگ دو گاڑیوں میں تھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ حاجی منظور صاحب کے یہاں چلے جاؤ، ہم لوگ ٹکٹ اور پاسپورٹ لے کر آتے ہیں، آدھ

گھنٹے میں یہ لوگ آئے اور یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ہم چھ لوگوں میں سے مولوی محمد عامر کا پاسپورٹ ویزے میں گڑبڑی کی وجہ سے نہیں آسکا ہے، اس لئے بقیہ لوگوں کے بھی پاسپورٹ نہیں ملے۔ عشاء کی نماز کے بعد میں خود حج ہاؤس گیا اور حج افسر تنویر احمد صدیقی سے ملا، انھوں نے بتایا کہ ویزے کی تصویر کی اسکیننگ صحیح نہیں ہوسکی ہے، اس لئے پاسپورٹ روک لیا گیا تھا، آج بمبئی سے روانہ سے کردیا گیا ہے کل مل جائے گا، آپ لوگ صبح دس بجے آجائیں انشاء اللہ پہلی ہی فلائٹ سے ..... جس میں ہم لوگوں کی سیٹ کنفرم ہوچکی تھی....... سے روانہ کردیا جائے گا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں، دوسرے دن ساڑھے نو بجے حج ہاؤس پہونچے، پہلے تو یہ اعلان ہوا کہ تمام لوگوں کے پاسپورٹ آگئے ہیں، یہ سن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن تھوڑی ہی دیر میں یہ اعلان ہوا کہ پاسپورٹ آج نہیں آسکا ہے کل آجائے گا، یہ سن کر جذباتِ شوق پر اوس پڑ گئی، بڑی حسرت ویاس کے ساتھ بوجھل قدموں سے حاجی منظور صاحب کے یہاں آگئے، پھر امید وبیم کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا، ہمیں تسلیاں دی جاتی رہیں کہ آج چلے جائیں گے کل چلے جائیں گے، حضرت مولانا کی معیت حاصل تھی، ان کی ذات سراپا اطمینان وتوکل تھی، میں نے مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت حالات میں بھی کبھی ان کو پریشان ہوتے نہیں دیکھا، ان کا وجود سراپا تسلی تھا، ان کو دیکھ کر ہمیں تسلی حاصل ہوتی تھی۔

جمعرات کے روز شام کو حضرت مولانا نے کہا کہ مفتی صاحب سے ملنے چلنا ہے، مفتی صاحب سے مراد دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ ہیں، حاجی صاحب کے صاحبزادے حاجی محمد صالح اپنی گاڑی سے ہم لوگوں کو لے کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پہونچے، مغرب کے وقت ان کی مسجد میں ملاقات ہوئی۔ مغرب بعد ان کے گھر پہونچے۔ حضرت مولانا کا تعلق حضرت مفتی صاحب سے بہت قدیم ہے، اور دونوں کے درمیان بہت بے تکلفی ہے، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب سے حضرت مولانا نے اپنی باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا، یہ تعلق اسی وقت

سے قائم ہے۔ حضرت مفتی صاحب بہت ظریف اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، جب ان کو معلوم ہوا کہ ہماری فلائٹ کل تھی اور فلاں دقت کی وجہ سے اب تک نہیں جا سکے ہیں تو کہنے لگے ایسے چپکے چپکے کیسے آپ لوگ چلے جائیں گے بغیر ملے ہوئے، ملاقات ہوگئی اب ان شاء اللہ جائیں گے، عشاء تک وہیں رہے۔ ان دونوں بزرگوں کی گفتگو سے ہم لوگ خوب محظوظ ہوئے، فلائٹ کے مس ہونے سے طبیعت پر جو گرانی اور ملال کی کیفیت تھی وہ بالکل دور ہوگئی اور طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی۔ ہمارے حضرت مولانا بہت ٹھنڈا پانی پیتے تھے، اور جو پانی آیا وہ کم ٹھنڈا تھا، مولانا نے کہا کہ پانی ٹھنڈا نہیں ہے، مفتی صاحب اپنے صاحبزادے ابو عمیر سے کہتے ہیں کہ جاؤ ’’اولیائی‘‘ پانی لے آؤ، تو خوب ٹھنڈا پانی لے آئے۔ بزرگان دین کے بارے میں یہ مشہور ہے اور مطابق واقعہ بھی ہے یہ لوگ بہت زیادہ ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔ مفتی صاحب کی اس تعبیر پر مجلس دیر تک زعفران زار رہی، عشا کی نماز پڑھ کر وہاں سے واپسی ہوئی۔

جمعہ کے دن حضرت مولانا کی نئی کتاب ’’حج وعمرہ و مسائل کے مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح‘‘ چھپ کر ٹرانسپورٹ میں آگئی ہے، اس کتاب میں ان لوگوں کا احتساب کیا گیا ہے جو حج وعمرہ کے مسائل میں غیر معمولی غلو اور تشدد سے کام لیتے ہیں، اور بالخصوص احناف کو طعن و تشنیع بلکہ تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔ قاری ظہیر اللہ صاحب سے کتاب منگوائی گئی، اور حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں اس کے دس نسخے پیش کئے گئے کہ جو علماء حج کیلئے جائیں ان کو دیدیں۔ جمعہ سے پہلے حج ہاؤس گیا تو معلوم ہوا کہ پاسپورٹ آگیا ہے جمعہ کے بعد مل جائے گا۔ جمعہ کی نماز حاجی صاحب کے گھر کے سامنے مدرسہ والی مسجد میں پڑھی گئی، نماز سے پہلے حضرت مولانا کا وعظ **وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيلَ اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا** پر ہوا۔

نماز کے بعد تین بجے حج ہاؤس پہونچا تو پاسپورٹ آچکا تھا، اور صبح کی پہلی فلائٹ میں سیٹ کنفرم ہوئی، اور دو تین روز کی ذہنی اذیت کا خاتمہ ہوا، اپنی مصلحتوں کو تو اللہ ہی بہتر

جانتے ہیں لیکن اس عرصہ میں جس قدر صدق دل اور اخلاص قلب سے دعائیں کیں وہ عام حالات میں ممکن نہ تھیں، خوشی خوشی واپس آیا اور سب لوگ کل کی تیاری میں لگ گئے، سامان وغیرہ درست کیا جانے لگا، تمام رفقاء کے چہرے پر خوشی ومسرت کی شادابی چمک رہی تھی کہ کل اس دیار مقدس کو جانا ہے جس کے بارے میں زائر حرم حمید صدیقی لکھنوی نے کہا ہے۔

دکھادے یاالٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے   جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

مغرب کے بعد قاری ظہیر اللہ صاحب کو لے کر حج ہاؤس گیا، پاسپورٹ اور ٹکٹ لے کر واپس آیا، مولوی عامر کا پاسپورٹ دیکھا کہ اس میں کیا گڑ بڑی ہے، تو معلوم ہوا کہ ویزے پر حضرت مولانا کی تصویر لگی ہوئی ہے اور اسی کو درست کرنے کیلئے روکا گیا تھا، بعد میں اسی گڑ بڑی سمیت آ گیا لیکن اس کی وجہ سے سفر میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

سنیچر کو ساڑھے گیارہ بجے دن میں فلائٹ تھی، صبح صادق سے پہلے آنکھ کھلی، حسب توفیق چند رکعات پڑھ کر خدا کے حضور اس سفر سعادت کے مقبول ومبرور ہونے کی دعا مانگی۔ فجر کے بعد ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے حاجی صاحب سے رخصت ہو کر حج ہاؤس آ گئے، معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کی فلائٹ کا سامان لگیج میں جا رہا ہے، ہم لوگ بھی چند منٹ میں اس مرحلہ سے فارغ ہو کر ویٹنگ روم میں آ گئے، ہندوستانی حجاج کیلئے بہت ساری شکایتوں کے باوجود بہت سہولتیں حاصل ہیں، حج کمیٹی کے رضا کار اور ایر لائنز کے ملازمین دونوں سعادت سمجھ کر خدمت میں لگے رہتے ہیں، یہ نہیں محسوس ہوتا کہ کسی دوسرے ملک جانا ہے۔ نو بجے ایر لائنز والوں کی بس سے ایر پورٹ روانہ ہوئے جو یہاں سے نصف گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے، وہاں حجاج کو ناشتہ کرایا گیا، حج کمیٹی کے رضا کاروں نے امیگریشن کرایا اور ہم لوگ سعودی ریال والے کاؤنٹر پر ہونچے، فی کس 2100/= ریال زر مبادلہ ملا، ساڑھے دس بجے تک تمام مراحل سے گزر کر ویٹنگ ہال میں پہونچ گئے۔

ایک عجیب واقعہ:

امید تھی کہ وقت مقررہ یعنی 30-11 پر فلائٹ روانہ ہو جائے گی، لیکن ایک عجیب

عبرتناک واقعہ پیش آ گیا، اب بھی اس کو سوچتا ہوں تو طبیعت ہل جاتی ہے۔ ایک حاجی صاحب کا پاسپورٹ امیگریشن کے بعد نہ جانے کہاں گم ہوگیا، اس کی تلاش میں پونے بارہ بج گئے، حج کمیٹی کے عملے اور ایرپورٹ کے عملے میں تلخ کلامی بھی ہوئی، ان حاجی کے گروپ میں ان کے علاوہ تین آدمی اور تھے، پاسپورٹ نہ ملنے کی وجہ سے کوئی بھی اس فلائٹ سے نہ جا سکا، ان بے چاروں کے دل پر جو گزرنا تھی گزر گئی میرے دل پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا کہ نہ جانے کتنے ارمانوں کے ساتھ یہ لوگ آئے ہوں گے، دلوں میں کس قدر ولولہ اور شوق ہوگا سب سے مل ملا کر آئے ہوں گے اب کیسے واپس جائیں گے؟ اور اب نہ جانے کتنے دنوں اور انتظار کرنا ہوگا، یہ سب خیالات دل میں آتے رہے۔ آخر ان کا پاسپورٹ نہ ملا اور انھیں رکنا پڑا۔ اسی دوران ظہر کا وقت ہوگیا تو ہم لوگوں نے ظہر کی نماز وہیں ادا کی اور ۱۲/ بجے جہاز میں سوار ہوئے اور سوا بارہ بجے جہاز نے پرواز کی۔ تھوڑی دیر میں کھانا پیش کیا گیا، کھانے کے بعد ہم لوگوں نے تین تین سیٹوں کو برتھ کی شکل بنا کر باقاعدہ سو گئے، جہاز کی پچھلی نشستیں خالی تھیں اس لئے خوب آرام سے سوئے، میں تو تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر لکھنے لگا اور لوگ سوتے رہے۔ یہ سفر بالکل گونگا تھا، اس لئے کہ کہیں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ ہم لوگ اس وقت کس شہر سے یا کس جگہ سے گزر رہے ہیں، ورنہ عام طور سے ہوائی سفر میں اس کا اعلان ہوتا رہتا ہے یا اسکرین پر سفر کی تازہ ترین صورتحال لکھ کر باخبر کیا جاتا رہتا ہے، دو تین گھنٹے کے بعد جہاز سمندر کے اوپر سے گزرا، سمندر ختم ہونے کے بعد جیسے ہی صحرائی علاقہ شروع ہوا، جہاز ہچکولے کھانے لگا، اعلان ہوا کہ ہم لوگ انتہائی خطرناک طوفان سے گزر رہے ہیں، آپ لوگ بیلٹ باندھ لیں، دس پندرہ منٹ تک یہی کیفیت رہی، عجب سراسیمگی پیدا گئی، ایسا محسوس ہوا جیسے جہاز اب گرا تب گرا، جہاز کے اندر کی سرخ لائٹیں جل گئیں، اللہ نے رحم فرمایا کچھ دیر کے بعد صورتحال اعتدال پر آئی۔ اعلان ہوا کہ اب ہم شارجہ انٹرنیشنل ایرپورٹ پر اتر رہے ہیں، اس وقت ہندوستانی وقت کے مطابق پانچ بج رہے تھے، ہم لوگ پونے پانچ گھنٹے میں بنارس سے شارجہ پہونچے۔

یہاں اعلان کے مطابق ایک گھنٹہ رکنا تھا لیکن ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہی یہاں سے مدینہ کیلئے روانگی ہوسکی، اس دوران ہم لوگ پرندوں کی طرح طیارے کے پنجرے میں قید رہے، شارجہ کے وقت کے مطابق ساڑھے چار بجے پرواز ہوئی، جہاز سمندر کے اوپر اوپر اڑتا رہا، نیچے سمندر میں جہاز بطخوں کی طرح تیرتے نظر آرہے تھے، جگہ جگہ سمندر میں بادل کے ٹکڑے ایسے لگ رہے تھے جیسے چٹانیں ہوں۔ غروب آفتاب کے وقت اعلان ہوا کہ ہم لوگ آدھے گھنٹے میں مدینہ انٹرنیشنل ایرپورٹ پر اتر جائیں گے، مدینہ منورہ کے وقت کے مطابق ہمارا جہاز پونے چھ بجے اتر گیا، دس پندرہ منٹ میں امیگریشن کی کاروائی سے فارغ ہوکر ایرپورٹ سے باہر نکل آئے، ایرپورٹ سے نکلنے سے پہلے ایک صاحب پولیو کی دوا لے کر آئے کہ اس کا پینا لازمی ہے، خدا جانے اس کے پلانے پر اتنا اصرار کیوں تھا اور اس میں صحت وتندرستی کا کون سا راز مضمر تھا، ہندوستان میں بھی یہی معاملہ پیش آیا تھا، یہ دوا بہت بدمزہ ہوتی ہے، ہم نے تو اسے تھوک دیا، لیکن اتنی دیر میں ہی منہ کا ذائقہ بدل گیا۔

ایرپورٹ کے باہر آنے کے بعد معلم کے کارندوں نے پاسپورٹ جمع کرلیا اور بتایا کہ اب یہ واپسی میں جدہ میں ملے گا۔ ہم لوگ بس میں سامان سمیت بٹھادئے گئے اور بے بسی کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ اسی میں بیٹھے رہے، بس آٹھ بجے چلی اور آدھ گھنٹہ میں مسجد نبوی شریف کے شمال مشرق میں ایک ہوٹل ’’قصر المرسیٰ‘‘ کے سامنے آکر رک گئی، معلوم ہوا کہ یہی ہم لوگوں کی قیام گاہ ہے۔ کاؤنٹر پر آئے تو پانچویں منزل پر کمرہ نمبر 504 کی کنجی ملی اور کھانے کا پیکٹ، کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے عصر، مغرب اور عشا کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ فلائٹ میں مسلسل آٹھ گھنٹہ بیٹھنے کی وجہ سے تکان کا بہت اثر تھا اس لئے طے پایا کہ صبح مسجد نبوی میں حاضری دی جائے۔

☆☆☆☆☆

صبح سوا دو بجے کے قریب سبھی لوگ بیدار ہوگئے اور نہا دھوکر چار بجے حضرت مولانا کی معیت میں مسجد میں پہونچے، مسجد کے حسن وجمال کا کیا کہنا؟ نگاہیں دل سمیت خود بخود

کھنچی جارہی تھیں، باب ملک فہد سے داخل ہوئے اور چھتری والے حصے میں بیٹھ گئے، نماز تہجد ادا کی۔ پانچ بج کر دس منٹ پر فجر کی اذان ہوئی اور ۲۰؍منٹ کے بعد نماز ہوئی، حرم مکی میں یہ وقفہ قدرے مختصر ہوتا ہے، ائمہ حرم نہایت سکون واطمینان سے نماز ادا کرتے ہیں، قومے اور جلسے میں حدیث میں واردشدہ دعاؤں کے پڑھنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں، ادھر ہندوستان کے لوگ جو اس کے بالکل عادی نہیں ہوتے رکوع اور سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ نماز کے بعد حضرت مولانا کے ہمراہ مواجہ شریف کی طرف چلے، اپنی سیہ کاری وبدعملی کی وجہ سے ڈرتے ہوئے اور گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے مولانا کے نقش قدم پر چلتے رہے، مواجہ شریف کے سامنے پہونچ کر صلوٰۃ وسلام اور جو کچھ عرض معروض کرنی تھی کی گئی، اللہ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں نبی ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے، آمین

وہاں سے قیام گاہ پر آکر تھوڑی دیر آرام کیا گیا، دس بجے کے قریب حضرت مولانا کے مخلص پاکستانی دوست مولانا حافظ محمد مسعود صاحب مدظلہ جو ایک عرصہ سے وہیں مقیم ہیں تشریف لائے، اور ایک پاکستانی ہوٹل میں لے جاکر کھانا کھلایا، کھانے سے فارغ ہوکر نماز ظہر کیلئے مسجد میں حاضر ہوئے، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی گئی، نماز کے علاوہ اوقات میں تلاوت قرآن اور دیگر اوراد وردِ زبان رہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر قیام گاہ پر آگئے۔

صبح ڈھائی بجے آنکھ کھلی، اسی وقت مسجد چلا گیا، بھیڑ بالکل نہیں تھی، نہایت اطمینان سے صلوۃ وسلام پڑھا، پھر ریاض الجنہ میں آکر تہجد کی نماز ادا کی، اللہ کا خصوصی فضل وکرم اس پورے سفر حج میں شامل حال رہا کہ ہر جگہ سہولت رہی، بار بار بسہولت ریاض الجنہ میں نماز ودعا کی سعادت حاصل ہوئی۔ اب مسجد نبوی ساری رات کھلی رہتی ہے، پہلے ایسا نہیں تھا، باب السلام اور باب البقیع رات بھر کھلے رہتے ہیں، ہم لوگوں کی قیام گاہ چونکہ مسجد سے جانب مشرق میں ہے اس لئے باب البقیع سے داخل ہوا۔ چار بج کر دس منٹ پر تہجد کی اذان ہوئی، معلوم ہوا کہ صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل تہجد کی صرف اذان ہوتی ہے جماعت نہیں۔ فجر کے

بعد سات بجے کے قریب ریاض الجنۃ میں حاضر ہوا تو بہت آسانی سے اشراق پڑھنے کی جگہ مل گئی، جب جب ریاض الجنۃ میں جگہ ملی پورے خشوع والحاح کے ساتھ نماز پڑھی اور دعائیں کیں۔

کمرے پر آئے تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ابراہیم پوری ملاقات کیلئے تشریف لائے، اور دوپہر کا کھانا انھوں نے کھلایا، ظہر کیلئے مسجد گئے تو پھر عشا پڑھ کر ہی واپسی ہوئی۔ بلڈنگ کی لفٹ خراب ہونے کی وجہ سے زینوں کو استعمال کرنا جس کی وجہ سے حضرت مولانا کے پیروں میں تکلیف ہوگئی اور عصر میں مسجد تشریف نہ لا سکے، حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ کمرے پر جلالین شریف کی شرح کا کام کرتے رہتے تھے اور ہم لوگوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کے آداب اور یہاں کے وقت کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنانے کی تاکید کرتے، ایک بات کی بہت تاکید فرماتے کہ یہاں بلند آواز سے نہ بولا کرو، خصوصاً مسجد نبوی میں تو اگر کسی کی آواز بلند ہو جاتی تو فوراً روک دیتے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ حضرت عمر فاروقؓ اگر کسی کو زور سے بولتے ہوئے سن لیتے تو کنکری مار کر خاموش کرتے، اور کہتے کہ جناب رسول اللہ ﷺ یہیں آرام فرما رہے ہیں اس لئے یہ سخت بے ادبی کی بات ہے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور یوماً فیوماً ان کے درجات بلند فرمائے ان کی برکت سے یہ سفر سعادت واقعی سفر سعادت بن گیا، ہمہ وقت ہم لوگوں کی نگرانی فرماتے رہتے۔ یہ نگرانی کم از کم میرے حق میں صرف اسی سفر کی بات نہ تھی بلکہ پوری زندگی میرے حق میں ان کا یہی معمول تھا، جہاں کسی قسم کی کوئی کمی کوتاہی دیکھتے فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور اس کی اصلاح کرتے، انداز اتنا پیارا ہوتا کہ کبھی کوئی خفت اور گرانی نہیں ہوئی، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے سے لے کر نماز وتلاوت ہر ہر چیز میں طریقۂ سنت کی اتباع کی ہدایت کرتے، آج جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ان کی ایک ایک ادا یاد آتی ہے اور دل مسوس کر رہ جاتا ہے، اور ان کے لئے دعاؤں میں ڈوب جاتا ہے۔

آج عشا کی نماز کے بعد مفتی عاشق الٰہی صاحب مہراج گنجی سے ملاقات ہوئی،

بڑے باغ و بہار آدمی ہیں، ان کا تذکرہ حضرت مولانا نے اپنے ایک سفر میں کیا ہے، انھوں نے ایک روز کھانے کی دعوت دی، اور بہت اہتمام سے دعوت کھلائی۔ ان کے ساتھ ان کے ایک دوست محمد خالد صاحب بھی تھے، جو مجمع ملک فہد میں ملازم ہیں، ایک روز ان کے یہاں بھی دعوت رہی۔ مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں مسلسل دعوتیں رہیں، حافظ محمد مسعود صاحب، ڈاکٹر شمیم صاحب، مفتی عاشق الٰہی صاحب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور دیگر حضرات مسلسل دعوتیں کرتے رہے، ان میں سب سے بڑھ کر کراچی پاکستان کے رہنے والے الحاج سید نسیم صاحب تھے، وہ تو روزانہ رات میں سب کیلئے کھانا پکوا کر لاتے، ان سے منع کیا گیا تو کہنے لگے کہ اچھا جس روز کہیں دعوت نہ رہے اس روز اتنی زحمت کر دیا کیجئے کہ بتا دیجئے، میں اس اس روز کھانا لاؤں گا، اس طرح کئی دن انھوں نے اس خدمت کی سعادت حاصل کی، سعادت اس لئے کہہ رہا ہوں کہ واقعی وہ اس کو سعادت ہی سمجھ کر کرتے ہیں، ایسی بے لوث اور مخلصانہ محبت کرنے والے نایاب تو نہیں لیکن بہت کمیاب ہوتے ہیں، نسیم بھائی کسی پریس میں ملازم ہیں، اس لئے بہت مصروف رہتے ہیں، شام کو جب فرصت ملتی تو عشا بعد تشریف لاتے ہیں، گورے چٹے نہایت وجیہ، ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی نہایت صاف ستھرا محسوس ہوا، بعد میں میں نے ان کے پاس حضرت مولانا کی تقریباً ساری کتابیں بھیجیں جس کے بعد ان سے یہ تعلق نہایت گہری محبت میں بدل گیا، ان کتابوں سے انھوں نے بھی اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی..... جو خود بہت پڑھی لکھی صاحب قلم خاتون ہیں ..... بہت فائدہ اٹھایا، بعد میں انھوں نے جو خطوط حضرت مولانا کو اصلاحی تعلق کے سلسلے میں لکھے یا بعض کتابوں پر اپنے تاثرات ظاہر کئے اس سے ان کے قلم کی روانی کا اندازہ ہوا، انھوں نے حضرت مولانا کی وفات پر کئی صفحے کا بڑا دردانگیز اور پُر اثر تاثراتی مضمون لکھا جو انشاء اللہ حضرت مولانا پر شائع ہونے والے خصوصی شمارہ میں شائع ہوگا۔ بہر حال ان دونوں میاں بیوی کی محبت و شفقت اب بھی ویسے ہی باقی ہے جیسے حضرت مولانا کی حیات میں تھی، دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں دین و دنیا کی ہر صلاح و فلاح سے نوازیں اور

اس خدمت پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائیں۔ آمین

ایک روز ایک عجیب واقعہ ہوا، رات میں معمول سے پہلے ہی آنکھ کھل گئی، ایک یا ڈیڑھ بج رہا تھا، اسی وقت اٹھا اور وضو کیا مسجد نبوی شریف روانہ ہوگیا، بقیع کی طرف سے گیا اس وقت بالکل سناٹا تھا، سلام پڑھ کر جس دروازے سے نکلتے ہیں اسی سے اندر داخل ہوگیا اس وقت کوئی پہریدار موجود نہ تھا ورنہ ادھر سے داخل ہونا ممکن نہ ہوتا، اتفاق ایسا کہ اس وقت کوئی ایک فرد بھی موجود نہ تھا میں سیدھے ازیادِ شوق میں بالکل روضہ شریف کی جالی کے پاس چلا گیا اور اس قدر اطمینان سے صلوۃ وسلام پڑھا کہ اس سے پہلے اور پھر اس کے بعد ایسا اطمینان میسر نہ آسکا، لیکن کچھ دیر کے بعد دل پر ایسی ہیبت طاری ہوئی بیان نہیں کرسکتا، رات کا سناٹا، رسول اللہ ﷺ کے قرب کا احساس اور پھر اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا خیال، ان سب نے مل ملا کر ایسی کیفیت پیدا کردی کہ بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور کسی طرح سلام ودعا کے بعد واپس ہوا، پھر اتنی قریب جانے کی ہمت نہیں ہوئی، اور بعد میں بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن بھی نہ رہا، اب بھی جب اس کا خیال آجاتا ہے تو دل کی حالت بدل جاتی ہے کہ ایک گنہگار اپنے آقا کے اتنے قریب کیسے پہونچ گیا؟

مسجد میں حاضری کے دوران روضۂ رسول کے قریب ایک چبوترے پر لوگوں کی بھیڑ دیکھتا تھا کہ لوگ اس پر تلاوت کررہے ہیں، ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہیں، مشہور تھا کہ یہی وہ چبوترہ ہے جس پر اصحاب صفہ رہتے تھے، اس کے بعد بھی ایک چبوترہ ہے جو حجرۂ فاطمہ سے متصل ہے، میں نے حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ یہ دوسرا چبوترہ کون سا ہے؟ فرمایا کہ وہ چبوترہ جسے لوگ اصحاب صفہ کا چبوترہ کہتے ہیں اس کی نسبت ان کی طرف مشکوک ہے، اس لئے صفہ کے معنی چبوترہ کے نہیں چھپر اور سائبان کے ہیں، جسے عربی میں عریش کہتے ہیں، اور وہ بڑی وسیع جگہ تھی جس میں ستر ستر صحابہ سوتے تھے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ یہ چبوترہ مسجد سے باہر تھا یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کی جو حد تھی اس سے باہر تھا اور یہ چبوترہ مسجد کے اندر ہے، آج بھی

ھـذا حد مسجد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ عہد نبوی کی مسجد کی حدود کو جانا جا سکتا ہے کہ جو حد اس وقت تھی وہاں ستونوں پر یہ تحریر لکھ کر اس کو واضح کیا گیا ہے۔

اسی وقت ایک کتاب ملی ’’مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات‘‘ اس سے بھی حضرت مولانا کی بات کی تائید ہوئی، اس کی تحقیق کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ چبوترہ اسطوانہ عائشہ سے پانچ ستون کے بعد جانب شمال میں تھا اور جب ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی توسیع فرمائی تو یہ چبوترہ مزید دس میٹر جانب شمال منتقل کر دیا گیا۔ مولانا نے بتایا کہ یہ چبوترہ جسے لوگ اصحاب صفہ کا چبوترہ سمجھتے ہیں یہ نورالدین زنگی نے روضہ کے محافظین کیلئے بنوایا تھا، یہ ’’صفۃ الاغوات‘‘ کہلاتا تھا، اس پر اغوات (محافظین) بیٹھا کرتے تھے۔ وہ چبوترہ جس کے بارے میں مَیں نے سوال کیا تھا یہ بالکل روضہ کی دیوار سے متصل ہے، حافظ محمد مسعود صاحب نے بتایا کہ یہ حجرۂ فاطمہ کا صحن تھا۔

مدینہ شریف کے زمانۂ قیام میں اس بات کا بہت اہتمام رہا کہ ان آٹھ دنوں کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنایا جائے، اور زیادہ اوقات مسجد ہی میں گزریں، چنانچہ وہیں تلاوت الحزب الاعظم، درود شریف و دیگر اذکار و اوراد کا معمول جاری رہا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرمائیں۔ آمین

ایک روز دوپہر میں حافظ محمد مسعود صاحب اونٹ کا گوشت پکا کر لائے، سب لوگوں نے شوق سے کھایا، چونکہ ہمارے اطراف میں اونٹ کا گوشت نہیں ملتا اس لئے اس کی ایک اہمیت ہے، مجھے تو اس میں اور گائے بھینس کے گوشت میں اس کے علاوہ کچھ اور فرق نہیں محسوس ہوا کہ اس کے ریشے قدرے بڑے تھے۔ رات میں تاخیر سے سوئے اور اٹھنا وقت پر ہوا جس کی وجہ سے طبیعت میں گرانی اور سستی تھی، فجر کے بعد سوچا کہ حضرت مولانا کے پاس چلوں اسی ارادے سے اٹھا تو دیکھا کہ میرا پھوپھی زاد بھائی طالب رضا چلا آ رہا ہے اس کی فلائٹ ہم لوگوں سے تین روز بعد تھی، اس سے میں نے اپنی صدری منگوائی تھی، جس روز مدینہ پہونچے اس کے دوسرے روز خوب بارش ہوئی اور صبح کے وقت کافی

سردی محسوس ہونے لگی تو خیال ہوا کہ گرم بنیائن اور صدری منگوالینی چاہئے، اس سے بہت آرام ملا، طالب نے بتایا کہ اس کی فلائٹ میں مولانا توفیق صاحب جامعہ حسینیہ جون پور والے تھے جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی، ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں سے مل کر سیدھا قیام گاہ پر آیا اور سو گیا، کچھ دیر کے بعد جب حضرت مولانا اور سبھی رفقاء آگئے تو اٹھا ساتھ میں ناشتہ کیا گیا۔ ۹/ بجے میں مسجد نبوی آگیا، کچھ دیر تلاوت کی اور طالب کے ہوٹل دیار الامل چلا گیا جو مسجد نبوی کی مغربی سمت میں مسجد غمامہ کے پیچھے تھا، وہاں خیر آباد کے کئی حجاج تھے، سب سے ملاقات ہوئی۔

اب تک کے قیام میں دوبار جنت البقیع میں حاضری ہوئی، یہ مدینہ کا قدیم ترین قبرستان ہے، نہ جانے کتنے اجلہ واکابر صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین کے مدفن ہونے کا اسے شرف حاصل ہے، مگر افسوس کہ ساری قبریں بے نام ونشان ہیں کسی پر کوئی علامت اور نشانی باقی نہیں ہے، اسی کا ماتم کرتے ہوئے شورش کاشمیری نے اپنے سفرنامۂ حجاز ”شب جائے کہ من بودم ...“ میں لکھا ہے:

> جنت البقیع میں ان گیارہ (ازواج امطہرات) میں سے نو کی آخری آرام گاہ ہے، لیکن حکمرانوں کی شرعی خشونت کا شکار، رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت، رسول اللہ ﷺ کی اولادیں، رسولؐ کے ساتھی، رسولؐ کے جانشین، رسولؐ کے فدائی، حتیٰ کہ رسولؐ کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہؓ یہاں اس طرح لیٹی ہوئی ہیں جس طرح گمنام ادیبوں کے ادھورے مسودوں پر عبارتیں قلم کی کتر بیونت سے دم توڑ دیتی ہیں۔“ ص: ۱۶۶

حضرت مولانا نے گزشتہ سال سفر حج کی روداد لکھی تو **بقیع الغرقد** نامی کتاب کی مدد سے تمام قبروں کی نشاندہی کی ہے، بہر حال ایک اندازے سے جہاں تک ہو سکا صاحب قبور کیلئے ایصال ثواب کیا۔ بقیع میں جگہ جگہ حکومت کے مقرر کردہ لوگ رہتے ہیں اور لوگوں کو غیر شرعی امور سے روکتے رہتے ہیں، لیکن یہ لوگ کبھی کبھی اس میں حد سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں۔ لیکن بعض مناظر واقعی ایسے نظر آئے کہ یہ سختی برمحل لگتی ہیں، ایک روز دیکھا کہ ایک

صاحب مسجد کے باہر گنبد خضراء کی طرف رخ کر کے سجدے کے لئے جھکے جیسے ہی جھکے ایک محافظ نے زبردستی انھیں سیدھا کر دیا، مزاروں پر سجدے کی عادت نے یہاں بھی اس پر آمادہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک روز ایک صاحب مسجد نبوی کے امام کے مصلے کے پاس آئے اور محافظ کی نگاہ بچا کر اسے چومنے لگے، محافظین ذرا سی غفلت کریں تو سجدہ ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

ہمارے دوست مفتی فیض احمد صاحب کے بھائی شہنواز صاحب بھی مع اہلیہ کے آئے ہیں اور ہماری بلڈنگ سے بالکل متصل ان کی بلڈنگ ہے، ان سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ہمارے حافظ محمد اسماعیل صاحب کا لڑکا محمد خالد مدینہ میں رہتا ہے وہ بھی اکثر آتا رہتا تھا، جمعرات کو ہمارے پھوپھی زاد بھائی ارشد محمود نے فون کیا کہ بھائی میں آج شام کو مدینہ پہونچ رہا ہوں، وہ ینبع میں رہتا ہے جو مدینہ سے ۱۰۰ ارکلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس کا چھوٹا بھائی ایاز محمود مدینہ میں رہتا ہے، اس سے ملاقات ہوئی، اس نے کل جمعہ کو ہم لوگوں کو دعوت دی ہے۔ جمعہ کو اگر زوال سے گھنٹہ بھر پہلے مسجد نہ جائیں تو اندر جگہ نہیں مل سکتی، اس لئے زوال سے کافی پہلے تیار ہو کر ارشد محمود کے ساتھ مسجد چلا گیا، وہاں مکہ کے رہنے والے ایک عرب طالب علم سے ملاقات ہوئی اور دیر تک گفتگو ہوئی، اس نے اپنا نمبر دیا کہ مکہ آئیں تو ملاقات کریں لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ زوال کے معاً بعد یہاں اذان ہوتی ہے، اور جب تک چار رکعت سنت پڑھئے خطبے کی اذان ہونے لگتی ہے اور خطبہ آدھ آدھ گھنٹہ طویل! اور اسی کے بالمقابل نماز بہت مختصر، بلکہ کبھی کبھی تو الم تر کیف بھی پڑھ دیتے ہیں، جمعہ کے خطبے اور نماز میں ائمہ حرم حج کے زمانے میں...... اس لئے کہ اس کے علاوہ کا کبھی اتفاق نہیں ہوا..... اکثر سنت نبوی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، چاہے جو بھی ان کی مصلحت ہو۔ جبکہ مسلم شریف کی روایت ہے:

عن عمار بن یاسر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: إن طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهٖ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبة۔

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طویل نماز اور مختصر خطبہ انسان کی سمجھداری کی علامت ہے، لہٰذا تم نماز لمبی پڑھو اور خطبہ مختصر کرو۔ (صحیح مسلم ج:۱،ص:۶۸۲)

نماز کے بعد ارشد محمود کے بھائی ایاز محمود نے ہوٹل سے کھانا لیا اور کمرے پر لاکر کھلایا۔ ایک دو روز کا قیام اور رہ گیا ہے، اس لئے خیال ہوا کہ کتابیں اور کچھ کھجوریں کارگو سے بھیج دی جائیں، کہ ایک ماہ بعد جب وطن واپس ہوں گے تو مل جائیں، لیکن اس سلسلے میں بڑا تلخ تجربہ ہوا، ایک تو سامان کئی ماہ کے بعد ملا اور کھجوریں تقریباً سب خراب ہوگئی تھیں، کھانے کے بعد ڈاکٹر شمیم صاحب کے ہمراہ میں اور مولوی راشد کارگو آفس گئے اور سامان بک کروایا، اس نے بتایا کہ ایک ماہ کے اندر اندر سامان پہونچ جائے گا، لیکن ایسا ہوا نہیں۔

حافظ محمد مسعود صاحب ....اللہ انھیں بہت جزائے خیر دے.......ہمہ وقت گاڑی لے کر خدمت کیلئے مستعد رہتے تھے، ان کے ساتھ تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی گئی، پچھلے سفر میں ان مقامات کا ذکر آچکا ہے اس لئے اسے چھوڑتا ہوں۔۔ اس سفر میں حافظ صاحب نے ایک نئی بات بتائی، وہ یہ کہ مدینہ منورہ سے ۲۵ رکلومیٹر دور ریاض جانے والے روڈ پر ایک عجیب وغریب جگہ ہے، اگر وہاں گاڑی بند کردی جائے تو الٹے مدینہ منورہ کی طرف آنے لگتی ہے، یہ بات ہم لوگوں کیلئے بڑی تعجب خیز تھی، ہم لوگوں نے بھی اس جگہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ طے یہ پایا کہ کسی روز عصر کی نماز کے بعد حافظ صاحب اور ڈاکٹر شمیم صاحب گاڑی لے کر آئیں گے اور پورا قافلہ وہاں چلے گا، جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد ہم لوگ روانہ ہوئے اور ۳۵ رمنٹ کے بعد وہاں پہونچے، جمعرات کو آدھے دن کے بعد سرکاری دفاتر میں چھٹی ہوجاتی ہے، اس لئے روڈ کے اردگرد پہاڑ کے دامن میں بکثرت سعودی حضرات اپنے بال بچوں سمیت پکنک منا رہے تھے، معلوم ہوا کہ یہ لوگ جمعرات کی شام کو اپنی گاڑیوں میں کھانے پینے کا سامان لے کر آتے ہیں، سیر وتفریح کے بعد کھا پی کر رات گئے واپس ہوتے ہیں۔

حافظ صاحب نے وہاں پہونچ کر گاڑی روکی، اور گیئر چھڑا کر نیوٹرل کر دیا، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب گاڑی پیچھے کی جانب یعنی مدینہ کی سمت جدھر سے ہم لوگ آئے تھے جانے لگی، پھر حافظ صاحب نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اور ایک ایسی جگہ روکی جہاں آگے کی جانب قدرے ڈھلان تھی، اب تو اسے آگے جانا ہی چاہئے تھا تب بھی پیچھے ہی جانب سرکتی رہی، یہ کیفیت تین چار کلومیٹر کے ایریے میں ہے۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر واپسی ہوئی، تو حافظ صاحب نے گاڑی نیوٹرل پر کی، لیکن اس کے باوجود اس کی رفتار بڑھتی ہی گئی اور رفتار بتانے والا کانٹا ایک سو دس کے ہندسے کو پار کر گیا، یہی حال دوسری گاڑی کا بھی ہوا جس کو ڈاکٹر شمیم صاحب چلا رہے تھے، اگر یہ اپنی آپ بیتی نہ ہوتی تو شاید ذرا مشکل سے یقین آتا لیکن جس کو خود کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے اسے خواب کیونکر قرار دیا جا سکتا، اب تک مجھے اس پر حیرت ہے اور اس کی کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

میں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ اس بات کا انکشاف کیسے ہوا کہ یہاں یہ خاص بات ہے، کہنے لگے کہ ایک دوست ایک مرتبہ ریاض سے آرہے تھے، اتفاق سے اسی جگہ گاڑی خراب ہو کر بند ہوگئی، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ انجن بند ہونے کے باوجود مدینہ شریف کی طرف جانے لگی، یہ بات جب انھوں نے بتائی تو ہم لوگ تجربہ کرنے کیلئے وہاں گئے، میں کئی مرتبہ متعدد علماء کرام اور احباب کے ہمراہ یہاں آچکا ہوں۔ اب لوگ اس کو ''وادیٔ جن'' کہنے لگے ہیں، جیسا کہ بعد میں مدینہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے بتایا۔

یہاں سے واپسی مغرب سے نصف گھنٹہ پہلے ہوئی، امید تھی کہ اذان سے قبل مسجد نبوی شریف پہونچ جائیں گے، مگر ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے مغرب سے پہلے پہونچنا ممکن نہ ہوسکا اور مغرب کی نماز حافظ مسعود صاحب کی مسجد میں پڑھی گئی۔ مسجد نبوی میں نماز چھوٹنے کا مجھے بے حد صدمہ ہوا مگر تقدیر الٰہی کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔ نماز کے بعد حافظ صاحب نے اپنے گھر چائے پلائی، اس کے بعد قیام گاہ پر پہونچے، عشا کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی گئی، آج مفتی عاشق الٰہی صاحب کے دوست محمد خالد صاحب کے یہاں

دعوت تھی، رات دیر گئے وہاں سے کھا کر لوٹے۔

ایک روز ڈاکٹر شمیم صاحب کے ساتھ میں اور مولوی راشد کھجوروں کی مارکیٹ میں گئے جو مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں تھوڑے فاصلہ پر ہے اور سب کے لئے کھجوریں خریدی گئیں، وہاں کھجوروں کی اتنی قسمیں دیکھیں کہ حیران رہ گئے، پانچ ریال کلو سے لے کر ڈیڑھ سو ریال کلو تک کی کھجوریں تھیں، سب سے مہنگی عجوہ کھجور تھی جس کی حدیث میں خاص فضیلت وارد ہے۔ کھجوریں لے کر ڈاکٹر صاحب کی گاڑی سے قیام گاہ پر آئے۔

ہم لوگ سنیچر کو عشا کے وقت مدینہ شریف پہونچے تھے، اور عموماً یہاں آٹھ روز قیام کا موقع دیا جاتا ہے، جس میں چالیس نمازیں مسجد نبوی میں ادا ہو جائیں جن کی ایک خاص فضیلت ہے، آج سنیچر کو عشا کے وقت یہ مدت پوری ہو رہی تھی، اس لئے گمان تھا کہ آج ہی عشا بعد مکہ مکرمہ کیلئے روانگی ہوگی، لیکن معلوم ہوا کہ فجر کی نماز کے بعد آٹھ بجے روانگی ہوگی۔ فجر پڑھ کر صلوٰۃ وسلام کے بعد مسجد سے اس دعا کے ساتھ واپس ہوئے کہ اللہ تعالیٰ جلد پھر یہاں لائے اور یہاں کے خیر اور برکتوں سے پھر مالا مال فرمائے۔ قیام گاہ پر آ کر سامان وغیرہ اکٹھا کر کے نیچے لایا گیا، بس نو بجے کے بعد آئی اور روانہ ہوتے ہوتے دس بج گئے۔ مدینہ کا قیام بہت مختصر ہوتا ہے اس کی مدت کچھ اور بڑھانی چاہئے، دل کی بہت ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں پھر بھی ممکنہ حد تک اس قیام کو کارآمد اور بارآور بنانے کی جو سعی ہو سکتی تھی اس سے کوئی دریغ نہیں کیا گیا۔

بس یہاں سے روانہ ہو کر چند کلومیٹر کے بعد مسجد ذوالحلیفہ پر آ کر رک گئی جسے اب بئر علی کہا جاتا ہے، یہی اہل مدینہ کی میقات ہے، میقات اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں سے بغیر احرام کے گزرنا حجاج اور معتمرین کیلئے جائز نہیں ہے۔ اب یہاں احرام باندھ کر آگے بڑھنا ہے، یہاں ایک شاندار مسجد ہے جس میں غسل وغیرہ کا بہت معقول انتظام ہے، چنانچہ غسل کر کے احرام کی چادر پہنی، اور دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کی۔ یہاں سے بارہ بجے کے قریب روانہ ہوئے، یہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ تقریباً سوا چار سو کلومیٹر ہے۔ یہ کسی

بھی میقات سے مکہ مکرمہ کا طویل ترین فاصلہ ہے۔ راستے میں صرف کالی کالی چٹانیں اور لق ودق صحرا کے علاوہ کچھ نہیں نظر آتا تھا، البتہ بس بہت شاندار اور آرام دہ تھی، واقعی آج سے ایک صدی قبل کا سفر حج تو انتہائی مجاہدہ کا ہوتا رہا ہوگا ہم لوگ اسی میں تھک جاتے ہیں۔ تین بجے کے قریب ایک ہوٹل پر بس رکی تو ظہر کی نماز ادا کر کے کھانا کھایا گیا، پھر عصر کی نماز پڑھی گئی اور بس روانہ ہوئی، پورا سفر بہت آرام سے ہوا، بس کی پچھلی سیٹ خالی تھی، میں تو اسی پر سو گیا، ہندوستان کی اوبڑ کھابڑ، سر کو چھت سے ٹکرا دینے والی سڑکوں پر سفر کرنے والے مسافرین جلدی جلدی اگلی سیٹوں پر قبضہ کرتے ہیں تاکہ راستے کے ہچکولوں اور اچھل کود سے محفوظ رہیں، زندگی بھر کی یہ عادت وہاں بھی باقی رہی، اور لوگوں نے بعجلت تمام اگلی سیٹوں پر قبضہ کر لیا، بلکہ ان کا بس چلتا تو دروازہ کے ساتھ کھڑکیوں سے بھی اندر داخل ہوجاتے، ہم لوگ اطمینان سے داخل ہوئے اور پیچھے بیٹھ گئے، سعودی عرب کی سڑکیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ بسوں اور کاروں میں باطمینان چائے پی جاسکتی ہے، اس لئے وہاں اگلی اور پچھلی سیٹوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مغرب کے وقت مکہ میں داخل تو ہوگئے لیکن بس کے مسافروں کی قیام گاہیں الگ الگ تھیں اس لئے سب کو ان کی قیام گاہوں پر اتارتے ہوئے بس عشا کے وقت ہم لوگوں کی قیام گاہ پر پہونچی جو شارع ابراہیم خلیل پر کبری (پل) کے پاس تھی، یہاں سے مسجد حرام پورے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ مدینہ منورہ میں تو ایک شاندار ہوٹل میں قیام تھا، ایک قدیم طرز کی پانچ منزلہ عمارت تھی، ہر منزل پر پانچ کمرے تھے، ہم لوگ چھ افراد تھے، تین افراد کی گنجائش والے دو کمرے ہم لوگوں کو چوتھی منزل پر ملے۔ سامان رکھنے رکھانے میں عشا کی جماعت کا وقت ختم ہوچکا تھا، ابھی ہم لوگوں نے مغرب کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی، جب ادھر سے اطمینان ہوا تو مغرب اور عشا کی نماز جماعت سے پڑھی گئی۔ اور حرم کی حاضری اور عمرہ کے افعال کی ادائیگی کیلئے فجر بعد کا وقت طے ہوا۔ ایک کمرے میں مَیں، مولوی عابد اور مولوی عامر، اور دوسرے میں حضرت مولانا، منشی جی اور مولوی راشد قیام پذیر ہوئے۔ مدینہ میں تو سب لوگ اپنے اپنے طور پر مسجد آتے جاتے تھے کبھی تنہا کبھی سب لوگ

ساتھ میں، مکہ کے قیام میں زیادہ تر میرا اور مولوی عابد و مولوی عامر کا ساتھ رہا، کمرہ بھی ایک ہی تھا، مولوی راشد حضرت مولانا کی خدمت میں ہمہ وقت رہتے تھے اور ہم لوگ حسب موقع جیسا وقت رہتا کبھی ساتھ رہتے اور کبھی ہم تینوں حرم نکل جاتے۔

نماز کے بعد کھانا کھایا گیا، اور سو گئے، صبح تہجد کے وقت اٹھے، اور ضروریات اور وضو سے فارغ ہوکر میں مولوی عابد اور عامر کو لے کر حرم چلا گیا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ نماز کے بعد عمرہ کے افعال ادا کر لینا میں کچھ دیر کے بعد آؤں گا، چنانچہ ہم تینوں فجر سے پہلے حرم آ گئے، جماعت سے دس پندرہ منٹ پہلے پہونچے، اور سیدھے مطاف میں داخل ہوگئے۔ حرم کی رونق کا کیا کہنا، پروانوں کی ایک بھیڑ تھی جو شمع بیت اللہ پر پروانہ وار نثار ہو رہی تھی، کعبہ پر نگاہ پڑتے ہی پہلے سفر حج کی کیفیت عود کر آئی، ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے رہے، اقامت شروع ہوئی تو نماز میں شامل ہوگئے، ائمہ حرم کی قرأت ماشاء اللہ وسبحان اللہ، بہت جی لگا۔

نماز کے بعد طواف شروع کیا گیا، ابھی بھیڑ بھاڑ بہت نہیں ہوئی تھی، بآسانی طواف وسعی سے فارغ ہوئے، اسی دوران حضرت مولانا بھی پہونچ آئے، ہم لوگوں کے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے طواف شروع کیا، ہم لوگ فارغ ہوکر کمرے پہونچے، مولوی عامر صاحب سے حلق کرایا، وہ حلق کرنا جانتے ہیں، اس پورے سفر میں حلق کی کوئی دقت نہیں رہی، پھر نہا دھو کر سو گئے۔

ظہر کی نماز کیلئے حرم حاضر ہوئے، کمرے سے حرم کی مسافت دس منٹ کی تھی، نماز کے بعد کمرے پر واپس آئے، کھانا کھا کر لیٹ گئے، حرمین میں عصر کی نماز مثل اول پر ہوتی ہے، اس لئے ظہر سے عصر تک زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے ہی ہوتے ہیں، ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہی کھا پی کر فارغ ہوئے عصر کا وقت ہوگیا، کبھی تو ایسا کرتے تھے کہ سو کر اٹھنے کے بعد عصر کی نماز کمرے پر ہی مثل ثانی پر پڑھ لیتے تھے، اس کے بعد حرم چلے جاتے اور پھر عشا کے بعد واپسی ہوتی، دسترخوان لگتا، کھانے پینے کے بعد سوتے سوتے تو دس گیارہ بج ہی جاتے، یہ

اہل مکہ کیلئے بہت تعجب کی چیز تھی کہ اتنی سویرے آپ لوگ سو جاتے ہیں۔ مفتی عبد الرحمٰن صاحب کہتے کہ مکہ میں بھی کوئی بارہ ایک سے پہلے سوتا ہے، لیکن ہم لوگ معمولاً پابندی سے گیارہ بجے سے پہلے پہلے سو جاتے تھے، اور صبح صادق سے کم از کم ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتے، الحمدللہ پورے سفر میں ایک روز بھی اس کے خلاف نہیں ہوا کہ صبح کی دو چار رکعتیں نہ نصیب ہوئی ہوں۔

ابھی حج میں دو تین ہفتے باقی تھے، ہم چاروں یعنی میں اور مولانا کے تینوں صاحبزادگان کی کوشش یہی رہتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ طواف کریں، کوشش رہتی تھی کہ دس طواف تو ہو ہی جائے اکثر یہ ہدف پورا ہو جاتا تھا، ہم لوگوں میں مولوی راشد سب سے تیز طواف کرتے تھے اور پہلے نمبر پر رہتے تھے، لیکن حضرت مولانا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس سے منع کر دیا کہ حج سے پہلے اتنی محنت مناسب نہیں، اعتدال کے ساتھ طواف کرو ورنہ اصل عبادت حج ہے اس سے پہلے ہی تھک جاؤ گے یا بیمار پڑ جاؤ گے تو اس پر اثر پڑے گا، ہاں حج کے بعد جتنا چاہو طواف کرو، عمرہ کرو کوئی حرج نہیں، اس کے بعد اس میں یک گونہ اعتدال پیدا ہو گیا ورنہ ہم لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے تھے۔

قیام مکہ کے معمولات یہ تھے کہ صبح صادق سے ایک گھنٹہ پہلے حرم پہونچ جاتے تھے نماز فجر اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد طواف کرتے، اور طلوع آفتاب کے ایک آدھ گھنٹہ بعد ہی کمرے پر جانے کا معمول تھا، اس کے بعد دو تین گھنٹے آرام کرنے، نہانے دھونے اور دیگر ضروریات میں صرف ہو جاتے تھے، زوال سے پہلے پھر حرم حاضر ہو جاتے تھے، اگر ایک طواف کا وقت رہتا تو طواف کرتے ورنہ تلاوت یا ذکر کرتے، اذان کے فوراً بعد نماز ہوتی، چار رکعت سنت بھی بمشکل ہی پڑھ پاتے، وہاں سب سے زیادہ وقفہ سنتوں کیلئے مغرب میں ملتا ہے، باطمینان چار رکعت یا اس سے بھی زیادہ پڑھی جاسکتی ہیں۔ ظہر کے بعد کمرے پر آکر کھانے اور سونے کا معمول تھا، عصر کے وقت حرم آجاتے اور نماز کے بعد

طواف کا معمول تھا، مغرب سے کچھ پہلے جب بھیڑ بہت بڑھ جاتی تو مطاف سے نکل آتے، مغرب کے بعد کبھی حرم سے باہر چلے آتے اور اکثر وہیں تلاوت کرتے۔

عشا کے بعد حضرت مولانا کا معمول ایک طواف کرنے کا تھا کہ اس وقت بھیڑ قدرے کم ہوتی تھی، اس میں آدھ پون گھنٹہ لگتا تھا، میں اس وقت مطاف میں کعبہ سے جتنا قریب ہوسکتا تھا ہوکر بیٹھ جاتا ہے اور اسے دیکھتا رہتا، لوگ پروانہ وار اس کے اردگرد چکر لگاتے تھے، میں سوچتا رہتا تھا کہ اس عمارت میں کیا چیز اللہ نے رکھ دی ہے کہ جمال محبوبیت اس پر نچھاور ہوا جاتا ہے اور روزانہ اتنی دیر تک دیکھنے کے بعد بھی آنکھیں سیر نہیں ہوتیں اور دل نہیں بھرتا، میں اپنی خوش بختی پر رشک کرتا اور اللہ کا بے حد شکر ادا کرتا کہ اس نے اپنے ایک گنہگار بندے کو محض اپنی نوازش اور اپنے فضل وکرم سے اس سعادت عظمیٰ سے ہمکنار فرمایا، **فللہ الحمد حمدا کثیرا طیبامبارکا فیہ**

وہاں سے اٹھتے تو حرم کے باہر باب عبدالعزیز کے سامنے حضرت مولانا ٹھہرتے، یہاں بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوتیں، خصوصاً مولانا محمد یونس صاحب (سرائے میر) جو انڈین حج مشن میں ایک ذمہ دار عہدے پر فائز ہیں، حضرت مولانا نے اپنے سفر قدس (سفر حج ۲۰۰۶ء) میں ان کا ذکر خیر بکثرت کیا ہے۔ یہ اکثر ہم لوگوں کو لے کر ہلٹن ہوٹل چلے جاتے اور نہایت نفیس قسم کی چائے پلاتے۔ ایک دو بار کھانا پکوا کر قیام گاہ پر لائے، غرض جو کچھ ان سے ممکن ہوتا اس سے دریغ نہ کرتے، چونکہ حج کے زمانے میں ان کی مصروفیات حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں اس لئے کہا کرتے تھے کہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے میں خاطر خواہ خدمت نہیں کرپاتا ہوں۔

حضرت مولانا کے ایک شاگرد مولوی محمد فاروق صاحب جو جدہ میں رہتے ہیں اور گورینی میں حضرت مولانا سے پڑھا تھا، مولانا فرماتے تھے کہ فاروق نے زمانہ طالب علمی میں میری بے مثال خدمت کی ہے، وہ کئی بار کھانا پکوا کر لائے اور اتنا زیادہ لاتے تھے کہ کئی روز کے لئے کافی ہوجاتا تھا، اسی طرح پورہ معروف کے مولانا رضوان صاحب بھی خدمت

کے لئے مستعد رہتے تھے۔

یہاں سے ملاقاتوں کے بعد کمرے پر جاتے، کھانے کے بعد کچھ دیر چہل قدمی کرتے، اکثر حضرت مولانا کے علاوہ ہم سب کھانے کے بعد ٹھنڈا پیتے اس کے بعد سوتے تھے، ایک روز مولانا علیہ الرحمہ کے شیخ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب تشریف لائے، اللہ نے مفتی صاحب کیلئے حرمین شریفین کی حاضری بہت سہل اور آسان فرمادی ہے بکثرت عمرہ اور حج کی دولت سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں، اس کے بعد بھی ان سے بار بار ملاقات ہوتی رہی، ایک دو بار ان کے کمرے پر بھی گیا۔

ایک روز ہمارے دوست مفتی محمد ساجد صاحب کشی نگری کا فون آیا کہ میں تمہاری بلڈنگ کے پاس کھڑا ہوں، میں نیچے جا کر ان کو لے آیا، یہ دار العلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث میں ہمارے ساتھی تھے، بہت باغ و بہار اور صاحب ذوق آدمی ہیں، ان کے والد صاحب حاجی محمد حامد صاحب ہاٹا کشی نگر کے ایک دیندار صاحب ثروت، مخیّر اور مشہور تاجر ہیں، تبلیغی جماعت کے صف اول کے لوگوں میں ان کا شمار ہوجاتا ہے، اس سلسلے میں ان کی قربانیاں بے مثال ہیں، مفتی ساجد صاحب کا قیام مدرسہ صولتیہ میں تھا، ایک روز انھوں نے ناشتے کی دعوت کی، وہیں مفتی سلمان صاحب منصور پوری، مفتی شبیر احمد صاحب مدرسہ شاہی وغیرہ کا بھی قیام تھا، اس وقت یہ دونوں حضرات آرام فرمارہے تھے، بعد میں مفتی سلمان صاحب سے متعدد مرتبہ ملاقات ہوئی۔ وہیں ہمارے دوست مفتی محمد عادل صاحب دیوریاوی بھی تھے جو حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھ اور حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب علیہ الرحمہ کے ہمراہ آئے تھے، پہلی مرتبہ یہیں ان دونوں عظیم المرتبت بزرگوں سے ملاقات وہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، ملاقات تو بہت مختصر رہی، لیکن ان کی توجہ وعنایت اور نوازش کا نقش اب تک قلب وذہن پر موجود ہیں، میں نے بوقت رخصت دعا کی درخواست کی دونوں بزرگوں نے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، دل اب تک

ان کی محبت وعنایت سے معمور ہے، حضرت قاری صاحب تو جوارِ رحمت میں جا چکے، باری تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور اپنے شایانِ شان اجر مرحمت فرمائیں، اور حضرت حکیم صاحب مدظلہ کے سایۂ عاطفت کو اللہ تعالیٰ درازتر فرمائیں اور ان کے فیض کو عام وتام فرمائیں۔ آمین

ہم لوگوں کے مکہ مکرمہ پہونچنے کے چند روز بعد ہی مفتی عبد الرحمٰن صاحب جدہ آگئے جن کے بارے میں حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ آسانیاں مفتی صاحب کے ساتھ چلتی ہیں، ایک روز صبح ان کے ہمراہ جدہ گیا، کچھ سامان وغیرہ خریدا اور شام کو واپسی مکہ ہوئی۔ مفتی عبد الرحمٰن صاحب سے ایک روز معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی (مہتمم دار العلوم دیوبند) حاجی منظور احمد صاحب اور مولانا غلام رسول صاحب وارانسی کی آخری فلائٹ سے بھی تشریف لانے والے ہیں، ان حضرات کی آمد کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی، اسی وقت مولانا کے ایک انتہائی مخلص قدرداں اور فدائی اور آپ سے حد درجہ محبت رکھنے والے منیر بھائی جو منیر سیٹھ سے مشہور ہیں اپنی ماں، بہن اور اہلیہ کے ساتھ آئے، یہ شیخوپور کے رہنے والے ہیں، مستقل قیام ممبئی میں ہے، مدرسہ کے نہایت مخلص خیر خواہ اور اس کے ارکان تاسیسی میں سے ہیں۔ غالباً یہ سبھی لوگ ایک ہی فلائٹ سے آئے تھے اس لئے کہ قیام ان سب لوگوں کا عزیزیہ کی ایک ہی بلڈنگ میں تھا۔ ایک روز حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم اور عامر عزیزیہ چلے جاؤ اور منیر اور اس کے اہل خانہ کا عمرہ کی ادائیگی میں تعاون کرو، ان کی آمد سے ہم لوگوں کو بھی بہت خوشی تھی، میں اور مولوی عامر ان کی قیام گاہ پر گئے اور لے کر حرم آئے، جیسے ہی ہم لوگ بیت اللہ کے سامنے پہونچے اور منیر بھائی کی نگاہ اس مقدس گھر پر پڑی بے تحاشا رونے لگے، اور دیر تک ان کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہے اسی فرط گریہ میں کہنے لگے کہ حاجی بابو! یہ اللہ کا کس قدر مجھ پر کرم ہے اس نے تمام تر گنہگاری اور سیہ کاری کے باوجود اپنے اس گھر کی زیارت کی توفیق اور سعادت بخشی، میں نے کہا دعا کریئے، یہ دعا کی قبولیت کا ایک اہم موقع ہے، دعا کے بعد طواف شروع کیا، ان کی ماں

بہت ضعیف تھیں ان کو مولوی عامر نے بالائی منزل سے وہیل چیر کے ذریعہ طواف کرایا اور بہت محنت کی، طواف کے بعد سعی کا مرحلہ تھا، ابھی سعی کے کئی چکر باقی تھے کہ ظہر کا وقت ہوگیا، ہم لوگوں نے ظہر کی نماز ادا کی، ان کی ماں کو استنجا کا تقاضا تھا، لیکن اس وقت بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے نیچے جانا ممکن تھا نہ، نماز کے بعد کہنے لگیں کہ مجھے پیشاب ہوگیا اب کیا کروں، منیر بھائی بھی بہت پریشان ہوئے، میں نے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ لوگ سعی کے بقیہ چکر مکمل کرلیں، ان کے جتنے چکر باقی رہ گئے ہیں کل کرادیا جائے گا، کہنے لگے کوئی اس میں حرج؟ میں نے کہا کچھ نہیں، تو بہت خوش ہوئے، بہت دعا دی کہ آپ لوگوں کی وجہ سے بڑی سہولت ہوگئی ورنہ میں تو پریشان ہوجاتا۔ چنانچہ وہ ان کی بہن اور اہلیہ نے سعی مکمل کی اور قیام گاہ پر واپس آگئے اور دوسرے روز ماں کو لے آئے اور بقیہ سعی پوری کرادی۔ اب ان کا زیادہ تر وقت ہم لوگوں کے ساتھ ہی گزرتا، نہایت فیاض اور سخی آدمی ہیں، ہر وقت کچھ نہ کچھ کھلاتے پلاتے رہتے تھے، ان کی ہر چیز انتہائی معیاری ہوتی تھی۔

منیر بھائی کی قیام گاہ پر حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، حاجی منظور صاحب اور مولانا غلام رسول صاحب سے ملاقات ہوئی، پھر روزانہ ہی حرم میں ان حضرات سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، متعدد بار حضرت مولانا سے ملاقات کیلئے حضرت مفتی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ قیام گاہ پر بھی تشریف لائے۔ ایک روز فجر بعد حرم میں ملاقات ہوئی، نماز کے کچھ دیر بعد طواف شروع کیا گیا، ایک دو چکر کے بعد ہجوم بڑھتا گیا جب مقام ابراہیم کے پاس پہونچتے تو چلنا مشکل ہوجاتا، ایک چکر میں دیکھا کہ کچھ لوگ ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر راستہ روکے کھڑے ہیں تاکہ ان کے کچھ ساتھی مقام ابراہیم کے پاس طواف کی دو رکعت ادا کرسکیں، یہ دو رکعت مقام ابراہیم کے پاس پڑھنا مسنون ہے لیکن اگر اس میں دشواری ہو تو کہیں بھی یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن ناواقفیت کو کیا کہا جائے، ان کے اس عمل سے طواف کرنے والوں کو بہت دشواری ہوئی، میں نے حضرت مفتی صاحب سے دریافت کیا کہ اس عمل کی کیا حیثیت ہے؟ فرمایا کہ دوسروں کو تکلیف پہونچانا اور خود مشقت میں مبتلا ہونا

دونوں ناجائز ہیں، اس لئے ایسا کوئی عمل ہرگز نہیں کرنا چاہئے جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو۔

حضرت مولانا کے ایک اور محبِّ مخلص اور حد درجہ فدائی سلیم احمد عرف پپو بھائی (میٹروفٹ ویر اعظم گڈھ) الحاج شمیم احمد ایڈوکیٹ اور ان کے صاحبزادے خالد شمیم صاحب یہ حضرات بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے، اور پپو بھائی کو اللہ تعالیٰ نے دل دردمند عطا کیا ہے وہ حضرت مولانا سے اس طرح کے واقعات پوچھتے رہتے جس سے اللہ کی محبت دل میں جاگزیں ہو، اور کئی مرتبہ انھوں نے حضرت مولانا سے اجتماعی دعا کی درخواست کی، اور مولانا نے اسے قبول کیا اور دعا کرائی، ایک روز عشا کے بعد ہم سب لوگ حرم کے باہر صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب بھی تھے، یہ حج سے کچھ پہلے کی بات ہے، مولانا نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ اب حج کا وقت بالکل قریب ہے آپ دعا کرائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو حج مقبول نصیب فرمائے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے جو سراپا تواضع وفنائیت ہیں فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بہت ہی الحاح وزاری کے ساتھ بالجہر دعا کرائی، خود بھی روئے اور ہم لوگوں کو بھی رلایا، امید ہے کہ اس مقدس وبابرکت جگہ اور ان انفاس قدسیہ کی برکت سے ضرور اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا ہوگا۔

اس سفر میں حضرت مولانا کے تین تین صاحبزادے ہمراہ تھے اس لئے حضرت بھی کافی منشرح رہتے تھے، اور اس کا بہت اہتمام کرتے تھے کہ یہاں کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، خود تو اپنے امراض وعوارض کی وجہ سے ہر نماز میں حرم کی حاضری نہیں ہو پاتی تھی لیکن ہم لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ حاضری میں کوئی سستی نہ ہو۔

ایک روز ایک صاحب اپنی گاڑی لے کر آئے کہ چلئے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات گھمالائیں، حج کے زمانے میں ازدحام کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا بس آنا جانا ہوتا ہے ایسے اطمینان سے تمام چیزیں دیکھ لیں گے، صبح ناشتے کے بعد نکلے، پہلے منیٰ گئے، اس وقت جمرات کی توسیع کا کام چل رہا تھا، اسے پانچ منزلہ کیا جا رہا تھا، وہاں کے فائز پروف خیموں کو

دیکھا گیا، وہ مسجد بھی دیکھی گئی جو دوسری صدی ہجری میں منصور عباسی کے عہد میں بنی تھی اور کھدائی میں برآمد ہوئی ہے۔ یہاں سے مزدلفہ ہوتے عرفات پہونچے، کہاں عرفہ کے دن کی بھیڑ بھاڑ اور کہاں یہ سناٹا! پورے موقف کا ایک چکر لگایا گیا، جبل رحمت کے پاس پہونچے جہاں رسول اللہ ﷺ نے وقوف کیا تھا، بہت سے لوگ وہاں اونٹوں پر بیٹھ کر تصویریں کھنچوا رہے تھے تا کہ اپنے وطن واپس جا کر ثابت کرسکیں کہ وہ جبل رحمت پر بھی پہونچے تھے جبل رحمت کے پاس کافی چہل پہل تھی دو کانیں بھی تھیں جس سے اندازہ ہوا کہ یہاں ہمہ وقت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، ہم لوگوں نے بھی ماکولات ومشروبات سے کام ودہن کی تواضع کی، یہاں سے مسجد نمرہ گئے اور پوری مسجد کا ایک سرسری جائزہ لیا، مسجد بالکل خالی تھی اور لائٹیں، پنکھے اور اے سی سب چل رہے تھے، مسجد کے اگلے حصے میں جو قبلے کی جانب ہے کچھ علامات بنی ہوئی تھیں دیکھا تو لکھا ہوا تھا کہ مسجد کا یہ حصہ عرفات سے باہر ہے، یہاں وقوف نہ کیا جائے، یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ مسجد نمرہ کا کچھ حصہ موقف سے باہر ہے، یہ حصہ کئی صفوں کے بقدر تھا، یہ بات میرے تصور سے فزوں تر تھی کہ مسجد نمرہ کا کچھ حصہ عرفات میں شامل نہیں ہے، علم وفضل کی جیسے فراوانی ہوتی ہے نہ جانے کتنے لوگ ایسے ہوتے ہوں گے جو اسی حصے میں وقوف کر کے پوری طرح مطمئن ہوتے ہوں گے کہ ہم نے عرفات میں وقوف کیا ہے؟ وہاں سے ظہر کے کچھ پہلے واپسی ہوئی۔ بہر حال یہ مختصر سا سفر بہت اچھا رہا، تمام چیزوں کا اطمینان سے مشاہدہ ہوگیا۔

جیسے جیسے حج کا زمانہ قریب آتا گیا ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا، اخیر کے چند دنوں میں تو نمازوں میں حرم کے اندر پہونچنا مشکل ہوگیا اگر سویرے جا کر اندر چلے گئے تو نماز کے بعد باہر نکلنا انتہائی دشوار، ایک جمعہ کو تو ہجوم کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی، دس بجے کے قریب حرم میں پہونچ گئے، اور تہ خانے والے حصے میں چلے گئے، منیر بھائی ساتھ تھے، تلاوت وذکر میں مشغول رہے، جمعہ کی اذان ہوئی اور بمشکل چار رکعت سنت پڑھ سکے کہ خطبہ شروع ہوگیا، خطیب حرم کے نامور امام شیخ عبدالرحمٰن السدیس تھے، انھوں نے فصاحت

وبلاغت سے لبریز بہت شاندار خطبہ دیا، تمام مسلمانان عالم کی صلاح وفلاح کیلئے دعا کی، تمام دشمنان اسلام کا نام لے لے کران کی تباہی وبربادی کیلئے بددعا کی، لیکن اگران میں کسی کا نام نہیں لیا تو وہ امریکہ اور اسرائیل تھے، نماز کے بعد حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس خطبہ کا ذکر نکل آیا، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ کس قدر فصیح وبلیغ خطبہ تھا، میں نے کہا کہ پورے خطبے میں تمام لوگوں کا نام لیا گیا لیکن امریکہ اور اسرائیل کا نام کہیں نہیں آیا، فرمانے لگے تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بھی اس پر غور کیا ہے، معلوم ہوا کہ حرم کا خطیب ہو یا پورے مملکت سعودیہ کا کوئی بھی خطیب ہو حکومت کی مرضی کے بغیر ایک لفظ نہیں کہہ سکتا، سارے خطبات سنسر ہوتے ہیں اس کے بعد ہی کوئی کچھ کہہ سکتا ہے۔ جمعہ کے بعد میں منیر بھائی کے ساتھ حرم سے نکلا، اس قدر رش تھا کہ قدم اٹھانا دشوار تھا، ہم لوگ مسفلہ سے گزر کر شارع ابراہیم خلیل پر آجاتے تھے اور اپنے کمرے پر پہونچ جاتے تھے، آج تو مسفلہ کے راستے پر ایسا ہجوم تھا کہ تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی، ایک وقت میں مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہجوم میں دبنے کی وجہ سے دم گھٹ جائے گا، میں نے منیر بھائی سے کہا کہ کسی طرح یہاں سے نکل کر ایسی جگہ پہونچیے جہاں کچھ دم لے سکیں، تو کسی طرح رینگتے کھسکتے سامنے سپر مارکیٹ تک پہونچے اور اس میں گھس گئے، اے سی کی ہوا لگی تب جا کر اوسان بحال ہوئے، اسی میں ایک دوکان سے قلفی لے کر کھائی گئی اس کے بعد تو بالکل حالات معمول پر آگئے، پھر مارکیٹ کے اندر ہی اندر چل کر دوسری طرف شارع ابراہیم خلیل پر آگئے بعد میں معلوم ہوا کہ آج کئی حجاج ہجوم میں دب کر جاں بحق ہوگئے۔

اس سفر میں حرم کی توسیع کی وجہ سے باب العمرہ کا پورا علاقہ ختم کردیا گیا، ساری عمارتیں توڑ کر میدان بنادیا گیا، سارے کتب خانے اسی علاقے میں تھے، کتابوں کی تلاش ہوئی تو سارے کتب خانے ندارد، کوشش کے باوجود ان کا سراغ نہ لگ سکا کہ کدھر منتقل ہوئے، اور تلاش کے لئے خاطر خواہ فرصت بھی نہ تھی، اس لئے اس سفر میں کتابیں بہت کم لی گئیں اور وہ بھی صرف مدینہ منورہ سے، سپر مارکیٹ میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ تھا میں کچھ

کتابیں اور رسائل اور کیسٹیں وغیرہ تھیں وہاں کبھی کبھی جانا ہوتا تھا، اس کا مالک ایک عرب نوجوان تھا بہت ہی خلیق، ایک دو بار کے بعد بہت مانوس ہوگیا، ایک روز دعوت بھی کی، ایک روز شہد کی ایک بوتل ہدیہ کی، ہندوستان کے احوال پوچھتا رہتا تھا، مجھ سے پوچھا کہ آپ کی تنخواہ کیا ہے؟ میں نے بتایا تو اسے بہت حیرت ہوئی، کہنے لگا کہ آپ یہاں آجایئے ہمارے پاس ہم ایک ہزار ریال سے زیادہ تنخواہ دیں گے، میں نے کہا کہ یہاں صرف تنخواہ نہیں خدمت دین بھی مقصود ہے تو وہ اس جواب پر بہت خوش ہوا اور دعائیں دیں۔

حج کا وقت بالکل قریب آگیا، حجاج کا اس قدر ہجوم ہوگیا کہ حرم میں داخل ہونا مشکل ہوگیا تھا، میں حرم آتے جاتے دیکھتا تھا کہ جگہ جگہ یہ عبارت لکھی رہتی: **لاحج بلاتصریح** ، کہ بغیر تصریح کے حج نہیں ہے۔ میں نے ایک روز حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے کہ **لاحج بلاتصریح**، مولانا مسکرائے اور مزاح کے طور پر فرمایا کہ یہ ایک نئی آیت اتری ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت کے اجازت نامے کے بغیر حج نہیں ہوگا، تصریح اجازت نامے کو کہتے ہیں جن کو حکومت کی طرف سے اجازت ہوگی انہیں کا حج درست ہوگا جو لوگ بغیر اجازت کے چوری چھپے آکر حج کرتے ہیں ان کا حج درست نہ ہوگا۔

معلم کی طرف سے ایک روز اعلان آویزاں کیا گیا کہ ۷؍ ذی الحجہ کو عشا بعد منیٰ روانگی ہوگی تمام حجاج تیار رہیں، دوپہر میں احرام کا کپڑا پہن کر حرم گیا کہ یہیں دو رکعت پڑھ کر حج کے احرام کی نیت کر لیں گے اور طواف کر کے سعی بھی کر لیں گے تاکہ حج کے بعد والی سعی ساقط ہو جائے، لیکن مولانا نے کہا کہ رہنے دو حج کے بعد طواف زیارت کے ساتھ ہی سعی بھی کی جائے گی، تو اس کو ترک کر دیا۔ رات گیارہ کے بعد بس آئی، اور منیٰ روانہ ہوئے بارہ کے بعد اپنے خیمے میں پہونچے۔ ۱۹۹۷ء میں منیٰ کی آتشزدگی کے بعد تمام خیمے فائر پروف بنا دئے گئے اور اس میں اے سی کا نظم ہے، لیکن ہر شخص کو جگہ صرف اتنی ہی دی گئی کہ کروٹ بدلنے کیلئے بھی اغل بغل والوں سے اجازت لینا پڑتا تھا، خیر چند رات کا مسئلہ تھا کسی

طرح گزر بسر کرنی ہی تھی، منیٰ کا قیام چونکہ بہت مختصر ہوتا ہے اس لئے وہاں کھانے پینے کا کوئی معقول نظم نہیں ہوتا ہے، اسی خیال سے بھنے ہوئے چنے، خستے اور ستو وغیرہ رکھ لئے گئے تھے کہ یہ وہاں کام آئیں گے لیکن تقدیر تدبیر پر غالب آئی اور مکہ سے نکلتے وقت وہ ہینڈ بیگ کمرہ ہی پر چھوٹ گیا جس میں یہ چیزیں تھیں، اب کیا ہوتا، کھانے کی جو چند دوکانیں تھیں ان پر اتنی لمبی لائن لگتی تھی کہ وہاں سے کھانا لینا اپنے بس سے باہر تھا، خیر حافظ نوشاد صاحب ممبر حج کمیٹی کی عنایت سے یہ مشکل حل ہوئی، انھوں نے کہا کہ انڈین حج مشن میں مہمانوں کیلئے کھانا بنتا ہے جو دس ریال کا ہوتا ہے، یہ عام لوگوں کو نہیں دیا جاتا، میرا نام بتادیجئے گا تو مل جائے گا چنانچہ اس طرح بہت سہولت سے کام بن گیا، اس پورے سفر حج میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم اور عنایت ومہربانی رہی کہ کہیں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔

منیٰ میں ۸؍ ذی الحجہ کی ظہر، عصر، مغرب، عشا اور ۹؍ کی فجر پڑھنا مسنون ہے، لیکن ہم لوگوں نے ۸؍ کی فجر سے لیکر عشا کی نمازیں منیٰ میں پڑھیں اور رات بارہ بجے کے قریب عرفات کیلئے بس آگئی تو روانہ ہوگئے، جی چاہ رہا تھا کہ صبح فجر کے بعد جایا جائے لیکن اس میں دشواری بہت تھی، ایک تو اپنی سواری سے جانا پھر عرفات پہونچ کر خیموں کے جنگل میں اپنا خیمہ تلاش کرنا ایک دشوار گزار امر تھا، اس لئے رات ہی میں معلم کی بس سے جانے کو ترجیح دی گئی، منیٰ میں حجاج کو بطور ملکیت ایک کمبل، گدا اور تکیہ دیا گیا تھا جس کی قیمت زرمبادلہ کی رقم سے وضع کرلی گئی تھی، اور صراحت کردی گئی تھی یہ حجاج کی ملکیت ہے، میں نے عرفات جاتے ہوئے وہ پتلا سا گدا اور مختصر سا تکیہ ساتھ رکھ لیا کہ عرفات اور مزدلفہ میں کام آئے گا، چنانچہ یہ دونوں جگہوں پر بہت کام آیا، رات ہی میں ہم لوگ عرفات میں اپنے خیمے میں پہونچادئے گئے۔ فجر کی نماز کے بعد سوگئے اور دس بجے کے قریب اٹھے اور جاکر غسل کیا، عرفات میں غسل اور وضو کا بہت عمدہ نظم ہے، اس کے بعد معلم کی طرف سے کھانا ملا، مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ کھانا ذرا کم کھانا تاکہ وقوف میں نشاط اور چستی رہے، اور ہمیں وقوف کی اہمیت بتلائی کہ یہ وقوف حج کا رکن اعظم ہے، اور یہی وقت پورے سفر کا

خلاصہ ہے، اس لئے ایک لمحہ بھی اس قیمتی وقت کا غفلت میں نہ گزرے، زوال کا وقت ہوا تو خیمے میں ہی ظہر کی نماز ادا کی گئی، اور مولانا نے فرمایا کہ وقوف کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں اس لئے جس قدر قوت وطاقت ہو کھڑے ہو کر دعائیں، ذکر، مناجات یا جو کچھ بھی پڑھنا ہے پڑھو، چنانچہ ہم لوگ کھڑے ہو کر ذکر ودعا میں لگے رہے، کچھ دیر کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ چلو خیمے سے باہر نکل کر کہیں کنارے دعا کریں گے، چنانچہ ہم لوگ ان کے ہمراہ خیمے سے کچھ دور نکل گئے، پپو بھائی بھی آگئے، کچھ اور متعلقین بھی، مولانا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اس قدر ٹوٹ کر دعا کرائی کہ پورا مجمع بلبلا اٹھا، ہر ایک کی زبان سے آہ وبکا نکل رہی تھی، اوروں کے بارے میں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن میرا حال یہ ہو رہا تھا جیسے دل پھٹ جائے گا، اپنی گنہ گاری پر اس قدر رونا آرہا تھا کہ طبیعت کسی طرح قابو میں نہیں آرہی تھی، گھنٹے بھر یہی کیفیت رہی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس فریاد کو ہمارے قریب ہی سن رہے ہیں اور جو کچھ مانگا جارہا ہے اسے اپنے شایان شان عطا کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میرے بندو! میں نے تمہارا حج بھی قبول کیا اور تمہاری دعائیں بھی!

دعا کے بعد طبیعت بالکل صاف ہوگئی اور دل بہت مسرور تھا کہ اللہ نے ہماری دعا سن لی اور ہمارا حج قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ ہمارے گمان کے مطابق معاملہ فرمائے۔ آمین

عصر کے وقت خیمے میں آئے اور نماز ادا کی، اور جو کچھ لمحات اس بابرکت ساعت سے باقی رہ گئے تھے اسے ذکر ودعا سے معمور کرنے لگے، آج کے دن مغرب کی نماز عشا کے وقت میں مزدلفہ میں پڑھنی ہے اس لئے غروب کے وقت خیمے سے نکل کر بس پر آگئے، راستے میں ایک صاحب نے کھانے پینے کی ڈھیر ساری چیزیں دیدیں، جو راستے میں کام آئیں، مغرب کے بعد بس روانہ ہوئی اور دس بجے تک ہم لوگ مزدلفہ میں تھے، بس والے نے ہمیں مزدلفہ کی آخری حد پر اتارا جو منیٰ سے بالکل متصل تھی، مغرب اور عشا کی نماز پڑھی گئی، دوپہر میں کم کھانے کی وجہ سے بہت تیز بھوک لگی تھی، جیسے ہی نماز سے فارغ ہوئے ایک صاحب پکارتے ہوئے آئے کہ لیجئے بالکل گرم گرم بریانی ہے کھا لیجئے، خوب اچھی طرح سے کھائی گئی

اوران کے لئے دل سے دعا نکلی، مزدلفہ میں چونکہ رات بھر رہنا ہوتا ہے اس لئے یہاں خیمہ کا نظم نہیں ہوتا، جہاں زمین پر جگہ ملے سوجانا ہوتا ہے، منیٰ کا گدا یہاں بہت کام آیا، آرام سے اس پر سوئے، صبح اٹھ کر استنجا وضو سے فارغ ہوکر تلاوت کی، جب صبح صادق ہوئی تو نماز پڑھ کر وقوف کیا، وقوف کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ہے، سورج نکلنے کے بعد یہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، چونکہ منیٰ سے بالکل متصل ہی قیام تھا اس لئے گھنٹہ بھر میں اپنے خیمے میں پہونچ گئے، ایک دن کی مسلسل بھاگ دوڑ نے کافی تھکا دیا تھا، اس لئے آتے ہی سو گئے، پروگرام یہ بنا کہ ظہر کے بعد رمی کیلئے جائیں گے، ظہر بعد رمی کے لئے نکلے اور نہایت آرام سے مسنون طریقے سے رمی کی گئی، اور ہر رمی کے بعد دعا کی گئی، حضرت مولانا کے تجربات کی وجہ سے ہر ہر قدم پر سہولت رہی، مولانا کے اس جملے کی معنویت خوب اچھی طرح ہر موقع پر سمجھ میں آتی رہی کہ ''سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کسی معتبر اور صاحب دل عالم کی معیت حج میں تلاش کرلیں، اوراس کے پاؤں کی خاک بن کر رہیں، انشاء اللہ حج کا لطف آجائے گا۔'' واقعی حضرت مولانا کی معیت کی وجہ سے حج کا لطف آگیا۔ رمی کے بعد مرحلہ قربانی اور حلق (سرمنڈانے) کا تھا، قربانی کی ذمہ داری تو مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے لے رکھی تھی، جیسے ہی انھوں نے قربانی ہوجانے کی خبر دی ہم لوگوں نے سر منڈالیا، مولوی عامر نے سب کا سر مونڈا، اور نہا دھوکر عام لباس میں آگئے، اب حج کا ایک رکن طواف زیارت باقی رہ گیا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ دوسرے روز رمی کر کے سیدھے مکہ چلیں گے اور طواف زیارت کر کے واپس آئیں گے، چنانچہ عصر کی نماز پڑھ کر رمی اور مکہ روانہ ہوگئے، حرم میں پہونچے تو مغرب کی اقامت ہورہی تھی، حرم بالکل خالی تھا، اکثر لوگوں نے پہلے دن ہی طواف زیارت کرلیا اس وجہ سے پہلے دن بہت زیادہ بھیڑ تھی، نماز سے فارغ ہوکر طواف شروع کیا گیا، مولانا نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ طواف فرض ہے اس کی حیثیت عام طواف کی نہیں ہے اس کے تمام آداب وشرائط کو حد درجہ ملحوظ رکھو، اور اللہ کی عظمت وکبریائی کا مکمل استحضار رکھتے ہوئے طواف کرو، اس بروقت نصیحت کی وجہ سے پورے طواف میں بہت

خشوع وخضوع رہا، مولانا خود ہمراہ تھے اس لئے بڑی تقویت تھی، عشا سے پہلے طواف سے فارغ ہوئے، اس کے بعد سعی کا مرحلہ تھا وہ بھی بسہولت مکمل ہوا، پھر کھانا کھایا گیا، اس میں رات کے بارہ بج گئے، حضرت مولانا بہت تھک گئے تھے، اس لئے صبح منیٰ واپسی ہوسکی۔ تیسرے روز کی رمی کر کے عصر بعد منیٰ سے نکلے اور ہجوم کا وہ عالم تھا کہ گاڑیاں رینگ رینگ کر چل رہی تھیں، کسی طرح تین چار گھنٹے میں چھ سات کلومیٹر کی مسافت طے کر کے دس بجے قیام گاہ پر پہونچے، بعض لوگوں نے بتایا کہ وہ لوگ رات دو بجے کے بعد قیام گاہ پر پہونچ سکے۔

اللہ کا بے انتہا فضل وانعام رہا کہ حج کے تمام مراحل نہایت سہولت اور خیر وخوبی کے ساتھ ادا ہو گئے، منیٰ سے واپسی کے تیسرے یا چوتھے دن واپسی تھی، ان دنوں میں اس قدر ہجوم تھا کہ عمرہ تو دور کی بات ہے ایک ہی دو طواف کی نوبت آسکی۔ حج کے بعد ایک روز ہمارے دوست مفتی فیض احمد اعظمی کے بھائی الحاج شہنواز صاحب جو ہمارے ہی محلّہ میں تھے تمام رفقاء کی دعوت کی، حسن اتفاق سے حضرت مولانا کے محبّ ومحبوب دوست قاری شبیر احمد صاحب دربھنگوی مدظلہ بھی اس روز ملاقات کیلئے آگئے، ان کو بھی لے کر دعوت میں گئے موصوف نے خاصا اہتمام کیا تھا، **جزاہ اللہ احسن الجزا**

آخر وہ دن بھی آہی گیا جب اذن رحیل سنا دیا گیا، اور ۴۵/دن کا یہ مبارک سفر اپنے اختتام کو پہونچا، حرم میں جا کر دو رکعت نماز ادا کر کے خوب الحاح وزاری سے دعا کی اور دوبارہ حاضری کی التجا کے ساتھ واپس ہوا، بس آگئی سامان رکھا گیا اور بادیدۂ نم بلد امین مکہ مکرمہ سے جدہ کیلئے روانہ ہوئے، ایر پورٹ پہونچ کر عجب افراتفری کا منظر سامنے آیا، معلوم ہوا کہ فلائٹوں کا نظام حد درجہ ابتر ہے، دو روز پہلے سے موجود عازمین حج ابھی تک وطن نہیں جا سکے ہیں، یہ سن کر قدرے پریشانی ہوئی، ہم لوگوں کی فلائٹ دوسرے دن تھی، میں فوراً ایر انڈیا کے دفتر میں گیا اور معلومات کیں، بتایا گیا کہ کچھ دقتیں جن کی وجہ سے نظام گڑ بڑ چل رہا ہے، ہم لوگوں کے قابو سے باہر یہ دقتیں ہیں، میں نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن ایر پورٹ پر جو حجاج بے یار ومددگار پڑے ہیں ان کے لئے کھانے پینے اور دیگر سہولیات کو بہم پہونچانا

یہ تو آپ کے قابو سے باہر نہیں ہے، تو جو آپ کر سکتے ہوں وہ کیجئے، انھوں نے کھانے کے ٹوکن تقسیم کیئے جس کی وجہ سے یہ دقت ختم ہوئی، میں چند لوگوں کے ساتھ مسلسل ایر انڈیا اور حج مشن کے دفتر والوں سے رابطہ میں تھا، پہلے سے موجود حجاج کو شہر میں ہوٹل میں بھیج دیا گیا اور ہم لوگوں کی فلائٹ وقت سے پندرہ سولہ گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوگئی، عشا کے بعد یہ مژدہ سنایا گیا کہ آج ہی رات میں ایک بجے آپ لوگوں کی فلائٹ ہے، عشا بعد سامان لے کر لائن میں لگ گئے اور سامان لگیج کرا کے ویٹنگ ہال میں آئے اور تھوڑی دیر میں بس کے ذریعہ جہاز تک پہونچائے گئے، جدہ ایر پورٹ پر حج کے زمانے میں رن وے پر اتنی تعداد میں مختلف ممالک کے جہاز ہوتے ہیں کہ ہمارے بڑے شہروں میں روڈ ویز پر اتنی بسیں بھی نہیں ہوتی ہیں، دو بجے کے قریب ہمارا جہاز فضا میں بلند ہوا، نیچے جدہ شہر کی روشنیاں بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں، کچھ دیر سوئے صبح جہاز شارجہ پہونچا، یہاں ڈیڑھ گھنٹہ رکنے کے بعد بنارس پہونچا، یہاں کے وقت کے مطابق ۱۲؍ بجے ہم لوگ لال بہادر شاستری ایر پورٹ پر اتر گئے، ایر پورٹ سے نکلتے نکلتے پونے ایک بج گیا، باہر آئے تو گھر کے لوگ استقبال کیلئے موجود تھے، انہیں دیکھ کر دل بھر آیا، خصوصاً اپنے پانچ سالہ بچے عزیزی احمد ضیاء سلّمہٗ کو دیکھ کر، اسے اٹھا کر سینے سے لگالیا، سب لوگوں سے مصافحہ و معانقہ کیا، حضرت مولانا کے محبّ مخلص حاجی منظور صاحب تو حج میں تھے، ان کے لائق فرزند گرامی حاجی محمد صالح اپنے بھائیوں کے ساتھ وافر مقدار میں کھانا لے کر موجود تھے، ظہر کی نماز پڑھی گئی، کھانا کھایا گیا، پھر گھر کیلئے روانہ ہوئے، عشا کے وقت گھر پہونچا، سب کو منتظر پایا، اللہ کا شکر ہے کہ سبھی لوگ بخیر و عافیت تھے، سب کے لئے دعا کی، مصافحہ کیا، اپنے بچے عزیزی محمود ضیاء سلّمہٗ کو جو ابھی تقریباً گیارہ ماہ کا تھا گود میں لیا محسوس ہوا کہ اس عرصہ میں میری صورت اسے فراموش ہو چکی تھی، اجنبیوں کی طرح مجھے تکتا رہا۔ ۲۹؍ اکتوبر کو گھر سے نکلے تھے اور ۱۶؍ دسمبر کو بعافیت تمام گھر پہونچے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس سفر مبارک کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفر حج ١٤٣٢ھ

مولانا محمد عرفات اعظمی

مدینہ منورہ

فریضہ حج کی ادائیگی اور دربار حبیب کی حاضری وہ مقدس جذبہ ہے جو تمام مسلمانوں کے دل میں موجزن رہتا ہے، جس کی تکمیل کو ہر مسلمان زندگی کا ماحصل سمجھتا ہے، جس کی ادائیگی کے لئے سو سو جتن کرتا ہے، اللہ نے اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے اس سیہ کار بندے کو بغیر کسی محنت و مشقت کے حج کی سعادت نصیب فرمائی، اور یہ محض خدا کے فضل اور والد صاحب کی چشم عنایت سے ممکن ہوا، ورنہ عالم اسباب میں حج تو دور تصور حج کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

چند سال قبل والد صاحب نے اپنے تمام بیٹوں کو حج کرانے کا بیڑا اٹھایا تھا، اور یہ کام بحسن وخوبی میرے فریضۂ حج کی ادائیگی پر مکمل ہوا، مجھ سے پہلے میرے پانچ بھائی اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔

میں دارالعلوم دیوبند میں عربی ہفتم میں پڑھ رہا تھا، ششماہی امتحان کے بعد ایک ہفتہ کی رخصت پر گھر آیا تو مژدہ سنا کہ امسال والد صاحب کے ساتھ میرا بھی حج کا فارم بھرا جا چکا ہے، پھر رمضان سے قبل فارم کی منظوری کی اطلاع ملی، اب حج پر جانا یقینی ہو گیا لیکن ابھی دن اور تاریخ کی تعیین باقی تھی، اخیر شوال میں ایک دن بڑے بھائی راشد کا فون آیا کہ

فلائٹ کی تاریخ آج سے تین دن بعد کی متعین ہوگئی ہے، کل ہی مدرسہ سے گھر کے لئے روانہ ہو جاؤ، میں دوسرے دن رخصت کی ضروری کاروائیوں کو پورا کر کے بذریعہ نوچندی لکھنو اور لکھنو سے غریب نواز اکسپریس سے اعظم گڑھ پہونچ گیا۔

ہماری فلائٹ لکھنو سے تھی، ایک دن گھر گزار کر دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد والدہ، بھائیوں، بہنوں، اساتذہ اور احباب سے مل کر کیفیات اکسپریس سے لکھنو کے لئے روانہ ہوئے، ہمارا قافلہ چھ نفوس پر مشتمل تھا، والد صاحب، بڑے بھائی مولوی محمد راشد، حاجی محمد نعمان صاحب، ان کی اہلیہ اور حاجی فضل حق صاحب، حاجی فضل حق صاحب محض والد صاحب کی محبت اور تعلق خاطر کی بنا پر لکھنو پہونچانے جا رہے تھے، ہمارا قافلہ بخیر وخوبی گیارہ بجے رات میں لکھنو اسٹیشن پہونچا جہاں پہلے سے جناب محمد عارف صاحب اور ان کے کچھ ساتھی ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے، ان کے ساتھ ان کے گھر پہونچے، رات وہیں قیام کیا، دوسرے دن بارہ بجے کے قریب حج ہاؤس کے لئے روانہ ہوئے، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کی فلائٹ مغرب کے بعد ہے، عصر کی نماز سے کچھ قبل سامان جمع کرنے کے لئے قطار میں کھڑے تھے کہ وہیں ڈاکٹر محمد اسلم صاحب سے ملاقات ہوئی جو اپنے والدین کے ساتھ حج پر جا رہے تھے۔

مغرب کی نماز سے قبل ضروری کاروائیوں کے بعد ہم لوگوں کو حج ہاؤس سے بذریعہ بس ایر پورٹ کے لئے روانہ کر دیا گیا، ایر پورٹ پر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اس کے بعد جہاز پر سوار ہو گئے، جہاز رن وے کی چکنی سڑک پر تھوڑی دیر پھسلتا رہا اس کے بعد فضا میں تیرنے لگا، تقریباً پانچ گھنٹے کی اڑان کے بعد ہم لوگ مدینہ ایر پورٹ پہونچے جہاں رات کے بارہ بج رہے تھے، ایر پورٹ کی کاروائیوں کے بعد سامان سے لدے پھندے معلم کی بس کے پاس پہونچے، اور ایک گھنٹہ انتظار کے بعد بس قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئی، قیام گاہ پہونچنے کے بعد پیاس کا احساس ہوا پانی کی تلاش میں باہر نکلے، رات کے دو بج رہے تھے ہر طرف سناٹا تھا، چلتے چلتے اچانک نگاہ ایک روشن مینار پر پڑی، پورے جسم میں

ایک برقی لہر سی دوڑ گئی، دل و دماغ انتہاء مسرت سے جھوم اٹھے، راشد بھائی نے بتلایا کہ یہ مسجد نبوی شریف کا مینار ہے، پانی تو نہیں مل سکا لیکن مسجد نبوی کے مینار کی زیارت ضرور حاصل ہوگئی۔

دوسرے دن فجر کی نماز کمرے میں ادا کی گئی، ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد غسل کیا، کپڑے بدلے، اور ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے، قیام گاہ سے مسجد کی مسافت پیادہ پا تقریباً پندرہ منٹ کی تھی، راستہ چلتے ہوئے دل و دماغ میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی، نوع بنوع کے خیالات کا ہجوم تھا، کبھی سوچتا کیا واقعی میں مسجد نبوی میں ظہر کی نماز ادا کرنے جا رہا ہوں یا محض واہمہ اور خواب ہے؟ کیا میرے جیسا گنہگار، سیہ کار، سراپا معصیت بھی مسجد نبوی کی پاک فضا میں سانس لینے کا مستحق ہے؟ کیا میں اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کا مجاز ہوسکوں گا جس کی فضیلت مسجد حرام کے بعد سب سے زیادہ ہے؟ کیا میں اس لائق ہوں کہ اس پاک سرزمین کے مکین کی قدم بوسی کا شرف حاصل کروں؟ جہاں اچھے اچھوں کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں، کس منہ سے روضہ پاک پر حاضری دوں گا؟ کس زبان سے صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش کروں گا؟ کیا میرا منہ، میری زبان، میرا معصیت آلود جسم اس قابل ہے کہ اس بارگاہ پاک میں باریابی حاصل کرسکے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناکام و نامراد لوٹا دیا جاؤں، میری سیہ کاری میری بدبختی کا سبب نہ بن جائے، اگر ایسا ہوا تو کیا کروں گا کہاں جاؤں گا؟ پھر معاً خیال آتا ہے کہ آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں، آپ کا وجود ساری امت ساری دنیا کے لئے رحمت ہے، آپ کی ذات عفو و درگرز، رحم و کرم سے عبارت ہے، آپ تو وہ بحر رحمت ہیں جس میں غوطہ لگانے سے ناپاک وجود پاک ہوجاتا ہے اور سمندر کی پاکی میں کوئی فرق نہیں آتا، انھیں منفی ومثبت خیالات کے ساتھ مسجد پہونچا، ظہر کی نماز ادا کی، سنتوں سے فراغت کے بعد بیٹھا تھا دل پر ایک ہیبت طاری تھی، خوف و ہراس، مسرت و شادمانی کے ملے جلے جذبات موجزن تھے، اتنے میں والد صاحب نے پوچھا حاضری کے لئے کب جاؤ گے؟ اتنا سننا تھا کہ آنکھیں بے اختیار بھیگ گئیں، دل و دماغ بالکل ساکت و منجمد

ہوگئے، زبان گنگ ہوگئی، کیا جواب دوں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، کیا میرے جیسا گنہگار بھی اس لائق ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ اس بارگاہ پاک میں جس کے حاضر باش انبیاء کے بعد سب سے مقدس لوگ رہے ہوں، کب حاضری دوگے؟ تھوڑی دیر بعد جب جذبات قابو میں آئے تو میں نے آہستگی سے عرض کیا کہ جب آپ حاضری کے لئے جائیں گے تو میں بھی ساتھ جاؤں گا، اتنے میں حاجی محمد نعمان صاحب آگئے انھوں نے مژدہ سنایا کہ میں گنبد خضراء کی زیارت کر کے آرہا ہوں، والد صاحب نے کہا کہ تم بھی جا کر دور سے زیارت کرلو، لیکن خوف وہراس کا ایسا عالم طاری تھا اور اپنی سیہ کاریوں کا اس قدر استحضار تھا کہ میں اس کی بھی ہمت نہیں کرسکا، عرض کیا کہ آپ کے ساتھ ہی چلوں گا، والد صاحب نے کہا کہ میں عشاء کی نماز کے بعد جاؤں گا۔

عصر اور مغرب مسجد نبوی میں ادا کی گئی، عشاء کی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو عجیب کیفیت طاری تھی، دل ودماغ قابو سے باہر تھے ہوش وخرد مفلوج سے لگ رہے تھے، کچھ یاد نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور یہ کیا ہو رہا ہے؟ بس اتنا یاد تھا کہ ابھی نماز کے بعد ایک گنہگار، سیہ کار، معصیت کا ٹھیکرا جو بظاہر دین داری کا غازہ چہرے پر ملے ہوئے ہے دنیا کے سب سے پاک سیرت، پاک باز اور راست گو انسان کے دربار میں حاضر ہوگا، اس بندہ گنہگار کا کیا بنے گا؟ کس منہ سے محبوب کبریا ﷺ کے روضہ اطہر کا سامنا کرے گا؟ اسی ادھیڑ بن میں نماز مکمل ہوگئی، سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد والد صاحب کی راہنمائی میں قدم روضہ اطہر کی جانب بڑھے، آنکھیں ضبط کے باوجود بھیگ گئیں، جیسے جیسے روضہ مبارک سے قریب ہوتا گیا ضبط کا بندھن ٹوٹتا گیا، قدم منوں بھاری محسوس ہونے لگے، کیا واقعی میں آج دربار حبیب کی باریابی سے مشرف ہو جاؤں گا؟ کہیں یہ خواب وسراب تو نہیں؟ میں اپنے وجود کو روضہ مبارک کی طرف بڑھتے ہوئے محسوس تو کر رہا تھا لیکن میرے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ میں مسجد نبوی کی پاک ومقدس فضا میں سانس لے رہا ہوں، فداہ ابی وامی اس آقا کی شان کریمی جس کی رحمت ورافت کا کوئی ٹھکانہ نہیں، جو لطف وکرم، عفو ورحم کا اتھاہ

سمندر اپنے دل میں رکھتے ہیں، افضل البشر، سید الانبیاء، حاصل کائنات ہونے کے باوجود ایک بندہ بے دام کو جوان کا امتی ہونے کا دعوی تو کرتا ہے لیکن امت کی روشن جبیں پر ایک کلنک کے ٹیکے سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں ہے، اپنے دربار پاک میں حاضر ہونے کی سعادت مرحمت فرماتے ہیں، اور مزید عنایت یہ کہ درود وسلام پڑھنے کی اور بلدہ طیبہ میں قیام کی مدت میں بار بار اپنے روضہ کی پاک فضا میں حاضری کی سعادت عطا فرماتے ہیں۔

والد صاحب کی راہنمائی میں ڈرتے، کانپتے، تھرتھراتے، گڑگڑاتے، آنسوؤں کو ضبط کرتے، توبہ استغفار کا ورد کرتے جالی کے اس روزن کے سامنے کھڑے ہوئے جس پر اس مقدس ہستی کا نام نامی لکھا ہوا تھا، شرم سے آنکھیں جھکی جارہی تھیں، بے ادبی کے خوف سے پاؤں تھرتھرا رہے تھے، والد صاحب آگے اور میں ان کی پشت کی پناہ لئے پیچھے کھڑا تھا، والد صاحب کے وجود کو ڈھال بنا کر شان اقدس میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا اور روز محشر شفاعت کی درخواست کی، اس کے بعد افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے پہونچے اور اس یار غار کی شان بابرکت میں سلام عقیدت پیش کیا، پھر اس کے بعد خلیفۃ الرسول الثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار عالی مقام میں گلدستہ سلام لیکر حاضر ہوئے، اور پھر چلتے ہوئے باب السلام سے مسجد نبوی کے صحن میں پہونچے، ہوش و حواس کچھ درست ہوئے تو خیال آیا کہ بہت سے لوگوں نے سلام شوق وعقیدت پیش کرنے کے لئے کہا تھا، ان کے سلام تو وفور جذبات میں پیش ہونے سے رہ گئے، پھر سوچا کہ دوسری حاضری میں قرض کی ادائیگی کر لی جائے گی۔

ایک دن مسجد نبوی میں ظہر کی نماز کے بعد قدرے بلند آواز سے تلاوت کر رہا تھا، میرے بغل میں تھوڑی دور پر ایک سوڈانی حاجی بھی تلاوت میں مشغول تھے، میری تلاوت کی آواز ان کے کان میں پڑی تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کچھ کہا، میں نے تلاوت موقوف کر کے ان کی بات سمجھنے کی کوشش کی لیکن زبان یار کے ترکی ہونے کی وجہ سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا، انھوں نے میری پریشانی بھانپ لی اور قرآن کی طرف اشارہ

کیا، میں نے دیکھا کہ سورہ بقرہ کا آخری صفحہ اور سورہ آل عمران کا ابتدائی صفحہ کھلا ہوا ہے، انھوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا، سورہ بقرہ فنیش اینڈ سورہ آل عمران اسٹارٹ، فنیش اور اسٹارٹ سن کر میں ان کا مدعا سمجھ گیا، اور بسم اللہ کرکے سورہ آل عمران ان کے سامنے قدرے بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا، جب میں خاموش ہوتا تو وہ میرے پڑھے ہوئے کا اعادہ کرتے، کبھی میں تیزی سے پوری آیت پڑھ دیتا تو وہ اشارہ سے آہستہ پڑھنے کی ہدایت کرتے، پھر یہ سلسلہ چل پڑا، آپس میں اشارہ سے وقت اور جگہ کا تعین کرلیا گیا، فون نمبر کا بھی تبادلہ ہوگیا، اگر کسی وجہ سے مجھے دیر ہوجاتی تو ان کا فون آجاتا، مدینہ منورہ کے قیام کے دوران پوری پابندی سے ہم دونوں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے، میں پڑھتا جاتا اور وہ اعادہ کرتے رہتے، یہاں تک کہ ان کے قیام کی مدت تمام ہونے تک ہم دونوں نے سورہ توبہ کی تلاوت مکمل کرلی، چونکہ مدینہ منورہ میں ان کی آمد ہم لوگوں سے قبل ہوئی تھی اسلیئے ان کی رخصت بھی ہم لوگوں سے دو دن قبل ہی ہوگئی، آخری نشست میں انھوں نے مکۃ المکرّمہ میں ملنے کی خواہش ظاہر کی اور ہنوز اس سلسلہ کو باقی رکھنے کے لئے کہا، اشارہ کے ذریعہ ملنے کی یہ صورت طے کی کہ وہ تین دن کے بعد مجھ کو فون کریں گے اور ملنے کی جگہ بتلائیں گے، لیکن مکۃ المکرّمہ جانے کے بعد نہ ان کا فون آیا اور نہ ہی میں نے رابطہ کی کوشش کی، اور نہ پھر ان سے دوبارہ ملاقات ہوسکی۔

مدینہ منورہ میں معمول تھا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر تلاوت کرتا تھا، ایک دن بیٹھا بلند آواز سے تلاوت کررہا تھا اور مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، کچھ دیر بعد وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے اور جب تک میں تلاوت میں مشغول رہا وہ بیٹھے رہے، جب تلاوت سے فارغ ہوا تو انھوں نے سلام کرکے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا، اور عربی میں اپنا تعارف کرایا، اسمی آدم عبدالقادر، انا من نائیجیریا، جواب میں، میں نے بھی اپنا نام بتلایا، پھر انھوں نے سوال کیا، اِنتِ حافظ القرآن، میں نے کہا نعم، پھر وہ بہت دیر تک الحمدللہ، بارک اللہ کہتے رہے، اس کے بعد انھوں نے ناشتہ کی دعوت دی اور کہا

کہ آپ ہمارے گروپ میں چلئے جو یہاں سے تھوڑی دور پر بیٹھا ہوا ہے، آپ ماشاء اللہ حافظ قرآن ہیں وہ لوگ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے، اور وہیں ہمارے ساتھ ناشتہ بھی کیجئے، میں نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس وقت قیام گاہ پر جا رہا ہوں جہاں والد صاحب ناشتہ پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے، پھر کسی دوسرے دن موقع ملے گا تو آپ کے ساتھ چلوں گا، یہ کہہ کر رخصت ہونے کی غرض سے میں نے ان کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے قرآن سننا چاہتا ہوں آپ اپنی تلاوت کا وقت اور جگہ بتلا دیجئے میں قرآن سننے کے لئے آجایا کروں گا، میں نے فوراً کہا بہت خوشی کی بات ہے میں فجر کے بعد روزانہ آپ کو یہیں ملوں گا، لطف یہ کہ ان سے ساری گفتگو ان کے اِنتِ والی عربی میں ہوتی رہی، دو تین مرتبہ میں نے صحیح عربی بولنے کی کوشش کی تو وہ سمجھنے سے قاصر رہے۔

ایک دن فجر کی نماز کے بعد قیام گاہ پر آیا تو معلوم ہوا کہ حافظ محمد مسعود صاحب گاڑی لے کر آئے ہیں ان کے ساتھ وادیٔ جن دیکھنے کے لئے جانا ہے، والد صاحب، راشد بھائی، ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور میں گاڑی میں سوار ہو کر وادیٔ جن کے لئے روانہ ہوئے، مدینہ منورہ کی موجودہ آبادی سے کافی ہٹ کر وادیٔ جن واقع ہے، راستہ میں ایک مزرع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے والد صاحب نے بتلایا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی بکریاں چرانے کے لئے لائی جاتی تھیں، یہ مزرع مدینہ منورہ سے کم و بیش پانچ سات کلومیٹر کی مسافت پر ہے، مزرع کی دوری اور اس زمانے کے حالات کو چشم تصور سے دیکھتے ہوئے، حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے، ہم لوگ وادیٔ جن پہونچے، حافظ محمد مسعود صاحب نے بتلایا کہ اس جگہ کا نام اصلاً تو وادی بیضاء ہے لیکن اس کی عجیب و غریب خصوصیت کی وجہ سے لوگ اسے وادیٔ جن کہنے لگے ہیں۔

وادیٔ جن کی عجیب بات یہ ہے کہ کوئی مدور غیر جاندار شئے سطح زمین پر رکھ دی جائے تو وہ خود بخود بغیر حرکت دئے مدینہ کی سمت متحرک ہو جاتی ہے، خواہ وہ شئے وزنی ہو یا

ہلکی، ہم لوگ جس گاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے اس کو حافظ صاحب ڈرائیو کر رہے تھے، انھوں نے کہا کہ دیکھئے میں نے گیئر چھڑا دیا اور اکسلیٹر سے پاؤں اٹھا لیا آپ لوگ رفتار کا کانٹا دیکھتے رہئے تھوڑی دیر میں اسی پر پہونچ جائے گا، اور واقعی ہوا یہی، تھوڑی دیر میں گاڑی بغیر گیئر اور بغیر اکسلیٹر کے مدینہ کی سمت میں اسی کی رفتار میں رواں دواں ہوگئی، پھر انھوں نے گاڑی کا رخ مدینہ کی مخالف سمت میں پھیر دیا اور گاڑی کم وبیش اسی رفتار میں عقب میں جانے لگی، تقریباً چار پانچ کلومیٹر تک گاڑی اسی طرح بغیر انجن کی طاقت کے چلتی رہی، راستہ میں جا بجا ڈھلان اور چڑھائی بھی آتی رہی لیکن اس کی وجہ سے گاڑی کی رفتار پر کوئی اثر نہیں پڑا، یہ تعجب خیز منظر دیکھ کر اس بدیع السموات والارض کی قدرت کاملہ پر یقین پختہ تر ہوگیا۔

مدینہ میں حافظ صاحب کی موجودگی ہم لوگوں کے لئے آرام کے مترادف تھی، بیشتر زیارت گاہوں کی دیدار کا شرف انھیں کی معیت میں حاصل ہوا، انھیں کے ساتھ ایک دن جبل احد کی زیارت، سید الشہداء، اور شہیدان احد رضی اللہ عنہم کی مزارات مقدسہ پر حاضری کی غرض سے گئے، جبل احد کے دامن میں ان پاک نفوس کی قبریں ہیں، جس کو حکومت نے قد آدم دیوار سے ہر چہار سمت سے گھیر دیا ہے، دیوار سے لگ کر کھڑے ہونے پر مزارات مقدسہ کی زیارت ممکن ہوتی ہے، عم محترم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر بالکل وسط میں واقع ہوئی ہے، آپ کی قبر کے علاوہ کسی بھی شہید کی قبر کی نشان دہی حتمی طور سے نہیں کی جاسکتی۔

وہیں دیوار سے لگ کر تمام شہیدان احد اور خصوصاً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ ذی شان میں سلام وفاتحہ کا نذرانہ، عقیدت مندانہ پیش کرتے ہوئے کچھ روئے، کچھ شرمائے، روئے اپنی بدبختی پر، اور شرمائے اپنی مسلمانی پر، ایک وہ تھے کہ جب کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار کرلیا تو اس پر اخیر دم تک قائم رہے اور اس کے انتہائی تقاضوں کو پورا کیا، اپنی جان، مال، عزت، آبرو، آل اولاد، خاندان، قبیلہ سب سے دستبردار ہوگئے لیکن اس کلمہ پر آنچ آنا ان کو گوارا نہیں ہوا، آنچ تو دور کی بات ہے اس پر کفر کی ہلکی سے

ہلکی بھی ظلمت برداشت نہ کر سکے، کفر کے مقابلہ میں اس کلمہ کے لئے اپنا قیمتی سے قیمتی اثاثہ قربان کر دیا، یہاں تک کہ اپنی ناک، اپنا کان تک دے دیا، سینہ چروا کر اپنا دل اور اپنا کلیجہ تک نکلوانا پسند کیا، اپنا مثلہ کروالیا لیکن اس کلمہ کی حرمت اور اس کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو حرز جان بنا کر استوار رکھا اور اس کو پائمال ہونے سے ہر قیمت پر بچایا۔

میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا بعید جب فرشتے میرا سلام لے کر ان کی بارگاہ میں پہونچے ہوں گے تو انھوں نے تعجب سے سوال کیا ہو کہ یہ کون ہے؟ جس کا ٹوٹا پھوٹا سلام آپ لوگ لے کر آئے ہیں، کیا یہ بھی مسلمان ہے؟ کیا اسلام کے ماننے والے ایسے بھی ہو سکتے ہیں؟ اوپر سے ملمع کاری، اندر غلاظت، کیا ایک مسلمان کے ظاہر و باطن میں اتنا فرق ہو سکتا ہے؟ اوپر سے بظاہر دین دار، اور اندر دین نام کی کوئی شئے نہیں، صرف دنیا ہی دنیا ہے، پھر آخری فیصلہ سنائے ہوں کہ ہمارے زمانے میں ایسے منافق ہوا کرتے تھے، کیا اس زمانہ میں منافقین کی صفات مسلمانوں میں بھی در آئی ہیں؟ پھر ایک سرد آہ کھینچی ہو اور مسلمانوں کے نفاق، ذلت و نکبت کو بارگاہ عالی میں بصد الحاح وزاری پیش کیا ہو اور اس سے نجات کی دعا مانگی ہو۔

سلام و فاتحہ کے بعد والد صاحب اور حافظ صاحب گاڑی کی طرف چلے گئے، ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور میں ایک پہاڑی نما چٹان پر چڑھ گئے، تھوڑی دیر میدان جنگ کے متعلق آپس میں گفتگو کرتے رہے اور تخمینہ لگاتے رہے کہ اہل اسلام میدان کے کس طرف رہے ہوں گے اور اہل کفر کس سمت میں، اور وہ پہاڑ کون سا ہوگا جس کی پشت سے کفار مکہ ہزیمت کے بعد حملہ آور ہوئے تھے، اور پھر چٹان سے اتر کر والد صاحب کے پاس پہونچے، والد صاحب اور حافظ صاحب راستہ سے ہٹ کر ایک تختہ پر بیٹھے ہوئے تھے، راشد بھائی اور ڈاکٹر صاحب چائے کی تلاش میں گئے ہوئے تھے، ابھی انتظار کے چند ہی لمحات گزرے تھے کہ سامنے سے گورے، چٹے، سفید فام لوگوں کا ایک مختصر سا قافلہ آتا ہوا نظر آیا، بات ہونے لگی کہ یہ لوگ کہاں کے ہو سکتے ہیں؟ سب نے اندازہ سے ان کے وطن کی نشان دہی کی کوشش

کی، جب قافلہ قریب آیا تو حافظ صاحب نے قافلہ میں سے ایک شخص کو اشارہ سے بلایا، پورا قافلہ ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمارے قریب آ گیا، مشار الیہ کے ہاتھ میں عمدہ قسم کی کھجوروں کی ایک تھیلی تھی، سلام کے بعد اس نے سب سے پہلے کھجور پیش کی، پھر حافظ صاحب نے ان کے وطن کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ازبکستان کے ہیں، جانے سے پہلے پورے قافلہ والوں نے اپنے پیش رو کے اتباع میں ہم لوگوں کو کھجوریں دیں اور سلام کر کے آگے بڑھ گئے، پھر کیا تھا جو بھی گزرتا ہمیں کھجوریں دیتا ہوا آگے بڑھ جاتا، ہم لوگ پریشان الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا ان لوگوں نے راستہ کے کنارے تختہ پر بیٹھنے کی وجہ سے ہم لوگوں کو فقیر سمجھ لیا ہے، یا محض اگلوں کی تقلید میں یہ ایسا کر رہے ہیں، والد صاحب نے کہا جو بھی سمجھ کر دے رہے ہوں، مگر خلوص کے ساتھ دے رہے ہیں، انکار مت کرو لے لو، کوئی حرج نہیں، تھوڑی دیر میں ہمارے پاس کھجوروں کا اچھا خاصا ڈھیر جمع ہو گیا، ایسا بھی نہیں تھا کہ ملی ہوئی کھجوریں ہم لوگ سامنے رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے، بلکہ اس کو رومال میں لپیٹ کر ایک کنارے رکھتے جاتے تھے جو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا کہ مبادا کوئی دیکھ کر یہ گمان نہ کرے کہ ہم لوگ اسی کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں، اس احتیاط کے باوجود لوگ آتے اور کھجوریں دیکر آگے بڑھ جاتے، وہاں بیٹھے رہنے کی مجبوری یہ تھی کہ ابھی تک بھائی صاحب اور ڈاکٹر صاحب چائے لے کر واپس نہیں آئے تھے۔

مدینہ منورہ کے انوار و برکات کا کیا کہنا، یہ شہر تو مامن رسول اور مہبط جبریل ہے، اشاعت اسلام میں اس شہر اور شہر کے لوگوں کا بنیادی کردار ہے، کون مسلمان ہوگا جس کے دل میں اس شہر کی محبت نہیں ہوگی، اس شہر کے انوار و برکات سے فیضیاب ہونا نہیں چاہتا ہوگا، یہ شہر دنیا کی سب سے عظیم ہستی کو اپنی آغوش میں چھپائے ہوئے ہے، یہ شہر، شہر ادب ہے، یہ شہر، شہر علم ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ شہر، شہر رسول ہے، یہاں آیا ہوا ہر کہ و مہ ضیف رسول ہے، یہاں پہونچنے کے بعد ہر شخص ضیافت رسول کا واضح طور سے مشاہدہ کرتا ہے، ہم لوگوں نے بھی مشاہدہ کیا اور خوب کیا، مضیف جب دنیا کی سب سے بڑی ہستی ہو تو اس کی

ضیافت کا کیا ٹھکانہ، نیک ہو کہ بد، چھوٹا ہو کہ بڑا سب پر ان کی ضیافت کا مینہ برستا ہے، ہم لوگ کھانے پینے کے بیشتر لوازمات ساتھ لے کر گئے تھے، لیکن قربان اس سخی ذات کی سخاوت پر ایک دن بھی کھانا پکانے کی نوبت نہیں آئی، جو سامان جیسا بندھا آیا ویسا ہی رکھا رہ گیا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لوگوں کے قلوب ہماری میزبانی کے لئے مسخر کر لئے گئے ہوں، ہر وقت دعوت، لوگ کھانا لئے چلے آرہے ہیں، صبح فجر کی نماز کے بعد قیام گاہ پر پہونچے معلوم ہوا کہ حافظ دلشاد صاحب ناشتہ لئے حاضر ہیں، حافظ دلشاد صاحب شیخو پور کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں کے رہنے والے ہیں، والد صاحب کے شاگردوں اور عقیدت مندوں میں سے ہیں، وہیں مسجد نبوی میں خدمت انجام دیتے ہیں، ہلکے پھلکے جسم کے نہایت متحرک آدمی ہیں، اللہ انھیں خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی موجودگی ہم لوگوں کے لئے باعث رحمت تھی، مدینہ منورہ کے قیام یعنی دس دن پوری مستعدی کے ساتھ ناشتہ لے کر آتے رہے، اور جو دوسری خدمات ہوتیں اس کو انجام دیتے رہے، یہ تو ناشتہ کا معاملہ تھا، رہا کھانا تو کبھی حافظ محمد مسعود صاحب لے کر آرہے ہیں، کبھی مفتی عاشق الٰہی صاحب کے یہاں دعوت ہے، اور اگر کسی دن کہیں دعوت نہیں تو نسیم بھائی کھانا لے کر حاضر ہیں، نسیم بھائی کے یہاں دعوت عدم دعوت پر موقوف تھی، جب کہیں سے کھانا نہ آئے تو ان کے یہاں دعوت رہتی تھی۔

مدینہ شہر درود وسلام ہے، یہاں کا خاص وظیفہ وہ ہے، جو اللہ اور بندوں کے درمیان مشترک ہے، یعنی درود وسلام، چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان کے لئے رحمت اور سلام کی دعا کرو۔

مدینہ پہونچنے کے بعد والد صاحب کی اولین ہدایت یہی تھی کہ یہاں درود وسلام

کی کثرت رکھو، یہاں جو درود پڑھا جائے گا وہ فرشتوں کے توسط کے بغیر براہ راست بارگاہ پاک میں باریاب ہوگا۔

مدینہ منورہ کے معمولات میں درود اور تلاوت کلام پاک کی کثرت تھی، صبح فجر کی اذان سے قبل ہونٹوں پر درود وسلام کا گلدستہ سجائے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہو جاتا، دن درود وسلام اور تلاوت کلام کی مشغولیت میں گزرتا، عشاء کی نماز کے بعد روزانہ اور کبھی کبھار فجر کی نماز کے بعد تقریباً آٹھ بجے روضہ اقدس پر سلام کے لئے حاضر ہوتا، وہیں تھوڑی دیر کسی گوشہ میں بیٹھ کر تلاوت کرتا، پھر صلوۃ وسلام اور دعا کے بعد قیام گاہ پر آ جاتا، عجیب بات یہ دیکھی کہ پہلے دن کی حاضری میں خوف کی جو شدت تھی وہ کیفیت بعد کے دنوں میں باقی نہیں رہی گو کہ سوء ادب کا کھٹکا ہمیشہ لگا رہتا تھا، لیکن اس کے باوجود ایک حاضری کے بعد دوسری حاضری کی خواہش شدید تر ہو جاتی، جی یہی چاہتا کہ دن بھر روضہ کے ارد گرد منڈلاتے رہیں، یہ خواہش عشاق کی کثرت اور ہجوم کی شدت کی وجہ سے دن بھر کے شدید انتظار کے بعد عشاء کے بعد پوری ہوتی تھی، وہاں پر بیٹھنا، تلاوت کرنا، ٹکٹکی باندھے جالی کی طرف دیکھتے رہنا، درود وسلام پڑھنا، یہ سب ایسے اعمال تھے جن سے آتش شوق تیز سے تیز تر ہوتی تھی، یہ ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی اور چہرہ پر شگفتگی پیدا کر دیتے تھے، عشاء کے بعد لوگ طعام وآرام کے لئے قیام گاہ چلے جاتے تھے، ہجوم کی شدت کم ہو جاتی تھی، اطمینان قلب کے ساتھ گھنٹہ آدھ گھنٹہ اس پاک فضا میں بافراغت بیٹھنے، تلاوت کرنے اور درود وسلام پڑھنے کا موقع ملتا تھا۔

روضہ اقدس سے متصل ریاض الجنۃ کی جگہ واقع ہے، جس کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے، ریاض الجنۃ کے داخلی دروازہ پر، **ما بين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة**، کا بورڈ آویزاں ہے، روضہ اقدس کی حاضری کے لئے جاتے ہوئے ہمیشہ اس بورڈ پر نگاہ پڑتی تھی، اور دل میں شدید خواہش اس جنت ارضی میں داخل ہونے کی پیدا ہوتی تھی، اور کبھی کبھار دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر حسرت سے اس سرزمین کی طرف للچائی ہوئی نگاہ

سے دیکھتا بھی تھا، لیکن ہجوم کی شدت کی وجہ سے ہلکی پھلکی کوشش کے باوجود یہ حسرت، حسرت ہی رہ گئی، شرمندہ تعبیر نہ ہوسکی۔

ریاض الجنۃ میں داخلہ پولیس کی نگرانی میں ہوتا ہے، پولیس والے اتنے ہی افراد کو اندر جانے دیتے ہیں جتنے کی گنجائش ہوتی ہے، ہر نئے داخلہ پر ایک شدید قسم کا ہنگامہ ہوتا اور آوازیں بلند ہوتی تھیں، لوگ ریاض الجنۃ کی فضیلت حاصل کرنے میں ریاض الجنۃ کی فضیلت بیان کرنے والی شخصیت کو بھول جاتے تھے، دھکا مکی اور آوازیں بلند کر کے اس ذات کی تکلیف کا سبب بنتے ہیں جن کی راحت رسانی کی فضیلت خود ہزاروں ریاض الجنۃ سے بڑھ کر ہے، جن کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے خود خالق کائنات نے صحابہ کرام کو، لا ترفعوا اصواتکم، کی تعلیم دی ہے، یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ محض ریاض الجنۃ میں داخلہ کے لئے حالانکہ اس میں داخل ہونا کوئی ضروری یا واجب عمل نہیں ہے، اس ذات کے سامنے رفع صوت کیا جائے جن کی ادنی سی تکلیف دہی حبط اعمال کا یقینی سبب ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

اسی طرح کی نامناسب صورت حال روضہ اقدس کے سامنے بھی نظر آتی ہے، لوگ روضہ رسول پر درود وسلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور اصل کام بھول کر کیمروں میں الجھ جاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبادت کے لئے نہیں کسی آثار قدیمہ کے تماشے کے لئے آئے ہیں، کیمروں کے فلش چمک رہے ہیں، تصویر کشی اور ویڈیو سازی ہو رہی ہے، پولیس والے کھڑے دیکھ رہے ہیں، لیکن خاموش ہیں، البتہ اگر کوئی روضہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھائے اپنے معبود سے دعا و مناجات میں مشغول ہو تو ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں، تیزی سے ھذا حرام کا فتوی داغتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہیں، حالانکہ وہ محض تبرک وتوسل کے لئے روضہ کی طرف رخ کرتا ہے، اس کا مقصد رسول خدا سے حاجت

روائی نہیں بلکہ خدائے رسول سے مانگنا ہوتا ہے، کاش حکومت اس کی طرف توجہ کرتی، اس ذات کے سامنے جس نے تصویر سازی کو حرام قرار دیا ہے لوگوں کو کیمرہ بازی کی جسارت سے روکتی، کاش امت اپنے رسول فداہ ابی وامی کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے اس بے ادبی اور عمل کے اکارت کردینے والے کام سے باز آجاتی، کاش اے کاش ایسا ہوجاتا تو ہم لوگ ایک بڑے گناہ اور نقصان سے بچ جاتے، دنیا اور عقبی دونوں جگہ اس کا نفع پاتے۔

روضہ اقدس کی جالی سے متصل گیلری نما ایک مختصر سی جگہ ہے، جس میں پولیس کے لوگ کھڑے رہتے ہیں، اور کبھی کبھی پولیس والوں کے ساتھ جبہ، قبہ، ٹوپی، اور سرسید نما داڑھی والے بھی نظر آتے ہیں، بظاہر ان کا کام حرمت رسول کی پاسبانی، افراتفری اور بھگدڑ سے روک تھام ہے، لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ یہ نام نہاد حرمت کے پاسبان خود سنت رسول کے قاتل ہیں، چہرے سے داڑھی غائب، پتلون پہنے کھڑے ہیں، جس کی دربانی کررہے ہیں اسی کی نافرمانی بھی کررہے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ یہ لوگ مستقل **ھذا حرام، یا اللہ** رح، کا نعرہ بلند آواز سے لگاتے رہتے ہیں، کیا ان کی مستقل چیخ وپکار سوء ادب کے زمرہ میں نہیں آتی؟ کیا اس سے حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہونچتی ہوگی؟ یہ کام زبان کی حرکت کے بجائے ہاتھ پاؤں کی حرکت سے نہیں کیا جاسکتا؟ جیسا کہ حرم مکی اور مطاف وغیرہ کی پولیس کرتی ہے، حکومت نہ جانے کیوں ایسا کررہی کہ در رسول کی دربانی کے لئے ایسے لوگوں کو متعین کررکھا ہے جن سے خوشی حاصل ہونے کے بجائے جناب رسالت مآب ﷺ کی طبیعت مکدر ہوجائے، پتلون گرچہ پولیس کا یونیفارم ہے، لیکن کیا در رسول کے لئے ان کا یونیفارم بدلا نہیں جاسکتا؟ درِ رسول کی پولیس کو فاسقوں کا لباس پہنانے کے بجائے صلحاء کے لباس کا یونیفارم بنانے میں کیا حرج ہے؟ وہاں غیروں کی شکل وصورت والوں کو کھڑا کرنے کے بجائے شرعی شکل وصورت کے لوگوں کو متعین نہیں کیا جاسکتا؟ اسلام میں ستر پوشی کا حکم ہے نہ کہ ستر نمائی کا، اور پتلون کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ وہ ساتر سے زیادہ غماز ہوتا ہے، اے کاش حکومت کی توجہ کوئی اس جانب مبذول کراتا تو سرور کائنات ﷺ کو تکلیف

پہونچنے کی وجہ سے ہم پر طرح طرح کی جو آزمائشیں آرہی ہیں ہم اس سے بچ جاتے اور دنیا و آخرت ہر دو جگہ سرخرو ہوتے۔

مسجد نبوی سے پورب کی جانب مسجد کے احاطہ سے لگ کر جنت البقیع واقع ہے، جس میں بنات رسول، ازواج مطہرات، اجلہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین کرام اور فقہائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آرام فرما ہیں گویا کہ اسلام کے درخشاں ستاروں کا پورا ایک دبستان آباد ہے، ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ اس خاک پاک کی امانت ہے، اس قبرستان سے تمام مسلمانوں کے عقیدت و جذبات وابستہ ہیں، اس کی مٹی اوڑھ کر سونے کی خواہش تمام مسلمانوں کے دل میں مچلتی ہے، ہر مسلمان کے دفن کی خواہش کی تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے، ایسا کیوں نہ ہو نیکوں کی صحبت بذات خود نیکی کے مترادف ہے۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰه یرزقنی صلاحاً

جنت البقیع کا گیٹ چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹہ کے لئے فجر کے بعد کھولا جاتا ہے، مدینہ منورہ کے قیام کے آخری دن حافظ محمد دلشاد صاحب کے ساتھ حاجی محمد نعمان صاحب اور میں جنت البقیع کی زیارت کے لئے گئے، لوگ جوق در جوق اس دبستان علم و آگہی، خزانہ زہد و تقویٰ میں داخل ہو رہے تھے، ہجوم میں ہم لوگ بھی شامل ہو گئے اور اندر پہونچے، گیٹ میں داخل ہونے کے معاً بعد حافظ دلشاد صاحب نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، دل فرط عقیدت میں امنڈ پڑا، آگے بڑھے تو آپس میں ملی ہوئی دو قبروں کی نشان دہی کرتے ہوئے حافظ صاحب نے بتلایا کہ یہ امام مالک اور امام نافع رحمۃ اللہ علیہما کی قبر ہے، سلام و فاتحہ کے بعد آگے بڑھے تو خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، امنڈتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب کو ضبط کرتے ہوئے تھوڑی دیر قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے رہے، پھر متفرق قبروں کی زیارت کرتے ہوئے واپس

لوٹے، یہی معدودے چند قبریں تھیں جن کی حتمی طور نشاندہی حافظ صاحب کر سکے، بقیہ کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی، پھر بھی مجموعی طور پر ایک حد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اس کے اندر کی قبریں پرانے لوگوں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین کی ہیں، اس حد میں جدید تدفین عمل میں نہیں آتی، انھوں نے مزید بتلایا کہ ترکوں کے زمانے میں قبروں پر کتبے لگے ہوئے تھے، مگر نجدیوں نے اپنے دور حکومت میں سارے کتبے نکلوا دئے، نہ جانے کس خدشہ کے تحت انھوں نے ایسا کیا ہے۔

جنت البقیع سے نکلتے ہوئے گیٹ پر ایک دل خراش منظر دیکھنے میں آیا، کچھ سر سید نما داڑھی والے، جبہ وعقال میں ملبوس کھڑے عربی اور اردو میں تقریریں کر رہے تھے اور لوگوں کو زیارت قبور سے منع کر رہے تھے، اب ان کو کون سمجھائے کہ مسلمانوں کو جنت البقیع کی زیارت سے روکنا ان کو ماضی کے ایک قیمتی سرمائے سے محروم کرنا ہے، ان سے کون پوچھے کہ جب نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دی ہے تو آپ کس حق کی بنیاد پر لوگوں کو منع کر رہے ہیں، آدمی جب عبادت اور محبت کے فرق کو نہیں سمجھتا تو اسی طرح کی حرکتیں اس سے سرزد ہوتی ہیں کوئی بھی مسلمان جنت البقیع، غار حرا، یا غار ثور کی زیارت کے لئے جاتا ہے تو محض محبت میں جاتا ہے نہ کہ صاحب غار یا صاحب قبر کی عبادت کے لئے، لیکن یہ لوگ عبادت سمجھ کر اس سے لوگوں کو روکنا شروع کر دیتے ہیں، ان لوگوں کے دل میں محبت کے جذبات ہوں کہ نہ ہوں لیکن اور مسلمانوں کو جن کو واقعۃً اپنے محسنین سے محبت ہے ان کو محبت کے اظہار سے روک کر ان کے دل کو ٹھیس نہیں پہونچانا چاہئے، ویسے بھی کون سی عبادت ہے جو محبت سے خالی ہے، انسان کے قلب میں محبت ہی وہ واحد جذبہ ہے جو محبوب کی ناراضگی کا خوف پیدا کرتا ہے، عابد اپنے معبود کے سامنے پیشانی اور ناک اسی لئے تو رکھتا ہے کہ اس کو اپنے معبود سے محبت ہے، امتی اپنے رسول کی سنتوں کا اتباع اسی جذبہ سے تو کرتا ہے کہ اس کو اپنے رسول سے محبت ہے، عبادت سے اگر محبت منہا کر دی جائے تو محض عبادت کا ڈھانچہ بچے گا، روح مفقود ہو جائے گی، ڈر سے آدمی عبادت تو کر سکتا ہے لیکن روح عبادت

کے لئے محبت از حد ضروری ہے، جب ساری کارفرمائی محبت ہی کی ہے تو اظہار محبت سے روکنا کہاں کی عقل مندی ہوگی، لیکن ان نام نہاد محافظین شریعت کو کون سمجھائے۔

مدینہ منورہ کے قیام کا آخری دن معمول کے مطابق گزرا، عشاء کی نماز کے بعد اصل مسجد نبوی میں تھوڑی دیر تلاوت کی، صلوۃ التوبہ پڑھی، اور درود وسلام کے لئے حاضر ہوا، روضہ اقدس اور مسجد نبوی سے جدائیگی کا احساس شدید تھا، آنسو آنکھوں سے رخسار پر ڈھلک رہے تھے، اور دل یہ سوچ کر بیٹھا جا رہا تھا کہ یہ آخری حاضری ہے، کل اس دربار پاک سے رخصت ہونا ہے، وہیں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اور ٹکٹکی باندھے روضہ پاک کو دیکھتا رہا، سوچا جی بھر کے زیارت کرلوں، کم وبیش آدھ گھنٹہ کھڑا درود وسلام پڑھتا رہا، لیکن وہ محبت ہی کیا جس کی کوئی انتہا ہو، وہ دل کیسا جو روضہ پاک کی زیارت سے سیراب ہو جائے، بڑی مشکل سے رخصتی سلام پڑھ کر واپس لوٹنے کے لئے پلٹا، تھوڑی دور چلا تھا کہ محبت نے جوش مارا ہوش سنبھلا تو اپنے آپ کو اسی ستون کے پاس کھڑا پایا، رویا، گڑگڑایا، معافی مانگی، توبہ کیا، کچھ وعدے کئے، کچھ دعائیں مانگی، شفاعت کی درخواست کی، دوبارہ حاضری کی اجازت چاہی، الوداعی سلام پڑھا، اور دل کو قابو کرتے ہوئے واپس لوٹا، دروازہ کے قریب پہونچا، اچانک دل بے قابو ہو گیا، اور پھر ستون کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، اب کی مرتبہ خوف کا احساس ہو رہا تھا، سوچ رہا تھا کہ بار بار آنا کہیں سوء ادب نہ ہو، لیکن جدائیگی کا غم اور محبت کی شدت سنبھلنے نہیں دے رہی تھی، تھوڑی دیر کھڑا رہا اور آخری سلام یہ سوچ کر پڑھا کہ ادب لازم ہے، بار بار آنے میں بے ادبی اور تکلیف کا امکان ہے، اس مرتبہ چلا جاؤں گا، واپسی کے لئے پلٹا تو پاؤں زمین میں جمے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے، آہستہ قدم سے چلتا ہوا دروازہ سے باہر نکل کر صحن میں کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر گنبد خضراء کو دیکھتا رہا اور پھر مسجد کے حدود سے باہر نکل گیا، اس وقت دل پر جو بیت رہی تھی اس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے زبان وقلم سے بیان کرنا حیطہ قدرت سے باہر ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمان الرحیم

مکہ معظّمہ

مدینہ منورہ سے رخصت ہونے کا وقت معلم کے کارندوں نے صبح آٹھ بجے کا طے کیا تھا، لیکن بس نو بجے کے قریب آئی، سامان وغیرہ نیچے لانے اور بس میں رکھنے میں دس بج گئے، ساڑھے دس بجے بس روانہ ہوئی، بس کی کھڑکی سے میں مدینہ کے بام و در کو دیکھ رہا تھا، تابِ ضبط انتہا پر تھی، بس کسی نے چھیڑا اور آنسوؤں کی جھڑی لگی، کبھی ضبط کا بندھن ٹوٹا تو لوگوں سے چہرہ چھپا کر دو تین قطرے بہا بھی لئے، دل بے قابو، آنکھ رواں ہونے کے لئے بے تاب، ایسا کیوں نہ ہو پہلی زیارت تھی اور پہلی جدائیگی، وصل کے لمحات ایک ایک کر کے ذہن کے خانوں میں گردش کر رہے تھے، اور دل و دماغ میں ہل چل مچا رہے تھے، راشد بھائی سے میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ مدینہ چھوٹنے کا احساس بہت شدت سے ہو رہا ہے، انھوں نے جواب دیا بے شک مدینہ کی جدائیگی تکلیف دہ ہے لیکن منزل مکۃ المکرّمہ ہے جہاں پہونچنے کی خوشی بھی ہے، ان کی یہ بات ان کے حال پر چاہے جس حد تک صادق ہو لیکن میری کیفیت اس سے دیگر تھی، وہ اس سے پہلے دو تین مرتبہ آ چکے تھے، انھوں نے دونوں جگہ کی بہاریں دیکھی تھیں، میرا یہ پہلا سفر تھا اور میں نے صرف مدینہ کے شب و روز دیکھے تھے، اس لئے میری گرویدگی اور میلان طبعاً مدینہ کی طرف زیادہ تھا، یہی وجہ ہے کہ مدینہ سے رخصت کا غم زیادہ تھا، زیادہ کیا صرف غم ہی غم تھا، مکہ کی حاضری کی خوشی دل کے کسی خانہ سے ابھرتی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ چالیس دن کے سفر کو منتظمین نصفا نصف کیوں نہیں تقسیم کر دیتے، تا کہ بیس دن میں خوب اچھی طرح مدینہ کی بہاریں لوٹی جا سکیں، مکۃ المکرّمہ متبرک و مقدس سہی لیکن وہاں کہاں روضہ اقدس کی حاضری اور درود و سلام کی جاں فزا اور بہار آفریں فضا ہوگی، یہ ماحول تو صرف اور صرف مدینہ ہی میں مل سکتا ہے، لیکن مکہ پہونچنے کے بعد احساس ہوا کہ یہ میری سوچ کی خامی تھی، اگر ایک عبادت

مدینہ منورہ میں بے بدل ہے تو ایسی ہی ایک عبادت مکۃ المکرّمہ میں بھی ہے، اگر ایک سے محرومی ہو رہی ہے تو دوسری عنایت سے سرخرو بھی کیا جا رہا ہے۔

بس آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد میقات پہونچ گئی، بس سے اترے غسل کیا، احرام باندھا، دو رکعت نماز پڑھی، اور عمرہ کی نیت کی، ان تمام افعال کو انجام دینے میں کچھ پون گھنٹے کے قریب وقت لگا، دوبارہ بس پر سوار ہوئے اور منزل کی طرف روانہ ہوئے، اب ہم لوگ محرم بھی تھے اور مسافر بھی، ایک طرف کچھ پابندیاں بڑھیں تھی تو دوسری طرف کچھ سہولتیں بھی میسر ہوئیں، ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے کے لئے بس ایک ہوٹل کے پاس رکی جس کے بغل میں مسجد بھی تھی، کھانا کھانے کے بعد طے ہوا کہ آج جمع بین الصلوتین امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق کریں گے، کیوں کہ بس کو مغرب سے پہلے مکۃ المکرّمہ پہونچے کا امکان نہیں ہے اور ڈرائیور سے یہ توقع نہیں ہے کہ عصر کی نماز کے لئے بس کو کہیں روکے گا، چنانچہ وضو کیا اور دو رکعت ظہر اور دو رکعت عصر کی نماز با جماعت ادا کی گئی، نماز کے بعد والد صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ سنایا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ساتھ بھی کبھی اسی طرح کی صورت حال پیش آئی تو آپ نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جمع بین الصلوتین کیا، نماز کے بعد مکشوف ہوا کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی روح حضرت کے اس عمل پر بہت خوش ہوئی ہے، پھر والد صاحب نے مزید فرمایا کہ ایسی نازک صورت حال میں اپنے مسلک سے ہٹ کر کسی دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش حضرت مجدد کے اس عمل سے نکلتی ہے، حضرات ائمہ نے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

کم و بیش ایک گھنٹہ ٹھہرنے کے بعد دوبارہ سفر شروع ہوا، اور مغرب کے بعد مکۃ المکرّمہ کے مضافات میں داخل ہوئے، بہت دور ایک گھڑی نظر آئی راشد بھائی نے بتایا کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی گھڑی ہے، عین حرم کے سامنے ستر منزل کے ٹاور پر بنی ہوئی ہے، کفار مکہ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اپنے مکان کی چھت خانہ کعبہ کی چھت سے احتراماً

نیچی رکھتے تھے، چودہ سو سال پہلے کفار کی کافری یہ تھی اور آج چودہ سو سال بعد مسلمانوں کی مسلمانی کا یہ عالم ہے کہ عین کعبہ کے سر پر ستر منزل کی عمارت مسلط کر دی ہے۔

مکہ میں مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد بس ایک جگہ رکی، بس میں سوار دوسرے حضرات کی یہ منزل تھی، ہمارے قافلہ کی منزل ابھی آگے تھی، ہمارا معلم اور مکتب نمبر دوسرا تھا، لہٰذا یہاں ایک معرکہ سامان کی منتقلی کا درپیش تھا، سامان دوسری بس میں منتقل کرکے منزل کی طرف بڑھے، معلم کی آفس کے سامنے بس رکی معلم کے کارندوں نے ضروری کاروائیوں کی خانہ پری کی، شناخت نامہ اور رات کا کھانا دے کر قیام گاہ کی طرف روانہ کیا، رات کے تقریباً نو بجے ہم لوگ قیام گاہ پہونچے، نماز پڑھی کھانا کھایا، تھکے ہوئے تھے یہ طے کر کے کہ صبح عمرہ کے لئے جائیں گے، سو گئے۔

ہماری قیام گاہ محلّہ عزیزیہ میں تھی جو حرم شریف سے کئی کلومیٹر کی مسافت پر ہے، منتظمین نے بس کی سہولت مہیا کر رکھی تھی جس کی وجہ سے آمد و رفت میں خاصی سہولت تھی، کمرہ سے نکلے سامنے بس کھڑی ہے سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے، کبھی کبھار دس پانچ منٹ بس کے بھرنے کا بھی انتظار کرنا پڑتا تھا۔

دوسرے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد عمرہ کے لئے حرم شریف روانہ ہوئے، مسجد حرام میں باب فہد سے داخل ہوئے ایک سیڑھی اترے، دوسری اترے، تیسری اترے تو سامنے خانہ کعبہ کی پرعظمت عمارت نظر آئی، اطمینان قلب کے ساتھ بغیر ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگی، اور خانہ کعبہ کے دیدار میں محو ہو گئے، لوگ دیوانہ وار اس کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے، کوئی بلند آواز سے دعائیں پڑھ رہا ہے تو کوئی زیر لب دعاؤں کا ورد کر رہا ہے، ہر ایک اپنے حال میں مست، ہر ایک اپنی الگ دنیا بسائے اپنے معبود سے مناجات میں لگا ہوا ہے، انسانوں کا ایک سیلاب اس کالی عمارت کے سحر میں کھویا ہوا بہہ رہا ہے، ہر شخص کی نگاہ اس کالی عمارت کے کالے پتھر پر مرکوز ہے، ہر شخص اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کو چومنے کی خواہش دل میں لئے گزر رہا ہے، جن کو میسر ہے وہ ہونٹوں سے چوم رہے ہیں اور جو دور

ہیں وہ اس کی جانب ہاتھ بلند کر کے اپنے ہاتھوں کو چوم کر آتش شوق کو تسکین دے رہے ہیں، کیا ہے اس کالی عمارت میں؟ اور کیا ہے اس کالے پتھر میں؟ نہ کوئی ظاہری حسن، نہ کوئی آرائش، نہ کوئی زیبائش، نہ رنگ ونور کی بارش، نہ برقی قمقمے، جدید دور کی خوبصورت اشیاء سے عاری یہ عمارت جو فن تعمیر کا شاہکار بھی نہیں ہے، آخر کیوں اس قدر حسین معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اس کے حسن کے سحر میں کھوئے جارہے ہیں پروانے کی طرح اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں، بظاہر سنگ وخشت سے بنی ہوئی ایک چوکور عمارت سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ ظاہر بینوں کی نگاہ دیکھ رہی ہے اہل باطن بتلائیں گے کہ اس سنگ وخشت کی کیا حیثیت ہے؟ اس عمارت کی نسبتیں کتنی ارفع ہیں؟ قبلہ یہی ہے، اولین معبد یہی ہے، معبود کی تجلیات کا مہبط یہی ہے، سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کا مسکن یہی ہے، نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت گاہ یہی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت اور یکسانیت کا مظہر یہی ہے، اس کے علاوہ عظیم ہستیوں اور بڑی حیثیتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اس عمارت کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ان عظیم نسبتوں کے بعد اس عمارت کے لئے ظاہری ٹیپ ٹاپ کیا معنی رکھتی ہے؟ ویسے بھی اس عمارت کا حسن سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔

طواف کے لئے ہم لوگ بھی اس انسانی سیلاب میں شامل ہو گئے، زندگی کی پہلی عبادت تھی، اس سے پہلے اس نوع کی عبادت نہیں کی تھی، کچھ بیت مکرم کی ہیبت، کچھ ناتجربہ کاری، کچھ حواس باختگی، اور کچھ انسانوں کا سیل رواں، یہ سب چیزیں مل جل کر ایسی ذہن پر مسلط ہوئیں کہ جو کچھ طواف کے متعلق ایاز نے پڑھا تھا وہ صاف دل سے نکل گیا، وہ تو خیر خدا کا شکر ہے کہ والد صاحب کی راہنمائی شامل حال تھی ورنہ نہ جانے کیا کچھ کر جاتا، بہر حال والد صاحب کا ساتھ ہونے کی وجہ سے معاملہ قابو سے باہر نہیں ہوا، حجر اسود سے دور ہونے کی وجہ سے استیلام کے لئے ہری لائٹ کا سہارا لینا پڑا، ہری لائٹ کے سامنے پہونچ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے استیلام کیا، اور زندگی کی پہلی عبادت یعنی طواف شروع ہوا، بیچ میں والد صاحب، بائیں طرف راشد بھائی اور دائیں طرف میں، والد صاحب سر جھکائے رمل

کرتے ہوئے چلے جارہے ہیں، میں اس خیال سے کہ والد صاحب کو دھکا نہ لگے دائیں ہاتھ کو کہنی سے موڑ کر دفاعی پوزیشن میں چل رہا تھا، تیسرے شوط میں والد صاحب نے میری اس حرکت کو دیکھا تو فوراً منع کیا کہ اس حالت میں کسی کو دھکا لگنے اور ایذاء پہونچنے کا اندیشہ ہے، طواف تقریباً چالیس منٹ میں پورا ہوا، اس کے بعد مطاف سے نکل کر دو رکعت نماز ادا کی گئی، اور سعی کے لئے مسعی کی طرف چل پڑے، سعی کی پہلی منزل پر پہونچے، والد صاحب کے لئے وہیل چیئر کا انتظام تھا، سعی کا طریقہ، دعائیں اور ضروری ہدایات کے بعد راشد بھائی والد صاحب کو لیکر وہیل چیئر والے حصہ کی طرف چلے گئے، اور ہم لوگ سعی کے پیدل والے حصے میں پہونچے، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے، عمرہ کے سعی کی نیت کی، دعا پڑھی اور سعی کی ابتداء کی، مسعی کے ابتدائی حصہ میں تھوڑی دور چلنے کے بعد ہری لائٹ لگی ہوئی ہے، وہاں سے دوسری ہری لائٹ تک حقیقتاً سعی کی جاتی ہے یعنی دوڑا جاتا ہے، طبعاً مجھ کو بھاگ دوڑ سے مناسبت نہیں ہے لیکن یہاں چند قدم ہی سہی دوڑنے میں جو لطف آیا، اس پر ہزاروں آرام قربان کیا جاسکتا ہے، سعی میں مسلسل پیدل چلنے کی وجہ سے کبھی غفلت بھی طاری ہوجاتی، مگر میلین اخضرین کے پاس آکر ساری غفلت کافور ہوجاتی، کیوں کہ یہاں اس بے تاب ماں کی انتہائی بے تابی کو اپنے اوپر طاری کرنا ہوتا ہے، جس کا بچہ پیاس سے تڑپ رہا تھا، اس وقت اس ماں پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ وہی ماں لگا سکتی ہے جس کا اکلوتا بچہ موت وزیست کے درمیان پڑا جھوجھ رہا ہو، بچہ کی تڑپ اور ماں کی بے تابی رنگ لائی اور خالق کائنات کے حکم سے بچہ کی ایڑی نے وہ کام کیا جس کے لئے مزدور مہینوں محنت کرتے ہیں، ایک بچہ کی ایڑی میں کتنی طاقت ہوتی ہے؟ لیکن جب رب السموات والارض کا حکم ہوا تو اسی ناتواں ایڑی کی ضرب نے ہزاروں کدال کا کام کیا، زمین کے جس حصے نے اس نازک پاؤں کے لمس کو محسوس کیا اپنی چھاتی چیر کر اس پیاسے بچے کے قدموں میں پانی کا چشمہ انڈیل دیا، اس چشمہ صافی سے آج تک سوائے محدود ایام کے متواتر ہزاروں تشنہ لب سیراب ہوچکے ہیں، اور تا قیامت اپنی تشنہ لبی دور کرتے رہیں گے، مشہور ہے رحمت خدا

بہانہ می جوید، اس بے آب وگیاہ لق ودق صحرا میں ایک بچہ اور اس کی ماں کو بھیجنا، بچہ کو پیاس سے تڑپانا، اس کی ماں کو پانی کی تلاش میں سرگرداں کرنا، پھر بچہ کی ایڑی کی ضرب سے چشمہ صافی کا رواں کرنا، اور ماں کی تلاش وجستجو کے طریقہ کو حیات جاوید بخشنا، پھر عظیم باپ کی سر کردگی میں اس بچہ کے ہاتھوں اپنے گھر کی تعمیر کرانا، اور اس گھر کو اپنے انوار وبرکات کا مورد ٹھہرانا، اس گھر کے دیدار اور اس کے اردگرد چکر لگانے میں اتنے زیادہ ثواب کا رکھنا جس کو انسان اگر دوسرے طریقہ سے حاصل کرنا چاہے تو ایک طویل عمر درکار ہو، اور پھر اس گھر میں جابجا اجابت دعا کی جگہیں متعین کرنا، جہاں آدمی کے زبان سے لفظ نکلا نہیں کہ قبول ہوگیا، یہ ساری تمہیدات رحمت سے نوازنے کا بہانہ نہیں تو اور کیا ہے۔

سعی سے فراغت کے بعد مسجد حرام سے باہر نکلے، نائی کی تلاش ہوئی معلوم ہوا کہ سامنے جوتہ خانہ نما عمارت ہے اس میں اور دکانوں کے علاوہ نائی کی بھی دوکان ہے، تلاش کرتے ہوئے سیلون میں پہونچے، والد صاحب نے قصر کرایا بقیہ لوگوں نے حلق کرایا، اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہونے کے ساتھ معتمر بھی ہوگئے، عمرہ کی وارفتگی نے بھوک اور پیاس کے احساس کو دبا رکھا تھا، اب جب تمام ارکان سے فراغت ہوئی تو کچھ کھانے کی فکر لاحق ہوئی، سامنے کی دوکان سے کچھ جوس وغیرہ لیا اور پیٹ کی آگ بجھائی، ادھر پیٹ کی آگ بجھی ادھر سورج کی تمازت نے منڈے ہوئے سروں کو جھلسانا شروع کیا، اور لوگ تو اپنا سر چھپاتے پھر رہے تھے لیکن میرا معاملہ اوروں سے الگ تھا، دس سال کے بعد سر منڈانے کی وجہ سے میرا سر ہر طرح کے احساس سے عاری تھا، سورج کی تپش تو ضرور اس پر بھی اثر انداز ہورہی تھی، لیکن مجھے کچھ محسوس نہیں ہورہا تھا۔

سر اور پیشانی کی سرحد امتیاز پر خط تنسیخ کھینچنے کے بعد قیام گاہ پر آئے، غسل کیا سلے ہوئے کپڑے پہن کر جب آئینہ کے روبرو ہوئے تو آئینہ نے ایک ایسی شکل سے متعارف کرایا جس سے میں پہلے سے روشناش نہیں تھا، اگر یہی صورت وطن میں پیش آئی ہوتی تو نہ جانے کتنے ہاتھوں کی گرمی سر کو محسوس ہوئی ہوتی، کتنے فقرے ہونٹوں سے اڑ کر سر پر چسپاں

ہوئے ہوتے، کتنی محفلوں میں اس سے گرمی پیدا ہوئی ہوتی، اور یہ موضوع سخن بنا ہوتا، لیکن یہاں پر ایسا کچھ نہیں ہوا، کیوں کہ یہاں سارے لوگ وحدتِ الٰہ کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ وحدت اعمال کے حسن سے مزین تھے، پورا ماحول یکسانیت کے جمال سے معمور تھا۔

حج سے پہلے صرف ایک عمرہ کر سکا، طواف روزانہ دو کر لیا کرتا تھا، طواف کرنے میں ہجوم کی وجہ سے خاصا وقت درکار ہوتا، حج سے قبل طواف کرنے میں عموماً ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کا ساتھ رہا، ہم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مطاف میں داخل ہونے سے پہلے ہجوم کی کیفیت کا اندازہ کرتے اگر اندازہ ہوتا کہ بغیر دھکا مکی کے کنارے کنارے بآسانی طواف کیا جا سکتا ہے تو طواف کے لئے اترتے ورنہ تھوڑی دیر انتظار کر لیتے، ڈاکٹر صاحب کو چونکہ بھیڑ سے وحشت ہوتی تھی اس لئے دوران طواف وہ یا تو میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر چلتے تھے، یا پھر میں ان کا ہاتھ پکڑ لیا کرتا تھا، ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اثناء طواف ہجوم کا دباؤ محسوس ہونے لگا تو ہم لوگ بجائے دھکا دینے کے یا کھانے کے خاموشی سے طواف کو درمیان میں ترک کر کے مطاف سے باہر آ گئے، اور ہجوم کے کم ہونے پر طواف کو پورا کیا یا پھر اوپر جا کر بقیہ شوط کو مکمل کیا۔

حجر اسود کو بوسہ دینا تو درکنار حج کے موسم میں اسے دیکھنا بھی خاصا دقت طلب امر ہے خانہ کعبہ کے در و دیوار کو چھونا، مقام ابراہیم کے پاس سے گزرنا، اور حطیم میں نماز پڑھنا یا کم از کم حطیم کو دیکھ لینا یہ ساری چیزیں میرے لئے خواب وخیال کی سی تھیں، کبھی میرے تصور میں بھی ان چیزوں کا گزر نہیں ہوتا تھا، لیکن ایک دن ان چیزوں کا خواب دیکھا اور تعبیر بڑی خطرناک صورت میں سامنے آئی، ہوا یہ کہ ایک دن حکیم قمر الدین صاحب کے ساتھ طواف کر رہا تھا، انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے کسی طرح دیوار کعبہ تک پہونچا دو، ان کی آمد کو ابھی ایک یا دو دن ہوئے تھے، میں ان کے مقابلہ میں قدیم ہونے اور متعدد طواف کرنے کی وجہ سے ان سے زیادہ تجربہ کار تھا، میں نے ان سے کہا کہ طواف کرتے ہوئے لمحہ لمحہ قدم خانہ کعبہ کی طرف بڑھایئے، ان شاءاللہ چوتھے یا پانچویں شوط میں آپ دیوار کعبہ کے

پاس ہوں گے، انھوں نے کہا کہ مجھے ساتھ لیکر یہ کام تمہیں کرو اور خود بھی پہونچو اور مجھے بھی پہونچاؤ، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اسی نسخہ پر عمل کرنا شروع کیا، تھوڑی دیر میں ہم لوگ باب کعبہ کے مقابل دیوار سے جا ملے، حکیم صاحب وہیں دیوار پکڑ کر بیٹھ گئے اور میں دیوار پر ہاتھ رکھے کھڑا دعائیں مانگتا رہا، تھوڑی دیر بعد میں نے حکیم صاحب کو اپنی طرف متوجہ کر کے وہاں سے ہٹنے کے لئے کہا، وہ وہاں سے اٹھنے کو تو اٹھ گئے مگر ابھی ان کی تسکین نہیں ہوئی تھی، مزید فرمایا کہ اب دروازۂ کعبہ کے پاس لے چلو پہلے سوچا کہ انکار کردوں لیکن دیکھا کہ انسانوں کا سیلاب ہے اس میں سے نکلنے کے لئے کم ازکم دوشوط درکار ہیں، مرتا کیا نہ کرتا، دوسروں کی قوت سے، دھکے کھاتے ہوئے آگے بڑھے، حجر اسود کے پاس سے گزر رہے تھے تو اس قدر ہجوم تھا کہ اپنے دفاع کے لئے بادل ناخواستہ ایک دو مرتبہ یہ غیر شرعی عمل بھی کرنا پڑا، دفاع ہی کے لئے سہی مگر بیت اللہ کے سامنے اس طرح کی غیر سنجیدہ حرکت کرتے وقت دل مسوس کر رہ گیا، مگر کیا کرتا حلیہ بچانے کے لئے اس وقت یہ عمل ناگزیر نظر آرہا تھا، خیر خدا خدا کر کے در کعبہ تک پہونچے، وہاں انسانوں کا جم غفیر تھا، رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، میں نے حکیم صاحب کا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کے داہنی طرف کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا، ہمارے سامنے دو آدمی تھے ایک صاحب دیوار تھامے بیٹھے ہوئے تھے، اور دوسرے صاحب اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے، حکیم صاحب قطار میں کھڑے ہوگئے اور میں ان کی بغل میں کھڑا ہوگیا، جب دونوں حضرات نے اپنے دلوں کی بھڑاس اور آنسوؤں کے سیلاب کو دیوار کعبہ میں خوب اچھی طرح جذب کر لیا تو وہاں سے اٹھے، حکیم صاحب نے جگہ خالی پائی تو بے تابانہ اس کی طرف ڈھہ گئے، اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، ایک دو مرتبہ دیوار کعبہ کو ہاتھ بھی لگایا، دل میں شدید احساس جرم تھا، خوف سے بدن کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا، دعا کیا کرتا ڈھنگ سے استغفار کے کلمات بھی نہیں ادا ہو رہے تھے، یا اللہ یہ میں نے کیا کیا؟ تیرے گھر کے سامنے تیرے بندوں کو تکلیف پہونچائی، الٰہی تو اس کا مواخذہ نہ کرنا، یا خدا! آپ تو علیم بما فی الصدور ہیں آپ تو جانتے ہیں کہ اس سے میرا مقصد نہ آپ کے

بندوں کو تکلیف دینا ہے اور نہ ہی آپ کے گھر کی توہین کرنا ہے، خدا یا! یہ میری اضطراری حرکت ہے میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں اور اس کے عدم اعادہ کا پختہ عزم کرتا ہوں، بار الہا! میری توبہ قبول فرما۔

میں شرم سار کھڑا توبہ و استغفار کر رہا تھا، حکیم صاحب دیوار سے چمٹے جا رہے تھے، اور پیچھے ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، کسی طرح حکیم صاحب کو وہاں سے ہٹنے پر آمادہ کیا، اور بقیہ شوط مکمل کر کے دو رکعت نماز پڑھی، دل اندر سے بے چین تھا، قیام گاہ پہونچا تو والد صاحب سے ذکر کیا والد صاحب نے بھی اس حرکت کی مذمت کی، اور فرمایا کہ دوران طواف خانہ کعبہ کی طرف بجز حجر اسود کے دیکھنا، اس کو چھونا بے ادبی ہے، شوافع کے نزدیک اس سے طواف باطل ہو جاتا ہے، اب کیا ہو، جو ہونا تھا ہو چکا، توبہ و استغفار کے سوا تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے، دو رکعت صلوۃ التوبہ پڑھ کر معافی مانگی اور طواف کا اعادہ کیا۔

حج کرنے کے لئے مختلف ممالک سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں، جس میں ہر رنگ اور ہر نسل کے انسان ہوتے ہیں، کالے، گورے، لمبے تڑنگے، مضبوط کاٹھی کے اور انتہائی نحیف ونزار جسم کے، طواف میں عموماً ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے، جس میں مختلف ممالک کے لوگوں کا شریفانہ اور غیر شریفانہ عمل سامنے آتا ہے، عام رجحان یہ ہے کہ سب سے موذی قوم کالوں کی ہے جو مضبوط قد اور کاٹھی کے، ڈیل ڈول کے اعتبار سے اوروں سے ممتاز ہوتے ہیں، میرا جہاں تک تجربہ ہے یہ قوم انتہائی سادہ لوح ہے، یہ لوگ قصداً ایذا رسانی نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان سے ایذاء پہونچنے کا سبب ان کی جسامت ہے یہ لوگ مست ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے چلتے ہیں، چونکہ دوسرے لوگ ان کے مقابلہ میں کمزور ہوتے ہیں اس لئے چلنے میں ان کے ہاتھوں اور جسم کی حرکت دوسروں کے لئے تکلیف کا سبب بنتی ہے، لوگ جلد بازی میں عموماً ان کی جسامت اور ہاتھوں کی حرکت کا شکار ہوتے ہیں، اگر ان کے پیچھے تھوڑے فاصلے سے چلا جائے تو بجائے تکلیف کے آدمی اور دوسرے لوگوں کے ہاتھوں کی تکلیف سے بچ جائے گا، مزید اگر کسی طرح ان کے کندھوں پر

ہاتھ رکھ دیا جائے تو انتہائی سکون سے پورا طواف کیا جا سکتا ہے، اور بڑی سے بڑی بھیڑ کے درمیان سے بغیر کسی الجھن کے نکلا جا سکتا ہے، میرا تجربہ اس قوم کے ساتھ انتہائی خوشگوار رہا ہے۔

حرم مکی میں مدینہ کی طرح مردوں اور عورتوں کا علیحدہ انتظام نہیں ہے، بلکہ مخلوط نظام ہے، یہ اختلاطی نظام متعدد مرتبہ نماز میں پریشانی کا باعث بنا، ایک مرتبہ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور میں حرم شریف کے صحن میں بیٹھے مغرب کی اذان کا انتظار کر رہے تھے، کہ اچانک مفتی محمد راشد صاحب وضو بنا کر جاتے ہوئے نظر آئے، میں نے ڈاکٹر صاحب کو دکھلایا، ڈاکٹر صاحب تیزی سے ان کے پیچھے گئے، اور سلام مصافحہ کے بعد ان کو اپنے ساتھ لے کر آئے، جمعہ کا دن تھا مفتی صاحب نے کہا کہ آج جمعہ کا بابرکت دن ہے، اور مغرب سے قبل کا وقت ہے تھوڑی سی دعا مانگ لی جائے، دعائیں مانگ رہے تھے کہ مغرب کی اذان شروع ہو گئی، اذان کے وقفہ کے بعد تکبیر شروع ہوئی، نماز کے لئے کھڑے ہوئے، تکبیر مکمل ہونے کے بعد ہم لوگ نیت باندھے ہی تھے کہ اچانک دو برقع پوش عورتیں صفوں کے درمیان سے نمودار ہوئیں اور چشم زدن میں ایک ڈاکٹر صاحب کے سامنے اور مفتی صاحب کے آگے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئیں، مجبوراً ہم تینوں نے نیت توڑی، ڈاکٹر صاحب نے ان کو ہٹانے کی کوشش کی اور اپنی نماز کی دہائی بھی دی، لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی، میری بغل میں ایک صاحب نہایت اطمینان سے نیت باندھے گردن گھمائے ہماری بے بسی سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اس خیال سے کہ جب ان کی نماز گردن گھما کر تماش بینی کے باوجود ہو جا رہی ہے تو عورتیں ان کی نماز میں کیوں کر مخل ہو سکتی ہیں، اشارہ سے جگہ کے تبادلہ کے لئے کہا مگر اشارہ کا جواب گردن ہلا کر نفی میں دینے کے بعد وہ ایسے لاتعلق ہو گئے جیسے کہ انھوں نے کچھ دیکھا ہی نہ ہو، اور کبھی ان کی گردن اٹھی ہی نہ ہو، ہر ممکن کوشش کے بعد آخری سبیل یہ نظر آئی کہ کسی طرح سکڑ سمٹ کر ایک آدمی کی جگہ تینوں آدمی کھڑے ہو جائیں، پہلے میں، اس کے بعد مفتی صاحب، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کھڑے ہوئے،

ڈاکٹر صاحب کا ایک ہاتھ اور سینے کا کچھ حصہ محاذات کے زد میں آتا تھا، قیام اور رکوع تو کسی حد تک ٹھیک رہا، مگر سجدہ کا معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا، مفتی صاحب نے ہیئت اصلی سے بڑا سجدہ کیا ان کے پیٹ اور زمین کے درمیان جو خلا تھا اس میں ہم دونوں نے ماتھا ٹیکا، ہاتھ زمین کے بجائے خلا میں یا زمین کے علاوہ جو مناسب جگہ ملی رکھا، خدا خدا کر کے تین رکعت پوری ہوئی، مجھ کو ڈاکٹر صاحب کی نماز کے بارے میں تشویش تھی، مفتی صاحب سے پوچھا، مفتی صاحب نے کہا کہ کامل محاذات نہیں تھا اس لئے نماز ہو جائے گی۔

اس طرح کی صورت ایک مرتبہ اور میرے ساتھ پیش آئی، عصر کی نماز سے قبل طواف کرنے کے بعد میں نماز کے لئے تہ خانے والے حصے میں چلا گیا، جہاں عورتیں زیادہ، مرد کم ہوتے ہیں، سابقہ تجربہ یاد تھا اس لئے ایک ستون کے سامنے بیٹھا، اذان ہوئی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو میری داہنی جانب ایک آدمی کی جگہ خالی تھی، ایک صاحب نے خالی جگہ کی طرف اشارہ کیا میں بے خیالی میں ستون سے ہٹ کر اس خالی جگہ چلا گیا، میرے وہاں سے ہٹتے ہی ایک صاحب مع دو عورتوں کے وہاں آ گئے، خود تو ستون کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عورتوں کو ستون کے بغل میں میرے سامنے کھڑا کر دیا، میں نے ادھر ادھر دیکھا کوئی جگہ خالی نظر نہیں آئی، نماز شروع ہو چکی تھی، میں نے بھی بحالت مجبوری نمازیوں کی سی ہیئت بنائے رکھی، تاکہ بغل اور پیچھے والوں کو میرے بارے میں کسی طرح کا خدشہ نہ ہو، نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب لوگ منتشر ہو گئے تو میں نے نماز کا اعادہ کیا اور آئندہ تہ خانے کے اس حصے میں نماز کے لئے نہ آنے کا عزم کیا۔

حج سے تین دن قبل چھ ذی الحجہ سے بس کی سروس موقوف کر دی گئی، حرم جانے کے لئے کرائے کی گاڑی کرنی پڑتی ہے، ٹیکسی ڈرائیور موقع کا خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہیں، منہ مانگا کرایہ دینا پڑتا ہے ورنہ لے جانے سے انکار کر دیتے ہیں، پانچ ذی الحجہ کے بعد سے حرم کی حاضری موقوف تھی، ایک روز حکیم صاحب نے کہا کہ اہلیہ کو عمرہ کرانے کے لئے کل حرم لے جانا ہے تم بھی ساتھ چلتے تو آسانی ہوتی، میں نے کہا بخوشی میں تیار ہوں کل تشریف

لائیے یہیں سے ٹیکسی کر کے چلیں گے، دوسرے دن حکیم صاحب آئے حرم شریف جانے کے لئے ایک ٹیکسی رکوائی گئی، ڈرائیور سے میں نے پوچھا **بکم ریال تذهب بنا الی الحرم**، اس نے کہا **مأة ریال**، میں نے حکیم صاحب سے کہا کہ سو ریال میں لے جانے کے لئے کہہ رہا ہے، حکیم صاحب نے کہا تم ہٹو میں معاملہ کی بات کروں گا، ڈرائیور سے مخاطب ہو کر بولے کم کرو، اس نے کہا مائۃ ریال، پھر انھوں نے کہا اور کم تو اس نے پھر کہا مائۃ ریال، اسی طرح یہ کم کم کہتے رہے اور وہ مائۃ ریال مائۃ ریال کہتا رہا، میں کھڑا دونوں کی تکرار سے لطف اندوز ہوتا رہا، بالآخر تھوڑی دیر بعد میں نے مداخلت کی اور حکیم صاحب سے کہا کہ یہ ہندوستان نہیں عرب ہے، ہندوستان میں کم کے معنی، کمی کرنے کے آتے ہیں، یہاں کم کے معنی کتنا کے ہیں، آپ جو کم کہہ کر کرایہ کم کرا رہے ہیں، اس کو یہ عربی کا کم سمجھ کر کرایہ بتلا رہا ہے، عافیت اسی میں ہے کہ چپ چاپ سو ریال میں چلے چلئے کمی بیشی کے چکر میں نہ پڑیئے، لطف یہ کہ پہلے میں نے بعینہٖ اسی طرح کا ایک واقعہ سنا تھا، آج بچشم خود اس واقعہ کے اعادہ کا مشاہدہ کر رہا تھا اور لطف لے رہا تھا۔

غالباً آٹھ ذی الحجہ کی رات تھی، ہم لوگ سو رہے تھے، دفعتاً دو بجے رات میں کسی نے دروازہ زور سے کھٹکھٹانا شروع کیا، دروازہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ معلم کے کارندے ہیں، کل شام میں منی جانا ہے اس لئے منیٰ کے سلسلہ میں ہدایات دینے، خیمہ نمبر، حلقہ نمبر بتلانے، چائے کی پیالی اور حلقہ کا داخلہ پاس تقسیم کرنے آئے ہیں، اس بے وقت مداخلت اور کاروائی پر طبیعت میں تکدر تو ضرور پیدا ہوا، لیکن نیند کے غلبہ نے اس تکدر پر تھوڑی دیر میں قابو پالیا۔

صبح معلوم ہوا کہ منی جانے کے لئے مغرب کے بعد کا وقت طے ہوا ہے، عصر کی نماز کے بعد منی جانے کی تیاری شروع ہوئی، نہائے، دھوئے، سامان رکھا، مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد احرام باندھا، خوشبو لگائی، دو رکعت نماز پڑھ کر حج کی نیت کی اور بس کا انتظار کرنے لگے، مغرب کے بعد کا وعدہ وفا نہ ہوسکا، عشاء کی اذان ہوگئی، عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سامان وغیرہ نیچے اتارا گیا، اور مزید انتظار کے لئے سڑک کے کنارے چٹائی

بچھا کر بیٹھ گئے، خدا خدا کر کے انتظار کی مدت ختم ہوئی اور ایک گھنٹے کے بعد بس آئی، سارے لوگ باہر بیٹھے یا کھڑے انتظار کر رہے تھے، اس لئے سب لوگ اولین ترجیح اپنے آپ کو دے رہے تھے اور پہلے میں، کے نسخہ پر عمل کر رہے تھے، ہم لوگوں نے والد صاحب کی ہدایت پیش نظر کنارے ہی رہنے میں عافیت دیکھی، بسیں آتی رہیں رخصت ہوتی رہیں، تا آنکہ آخری بس آئی، آدمی کم تھے اس لئے بغیر کسی مزاحمت کے اطمینان کے ساتھ ہم لوگ سوار ہوئے، اور لبیک کی صدا بلند کرتے ہوئے منی کی طرف روانہ ہوئے، منی پہونچے وہاں معلم کا آدمی موجود تھا، خیمہ نمبر دیکھا اور خیمہ تک راہنمائی کی۔

خیمہ میں داخل ہوئے تو عجیب سماں دیکھا، پتلا سا بستر، چھوٹا سا تکیہ، ایک عدد چادر نہ سامان رکھنے کی جگہ ہے نہ چپل اتارنے کی جگہ، اور اسی تنگی میں پانچ دن رہنا ہے، یا خدا کیسے گزر ہوگا، بستر کی چوڑائی کا یہ عالم ہے کہ معتدل جسم کا آدمی اگر پشت زمین پر لگا کر سوئے تو اس کا دونوں ہاتھ بغل والوں کے ہاتھ پر یا بستر پر ہوگا، تکیہ کی لمبائی سر سے تھوڑی زیادہ تھی، چادر عمدہ تھی، وقتی طور پر اس صورت حال کو دیکھ کر تھوڑی سی ذہنی کلفت ہوئی، اور یہ بھی خیال آیا کہ اتنی تنگ جگہ میں کیوں کر گزارا ہوگا، وہ بھی ایک دن نہیں پانچ دن، لیکن بعد کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ یہ خیال محض وسوسہ اور خام خیالی تھی، جگہ کی تنگی کے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ کسی طرح کی کوئی دماغی الجھن یا جسمانی پریشانی نہیں ہوئی، یہ خدا کا خاص فضل منیٰ میں اپنے بندوں کے ساتھ تھا۔

دوسرے دن عرفات جانا تھا رات اطمینان سے سوئے، صبح فجر کی نماز باجماعت خیمہ میں ادا کی گئی، اور سات بجے بس کی طرف روانہ ہوئے، یہاں بھی بسوں پر سوار ہونے میں لوگوں کا رویہ وہی تھا جس کا پچھلی رات مشاہدہ ہوا تھا، تھوڑی دیر انتظار کے بعد ہم لوگ بھی کسی طرح ایک بس میں سوار ہوئے، اور اگلی منزل یعنی عرفات کے لئے روانہ ہوئے، بس منزل کی طرف رواں دواں تھی، نگاہ گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھی، اور دماغ مختلف خیالات کے تانے بانے بن رہا تھا، مختلف نوع کے تصورات عرفات کے متعلق آ جا رہے

تھے، ذہن خیالات کی تیز رفتاری کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، ابھی لمحہ موجودہ کے بارے میں سوچ رہا ہے کہ اچانک دوسرے پل چودہ سو سال پیچھے پہونچ کر ماضی کی مسحور کن فضاؤں میں کھو گیا، چشم تصور نے وہ سارے منظر دکھلانے شروع کردیئے، آقائے کائنات ﷺ اونٹی پر سوار ہیں، آپ کے اردگرد سوا لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے، آپ دین مبین کے تکمیل کی بشارت لوگوں کو سنا رہے ہیں، کالے گورے، عربی عجمی کا فرق دلوں سے مٹا رہے ہیں، فضیلت و برتری کا معیار تقوی کو قرار دے رہے ہیں، رنگ ونسل کی دیواروں کو منہدم فرما رہے ہیں، مساوات و انسانیت کا درس دے رہے ہیں، آج کے بعد نہ کوئی آقا ہوگا نہ کوئی غلام، نہ کوئی عربی ہوگا نہ کوئی عجمی، نہ کوئی کالا ہوگا نہ کوئی گورا، نہ کسی کو حسب ونسب کی بنیاد پر برتری حاصل ہوگی اور نہ کوئی مملوک ہونے کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوگا، آج نسلی اور خاندانی عصبیت کا خاتمہ ہوگیا، کسی کو ہاشمی ہونے کی وجہ سے نہ کوئی چھوٹ حاصل ہوگی اور نہ ہی کوئی قریش کا غلام ہونے کی وجہ سے ظلم کے شکنجہ میں کسا جائے گا، آج ساری مصنوعی تقسیمیں انسانیت کی وحدت میں ضم ہوگئیں، آج سارے لوگ مواخاۃ کی ڈور میں پرودئے گئے ہیں، آج ہر انسان ایک آدم کی اولاد اور ایک خدا کا بندہ ہے، آج سارے مصنوعی خداؤں اور انسانوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ دی گئیں، اور خدائے وحدہ لاشریک لہ کی غلامی کے سائے میں سارے لوگ آگئے ہیں، آج کے بعد زمین پر صرف ایک خدا کی پرستش کی جائے گی صرف اسی کا حکم لائق تعمیل ہوگا، صرف اسی کی فرمانروائی اور فرماں برداری ہوگی۔

کتنا دلفریب وسحر آمیز منظر ہے، کتنا متبرک ومقدس مجمع ہے، چشم فلک نے نہ تو ایسا بابرکت، پرعظمت، اور تقدس سے بھرپور مجمع ازل سے دیکھا ہے اور نہ تا ابد دیکھے گا، سطح زمین نے ایسے مقدس نفوس کے قدموں کی چاپ اپنے اوپر محسوس کی تھی اور نہ آئندہ اس کو یہ فخر حاصل ہوسکے گا، ان نفوس قدسیہ کی برکت سے وہ جگہیں بھی بابرکت ہوگئیں، جہاں ان کے قدم پڑے، اور وہ فضائیں بھی پاکیزہ ہوگئیں جہاں انھوں نے سانسیں لی، یہ لوگ دنیا کے لئے لائق تقلید نمونہ ہیں جن کی خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی نگرانی میں تربیت کی تھی،

آج دنیا جس امن وامان کی تلاش میں سرگرداں ہے کاش اس کو معلوم ہوتا کہ وہ امن ان کے نقوش قدم میں تلاش کرنے سے ملے گا، نہ کہ دانشوری کے ڈھکوسلوں میں ملے گا۔

منی سے روانہ ہونے کے تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ہم لوگ عرفات پہونچے، خیمہ میں گئے تو معلوم ہوا کہ خیمہ بھر چکا ہے، بغل والا خیمہ خالی تھا اس میں پڑاؤ ڈال دیا، بغیر کچھ کھائے پیئے چلے تھے منزل پر پہونچ کر جب قدرے اطمینان ہوا تو پیٹ اور حلق نے تقاضا شروع کیا، باہر نکل کر ہوٹل تلاش کیا تو دور دور تک ہوٹل نام کی کوئی شئے نظر نہیں آئی، البتہ ایک جگہ کچھ گرم پانی کی بوتلیں دستیاب ہوگئیں، جس کو لے کر واپس خیمے میں آئے، بھوک دم بدم مائل بہ ترقی تھی جس کے علاج کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، غیبی مدد کا انتظار تھا کہ اچانک حاجی نعمان صاحب نے اپنے جھولے کو کھولا اور اس میں سے دانہ اور خستہ نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا، منی سے نکلتے وقت ہم لوگوں نے ان کو دانہ اور خستہ عرفات لے جانے سے بڑی سختی سے منع کیا تھا، کہ خواہ مخواہ ایک بوجھ رہے گا، لیکن انھوں نے ہم لوگوں کی بات نہ مان کر ایک طرح سے ہم لوگوں پر احسان کیا، دانہ اور خستہ کے ساتھ انصاف کر کے بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ آئے دوپہر کا کھانا اور مزدلفہ کا ناشتہ دے گئے، کھانے میں مرغ کی بریانی تھی، سعودی عرب میں مرغ ذبح کرنے کی عام آدمیوں کو اجازت نہیں ہے، حکومت مسلخ سے ذبح شدہ مرغ دوسرے ممالک سے برآمد کرتی ہے، اس لئے اس کے مشکوک ہونے کی وجہ سے ہم لوگوں نے احتراز کرنے ہی میں بہتری سمجھی، ابھی دوسری قسط کھانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مفتی عبدالرحمان صاحب اور ان کے ایک پاکستانی دوست ہم لوگوں کو تلاش کرتے ہوئے آپہونچے، انکے ساتھ کچھ پھل وغیرہ تھے ان پھلوں کو بھی شریک طعام کیا، اس طرح قسطوں میں پیٹ کی آگ بجھی۔

وقوف عرفہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، زوال سے کچھ قبل وضو وغیرہ سے ہم لوگ فارغ ہوگئے، زوال کے بعد ظہر کی نماز با جماعت ادا کی گئی سنتوں سے فراغت کے بعد والد صاحب نے کچھ دعائیں پڑھنے کے لئے بتلائیں، کھڑے ہو کر دعاؤں کا ورد

کرتے رہے، پھراس کے بعد والد صاحب نے اجتماعی دعا کرائی، دعا کے بعد سب لوگ آزاد تھے جس کا جہاں جی چاہے جا کر وقوف کرے دعائیں مانگے،

ہمارا خیمہ قدرے بلندی پر تھا، خیمہ کے سامنے جالی لگی ہوئی تھی، جا بجا نیچے اترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھی، خیمہ سے قریب کی سیڑھی کے پاس جالی سے پشت لگائے میں کھڑا تھا سامنے سے ایک معمر آدمی حیران و پریشان پسینہ سے شرابور میرے پاس آئے اور ہاتھ کا پٹہ دکھلا کر کہا کہ گھنٹوں سے اپنا خیمہ اور ساتھیوں کو تلاش کر رہا ہوں، اب ہاتھ پاؤں جواب دے رہے ہیں ممکن ہو تو آپ میری مدد کر دیجئے، اور مجھے میرے ساتھیوں تک پہونچا دیجئے، میں نے ان سے پوچھا کہ ساتھیوں میں سے کسی کا موبائل نمبر آپ کے پاس ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، میں نے دل میں سوچا کہ بزرگ آدمی ہیں ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہیں، ادھر یہ پریشان ہیں ادھر ساتھ والے پریشان ہونگے، منی میں عرفات کے خیمے کے متعلق راشد بھائی اور میں نے جو معلومات بہم پہونچائیں تھی اس کی مدد سے تھوڑی سی دقت کے بعد میرے لئے ان کو منزل تک پہونچانا ممکن ہے، کیوں نہ کوشش کر کے دیکھوں، اگر ان کے خیمہ تک نہ بھی پہونچ سکے تو کم از کم جتنی دیر میں ان کے ساتھ رہوں گا ان کے دل کو کچھ نہ کچھ اطمینان رہے گا، ہوسکتا ہے اسی درمیان ان کے دل سے میرے لئے کوئی دعا نکل جائے، یہاں عرفات میں نیکیوں کا ذخیرہ ہی تو جمع کرنے آئے ہیں جب نیکی کا موقع خود چل کر آرہا ہے تو اسے کیوں چھوڑا جائے، یہ سوچ کر میں ان کو ساتھ لیکر چل پڑا ان کے خیمہ کا نمبر کیا تھا اب یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ انکے خیمہ سے ایک نمبر پہلے والے خیمہ تک بآسانی پہونچ گئے اندازہ یہی تھا کہ اسی کے اردگرد کہیں ان کا بھی خیمہ ہوگا، اس کے گرد و پیش متعدد چکر لگانے کے باوجود ان کے خیمہ کا سراغ نہیں مل سکا، سامنے سیڑھی تھی اس پر اس غرض سے چڑھنے لگا کہ ہوسکتا اوپر پہونچنے کے بعد ان کا خیمہ کہیں نظر آجائے، سیڑھی کی چڑھائی جیسے ہی ختم ہوئی داہنی طرف ان کے خیمہ کا نمبر نظر آیا، دل خوشی سے اچھل پڑا، ان کو لیکر اندر گیا تاکہ ان کو ان کے ساتھیوں کے سپرد کردوں، مگر اندر داخل ہونے کے بعد انھوں

نے کہا کہ یہاں میرے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں ہے، میں نے کہا آپ یہیں بیٹھئے ممکن ہے وہ آپ کو تلاش کرنے باہر گئے ہوں تھوڑی دیر میں واپس آجائیں، میں ان کو وہیں بیٹھا کر باہر نکلا، تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک بوڑھی عورت ملیں کہنے لگیں بیٹا میں وضو کرنے باہر نکلی تھی ایک گھنٹہ ہوگیا یہیں گھوم رہی ہوں خیمہ نہیں مل رہا ہے میں نے دل میں کہا چلو آج قسمت اچھی ہے نیکی کے مواقع خود آگے بڑھ کر آرہے ہیں، آج کے اس متبرک دن اور متبرک میدان میں گمشدہ لوگوں اور پریشان حالوں کی مدد کر کے خوب دعائیں حاصل کرلو یہی تمہارے لئے دنیا و آخرت کا ذخیرہ ہونگی، میں نے انکے پٹہ پر بلڈنگ نمبر دیکھا اور سامنے کے خیمے کا نمبر دیکھا، خدا کا شکر تھا کہ خاتون دور نہیں نکلی تھیں، قریب ہی ان کا خیمہ تھا جو بسہولت مل گیا، ان کو خیمہ کے دروازہ پر پہونچا کر اور ان کی دعائیں لیکر اپنے خیمے کی طرف پلٹا، پہونچا تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، عصر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر اسی جگہ جہاں وہ معمر آدمی ملے تھے جا کھڑا ہوا، دعائیں مانگی، رویا گڑگڑایا، اور پھر تھوڑی دیر بعد خیمہ میں آگیا، کچھ دیر بعد پھر طبیعت مچلی اور وہیں جا کر دعاؤں میں مشغول ہوگیا، خوب دل کھول کر دعائیں مانگیں، اپنے لئے، والدین کے لئے، اساتذہ کے لئے، بھائیوں کے لئے، دوست واحباب کے لئے، مانگنے میں بھی اتنا لطف ہے اس کا اندازہ اس سے پہلے نہیں تھا، یہ مانگ لو، وہ مانگ لو، یہ دعا بڑی اہم ہے اس کو مکرر مانگ لو، یہ تو اس سے بھی زیادہ اہم ہے اس کو مکرر نہیں، سہ کرر بلکہ دیر تک اسی کو مانگتے رہو، فلاں دعا معلوم نہیں مانگی کہ نہیں مانگی چلو اس کو بھی مانگ لو، ذہن نے جہاں تک ساتھ دیا سب کچھ مانگ لیا، سیری نہیں ہو رہی ہے، اندر سے ہل من مزید کی صدا آرہی ہے، ذہن مزید یاد دلانے سے عذر کرتا ہوا نظر آتا ہے، چلو کوئی بات نہیں آنسو تو ساتھ دے رہے ہیں، جب تک یہ بہیں خاموشی کے ساتھ ہاتھ اٹھائے انھیں کو بہاتے رہو، آنسوؤں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا، شدید عجز کا احساس ہے دینے والا دینے کو تیار ہے لیکن ذہن و دماغ مزید کچھ یاد دلانے سے عاجز ہیں، بندہ کی دعائیں، التجائیں، آرزوئیں، درخواستیں محدود ہیں، خدا کی نوازشیں لامحدود ہیں، بندہ کی ایک انتہا ہے، خدا کی

ذات لامتناہی ہے، بندہ کہیں نہ کہیں عاجز و بے بس ہو جاتا ہے، خدا کی ذات عجز و بے بسی سے ماوراء ہے، ہمارا کام مانگنا ہے مگر ہم مانگتے مانگتے تھک جاتے ہیں، ان کا کام دینا ہے مگر ان کو دینے سے تھکنا کیا معنی، جو ہم نہیں مانگتے وہ بھی عطا کر دیتے ہیں، کیا ٹھکانہ ہے اس ذات کی رحمانیت اور رحیمیت کا، سچ ہے وہ ذات اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتی ہے۔

غروب شمس تک وقوف کا وقت ہے اس کے بعد مزدلفہ کے لئے کوچ کرنا ہوتا ہے، سورج کے غروب ہونے سے قبل ہی ہم لوگ خیمہ سے نکل گئے، ہمارے خیمہ سے میدان عرفات کا دوسرا سرا خاصے فاصلے پر تھا، ابھی ہم لوگ عرفات ہی میں تھے کہ سورج غروب ہو گیا، مگر مغرب نہیں پڑھی گئی کیوں کہ مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کا حکم ہے، راستہ میں ایک جگہ رک کر چائے پی گئی اور مسجد نمرہ کے پاس ایک قافلہ کے انتظار میں اور آرام کی غرض سے ٹھہرے، ہمارے ساتھ مفتی عبد الرحمان صاحب غازی پوری تھے، مذکورہ قافلہ غازی پور کا انھیں کے متعلقین کا تھا، اس قافلہ میں متعدد حضرات تھے جن میں سے اب دو کے نام یاد ہیں، ایک مولانا انس حبیب صاحب غازی پوری، اور دوسرے مولانا معاویہ صاحب کمپیر گنج، جب یہ لوگ آ گئے تو دوبارہ سفر شروع ہوا، عرفات میں جہاں ہمارا قیام تھا وہاں سے مزدلفہ کی مسافت تقریباً چودہ کلومیٹر تھی، اور یہ مسافت پا پیادہ طے کرنی تھی، اس سے پہلے کبھی اتنا پیدل چلنے کا تجربہ نہیں ہوا تھا، یہ پہلا تجربہ تھا اور خوشگوار تجربہ تھا، اس آبلہ پائی کی لذت پوری زندگی نہیں بھولی جا سکتی، بالکل دیوانوں کی سی حالت تھی، بغیر سلی ہوئی لنگی باندھے، چادر گلے میں لپیٹے، مجنونانہ چلے جا رہے ہیں، پہلے پڑھا تھا کہ حج ایک عاشقانہ عبادت ہے، اب اس کے عاشقانہ ہونے کا تجربہ ہو رہا تھا، معبود جو کہ محبوب بھی ہے اس کا ایک اشارہ پا کر لاکھوں عشاق ایک صحرا سے دوسرے صحرا کی طرف نکل پڑے، سب ایک ہیئت اور ایک حالت میں، سب کا سمت سفر ایک، سب کا مقصد ایک، اس قدر اتحاد و یگانگت زندگی کے دوسرے شعبوں میں شاید ملے، نہ کسی کو بُعدِ مسافت کا شکوہ، اور نہ ہی صعوبت سفر

کی شکایت، مست اور مگن سب لوگ چلے جا رہے ہیں اور تھکتے تھکاتے منزل پر پہونچ رہے ہیں۔

ہم لوگ اپنے خیمہ سے نکلے تو چھ آدمی تھے، مسجد نمرہ کے پاس غازی پور کا مذکورہ قافلہ ملا، جو تقریباً آٹھ افراد پر مشتمل تھا، اس طرح چودہ پندرہ آدمیوں کا قافلہ تشکیل پا کر مزدلفہ کی طرف باہمی معاونت کے ساتھ روانہ ہوا، ہاتھ میں سامان اور راستہ طویل اور اتنا طویل کہ عام حالت میں اتنی مسافت پا پیادہ طے کرنے میں اچھے اچھے تومند نوجوان کو پسینہ چھوٹ جائے، لیکن یہ خاص حالت اور خاص کیفیت کا وقت تھا، اس لئے کوئی قابل ذکر مشقت نہیں ہوئی، لیکن پھر بھی ایک معرکہ تھا خصوصاً والد صاحب کے لئے جو مسلسل علیل چل رہے تھے، یہ خدا کا فضل وانعام ہی تھا کہ جس نے مرد ضعیف و بیمار کو ہمت جواں عطا فرمائی تھی، والد صاحب کے لئے اگر چہ وہیل چیر کا انتظام تھا اور وہیل چیر کو چلانے کے لئے مفتی عبدالرحمان کی صورت میں ایک مرد جفاکش کی خدمات حاصل تھیں، لیکن وہیل چیر کوئی ایسی آرام دہ چیز نہیں ہے کہ جس پر بیٹھ کر پانچ گھنٹے کا طویل سفر ایک بیمار آدمی بسہولت طے کر لے، حیرت ہوتی ہے خداوند تعالی کے انتظامات پر کہ ایسے نازک وقت میں ایک بیمار کو کیسا عزم جواں عطا فرماتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اس سے دوگنا جواں عزم رکھنے والے کو اس کی خدمت پر مامور فرماتے ہیں، یہ محض خاص عطیہ الٰہی تھا کہ مفتی عبدالرحمان صاحب کا مزدلفہ کے سفر میں ساتھ تھا، صد آفریں اس جفاکش مرد مومن کے جذبہ خدمت پر جو راستہ کا بیشتر حصہ اپنا سامان اٹھائے والد صاحب کی وہیل چیر چلاتا رہا، اگر مفتی صاحب نہ ہوتے تو محض راستہ کی لاعلمی ہی ہم لوگوں کی پریشانی کے لئے کافی تھی، اور دوسری صعوبتوں کا ذکر کیا۔

رات کے تقریباً گیارہ بجے ہم لوگ مزدلفہ پہونچے، تھکے ماندے تھے مختصراً مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی گئی، اور سو گئے، مزدلفہ میں چونکہ صرف ایک رات قیام ہوتا ہے، اس لئے خیموں کا انتظام نہیں ہے، کھلی فضا میں آسمان کے نیچے کنکروں کے اوپر سونا ہوتا ہے، سرد ہواؤں کے جھکڑ چلتے ہیں اس پر مستزاد احرام کی حالت، سردی کا شدید احساس ہوا

مگر لمبی مسافت طے کرنے کی وجہ سے جسم بالکل چور ہو گیا تھا، اس لئے سردی نیند میں مخل نہیں ہوئی، صبح فجر کی نماز کیلئے اٹھا بلکہ اٹھایا گیا، استنجاء وضو کیلئے قریب کے **دوراۃ المیاہ** (حمام) گیا، خیمہ وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے واپسی میں گم ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے قریب میں کھڑی ایک دو بس اور چھوٹے چھوٹے خیموں کو بطور علامت ذہن میں رکھ لیا، وضو سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹا تو ساری علامتیں غائب تھیں پریشانی ہوئی کہ اب کدھر جاؤں، راشد بھائی کو فون کیا اور ایک پائیدار علامت بتلا کر کہا کہ فلاں جگہ ہوں، راستہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، آکر مجھے لے جاؤ۔

وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، راستہ کھو جانے کی وجہ سے اچھا خاصا وقت اسی میں صرف ہو گیا، اس لئے وقوف کا وقت کم ہی ملا، مگر جو ملا اسی کو غنیمت سمجھ کر دعائیں وغیرہ کیں طلوع آفتاب کے بعد کنکریاں چنی گئیں اور مزدلفہ سے منی کے لئے روانہ ہوئے، مزدلفہ میں جہاں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں سے منی میں ہمارا خیمہ کم و بیش چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا، اور یہ مسافت بھی پیدل طے کرنی تھی، اس سفر میں بھی مفتی عبدالرحمان صاحب کی راہنمائی اور ان کا جذبہ خدمت کام آیا، تقریباً دو گھنٹہ کے بعد ہم لوگ اپنے خیمہ میں پہونچ گئے۔

خیمہ میں پہونچ کر تھوڑی دیر آرام کیا اسکے بعد راشد بھائی اور میں رمی کے لئے نکل پڑے، ہمارے خیمہ اور مقام رمی کے درمیان کی مسافت دو کلو میٹر یا اس سے کچھ زیادہ رہی ہوگی، رات کی مشقت اور صبح کے سفر کے بعد والد صاحب کی طبیعت اس لائق نہیں تھی کہ وہ رمی کی مسافت کا تحمل کر سکیں، اس لئے والد صاحب نے اپنی رمی کی وکالت راشد بھائی کے سپرد کر دی، پہلے دن صرف ایک جمرہ یعنی جمرہ عقبی کی رمی کی جاتی ہے، آج سے دس سال قبل رمی ایک معرکے کا کام ہوا کرتا تھا، شدت ازدحام کی وجہ سے لوگوں کی جانیں تک تلف ہو جاتی تھیں، مگر اب حکومت نے ایسا اچھا انتظام کر دیا ہے کہ پہلے کے مقابلہ میں اب رمی بے حد آسان ہو گئی، ہم لوگ پہونچے تو بھیڑ بالکل نہیں تھی، اطمینان سے رمی کی بلکہ ستون

کے اردگرد بنے ہوئے ڈھلان کے حصے میں جھانک کر بھی دیکھا، اور واپس ہوئے، آمد ورفت کی سہولت کے پیش نظر دونوں کے راستے الگ الگ بنائے گئے تھے، ہم لوگ جس راستہ سے آئے تھے اسی سے واپس ہونے کی کوشش کی مگر پولیس والوں نے دوسرے راستہ پر لگادیا، نامانوس راستہ بادل ناخواستہ ہم لوگ اس پر چل پڑے، یہ راستہ اچھا خاصا طویل ثابت ہوا، ہم لوگ لاعلمی میں غلط راستہ چل رہے تھے یا واقعۃً راستہ طویل تھا یہ ایک معمہ بنا ہوا تھا، چھ کلومیٹر یا اس سے کچھ کم چلنے کے بعد ہم لوگ خیمہ تک پہونچے، اس طرح کم وبیش آٹھ کلو میٹر پیدل چلنا پڑا۔

مفتی عبدالرحمان صاحب کی راہ نمائی اور والد صاحب کے کئی سال کے تجربوں کی وجہ سے ہم لوگ مزدلفہ سے منیٰ بسہولت اپنی منزل تک پہونچ گئے، مگر کتنے لوگ ایسے تھے کہ راستوں سے لاعلمی کے باعث خاصی مشقتوں میں پڑ گئے، ہمارے ڈاکٹر محمد اسلم صاحب بھی اسی لاعلمی کا شکار ہوئے، انکے ساتھ انکے والد اور والدہ تھیں، والد صاحب ضعیف العمری کے ساتھ بیمار بھی تھے والدہ بھی ضعیف، راستہ کھو جانے کی بدحواسی، اس پر سے سامان کا بوجھ، کسی بھی انسان کو حواس باختہ کرنے کے لئے کافی ہے، ڈاکٹر صاحب مسلسل فون کے ذریعہ ہم لوگوں کے رابطہ میں رہے، کاغذ پر نقشہ دیکھ کر ہم لوگ راہنمائی کی کوشش کرتے رہے، مگر نقشہ سے کتنی راہ نمائی کرتے ہم لوگ بھی تو اجنبی ہی تھے، والد صاحب مسلسل دعاؤں میں مشغول رہے، ظہر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد راہ یاب ہوئے اور اپنے خیمہ تک پہونچے، ظہر کی نماز کے بعد والد صاحب سے ملنے کے لئے آئے، ابھی ان کی اور ان کے والدین کی رمی باقی تھی، اتنی لمبی مسافت پا پیادہ طے کرنے کے بعد اور اتنی مشقتوں کے بعد مزید پیدل چل کر جائے رمی تک جانے کی ہمت ان کے والدین نہیں کر سکے، انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنا وکیل بنادیا، میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے مشورہ سے طے کیا کہ ان میں سے کسی ایک کی رمی کی وکالت میرے حوالہ کردیں اور ہم دونوں ساتھ جا کر رمی کر آئیں، اس مشورہ پر والد صاحب اور راشد بھائی نے بھی صاد کیا، چنانچہ ہم لوگ رمی کر کے عصر سے پہلے

لوٹ آئے۔

عصر کی نماز کے بعد میں ٹہلتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے خیمہ میں جا نکلا، ان کے والد سے ملاقات ہوئی، وہیں اعظم گڑھ کے ایک دوسرے معالج ڈاکٹر شہاب الدین صاحب بھی تھے، ان سے بھی مصافحہ ہوا، بات چلی تو ڈاکٹر شہاب الدین صاحب کہنے لگے کہ میں نے صبح ہی رمی کر لی ہے، اور میری طرف سے قربانی بھی ہوگئی ہے، احرام سے نکلنے کے لئے بس حلق کرانا باقی ہے، سر منڈانے کے لئے میں حجام کی دوکان پر گیا تھا مگر وہاں بہت بھیڑ تھی کوشش کے باوجود حجام تک پہونچنے میں کامیاب نہیں ہوسکا، اس لئے میں نے سوچا ہے کہ احرام ہی کی حالت میں رہوں گا، سر منڈانے کا عمل قیام گاہ پہونچنے کے بعد کروں گا، میں نے کہا کم از کم دو دن اور منی میں رہنا ہے خواہ مخواہ آپ احرام کی پابندیوں میں جکڑے رہیں گے، اگر اجازت ہو تو چلئے میں آپ کا سر مونڈے دیتا ہوں، میری اس بات پر ڈاکٹر صاحب خوش ہوئے اور سر منڈانے کے لئے تیار ہوگئے، میں نے یکے بعد دیگرے ان کا اور ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کا حلق کیا، مگر جب والد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو والد صاحب نے کہا کہ تم نے شدید قسم کی غلطی کی ابھی تمہاری قربانی نہیں ہوئی ہے، اور قربانی سے قبل کسی محرم کے لئے اس طرح کا عمل جائز نہیں ہے، مشہور ہے کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے مگر میرے ساتھ معاملہ برعکس ہوا، یعنی سر مونڈتے ہی اولے پڑے، اور منڈانے والوں کی چاندنی ہوگئی۔

مغرب کی نماز سے کچھ قبل ہم لوگوں کی قربانی ہوئی، قربانی کے بعد والد صاحب نے حلق کرایا، ہم لوگوں کا ارادہ مغرب کے بعد حلق کا تھا، لیکن مغرب کے بعد خیمہ میں جگہ کی تنگی اور والد صاحب کی علالت کے پیش نظر یہ طے ہوا کہ منی میں ٹھہرنے کے بجائے قیام گاہ پر چلیں، جو کہ منی سے قریب ہی تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، راستہ کی راہنمائی کے لئے محمد احمد صاحب کو جو کہ حیدر آباد کے ہیں اور بسلسلہ ملازمت مکۃ المکرّمہ میں مقیم ہیں، فون کیا گیا، وہ آئے اور ہم لوگ سامان سمیت منی سے پاپیادہ اور والد صاحب وہیل چیر سے جس کو

محمد احمد صاحب چلا رہے تھے، نکل پڑے، مختلف سڑکوں گلیوں سے گزرنے کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے میں قیام گاہ پہونچے، عشاء کی نماز پڑھی اس کے بعد حلق کرایا، میرا اور حاجی نعمان صاحب کا سر راشد بھائی نے مونڈا، اور راشد بھائی کا میں نے، اس کے بعد نہا دھو کر سلے ہوئے کپڑے پہنے۔

منی سے واپس تو آ گئے مگر ابھی دو دن کی رمی باقی تھی، اس کا کیا ہو؟ اس کے بارے میں طے ہوا کہ دونوں دن یہیں سے رمی کے لئے جائیں گے، رہا والد صاحب کا مسئلہ تو تو ہم میں کسی کو وکیل بنا دیں گے، جو ان کی طرف سے رمی کرلے گا۔

مفتی عبدالرحمان صاحب بھی منی سے واپس آ گئے تھے، ان کی سرکردگی میں دونوں دن ہم لوگ منی رمی کے لئے گئے، راستہ قدرے طویل تھا مگر آمد و رفت میں مختلف رنگ و نسل کے لوگ اور دلچسپ چیزیں نظر آتیں جس کی وجہ سے سفر خاصا پر لطف رہتا۔

حج کا آخری مرحلہ طواف زیارت اور سعی ہے، پہلے دن کی رمی کے بعد طواف زیارت کا وقت شروع ہو جاتا ہے، پہلے دن طواف کرنا خاصا دقت طلب امر ہے، اس دن مطاف انسانی ہجوم سے بالکل پر ہوتا ہے، ہم لوگوں نے پہلے دن طواف کے بجائے بارہ کو طواف کیا، اس دن بھی ازدحام بہت تھا، مگر اب اس دن کے بعد گنجائش نہیں تھی، طواف کیا، سعی کی، حج کے تمام ارکان بخیر وخوبی مکمل ہو گئے، اس کے ساتھ ہم لوگ حاجی ہو گئے، زندگی کے ایک اہم اور بڑے فریضے سے سبک دوش ہوئے۔

حاجی ہونے میں کل چار پانچ دن لگتے ہیں، ہم لوگ بھی چار پانچ دن میں حاجی ہو گئے، مگر حج کے تقاضے حج کے بعد کی زندگی سے متعلق ہیں، حج کے بعد اگر آدمی کی زندگی پرانی روش پر چلتی رہی اس میں کسی طرح کا صالح انقلاب رونما نہ ہو تو اس کو حج کا ثواب تو ضرور ملا مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس کو حج کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، حج کی روح اور مقصد ہی یہی ہے کہ حج، پہلے اور بعد کی زندگی میں خط امتیاز کھینچ دے، دونوں میں نمایاں فرق کر دے، کہا جاتا ہے کہ حج پر جانے کا مطلب خدا کی طرف سے بلاوا آیا ہے، یعنی حج پر جانے والا خدا کا

مہمان ہوتا ہے، جس کی ضیافت صلاح وتقوی، نیکی و بھلائی کے مواقع فراہم کر کے کی جاتی ہے، اس ضیافت سے لطف اندوز ہونے کے بعد اور اس سے فائدہ اٹھانے کے بعد اگر بعد کی زندگی میں ان مواقع کی تلاش میں نہ رہے اور ان کو نظر انداز کرے تو ان فراہم شدہ مواقع کی نیکیوں کو محدود کرنا ہوگا، آدمی کو اسی لئے تو مواقع مہیا کئے جاتے ہیں کہ اس کی دلچسپی ان چیزوں میں بڑھے اور یہی دلچسپی آئندہ کی زندگی میں بے تابی کی صورت اختیار کر کے اس کو بھلے کاموں کی طرف کھینچے، گویا کہ حج ایک طرح سے صلاح وتقوی، نیکی و بھلائی کی ٹریننگ ہے، آدمی حج میں مشق کرے اور آئندہ کی زندگی میں اسے عملی صورت دے، حج کے اوقات اور حج کے قبل و بعد کے اوقات میں ہمیشہ موازنہ کرنا چاہئے، اور ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے کہ زندگی سفر حج کی سی گزرے یا اس سے بہتر، سفر حج سے قبل والی زندگی کی طرح تو بالکل نہ ہو۔

حج کے ایام گزر گئے، لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں پر آگئے، سب کے احرام اتر چکے، سب کے سر منڈ گئے، پھر لوگ اپنے اپنے مزاج ومذاق کے لباس میں ملبوس نظر آنے لگے، کچھ لوگ واپسی کی تیاری میں مشغول ہو گئے، اور کچھ لوگ جن کو ابھی کچھ دن رہنا ہے وہ مزید عمرہ وطواف کی سعادت حاصل کرنے میں کوشاں ہیں، محلّہ عزیزیہ جہاں ہم لوگوں کا قیام ہے جو حرم سے خاصے فاصلے پر ہے آمد ورفت کے لئے بس کی سہولت مہیا ہے ایام حج کے دو یا تین دن کے بعد بس کی خدمات شروع ہوئیں، ان دنوں حرم کی حاضری سے محرومی رہی، قیام گاہ ہی پر رہنا ہوا، بس کی خدمات شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے مزید عمرہ کی فکر لاحق ہوئی، حج سے قبل صرف ایک عمرہ کیا تھا جس کا احرام مدینہ کی میقات سے باندھا گیا تھا، مکۃ المکرّمہ سے عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے مسجد عائشہ جانا ہوتا ہے جو حرم سے تھوڑے فاصلے پر ہے، کار سے بمشکل پندرہ سے بیس منٹ لگتے ہیں۔

حج کے بعد خدا کے فضل وکرم سے تین عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، دو عمرہ تن تنہا کیا اور ایک میں حاجی محمد نعمان اور ان کی اہلیہ ساتھ تھیں، عمرہ کے لئے فجر کی نماز کے فوراً بعد نکلتا اور گیارہ بجے تک عمرہ کے تمام ارکان سے فارغ ہو کر قیام گاہ پہونچ جاتا، ایک

مرتبہ صبح میں کسی وجہ سے عمرہ کے لئے نہیں جا سکا، تو شام میں جانے کا ارادہ کیا، عشاء کی نماز مسجد حرام میں ادا کی اور مسجد عائشہ جانے کے لئے گاڑی کی تلاش میں نکلا، لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سے پہلے جہاں سے میں سوار ہوتا تھا، وہاں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی، تھوڑی دور آگے پیچھے گھوم کر دیکھا مگر مایوسی ہوئی، کوئی گاڑی نہ مل سکی، عمرہ کی خواہش تشنہ تکمیل رہ گئی۔

ہم لوگوں کی واپسی مدت متعینہ یعنی چالیس دن سے پہلے ہوگئی، اس کا قصہ کچھ یوں ہوا کہ ہماری قیام گاہ سے تھوڑے فاصلے پر چیت بڑا گاؤں ضلع بلیا کے جناب ممتاز صاحب رہتے تھے، والد صاحب سے ان کے پرانے مراسم تھے، حج کے بعد روزانہ والد صاحب کے پاس دن میں ایک دو مرتبہ آیا کرتے تھے، وہ شدید ڈپریشن کا شکار تھے، ڈپریشن میں آدمی منفی پہلو سے سوچتا ہے، وہ بھی منفی پہلو سے سوچ سوچ کر پریشان تھے، والد صاحب کے پاس آتے، بیٹھتے، باتیں کرتے تو کچھ ان کی تسلی کا سامان ہو جاتا، انھوں نے تحریک شروع کی اور والد صاحب سے کہنا شروع کیا کہ حج کے لئے آئے تھے، حج مکمل ہو گیا، منتظمین کی طرف سے قیام کی جو مدت مقرر کی گئی ہے وہ بہت ہے، آپ کی بھی طبیعت مسلسل علیل چل رہی ہے، اور میں بھی ڈپریشن کا مریض ہوں، سوچ سوچ کر حالت غیر ہوئی جا رہی ہے، اکیلے جانے کی ہمت نہیں اگر آپ بھی ساتھ چلتے تو بہتر ہوتا، روزانہ وہ آتے اور والد صاحب سے یہ بات کہتے، ابتداء میں تو والد صاحب تیار نہیں ہوئے مگر جب خود والد صاحب کی علالت بڑھتی گئی اور مرض نے شدت کا رخ اختیار کرنا شروع کیا تو والد صاحب نے جانے کا فیصلہ کیا، معلم کے پاس پاسپورٹ اور دوسری کاروائیوں کی درخواست ڈال دی، اور دو چار دن میں دوسرے ہوائی جہاز کا ٹکٹ حاصل کر لیا گیا، اور وہ صاحب جنھوں نے تحریک شروع کی تھی وہ کسی وجہ سے وہیں رک گئے، ہم لوگوں کے ساتھ نہ آسکے۔

اخیر کے دو تین دن میرے لئے سخت کشمکش کے تھے، والد صاحب نے جانے کا فیصلہ کر لیا، ٹکٹ بننے کے لئے دے دیا گیا، میرے لئے مسئلہ تھا کہ میں بھی والد صاحب کے ساتھ جاؤں یا حاجی محمد نعمان صاحب کے ساتھ رکوں، میں بار بار راشد بھائی سے مشورہ کرتا،

راشد بھائی نے ہر مرتبہ یہی مشورہ دیا کہ تم بھی ساتھ چلو، ادھر مفتی عبدالرحمان صاحب کا مشورہ تھا کہ نہیں تم رکو، پھر نہ جانے یہ موقع ہاتھ آئے کہ نہ آئے، بلکہ ایک مرتبہ مفتی صاحب نے والد صاحب سے میرے متعلق پوچھا بھی، تو والد صاحب نے کہا کہ اس کی مرضی جی چاہے تو ساتھ چلے جی چاہے تو رکے، تو اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ آپ اس کو رکنے کا حکم دیجئے، والد صاحب نے کہا کہ میں حکم نہیں دے سکتا، مرضی اس کی ہے۔

جاؤں یا نہ جاؤں اسی تذبذب میں پڑا ہوا تھا، کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا تھا، کوئی واضح رجحان نہیں بن رہا تھا، والد صاحب نے اختیار دے رکھا تھا، دامن دل دونوں جانب کشش محسوس کر رہا تھا، اسی دوران میں نے والد صاحب سے پوچھ لیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے، آپ کا میلان کس طرف ہے، والد صاحب نے کہا یہاں رہ کر دل گھر اٹکا رہے اس سے بہتر ہے کہ گھر رہو اور دل یہاں اٹکا رہے، یہ بات تو طے ہے کہ ہم لوگ چلے جائیں گے تو تم کو ایک طرح کی کمی محسوس ہوگی اور اکیلے ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ طبیعت بھی اچاٹ ہو جائے، اس لئے ساتھ چلو پھر اللہ تعالی بہت موقع دیں گے آنے کا۔

والد صاحب کی اس بات نے میرے مذبذب ارادے کو جانے کی طرف راجح کر دیا، ٹکٹ ہوگیا، مکۃ المکرّمہ سے رخصت ہونے سے ایک دن قبل عصر کی نماز کے بعد میں حرم شریف کے صحن میں تھا کہ حاجی محمد نعمان صاحب کا فون آیا کہ بڑے بھائی مولانا محمد عابد صاحب کے بیٹے محمد ساجد کا انتقال ہوگیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ خبر سن کر طبیعت پر پژمردگی چھا گئی، ابھی دو ڈھائی مہینہ قبل ان کے ایک اور بیٹے محمد زاہد کا مختصر سی علالت کے بعد انتقال ہوا تھا، یہ دوسرا حادثہ تھا اسلئے طبیعت اور زیادہ بے چین ہوگئی، خاص طور سے بھائی صاحب کی طرف سے کہ اتنی قلیل مدت میں دو حادثہ، وہ کیسے اس کو سہار سکیں گے، میں حرم شریف یعنی اجابت دعا کے مقام پر تھا، بے اختیار دل سے ان کے لئے صبر و سکون، ہمت و حوصلہ اور نعم البدل کی دعائیں نکلتی رہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد قیام گاہ جانے کا معمول تھا، لیکن آج آخری رات تھی، طبیعت

میں عجیب طرح کی اداسی اور دل میں بے چینی محسوس ہو رہی تھی، ارادہ کیا کہ آج کی رات حرم شریف کے زیر سایہ گزاروں گا، والد صاحب کو فون کیا کہ آج رات میں یہیں رہوں گا قیام گاہ سونے کے لئے نہیں آؤں گا، والد صاحب نے کہا ٹھیک ہے، سوچا آج جب تک پاؤں تھک نہ جائیں طواف کرتا رہوں گا، اور اس کے بعد بیٹھ کر کعبۃ اللہ کی زیارت کروں گا، انھیں دو مشغولیتوں میں رات گزارنی ہے، طواف کے لئے مطاف میں اترا بمشکل دو یا تین شوط کیا تھا کہ شدید ہجوم کا دباؤ محسوس ہوا مطاف سے نکل کر اوپر چھت پر چلا گیا بقیہ شوط وہاں مکمل کیے اور مزید ایک طواف کیا، اس کے بعد نیچے آیا ترکی حرم میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد ایک عجیب طرح کی کیفیت طاری ہوئی، جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، نگاہ کعبہ پر گڑی ہوئی تھی، دماغ اپنی حالت پر خیالات سے بھرا ہوا تھا، دل بغیر کسی ارادہ کے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کی صدا بلند کر رہا ہے، ایک عجیب طرح کا کیف، ایک عجیب طرح کی لذت محسوس ہو رہی تھی، یہ کیفیت کم و بیش چالیس پینتالیس منٹ تک رہی، اور تسلسل کے ساتھ رہی، اس کے بعد وہاں سے اٹھا، باہر آیا، کچھ کھایا پیا، اور دوبارہ مسجد حرام داخل ہوا تو ایک بجے کا عمل تھا، مطاف میں اب بھی ہجوم تھا مگر پہلے کے مقابلہ میں قدرے کشادگی تھی، طواف کے لئے مطاف میں اترا اور طواف میں مشغول ہو گیا، ڈھائی بجے تک معاملہ ٹھیک رہا اس کے بعد بھیڑ بڑھنی شروع ہوئی اور تین بجتے بجتے ازدحام نے شدت اختیار کر لی، میں نے طواف موقوف کر دیا اور مطاف ہی میں ایک طرف بیٹھ گیا اور وہاں سے فجر کی نماز پڑھ کر اٹھا، نماز کے بعد کعبۃ اللہ پر الوداعی نگاہ ڈالی، دوبارہ شرف زیارت کی دعا مانگی، اور بجھے دل کے ساتھ رخصت ہو کر قیام گاہ پہونچا۔

آج شام میں مکہ سے رخصتی ہے، فلائٹ جدہ سے صبح پانچ بجے کی ہے، معلم کی گاڑی سے جدہ جانا ہے اس کے آدمیوں نے مغرب کے فوراً بعد کا وقت طے کیا ہے، لیکن لینے کے لئے عشاء کے قریب آئے، سب لوگوں سے مل ملا کر ہم لوگ جدہ ایر پورٹ کے

لئے روانہ ہوئے، گاڑی ایک نامعلوم جگہ پر رکی معلوم ہوا کہ یہاں سے جدہ حاجیوں کی ایک بس جانے والی ہے، اسی پر سوار ہونا ہے، سامان بس میں منتقل کیا گیا اور بس میں بیٹھ کر اس کے چلنے کا انتظار کرنے لگے، ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد بس وہاں سے کھسکی اور جدہ کی طرف روانہ ہوئی، ہم لوگوں کا ٹکٹ حاجیوں کی فلائٹ سے نہیں بلکہ عام مسافروں کی فلائٹ سے تھا، بس ہم لوگوں کو حج ٹرمنل لے گئی اور وہیں اتار دیا، اب تشویش یہ ہوئی کہ ہم لوگوں کا جہاز انٹرنیشنل ایرپورٹ سے ہے یا حج ٹرمنل سے، ہر ممکن جگہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کوئی واضح بات سامنے نہ آئی، مفتی عبدالرحمان صاحب جنھوں نے ٹکٹ بنوایا تھا ان سے مسلسل فون پر رابطہ رہا، ان کو بھی حتمی طور سے معلوم نہیں تھا کہ ہم لوگوں کا جہاز کہاں سے ہے، لیکن ان کا عندیہ اور رجحان یہ تھا کہ جہاز انٹرنیشنل ایرپورٹ سے ہونا چاہئے، والد صاحب نے کہا کہ آپ حج ٹرمنل آیئے اور ہم لوگوں کو انٹرنیشنل ایرپورٹ لے چلئے، کسی جاننے والے کے بغیر ہم لوگوں کا جانا مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف ہے، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میں آنے سے معذور ہوں، میرے نہ آنے کی مجبوری یہ ہے کہ میرا اقامہ قیام گاہ پر ہے اور میں قیام گاہ سے دور ہوں، بغیر اقامہ کے جدہ آنا پریشانی کا باعث بن سکتا ہے، اب جو کچھ کرنا تھا ہمیں لوگوں کو کرنا تھا، نامانوس لوگ اجنبی جگہ، خیر خدا خدا کر کے کسی طرح معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کا جہاز یہیں سے ہے، بس سے سامان اتروایا گیا اور ٹرالی پر رکھ کر سامان جمع کیا گیا، جب قدرے سکون ہوا تو عشاء کی نماز پڑھی گئی، نماز کے بعد ایک صاحب غازی پور کے جو جدہ میں مقیم ہیں، ان کو والد صاحب نے فون کر کے بلایا تھا، وہ آئے، ان کے آنے سے قدرے راحت ملی اور دوسری کارروائیوں میں آسانی ہوگئی۔

ایرپورٹ کے گیٹ میں داخل ہوئے تو راستہ میں ایک جگہ قرآن شریف تقسیم کیا جا رہا تھا، قرآن شریف لے کر آگے بڑھے اور وہاں پہونچے جہاں خروج کا مہر لگتا ہے معلوم ہوا کہ وقت لگے گا انتظار کرنا پڑے گا، وہیں ایک کنارے مصلی بچھا کر بیٹھ گئے، چالیس پچاس منٹ کے بعد کارروائی شروع ہوئی، مہر لگوا کر پاسپورٹ وغیرہ لے کر بورڈنگ پاس

کاؤنٹر پر پہونچے، جس کاؤنٹر پر بورڈنگ پاس لینے کھڑے ہوئے وہ اناڑی نکلا، ہزار کوشش کے باوجود وہ ہم لوگوں کا بورڈنگ پاس نہیں بنا سکا، تھک تھکا کر بغل والے سے مدد لی تب جا کر کہیں بورڈنگ پاس ملا، اچھا خاصا وقت صرف ہوا اور دماغ سوزی الگ، وہاں سے پھر ایر پورٹ کی طرف چلے، ایرپورٹ میں داخل ہوئے تو رات کے تین بج رہے تھے۔

حج ٹرمنل ہم لوگ ساڑھے دس بجے پہونچے تھے، ساڑھے دس سے تین بجے تک مسلسل بھاگ دوڑ جاری رہی، تب جا کر کہیں ایرپورٹ میں داخلہ نصیب ہوا، اس پوری مدت میں مسلسل ذہنی کلفت رہی اس پر مستزاد اے سی کی ہوا، والد صاحب کی حالت بالکل غیر ہوگئی، ایرپورٹ کے کمرۂ انتظار میں پہونچنے کے بعد ایک کنارے والد صاحب کے لئے ایک پتلا سا کمبل بچھا دیا گیا اور اوپر سے دو تین پتلے پتلے کمبل ڈال دیئے گئے کہ تھوڑی دیر سو لیں گے تو راحت مل جائے گی، مگر یہ کمبل اے سی کی ٹھنڈک روکنے کے لئے کافی نہیں تھے، کسی طرح اسی ٹھنڈک میں والد صاحب سکڑ سمٹ کر سوئے۔

اے سی کے سلسلہ میں عربوں کے یہاں عجیب غلو دیکھنے میں آیا، ہمارے یہاں اے سی کا مطلب معتدل موسم کی فضا بنانا ہے کہ نہ گرمی ہو اور نہ ٹھنڈک لگے، مگر عرب اس حد تک اے سی تیز رکھتے ہیں کہ دسمبر یا جنوری کے مہینے کا گمان ہونے لگتا ہے، بغیر موٹے کمبل کے گزارا مشکل ہو جاتا ہے، کمرۂ انتظار میں جتنے لوگ تھے سب پر ٹھنڈک سے کپکپی طاری تھی، ہر شخص کا چہرہ زبان حال سے ٹھنڈک کی شکایت کر رہا تھا، سارے لوگ اے سی کے ستم زدہ تھے مگر کوئی بول نہیں رہا تھا سب خاموشی سے بیٹھے اے سی کا ظلم سہہ رہے تھے۔

دو گھنٹے کے انتظار کے بعد فلائٹ کا وقت ہوا، فلائٹ تک جانے کے لئے جس گاڑی پر ہم لوگوں کو سوار کیا گیا وہ اس قدر ٹھنڈی تھی کہ دانت بجنے لگے، بمشکل پندرہ سے بیس منٹ ہم لوگ اس میں رہے مگر اتنی ہی مدت میں تمام لوگوں کی حالت دگرگوں ہوگئی، گاڑی جہاز کے پاس رکی، جہاز کے زینے پر چڑھتے ہوئے دل میں یہی کھٹکا لگا رہا کہ کہیں اس میں بھی اسی غلو سے دوچار نہ ہونا پڑے، مگر خدا کا شکر تھا کہ جہاز کی اے سی معتدل

تھی، جہاز میں بیٹھے، تھوڑے انتظار کے بعد جہاز نے اڑان بھری، رات بھر کے جاگے تھے جہاز میں بیٹھتے ہی نیند نے آدبوچا، سوتے جاگتے پانچ گھنٹے میں جدہ سے دہلی تک کا سفر طے ہوا، ایرپورٹ پر اترے، ضروری کاروائیوں کی خانہ پری کی، سامان لیا اور باہر نکلے، باہر والد صاحب کے دہلی کے میزبان جناب آفتاب جمالی صاحب اور ان کے بہنوئی جناب شاہد صاحب موجود تھے، ان کے ہمراہ ان کے گھر آئے، کچھ کھایا پیا اور فجر جو کہ جہاز کی نذر ہوگئی تھی اس کی قضاء اور ظہر کی ادا پڑھی گئی اور تھوڑی دیر کے لئے سو گئے۔

دہلی سے ہم لوگوں کا ٹکٹ اسی دن رات ساڑھے سات بجے کا بنارس کے لئے تھا، مغرب کی نماز کے بعد اسٹیشن کے لئے روانہ ہوئے، روانگی میں تھوڑی تاخیر ہوگئی اس لئے اسٹیشن پہونچتے پہونچتے وقت بالکل تنگ ہوگیا، عام راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے اسٹیشن میں داخل ہوئے، ٹرین پلیٹ فارم پر لگ چکی تھی، برج کی سیڑھیاں چڑھنا اور تیز قدم سے پیدل چلنا والد صاحب کے لئے دقت طلب امر ہے مگر خدا کا شکر تھا کہ یہ معرکہ والد صاحب نے بحسن وخوبی سر کیا، اور اپنے ڈبے کے پاس پہونچے، پہونچانے والوں سے رخصتی مصافحہ کیا گیا اور ٹرین میں سوار ہوگئے۔

دوسرے دن صبح نو بجے بنارس پہونچے، ہمارے استقبال کے لئے حاجی منظور صاحب نے اپنے بیٹے جناب محمد انعام صاحب کو گاڑی کے ساتھ اسٹیشن بھیج دیا تھا، اسٹیشن پر ان سے ملاقات ہوئی، ان کے گھر آئے، حاجی صاحب، انکے بیٹوں اور متعلقین سے معانقہ ومصافحہ ہوا، حاجی صاحب نے پہلے سے ناشتہ کا انتظام کر رکھا تھا، ناشتہ کیا گیا اور پھر تقریباً گیارہ بجے حاجی صاحب کی گاڑی سے ان کے ہمراہ شیخوپور کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں جونپور حکیم محمد رئیس صاحب کے یہاں تھوڑی دیر رکے، والد صاحب ان دنوں حکیم صاحب ہی کے زیر علاج تھے، حاجی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی شیخوپور چلنے کے لئے تیار کرلیا، حکیم صاحب کو لیکر جونپور سے نکلے اور عصر سے کچھ قبل مدرسہ میں داخل ہوئے۔

مدرسہ پہونچ کر سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک مہینہ کا سفر بخیر وخوبی تمام

ہوا، والدہ، بھائی، بہن، اساتذہ، احباب سے مل کر ایک طرف خوشی حاصل ہوئی تو دوسری طرف بڑے بھائی مولوی محمد عابد صاحب کے ساتھ ہوئے حادثے کا غم بھی تازہ ہوگیا، کسے معلوم تھا کہ حج پر جانے سے قبل ایک بھتیجہ جدا ہوا ہے اور آنے سے قبل دوسرا بھی اللہ کو پیارا ہوجائے گا، عابد بھائی کے دو ہی بیٹے تھے اور دونوں دو مہینے کے وقفے سے یکے بعد دیگرے خدا کو پیارے ہوگئے، صدمہ بڑا تھا اور شدید بھی، مگر مشیت ایزدی یہی تھی، مشیت ہمارے صدمات کی پابند نہیں ہے، سب کچھ اسی کا ہے اس کو حق حاصل ہے جیسے چاہے تصرف کرے، اس نے بیٹا عطا کیا اس کا فضل ہے، اس نے واپس لے لیا اس کا حق ہے، ہمارے صدمات کی اس کی مرضیات کے سامنے کیا حیثیت اور حقیقت ہے، اگر اس کی مشیت سے بظاہر کوئی صدمہ پہونچتا ہے تو کل اس کی وہی مشیت ہمارے لئے باعث رحمت ہوگی، اگر وہ اپنا ایک عطیہ واپس لیتا ہے تو نہ جانے اس کے صلے میں کتنے عطیات سے نوازے گا۔

گھر پہونچے ابھی دو چار دن ہی ہوئے تھے کہ مزید ایک سانحہ سے دوچار ہونا پڑا، راشد بھائی کے بیٹے ولی الحق سالم جن کو دنیا میں آئے تین ماہ ہوئے تھے، ایک رات سوئے اور نیند ہی میں اپنی معصوم روح کے ساتھ اپنے مالک کے حضور جا پہونچے، دو مہینے کی قلیل مدت میں گھر کے تین بچوں کے فوت ہوجانے کی وجہ سے پورے گھر میں غم واندوہ کی سیاہی پھیل گئی، گھر کا ہر فرد پریشان، احباب ومتعلقین بھی حیران، گھر کے دوسرے بچوں کے سلسلے میں بھی تشویش ہونے لگی، ان صدمات کا اثر خصوصاً والد صاحب کی طبیعت پر بہت پڑا، متواتر تین معصوموں کی جدائیگی کا غم کسی بھی مریض آدمی کو مزید بیمار کرنے کے لئے کافی ہے، اس پر سے مختلف لوگوں کی مختلف باتیں، مگر صاحب ایمان کو اللہ نے جو ایمانی قوت عطا فرمائی ہے اس کے سہارے بڑے بڑے صدمات برداشت کئے جاسکتے ہیں، غم وتکلیف تو اس طرح کے سانحے میں فطری چیز ہے، مگر یہ سوچ کر خاصا اطمینان ہوجاتا تھا کہ کل قیامت کے دن یہی بچے اپنے والدین کے لئے اور گھر والوں کے لئے فرط ثابت ہونگے، اور اجر و ذخر بن کر ان کے لئے ایسے سفارشی ہونگے جن کی سفارش خداوند قدوس رد نہیں فرمائیں

گے، آج کا یہ غمگین کردینے والا حادثہ کل جنت کی راہ ہموار کرے گا ان شاء اللہ۔

حج سے واپسی کے بعد میں دس دن گھر رہا، گیارہویں دن دارالعلوم دیوبند کے لئے روانہ ہوا، شاہ گنج سے سہارن پور کی ٹرین پر بیٹھا، سہارن پور پہونچا اور سہارن پور سے دیوبند، ایک مہینہ دس دن کی گردش کے بعد جہاں سے چلا تھا وہیں پہونچ گیا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک**

☆☆☆☆☆

سفر حج

بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

یہ رسالہ حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہٗ کے تین مضامین کا مجموعہ ہے۔ پہلا مضمون مارچ ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج میں شائع ہوا۔ پھر ماہنامہ الاسلام شیخوپور کے جنوری ۲۰۰۱ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ دوسرا مضمون ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور کے فروری ۲۰۰۳ء کا اداریہ ہے۔ تیسرا مضمون ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور کے مارچ ۲۰۰۳ء کا اداریہ ہے۔

آجکل سفر حج سے پہلے، اس کے دوران اور بعد میں جن بے اعتدالیوں اور غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو رہا ہے، اس رسالہ میں اس کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کی سعی کی گئی ہے۔ اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس میں قدرے اضافہ کر کے الگ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

باری تعالیٰ مصنف کی دیگر تحریروں کی طرح اسے بھی حسن قبول کی دولت سے مالا مال فرمائیں اور حجاج کرام کے لئے خصوصاً اور عامۃ المسلمین کے لئے عموماً مفید اور نافع بنائیں۔

ضیاء الحق خیرآبادی
مدیر ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات

☆☆☆☆☆

سفرِ حج سے پہلے

کتنے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو لبیک پکارتے ہوئے اللہ کے گھر کی طرف دیوانہ وار دوڑے جار ہے ہیں۔ رمضان شریف نیکیوں کا موسم بہار تھا، اس کے گزرتے ہی، اللہ تعالیٰ نے حسنات و برکات کا ایک دوسرا بڑا دروازہ کھول دیا، **الحج اشھر معلومات**، حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ، حج کے مقدس مہینے ہیں، ارکانِ حج تو ذی الحجہ کے چند دنوں میں ادا کئے جاتے ہیں، لیکن سفر حج کی تیاری، احرام، عمرہ اور دوسرے متعلقات حج کے لئے وقت کا آغاز رمضان شریف کے معاً بعد ہو جاتا ہے، گویا رمضان کی مبارک ساعتوں میں روزہ اور تراویح ادا کر کے جب آدمی گناہوں سے پاک وصاف ہولیا، اس کے دل میں تقویٰ کا نور جگمگانے لگا، تو اب وہ اس لائق ہو گیا کہ حق تعالیٰ کی خاص جلوہ گاہ میں حاضری دے، اگر صحیح طریقے پر اس نے بیت اللہ کی حاضری دے لی، اور ارکان حج کو احکام شرع کے مطابق ادا کر لیا تو وہ ایسا ہو جاتا ہے، جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ **من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع من ذنوبہٖ کیومٍ ولدتہ امہ** (بخاری ومسلم) جس نے حج کیا، اور اس میں شہوت کا کوئی کام نہیں کیا، نہ نافرمانی کی، تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر اس دن کی طرح ہو گیا جس روز اس کی ماں نے جنا تھا۔

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے اس میں آدمی اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے، وقت بھی قربان کرتا ہے، جان بھی جوکھم میں ڈالتا ہے، گویا جان و مال اور وقت تینوں کی قربانی دے کر

حج کا شرف حاصل کرتا ہے۔ تو حق ہے کہ جب اس نے اپنی زندگی کا تمامتر سرمایہ مولیٰ کیلئے قربان کردیا، تو اب اسے ایک نئے عنوان سے زندگی بخشی جائے، ماں کے شکم سے پیدا ہو نے کے بعد سے حج کرنے تک زندگی کا ایک دور پورا ہوا۔ حج کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ پہلے دور کی ابتدا بھی معصومیت سے تھی، دوسرے دور کی ابتدا بھی معصومیت سے ہے۔ مبارکباد ہوان لوگوں کو جو حج کو سنت وشریعت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، جن لوگوں پر حج فرض ہوجاتا ہے، اوراس کے باوجودوہ حج نہیں کرتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے. وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ. (سورہ آل عمران: ۹۷) اور جس کسی نے کفر کی راہ اختیار کی، تو اللہ تعالیٰ دنیاوالوں سے بے نیاز ہیں، اس کی تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرمائی ہے کہ **من اطاق الحج فلم یحج فسواء علیہ مات یھودیا او نصرانیا** (تفسیر ابن کثیر ج:اص: ۵۷۸) جسے حج کی استطاعت حاصل ہوئی، لیکن اس نے حج نہیں کیا، تو خواہ وہ یہودی ہوکر مرے، یا نصرانی ہوکر اسی طرح کا مضمون خود رسول اکرم ﷺ سے بھی منقول ہے،

حج کی استطاعت یہ ہے کہ آدمی کے پاس اتنا مال ہو کہ سواری وغیرہ کے جن ذرائع سے سفر ہوتا ہو، انھیں اختیار کر کے حج کے لئے جائے اور واپس آجائے۔ اوراس دوران اس کے گھر والوں کے خرچ کے بقدر مال موجود ہو۔ اگر مال کی اتنی مقدار اسے حاصل ہو، تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، تفصیلات حج کے موضوع پر جو کتابیں ہیں، ان میں دیکھی جا سکتی ہیں، یا علماء سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

حج کوئی رسم ورواج نہیں ہے، یہ اللہ کی مخلصانہ عبادت ہے، اسلامی عبادات کی خاص شان، سادگی، بے ریائی اور سہولت ہے۔ اسلام ایک سہل دین اور آسان شریعت ہے، یہاں اعمال ظاہرہ کے ساتھ ان کی روح اور حقیقت کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی، اپنی عاجزی وانکساری، محبت واطاعت کو پیش کرنا، اور اللہ کی عظمت

وکبریائی، ان کی وحدانیت ویکتائی، ان کے رحم ومہربانی اوران کے جلال وجبروت کا استحضار یہی عبادت کی روح ہے، عبادات کے اندر جب تک یہ روح موجود رہتی ہے، ان میں سہولت بھی ہوتی ہے، ان کی برکات بھی ظاہر ہوتی ہیں، لیکن جب ان کا فقدان ہوتا ہے، تو عبادت کا ظاہر تو برقرار رہتا ہے، مگر وہ ایک طرح کی رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کی برکت پوشیدہ ہوجاتی ہے، البتہ نمود ونمائش رہ جاتی ہے۔

ہم مسلمانوں کے معاشرہ میں جہاں اور بہت سی ناگوار باتیں ہیں، حج کے باب میں بھی بہت سی قابل مواخذہ اور لائق ترک چیزیں پھیل گئی ہیں، اور پھیلتی جارہی ہیں۔ ان میں چند باتیں قابل توجہ ہیں۔

۱............حج کی فرضیت مَردوں پر الگ ہے، عورتوں پر الگ ہے، اگر مرد کے پاس اتنا مال ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے حج فرض ہوتا ہے۔ تو اس پر حج فرض ہوگیا۔ ہمارے معاشرے میں ایسے بہت لوگ ہوں گے، جن پر تنہا حج کا فریضہ عائد ہوجاتا ہے، مگر وہ اس انتظار میں تاخیر کرتے ہیں کہ بیوی کے حج کے بقدر بھی مال ہوجائے، تو ساتھ ہی حج کا سفر کیا جائے۔ یہ بات شریعت کے نقطۂ نظر سے مناسب نہیں ہے، مال ایک ڈھلتی چھاؤں ہے۔ خدانخواستہ مال ختم ہوگیا، تو حج فرض ہو چکا ہے وہ ساقط نہیں ہوگا۔ گناہ گردن پر رہ جائے گا، یہ مناسب نہیں ہے کہ بیوی کے لئے حج فرض کے سفر کو مؤخر کیا جائے۔

۲...........سفرحج کی دوسروں کو اطلاع کردینے میں مضائقہ نہیں، لیکن اس کے بعض ایسے لوازمات میں ہمارے معاشرہ نے حاجیوں اوران کے رشتہ داروں کو جکڑ دیا ہے، جو رفتہ رفتہ ادائیگیٔ حج کو شادی بیاہ کے مسرفانہ اور تباہ کن رسوم کے راستے پر ڈالتے چلے جارہے ہیں، مثلاً حاجیوں کی بے تحاشا دعوتیں ہوتی ہیں، بڑی بڑی دعوتیں، جیسے کوئی بڑا ولیمہ ہورہا ہو، اور جس دن حاجی کو نکلنا ہوتا ہے، اس کے اعزہ واقرباء دور ونزدیک کے اس کے گھر جمع ہوتے ہیں۔ مرد بھی، عورتیں بھی، اور ایک بڑا خرچ اسی روز حاجی کے ذمہ پڑجاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ دعوتیں بھی منجملہ ارکانِ حج کے ہوجائیں گی۔ پھر آدمی اس وقت

تک حج کرنے کی ہمت ہی نہ کرے گا، جب تک ان ذیلی اخراجات کا متحمل نہ ہو جائے، شادی بیاہ کی رسوم کی طرح یہ دعوت بازیاں بھی قابل ترک ہیں۔

۳..........پھر حاجی کو مختلف جگہوں تک پہونچانے کے عنوان سے بہت سے طفیلی حاجی کے اوپر ناروا خرچ کا ایک اور بوجھ ڈال دیتے ہیں، ہمارے علاقے میں ایک بڑی تعداد شاہ گنج اور لکھنؤ تک حاجی کے ہمراہ جاتی ہے، اور ان پہونچانے والوں کے اخراجات سفر عموماً حاجی کے ذمے پڑتے ہیں، اس طرح اصل سفر حج کے مصارف کے ساتھ، اچھی خاصی مقدار اخراجات کی حاجی کے اوپر مزید پڑ جاتی ہے۔ اور ساتھ جانے والے بجز سیر و تفریح کے اور کچھ کام نہیں آتے، دو ایک آدمی جہاز تک پہونچانے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں کہ بسا اوقات خدمت کی ضرورت پیش آتی ہے، مگر آج کل جو غول بیابانی ہمراہ ہو جاتا ہے، وہ تو قطعاً پسندیدہ نہیں اور اب تو ستم یہ ہے کہ صرف مرد ہی نہیں، عورتیں بھی ہمرکاب ہو جاتی ہیں، ان کا تو گھر سے باہر قدم نکالنا فتنہ اور باعث گناہ ہے، لیکن رسم و رواج نے عبادات کی بنیادوں کو ہلا ڈالا ہے، یہ خرافات حاجی کے جانے کے وقت بھی ہوتی ہیں اور آنے کے وقت بھی۔

۴..........مصارف کا بار جو پڑتا ہے، وہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ ایک بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ حج کا سفر جو محض اللہ کے لئے تھا ان رسموں کی وجہ سے اس میں نمود و نمائش کا ایک بڑا عنصر شامل ہو جاتا ہے، اور جس عبادت میں ریا و نمائش شامل ہو جائے معلوم ہے کہ وہ بارگاہ حق میں قابل قبول نہیں ہوتی۔ شان و شوکت کی نمائش ختم کر کے بندگی کی سادگی اختیار کرنی چاہیئے، تاکہ عبادت کی روح حاصل ہو، عبادت نام ہے محبت و شوق کے ساتھ نیاز مندی اور عرض احتیاج کا۔ اس کو دھوم دھڑاکے اور اظہار شان و شوکت سے کیا مناسبت ہے؟

۵..........حج کے سلسلے میں ان ناروا رسوم کا تو اتنا اہتمام ہوتا ہے لیکن حج کے مسائل سیکھنے کا اہتمام اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا ضروری ہے۔ کتنے لوگ ناواقفی اور غفلت کی وجہ سے اپنا حج خراب کر لیتے ہیں۔ اصل کوشش تو اسی کی ہونی چاہئے کہ جس کام کے لئے اتنا سرمایہ صَرف کیا جاتا ہے، اچھا خاصا وقت لگایا جاتا ہے، بدن اور جان کو مشقت میں ڈالا جاتا

ہے وہ صحیح طریقے سے ادا ہو۔

۶............بعض لوگ حج کرنے جاتے ہیں، لیکن حج سے زیادہ اہتمام تجارت کا کرتے ہیں۔ سفر حج میں خرید وفروخت ناجائز نہیں ہے۔ حرمین شریفین میں رہ کر ایسا تو نہ ہونا چاہئے کہ سارا اہتمام دنیا بھر کی مصنوعات کے خریدنے ہی کا ہو کر رہ جائے، کتنے لوگ بازاروں میں پھرتے رہتے ہیں، اور حرم کی نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ سامان تو دنیا میں ہر جگہ مل جائیں گے۔ مگر حرم اور حرم کی نماز، طواف، دید کعبہ، روضۂ اطہر کی حاضری، اس پر درود وسلام، دنیا میں اور کہاں مل سکتا ہے۔ بڑی محرومی کی بات ہے کہ حرمین شریفین کی اصل سعادت چھوڑ کر آدمی لغویات میں مبتلا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حج مبرور کی توفیق بخشیں۔ آمین

☆☆☆☆☆

سفرِ حج کے دوران

حج بیت اللہ کا موسم پھر آ گیا ہے، قافلے روانہ ہونے لگے ہیں۔ محبت الٰہی کی سر مستیاں زوروں پر ہیں۔ خدا کے دیوانے پروانوں کی طرح شمع حرم کے گرد محوطواف ہیں، منیٰ، مزدلفہ، اور عرفات کی وادیاں آباد ہو رہی ہیں۔ رحمت الٰہی ان پر نثار ہوئی جا رہی ہے۔ کھنچ کھنچ کر تمام دنیا کے فرزندان توحید اپنے خالق و مالک وحدہ لا شریک لہ کے آستانِ خاص پر ہجوم لگائے ہوئے ہیں۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے نعرۂ مستانہ سے دشت و جبل گونج رہے ہیں۔ عشق کی شورشیں دلوں کو گرما رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غلاموں اور اپنی باندیوں کی اس حاضری کو قبول فرمائیں، انہیں اپنا بنا لیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) کی شان حنفی سے انہیں نوازیں اور بار بار حاضری کی سعادت بخشیں۔ **آمین یا رب العالمین۔**

جی چاہتا ہے کہ حج کے مسافروں سے کچھ باتیں کی جائیں، سفر تو سفر ہی ہے اسے خواہ جتنا آسان بنا دیا جائے، لیکن اس کی مشقتیں کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہیں اور حج کا سفر تو کچھ اور آزمائش اور امتحان کی شان اپنے اندر رکھتا ہے۔

حج کا مسافر جب اپنے گھر سے نکلتا ہے، اس کے اعزاء و اقرباء اور دوست و احباب اسے رخصت کرتے ہیں۔ تو اس کا دل اطاعت الٰہی کے جذبے سے معمور ہوتا ہے، وہ اپنے نفس و خواہش اور مال و آسائش کو قربان کر کے اپنے وطن سے نکلتا ہے۔ یہ جذبہ بے اختیارانہ پیدا ہوتا ہے۔ بڑا ہی مبارک ہے وہ حاجی جو اس جذبہ کو برقرار اور پائیدار رکھے، یہی جذبہ اطاعت ہر قدم اور ہر مرحلہ پر باقی رہنا چاہیئے۔ اس کی نگہداشت بہت ضروری

ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے، **فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ**، جس شخص نے ایام حج میں اپنے اوپر حج کو لازم کیا تو تو دوران حج نہ رفث ہے، نہ نافرمانی ہے اور نہ جھگڑا ہے۔ ''رفث'' شہوت اور جنسی خواہش اور اس کے متعلقات کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ حج میں جب کہ تمام تر توجہ اور دل کا سارا رجحان اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ آدمی شہوت سے اور شہوت کے تقاضوں سے برکنار رہے یہاں اپنے نفس کی خواہش نہیں حکم ربانی کی تعمیل درکار ہے۔ نافرمانی کا گذر نہیں ہے، ہر قدم جذبۂ فرمانبرداری سے اٹھے اور ہر سانس اللہ کی یاد میں بسی ہوئی ہو۔ دل میں اور کوئی بات نہ ہو۔ بجز اس کے کہ بندہ اپنے مالک کے دروازے پر لو لگائے پڑا رہے۔ نہ جنسی خواہش کے تقاضے، نہ اپنے نفس کی حکمرانی اور نہ اپنے رفقاء اور ہم سفروں سے کسی طرح کی الجھن! جس پروردگار کا میں دیوانہ ہوں، سب اسی کے دیوانے بن کر اسی کے نام پر اسی کے حکم سے مجتمع ہیں۔ اس حالت میں کیا یہ بات کسی طرح بھی زیب دیتی ہے کہ آدمی اپنی مشقتوں اور قربانیوں کے بعد خاص دربار الٰہی میں پہونچا ہے۔ اور وہاں جا کر بھی اپنے آپ کو جاں نثاروں اور اطاعت گزاروں میں شامل نہ کر سکے۔

تو آدمی جب حج کے سفر کیلئے نکلے تو جہاں وہ اپنے جسم کو احرام کی پابندیوں سے جکڑتا ہے، وہیں اپنے دل اور زبان کو بھی احرام کی پابندیوں میں جکڑ دے، اسے صبر وضبط کا خوگر بنائے، اس سفر میں مشقتیں بہت ہیں، مشقتوں اور تکلیفوں کی نوعیتیں بدلتی رہتی ہیں، کبھی خود سفر دشوار تھا، بہت وقت لگتا تھا، سواریاں بہت سست رفتار، راستے دشوار گزار، آسائشیں ناپید، خطرات کا اندیشہ! یہ اور اس طرح کی زحمتیں رہا کرتی تھیں۔ اب سفر آسان ہو گیا ہے، بہت کم وقت لگتا ہے سواریاں ہوا کی مانند تیز رفتار ہیں۔ راستے آسان ہو گئے ہیں۔ آسائش کے سامان ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ مگر اب ملکی اور بین الاقوامی قوانین اتنے سخت ہیں کہ آدمی قوانین کے ان جنگلوں کو عبور کرنے میں پریشان ہو جاتا ہے۔ حج کے مسافر کو جب پریشانی ہوتی ہے اور واقعی کبھی کبھی بہت پریشانی ہوتی ہے۔ کبھی حج کمیٹی کی

طرف سے، کبھی معلم کی طرف سے، کبھی سواریوں کی طرف سے، تو عام عادت کے مطابق حاجی اپنی زبان کو برا بھلا کہنے میں ملوث کر لیتا ہے۔

میں حاجیوں سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ مشقت خواہ کتنی ہی ہو، تکلیف چاہے جتنی زیادہ ہو جائے۔ آپ اپنی زبان کو آلودہ نہ کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور کے انتظام سفر نے سفر کی دشواریوں کو بہت کم کر دیا ہے، لیکن ہماری تن آسانیوں نے ہمارے اوپر آسان مشقتوں کو بھی بھاری بنا دیا ہے۔ پہلے دور میں سفر کی رفتار سست ہوتی تھی تو آدمی انتظار اور صبر کا خوگر ہوتا تھا۔ اب ہر کام مشینوں اور تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے بہت جلد انجام پا جاتا ہے تو آدمی میں صبر کی تاب باقی نہیں رہی۔ انتظار اسے برداشت نہیں۔ کوئی کام اگر فی نفسہ مشکل نہیں تو اس کا انتظار ہی بہت دشوار ہو گیا ہے۔ سواری ملنے میں تاخیر ہو گئی تو بے صبری، سواری مل گئی اس کے چلنے میں دیر ہو گئی تب پریشانی، ائیر پورٹ پر قانونی مراحل کی تکمیل میں تاخیر ہوئی تو گھبراہٹ، معلم کی طرف سے کسی معاملے میں سستی ہوئی تو مصیبت۔ غرض سفر اپنے اختیار کا تو ہوتا نہیں، الجھنیں پیش آتی ہی رہتی ہیں، لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سفر جو ہوا ہے۔ صرف اللہ کیلئے ہوا ہے، اس سے کوئی دنیاوی غرض وابستہ نہیں ہے۔ اس سفر میں جو بھی تکلیف ہو گی، جس دشواری کا بھی سامنا ہو گا۔ ان سب سے حسنات میں اضافہ ہی ہو گا۔ گناہ معاف ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں متعدد سفر ہوتے ہیں، ان میں اہم ترین سفر جہاد کا سفر ہے اور حج کا سفر ہے۔ جہاد کے سفر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَ لَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَؤٗنَ مَوْطِئاً یَغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ** (سورہ توبہ: ۱۲۰) ترجمہ: یہ اس واسطے کہ جہاد میں نکلنے والوں کو جو بھی پیاس، محنت اور بھوک اللہ کی راہ میں پیش آتی ہے، اور جو بھی کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جس سے کفار کو ناراضگی ہوتی ہو اور جو کچھ بھی دشمن سے چھینتے ہیں، ان سب کے بدلے ان کے حق میں نیک عمل لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو

ضائع نہیں کرتے۔ یعنی باوجودیکہ ان میں سے اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا یا تکلیف پہونچنا) اختیاری کام نہیں ہیں۔ تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلے میں اعمال صالحہ ان کی فرد حسنات میں درج کردیئے جاتے ہیں، جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائے گا۔ (فوائد عثمانی)

جہاد ہی کی طرح حج بیت اللہ کا سفر بھی اللہ کی راہ کا سفر ہے، اللہ تعالیٰ کے ایک فریضہ کی تعمیل اور تکمیل کیلئے حاجی اپنے گھر سے نکلتا ہے تو بلاشبہ جتنی مشقتیں اور کلفتیں، اس راہ میں پیش آئیں گی، وہ سب اعمال صالحہ بن بن کر نامہ اعمال کو وزنی بناتی چلی جائیں گی۔ لیکن آدمی نے اگر بے صبری کی، لوگوں کی شکایتوں سے زبان کو آلودہ کیا تو سخت اندیشہ ہے کہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہوجائے۔

یہ عام مرض ہے کہ حجاج کرام حکومت پر، معلمین پر، حج کمیٹی کے افراد پر اور ان کے کاموں پر تنقید وتبصرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ تبصرے عموماً بے ضرورت اور بے مقصد ہوتے ہیں۔ ان کا ضرر ایک تو یہ ہوتا ہے، اور یہ بہت بڑا ضرر ہے کہ یہ گفتگو غیبت کے دائرے میں آجاتی ہے، اور دوسرا ضرر یہ ہوتا ہے کہ مزاج فاسد ہوجاتا ہے۔ طاعات اور عبادات سے طبیعت ہٹ جاتی ہے، جو ضروری کام ہیں وہ رہ جاتے ہیں اور فضول کاموں میں مشغولیت ہوجاتی ہے۔

سفر کی مشقتوں کو مشقت نہیں عبادت سمجھئے اور اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ کے لئے ہو رہا ہے اور اللہ کی راہ میں ہو رہا ہے، یہاں ہلکی سے ہلکی تکلیف نامۂ اعمال میں وزنی سے وزنی بن کر آئے گی۔ آج شکایت ہوتی ہے، کل صبر کرنے والے اتنا عظیم اجر دیکھیں گے کہ مزید تکلیفوں کی تمنا کریں گے۔ زبان بہت سے اعمال کو کھو دیتی ہے، اسے آلودہ نہ کیجئے۔ یہ ذکر اللہ اور تلاوت اور لبیک پڑھنے کیلئے ہے، حکایت وشکایت کیلئے نہیں ہے۔ کثرت سے دعائیں کیجئے۔ ایک دعا لکھی جا رہی ہے۔ اسے بکثرت دہرایئے، اور ہر مقام قبولیت پر اسے خشوع وخضوع اور استحضار قلب سے دہرایئے: اَللّٰھُمَّ آتِ

نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا ، اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا ۔ ترجمہ: اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرمائیے ، اور اس کا تزکیہ فرمائیے ۔ آپ اس کا بہترین تزکیہ فرمانے والے ہیں ۔ آپ ہی اس کے ولی اور مولیٰ ہیں

دوسری چیز جس کا اہتمام حاجی کو بہت کرنا چاہئے ، وہ یہ ہے کہ اپنے رفقاء میں کسی سے ہرگز نہ الجھے ، الجھنیں بہت پیش آتی ہیں ، ان الجھنوں میں کشمکش اور بے صبری ہرگز نہ کریں ، خاموشی سے جھیل لیں ۔ الجھن بھی ختم ہوگی ، اور ثواب بھی ملے گا ، معلم کی طرف سے یا اپنے رفقاء کی طرف سے جب بھی کوئی الجھن پیش آئے اور آپ کو یہ محسوس ہو کہ آپ کی حق تلفی ہو رہی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث یاد کیجئے ، اس پر عمل شروع کر دیجئے ، نسخۂ شفا ہے ۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال : انما ستکون بعدی اثرۃ و امور تنکرونھا قالوا : یا رسول اللہ فما تامرنا ، قال : تودون الحق الذی علیکم و تسالون اللہ الذی لکم (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ترجیحات ہوں گی ، اور ایسے کام ہوں گے جنہیں تم اجنبی جانو گے ، لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت ہمارے لئے آپ کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا جو کچھ تمہارے ذمہ دوسروں کا حق ہو ، اسے ادا کرود ، اور جو تمہارا دوسروں پر حق ہو ، اس کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو ۔

یہ بہت ہی بیش قیمت نصیحت ہے ، جب ہم دوسروں کا حق ادا کر کے اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوں گے تو خود بخود رحمت الٰہی متوجہ ہوگی ، اس وقت جب بندہ خدا سے اپنے حق کا سوال کرے گا تو ان شاء اللہ سارے کام سدھرتے چلے جائیں گے ۔ اس بات کی عام زندگی میں تو ضرورت ہے ہی ، خاص طور سے سفر میں اس کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے ۔ اگر حاجی اس اصول کو مضبوطی سے تھام لیں تو شکایتوں کا بڑا حصہ خود بخود دفنا ہو جائے گا ۔

ہندوستانی حاجیوں کو اس بات کا بھی بہت خیال رکھنا چاہئے کہ وہاں ساری دنیا

سے حاجی جمع ہوتے ہیں، مختلف طبیعتوں کے، مختلف رنگوں کے، ان میں سب پڑھے لکھے نہیں ہوتے، اور نہ سب عاقل وفرزانہ ہوتے ہیں، کسی کو کچھ کرتے دیکھ کر اس کی نقل نہ کریں بلکہ معتبر علماء سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کریں۔ ہر حاجی اپنے دیار کے کسی عالم کو تلاش کرلے اور ضرورت پڑنے پر اسی سے مسئلہ پوچھے اور عالم کی بھی ذمہ داری ہے کہ خوب تحقیق کرکے جواب دے۔ اور اگر بروقت کوئی عالم نہ مل سکے تو مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں جاکر وہاں کے علماء سے مسئلہ دریافت کریں، بعض علماء وہاں مسائل میں تساہل برتتے ہیں۔ ان سے مسائل میں رجوع نہ کریں۔ حرم شریف میں جو لوگ تقریریں کرتے ہیں اور درس دیتے ہیں وہ احناف کے مسائل کی رعایت نہیں کرتے، ان سے مسائل دریافت کرکے تشویش میں نہ پڑیں۔ ان میں بعض حضرات احناف کے خلاف مسائل کی تقریریں کرتے ہیں اور احناف پر رد کرتے ہیں۔ ان سے دھوکہ نہ کھائیں۔ احناف کے نزدیک جو مسائل ہیں وہ مضبوط دلائل کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ کسی وسوسہ میں نہ مبتلا ہوں۔

ایک بات اور بھی بہت قابل اہتمام ہے، سعودیہ عربیہ ماشاء اللہ صاحب ثروت ملک ہے۔ حکومت سے لیکر ایک عام سطح کا انسان سب مالدار ہیں، اور دل بھی کھلا رکھتے ہیں، حج کے موقع پر بلکہ عام حالات میں بھی زائرین حرم کی خدمت کو یہ لوگ سعادت عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ اور مختلف انداز سے خدمت کرتے ہیں، بہت سے اہل خیر کھانے پینے کی اشیاء مفت تقسیم کرتے ہیں کہ غرباء ومساکین کا بھلا ہو، بعض لوگ گاڑیاں بھر بھر کر بوتلوں میں پانی لاتے ہیں۔ پلاؤ بریانی تیار کرکے تھیلیوں میں بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں، کچھ حضرات دہی، چھاچھ اور پھل وغیرہ بانٹتے پھرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گاڑیوں میں بھر کر جب تقسیم کیلئے آتی ہیں، تو کچھ لوگ ان پر اس طرح ٹوٹتے اور گرتے ہیں، جیسے اسی کے لئے آئے ہوں، ہزاروں روپئے خرچ کرکے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، مگر تھوڑی تھوڑی چیزوں کیلئے حرص کا اس طرح مظاہرہ کرتے ہیں، جیسے گداگروں کی جماعت ہو، حاجی کو اپنے کام اور اپنے مقصد پر جما رہنا چاہئے، مقدر کی چیز تو خود چل کر آئے گی۔

میں نے میدان عرفات میں دیکھا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے کاغذ کے ڈبوں میں دوپہر کا کھانا تقسیم ہو رہا تھا، معلم کے کارندے ایک ایک ڈبہ ایک ایک حاجی کو دے رہے تھے۔ مگر بعض بعض حاجی کئی کئی ڈبے حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، تقسیم کرنے والے کارندے حرام حرام کا نعرہ لگاتے رہے، مگر لوگ اس سے بے نیاز جبراً کئی کئی ڈبے حاصل کرتے رہے۔ ایک قافلہ خاموش تھا، اس نے سرے سے ڈبہ حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا، تو بعد میں کارندوں نے خود لاکر ان کے پاس ڈبوں کا ڈھیر لگا دیا، جتنا مقدر ہے اتنا پہونچ کر رہے گا۔ ایسی جگہوں پر اور عبادت کی ان حالتوں میں حرص و ہوس کا مظاہرہ ناپسندیدہ تر ہے۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اعمال ومناسک کی ادائیگی میں لوگوں کی نقل نہ کی جائے، بلکہ مسائل کی تحقیق کر کے ان پر عمل کیا جائے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے۔ ایسا بہت دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص نے غلطی سے یا اتفاقاً کوئی کام کرلیا تو پیچھے والے وہی کرنے لگتے ہیں۔ طواف کے آداب میں یہ ہے کہ سر جھکا کر خشوع وخضوع کے ساتھ طواف کرے، دوران طواف خانہ کعبہ کی طرف دیکھتے رہنا ممنوع ہے۔ ہاں رکن یمانی پر پہونچے یا حجر اسود پر تو استلام کرلے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ بعض لوگ ناواقفی کی وجہ سے دوران طواف بے موقع ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس طرح اٹھاتے ہیں جیسے کسی کو سلام کر رہے ہوں۔ ایک نے ہاتھ اٹھایا تو پیچھے والے بہت سے لوگ ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ گویا یہ بھی آداب طواف میں ہے، بعض لوگ مقام ابراہیم پر ہاتھ لگاتے ہیں، پھر دیکھنے والے آ آ کر اسے ہاتھ لگاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بے اصل بات ہے۔ اس طرح کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں۔

قربانی کا انتظام وہاں حکومت کے زیر اہتمام ہوتا ہے، مگر چونکہ اس کے اہل انتظام ہر مسلک والے لوگوں کی رعایت نہیں کرتے، اس لئے بالخصوص احناف کو چاہئے کہ حج تمتع اور قران کے شکرانے میں جو قربانی کی جاتی ہے، وہ خود کریں، اس میں قدرے مشقت تو ہوتی ہے، مگر بقدر مشقت ثواب بھی تو ہے، اس میں غفلت نہ کریں، اپنے ہاتھ سے

صحیح وقت پر قربانی کریں، ہاں نفلی قربانیاں ہوں، یا بقرعید والی قربانیاں ہوں، وہ دوسروں سے چاہیں تو کرالیں۔

بعض لوگوں کو احرام اتارنے اور آزاد ہونے کی عجلت ہوتی ہے، بہتوں کو داڑھی منڈانے کی جلدی ہوتی ہے، کس قدر بری بات ہے کہ ایک معصیت کے لئے جامۂ عبادت کو جلد از جلد اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ باطمینان تمام ارکان ادا کر کے وقت پر جامۂ احرام اتاریں۔

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ خواتین جو حج کو جاتی ہیں، انھیں برقعے اور پردے کا اہتمام بالکل نہیں رہتا، حالت احرام میں خواتین کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ چہرے پر کپڑا نہیں پڑنا چاہئے۔ اس حالت میں برقعہ استعمال کرنا اور چہرے پر کپڑا ڈالنا ممکن نہیں ہوتا تو اب سے کچھ عرصہ پہلے تک ایک خاص طرح کی ٹوپی عورتوں میں رائج تھی، جس کو سر پر رکھ کر برقعہ پہنا جائے، تو کپڑا چہرے سے دور رہتا ہے اور پردہ بھی ہو جاتا ہے، اب لوگوں کو حجاب کا یہ طریقہ تکلف معلوم ہوتا ہے، یونہی چہرہ کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر اتنے ہی پر بس نہیں، عام حالات میں جب کہ احرام نہیں ہوتا برقعہ اتار دیا جاتا ہے، وہ خواتین جو اپنے وطن میں کسی نا محرم مرد کے سامنے بے حجابانہ کبھی آ نہیں سکتیں وہ بھی بے تکلف مردوں کے دوش بدوش ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ حالت احرام میں گو کہ چہرہ پر کپڑا نہیں پڑنا چاہئے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل بے حجاب ہو جائیں۔ احتیاط لازم ہے، ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے مکمل پردہ نہ ہو سکے، تو بھی یہ درست نہیں ہے کہ نری بے پردہ ہو کر رہ جائیں، اور مردوں سے بے تکلف گفتگو کریں، اور ان سے ٹکراتی پھریں۔ طواف میں بھی بہت بے احتیاطی ہوتی ہے خواتین کو چاہئے کہ بہت محتاط ہو کر طواف کریں۔ اور احرام کے علاوہ حالتوں میں مکمل پردہ اور برقعہ میں رہیں۔

حرم میں ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ نماز کے اوقات میں خواتین مردوں کی صفوں میں آ جاتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ہوتا ہے کہ عورتوں کو ان کی جگہ پر پہونچا

دیا جائے، مگر بعض عورتیں مصر ہوتی ہیں کہ وہ وہیں رہیں گی۔ اس سے مردوں کی نمازیں اور خود ان کی بھی نمازیں خراب ہوتی ہیں۔ حرم شریف میں عورتوں کے لئے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہیں ہیں، وہیں وہ جگہ لے کر نماز پڑھیں، حرم تو سارا حرم ہے، جہاں بھی نماز پڑھیں گی، ثواب پورا ملے گا۔ لیکن مردوں کے درمیان گھس کر خود بھی گنہگار ہوتی ہیں اور دوسروں کو بھی گنہگار بناتی ہیں۔

یہ وہ ایک شرعی حکم ہے، اسے دوسروں کی نقالی میں ترک نہیں کرنا چاہئے۔ کتنی عورتیں ایسی ہوتی ہیں، جو نقاب اپنے ملک میں چھوڑ کر جاتی ہیں۔ اور پھر جب لوٹ کر اپنے ملک پہونچتی ہیں، تو پھر پہن لیتی ہیں۔

حج میں ہجوم بے شک بہت ہوتا ہے، پردہ کی احتیاط مشکل ہوتی ہے، تاہم ایسی خواتین بھی ہوتی ہیں، جو محتاط طریقے پر حج کر لیتی ہیں۔ نہ ان کا چہرہ دیکھنے میں آتا، اور نہ ان کی آواز سنائی دیتی ہے، ظاہر ہے کہ مردوں کی طرح یہ خواتین بھی عبادت کے لئے آئی ہیں۔ عبادت کی احتیاط، اس کا تقدس باقی رہنا چاہئے، ساتھ میں جو مرد ہیں، وہ انھیں احتیاط کا پابند بنائیں۔ عورتوں کو سامانوں کی خریداری اور انھیں غیر قانونی طور پر لانے کا ذریعہ نہ بنائیں۔

حاجیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ بڑی رقم خرچ کر کے، سفر کی مشقت اٹھا کر اللہ کیلئے اس مقدس سرزمین میں پہونچے ہیں۔ اور اس سے زیادہ مقدس سرزمین کہیں اور مل بھی نہیں سکتی تو اس کو بازاروں میں گھومنے پھرنے، سامانوں کے خریدنے، سیر و تفریح، فضول گپ شپ میں نہ گنوائیں۔ زیادہ سے زیادہ عبادت، تلاوت، ذکر، بیت اللہ کی حاضری، طواف وغیرہ میں وقت کو مصروف رکھیں۔ سامان ہر جگہ ملتے ہیں، وہاں سامانوں کو مقصود بنا لینا بدقسمتی ہے۔

مدینہ طیبہ کی حاضری میں بھی انہیں باتوں کا خیال رکھیں، مسجد نبوی کی حاضری اور روضۂ اقدس پر باادب سلام پیش کرنے کو زندگی کی بڑی نعمت اور خدا کا بڑا انعام سمجھیں، حق تعالیٰ حج و زیارت کے سفر کو قبول فرمائیں، اور دارین کی سعادت نصیب فرمائیں۔

حج کے بعد

حجاج بیت اللہ کے قافلے فریضۂ حج اور زیارت مدینہ سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے وطنوں کو لوٹنے لگے ہیں۔ اعزہ واقرباء اور وطن کے لوگ ان کا استقبال کریں گے، اعزاز واکرام کریں گے، ان سے دعائیں چاہیں گے، یہ لوگ ایک ایسے دیار سے لوٹ کر آ رہے ہیں، جس کے تقدس وطہارت کا نقش ہر مسلمان کے دل پر جما ہوا ہے، وہاں رحمت الٰہی دنیا کی ہر جگہ سے زیادہ برستی ہے، وہاں زمین وآسمان ہیں تو ویسے ہی جیسے ہر جگہ ہیں، مگر عالم غیب میں ان کی حیثیت جداگانہ ہے، جن آنکھوں نے کعبۃ اللہ کی زیارت کی، گویا انھوں نے خود رب کعبہ کی زیارت کی، ان آنکھوں کا نور کچھ اور ہی ہے۔ جو قدم طواف میں، سعی میں اور عرفات ومزدلفہ ومنیٰ میں گردش وحرکت میں رہے، ان قدموں کی شان کچھ اور ہی ہے، جن ہاتھوں نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا، جمرات پر کنکریاں ماریں، ملتزم پر والہانہ وعاشقانہ انداز میں لپٹے، اور ہر مقامِ قبولیت پر دعا کے لئے اٹھے، ان ہاتھوں کی برکت کچھ اور ہی ہے۔ حاجی اس طرح گھر لوٹ کر آ رہا ہے، جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، معصوم بے گناہ! زندگی کا یہ اتنا بڑا اشرف ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زندگی کا سفر اسی پر تمام ہو جائے۔ اور یونہی بخشے بخشائے، عصمت وبے گناہی کی سوغات لئے دربار قدس میں حاضری ہو جائے۔

مگر ابھی کچھ مرحلے باقی ہیں۔ حاجی اپنے گناہوں کا پشتارہ فنا کروا کے آیا ہے، اب اس کی نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، نئی ایمانی زندگی، نئی روحانی زندگی! اس نئی ایمانی

زندگی اور اس نئی روحانی زندگی پر آئندہ زندگی کی تعمیر کس طور پر ہو، یہ بہت ہی قابل غور اور قابل لحاظ امر ہے، حج کے بعد دنیاوی سرمستیاں، جاہ و مال کی حرص کوشیاں، نفس وشیطان کے پھندوں میں گرفتاریاں، اور کبر وغرور کی خطا کاریاں ختم ہو جانی چاہئیں، زندگی محتاط ہو جائے، عمل صالح ہو جائے، قول صادق ہو جائے، کردار بے غبار ہو جائے، قلب سلیم ہو جائے، اس کا بہت اہتمام چاہیئے، آج بیت اللہ میں حاضری ہوئی ہے، کل خود اللہ کے سامنے حاضری ہوگی، بیت اللہ پہونچ کر سب گناہ معاف کرالئے تھے، اللہ کے حضور پہونچیں تو کسی گناہ کا نشان نہ رہے، یہ بات کتنی خوش نصیبی کی ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ہر وقت اپنے فرائض وواجبات، سنن وآداب کا اہتمام رکھنا چاہیئے، یہی وہ چیزیں ہیں، جو انسان کی روح کو ترقی بخشتی ہیں۔ لیکن حج سے واپس ہونے اور حاجی بن جانے کے بعد ان کے اہتمام میں اضافہ کر دینا چاہیئے، تاکہ زندگی کا جو ایک نیا دور شروع ہوا ہے، اس میں گناہوں کی آلودگی کم سے کم ہو، اور طاعت وعبادت کی جو استعداد حرمین شریفین کی حاضری کی برکت سے پیدا ہوئی اور بڑھ گئی ہے، اس کا جمال اور اسکی رونق برقرار رہے، اس میں اضافہ ہوتا رہے۔ غرض یہ ہے کہ حج کے پہلے والی زندگی اور حج کے بعد والی زندگی میں عمدہ اور پسندیدہ فرق آجانا چاہیئے، اگر پہلے دینداری میں کمی تھی، تو اب بڑھ جانی چاہیئے، اور اگر ماشاء اللہ پہلے سے موجود تھی، تو اب اس میں ترقی ہونی چاہیئے۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے، جب سفر خاصا دشوار اور طویل المدت ہوتا تھا، آدمی یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی حج کر کے آئے اور چہرے پر داڑھی نہ ہو، یا وہ نمازی نہ ہو، حج کے ارادے کے ساتھ داڑھی چھوڑ دی جاتی تھی، اور نمازوں کی پابندی کا اہتمام ہونے لگتا تھا، بڑی عجیب بات تھی کہ حاجی داڑھی منڈا ہو، یا بے نمازی ہو، بعض لوگ جو نماز کو اپنے اوپر گراں سمجھتے تھے، وہ باوجود صاحب حیثیت وثروت ہونے کے اس لئے حج سے کتراتے تھے کہ حاجی ہونے کے بعد نماز کی پابندی کرنی پڑے گی۔ میں حج سے کترانے کی تحسین نہیں کرتا، بلکہ حج کے بعد نمازی ہونا ایک ایسا لازمی امر تھا کہ اس کے بغیر حاجی ہونے کا تصور ہی

نہ تھا۔ اب یہ دونوں باتیں قصہ پارینہ ہیں۔ ایک حج نہیں کئی کئی حج سے سرفراز ہیں، مگر نماز ندارد! حج بھی کئے ہوئے ہیں، عمرہ بھی کئے ہوئے ہیں، مگر چہرہ نور الٰہی سے بے بہرہ! یہ صورت حال افسوسناک ہے، نماز فرض ہے، داڑھی واجب ہے، اس میں تو کبھی سستی نہیں کرنی چاہئے، اور حج کے بعد تو اس کی اہمیت مزید ہو جاتی ہے۔ حج سے پہلے اور عام حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا تقاضا اور امر تو ہے ہی، حج کے بعد بندوں کی طرف سے تقاضا مزید ہو جاتا ہے، کیونکہ ہمارے عرف میں اب تک یہ خیال فنا نہیں ہوا ہے کہ حاجی ہے، تو اس کا چہرہ پرنور ہونا چاہئے، اس کی مسجد آباد ہونی چاہئے۔ اور یہ بڑی ناروا جرأت ہے کہ ایک مسلمان اللہ کے امر کو بھی ٹال دے اور خلق خدا کے تقاضے سے بھی صرف نظر کر لے۔

حاجی، زیارت حرمین شریفین کر کے گھر آ رہا ہے، بہت سے لوگ استقبال کے لئے ہوائی اڈے تک گئے ہوئے ہیں، استقبال کرنے والے حاجیوں کی گردن میں پھول مالا ڈال رہے ہیں۔ مصافحوں اور معانقوں کے بعد دعاؤں کی درخواست کر رہے ہیں، دعا قبول ہے، لیکن کبھی کبھی استقبال کرنے والے اتنے پہونچ جاتے ہیں کہ حاجی زحمت میں پڑ جاتا ہے، ابھی سفر باقی ہے، بہت سے حاجیوں کو ہوائی اڈے سے دور اپنے وطن کو جانا ہے۔ لوگ موٹریں لے کر گئے ہیں، کچھ کو ریل سے سفر کرنا ہے۔ اس میں چند ایک رفیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن رفقاء اتنے جمع ہو جائیں کہ اصل مسافر کسی طرح کی زحمت میں آ جائے، مناسب نہیں ہے، انتظام کی زحمت، اخراجات کی زحمت، رفقاء زیادہ ہوتے ہیں تو کبھی کبھی کسی مسئلے میں باہم کشمکش ہو جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ استقبال کرنے والے جتنے زیادہ ہوں گے، گاڑیاں جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گی، شان و وقار میں اضافہ ہوگا۔ تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سفر کیا تھا، شان و وقار جتلانا آپ کا کام نہیں ہے، شان و وقار تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہنے دیجئے۔ ہم تو سر جھکا کے گمنام بنے رہیں، جس کو اس عبادت پر ثواب دینا ہے، وہ دیکھ رہا ہے جان رہا ہے، اس کے نزدیک ظاہری شان وشوکت کی کوئی

قیمت نہیں ہے، بلکہ اپنی شان بنانے سے ان کی ناراضگی آتی ہے، آپ نے اتنا لمبا سفر کیا، مشقتیں جھیلیں، مال کا ایک بڑا حصہ خرچ کیا، اور خود کو ایسی جگہ پیش کیا کہ گناہ کا ہر ذرہ بدن سے، قلب سے، روح سے جھڑ جائے، اس کے بعد صرف تھوڑی سی اور ظاہری شان وشوکت کے لئے پھر معصیت کی آلودگی میں لت پت ہو جانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ آپ بغیر کسی نام نمود کے اپنے وطن پہونچیے، اور سیدھے مسجد پہونچ کر دو رکعت نفل پڑھئے، اللہ کا شکر ادا کیجئے، اس کا احسان مانئے، اور جی لگا کر دعا کیجئے، اپنے لئے، اپنے اعزہ واقرباء کے لئے، ان لوگوں کے لئے جو آپ سے ملنے آ چکے ہیں، یا آئیں گے، اور ساری امت مسلمہ کے لئے، پھر تواضع ومسکنت سے اپنے گھر میں داخل ہویئے۔ وہاں بھی دو رکعت نفل پڑھ لیجئے۔ آپ سے ملنے لوگ آئے ہیں اور آتے رہیں گے ان سے ملئے، وہ احوال پہونچیں گے، انھیں سفر کی تفصیلات بتایئے، اس میں مضائقہ نہیں، لیکن اپنی کسی عبادت کی نمائش مت کیجئے۔ آپ کو جو تکلیفیں اس سفر میں پہونچی ہیں، ان کا تذکرہ مت کیجئے۔ کسی ساتھی پر کوئی تنقیدی لفظ مت بولئے، وہاں بازاروں میں دنیا بھر کے ایک سے بڑھ کر ایک سامان جو دیکھ کر آپ آئے ہیں، ان کا بھی ذکر مت کیجئے، ایسی باتیں کیجئے، جن سے آپ کے قلب میں بھی اور سننے والوں کے قلب میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت پیدا ہو، حرم کا تقدس نمایاں ہو، رسول اکرم ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کا اہتمام ہو، نہ حکومت پر تنقید کیجئے، نہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کی کوئی شکایت کیجئے، اور نہ دور دراز سے آنے والوں کی کسی بے عنوانی اور جہل وناواقفی کا تذکرہ کیجئے، ان تذکروں سے کوئی فائدہ نہیں نقصان البتہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے حج کو قبول فرمائیں، اور مزید حج وزیارت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفر حج

حجاج کرام سے کچھ گزارشیں

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ، أمابعد!

الحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات ۱۴۲۹ھ (۲۰۰۸ء) کا حج بخیر وخوبی پورا ہوگیا۔ ہندوستان سے اس مبارک سفر کا آغاز ۳۰/ اکتوبر سے ہوا، کئی جگہ سے مدینہ شریف کے لئے پہلی پرواز ۳۰/ اکتوبر کو متعین ہوئی اور عازمین حج بصد شوق وذوق مدینہ شریف کے لئے مذکورہ تاریخ میں روانہ ہوئے ، پچھلے حج سے واپسی میں بعض ایسی مشکلات سے حجاج کو سابقہ پڑا تھا جس کا پہلے سے تجربہ نہ تھا، اس سال حج کمیٹی نے اور دوسرے حضرات نے ان مشکلات پر قابو پانے کے انتظامات کئے ، مگر انسان کا انتظام ہمیشہ ادھورا رہتا ہے ، ایک سوراخ بند کیا جاتا ہے، تو دوسرے سوراخ کھل جاتے ہیں ، چنانچہ اس سال روانگی کی ابتدائی تاریخ ہی سے مشکلات کا ایک نیا عنوان ظاہر ہونے لگا۔

حج کمیٹی کا حکم تھا کہ فلائٹ کی تاریخ سے ایک روز قبل ، مرکز روانگی میں جا کر اپنے سفر کی رپورٹ درج کرادی جائے ، چنانچہ جن لوگوں کو اطلاع تھی کہ پہلی فلائٹ سے ان کی روانگی ہے، انھوں نے ایک روز پہلے سفر کی رپورٹ درج کرادی۔ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور سے جانے والا حجاج کا قافلہ جو چھ افراد پر مشتمل تھا، اس نے بھی رپورٹ درج کرادی، اس کی رسید حج کمیٹی نے دیدی، اور حکم ہوا کہ ۲۹/ اکتوبر کی شام تک آجایئے اور پاسپورٹ اور

سفر کے کاغذات حاصل کر لیجئے، ۳۰؍ کی صبح ساڑھے گیارہ بجے فلائٹ ہے۔ یہ قافلہ ۲۹؍ اکتوبر کو مغرب کی نماز کے بعد حج آفس بنارس پہونچ گیا، کاؤنٹر پر حاضری ہوئی تو اطلاع بخشی گئی کہ قافلہ کے ایک فرد کے ویزے میں تصویر کے اندر کچھ نقص ہے، اس لئے وہ پاسپورٹ بمبئی مرکزی حج کمیٹی کے دفتر سے نہیں آیا ہے، کس ذوق وشوق سے یہ قافلہ بنارس گیا تھا کہ کل شام تک مدینہ منورہ کی پاک سرزمین کا دیکھنا نصیب ہوگا، اوراب حال یہ ہے کہ پوچھنے پر لاعلمی ظاہر کی جارہی ہے کہ معلوم نہیں کب وہ ویزا درست ہوگا، اور کب آئے گا۔ صبر تو کرنا ہی تھا۔ مگر سوچئے جس ذوق کے ساتھ لوگ گھر سے نکلے تھے اس کا کتنا کڑا امتحان تھا، صبر ہوتو کیسے ہو؟ بنارس سے بمبئی فون پر رابطہ کیا گیا، وہاں سے صبر کی تلقین کی گئی، پھر رات گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس آزمائش میں صرف ہمارا ہی قافلہ نہیں، بہت سے لوگ ہیں، بس

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے   اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

پھر معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے پہلی فلائٹ سے جو لوگ جانے والے تھے، ان کے پاسپورٹ ہی سرے سے نہیں آئے ہیں، وہاں تو حجاج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک گیا، شورشرابہ، گتھم گتھا، جس سے جو ہوسکا، اس نے کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی پہلی فلائٹ جا ہی نہ سکی۔

خیر لکھنؤ میں جو ہوا، اس سے وہاں کی مشکلات میں کچھ کمی نہیں آئی، کچھ اضافہ ہی ہوا۔ ہم بنارس میں تھے، بنارس میں عارضی حج ہاؤس جو بنا تھا، وہ ناتمام حالت میں تھا، جو حجاج آگئے تھے اوران کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ہوگئی، انھیں خاصی مشکلات کا سامنا تھا، حاجیوں کے ساتھ ایرپورٹ تک پہونچانے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد آتی ہے، اب ان سب کے ٹھہرنے کا، کھانے پینے اوراس کے اخراجات کا مسئلہ! اچھا خاصا دردسر! اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ مشکل کب آسان ہوگی؟ حج ہاؤس میں کب تک رہنا ہوگا، لوگ پریشان تھے۔

ہمارا قافلہ تو بفضلہ تعالیٰ بنارس کے ایک دیندار اور مخیّر تاجر، ہمارے پرانے محبّ ومحبوب جناب الحاج منظور احمد صاحب ...... اللہ تعالیٰ انھیں رحمتوں اور برکتوں سے نوازے رہے ...... کا مہمان تھا، اور وہ اور ان کے سعید وصالح صاحبزادگان بہت خوش اسلوبی اور انشراح سے مہمان نوازی میں لگے رہے، خیر قدرے انتظار کے بعد ۳۱؍ اکتوبر کو وہ پاسپورٹ ویزا کی سابقہ خرابی کے ساتھ ممبئی سے آگیا، اور ہمارا قافلہ یکم؍ نومبر کو مدینہ شریف کے لئے روانہ ہوگیا، اور کسی دشواری کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہوگیا۔

آمدم برسر مطلب! اس سال بھی حجاج کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، نوعیت بدلی ہوئی تھی، مگر پریشانی برقرار رہی، میں ان پریشانیوں کو تفصیل سے بیان نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان پریشانیوں کا منبع کیا ہے؟ اور کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ حجاج کا یہ سفر عبادت ٹھیک ان کی خواہش کے مطابق ہوجائے؟

حج کے سفر میں دورِ حاضر میں پانچ ادارے مصروف عمل ہوتے ہیں۔ حج کمیٹی، حکومت ہند، معلمین، سعودی حکومت اور فلائٹوں کا ادارہ، اور ان تمام اداروں کی خدمات عازمین حج کے انتظامات سے متعلق ہوتی ہیں۔ یہ پانچوں ادارے عازمین حج کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔

عازمین حج کی خدمت کے لئے ایک پرائیویٹ ادارہ بھی مصروفِ عمل ہوتا ہے، اور وہ ہے ٹورکارپوریشن۔ اس کے متعلق ہم آئندہ کبھی گفتگو کریں گے۔

اس سال جو پہلی دشواری عازمین حج کے سامنے آئی، وہ وقت پر پاسپورٹ نہ ملنے کی تھی، اس میں یا تو حج کمیٹی سے قصور ہوا ہے کہ اس نے جہازوں کی تاریخ کا اور بکنگ کا اعلان تو کردیا، مگر ویزا وقت پر حاصل نہ کرسکی، یا سعودی قونصلیٹ کا قصور ہے کہ اس نے ویزا جاری کرنے میں سستی کی، حج کمیٹی تو یہی کہتی ہے، اب اللہ جانے کس کا قصور ہے۔ بنارس میں تو حجاج کی طرف سے بے صبری کا اظہار نہیں ہوا، یا ہوا تو کم ہوا۔ مگر لکھنؤ میں بہت ہوا، اور اس بے صبری نے معاملہ کو اس حد تک بگاڑ دیا کہ پریشانی کا سلسلہ حرمین شریفین تک

دراز ہوگیا۔

حجاج کرام کی زبانی حج کمیٹی کی شکایتیں بہت سننے میں آتی ہیں، اس میں شبہ نہیں، کہ کچھ کوتاہیاں ایسی ضرور ہوں گی جن کا الزام حج کمیٹی پر چسپاں ہوگا، مگر یہ سوچنا چاہئے کہ ایک لاکھ سے زیادہ عازمین حج کے سفر کی تمامتر کارروائی حج کمیٹی کرتی ہے، بیرون ملک سفر کی جو نزاکتیں ہیں، اسے وہی جانتے ہیں جنھیں اس طرح کے سفر کا سابقہ پڑتا ہے۔ حج کمیٹی ان تمام نزاکتوں سے عہدہ برآ ہوکر حاجیوں کو تمام دستاویزات مہیا کرتی ہے، تب یہ نہایت آسانی سے بغیر کسی تردد اور کاوش کے ہوائی جہاز پر بیٹھ جاتے ہیں، اور جدہ یا مدینہ شریف میں بسہولت اتر جاتے ہیں، ورنہ اگر یہ سارے کام خود عازمین حج کے ذمے کردئے جاتے تو صدہا مشکلات میں گرفتار ہوتے، اور بڑی تعداد میں لوگ سفر بھی نہیں کرسکتے، خود پاسپورٹ بنوانے کا مرحلہ ایک ہمالیہ طے کرنے سے کم نہ ہوتا، اللہ جانے کتنے اخراجات ہوتے، کتنی مشکلوں سے پاسپورٹ بنتا، پھر اس پر ویزے کا مسئلہ اور جانکاہ ہوتا۔ کتنا دوڑنا پڑتا، کتنے مصارف ہوتے، پھر یہ ہفت خواں طے ہوتا، تو ہوائی جہاز کی سیٹ بک کرانے کا قصہ درپیش آتا، پھر سفر، سفر سے واپسی! حج کمیٹی کے ذریعے سب مرحلے آسان ہوگئے۔ ایک فارم بھرا، متعینہ رقم ادا کی، منظوری ہوئی۔ اب پاسپورٹ بنوانا، ویزا حاصل کرنا، ہوائی جہاز کے آمدورفت کی سیٹ بک کروانا، پرواز کی جگہ متعین کرنا، اور حجاج کی مدد اور رہنمائی کے لئے خدمات کو پیش کرنا، یہ سب حج کمیٹی کی ذمہ داری! عازم حج نے پاسپورٹ حاصل کیا اور حرمین شریفین پہونچ گیا۔ وہاں مکان نہیں تلاش کرنا ہے، کرایہ نہیں طے کرنا ہے، یہ سب مرحلے حج کمیٹی اور دوسرے ادارے مل کر طے کرچکے ہوتے ہیں۔ حاجی نامزد بلڈنگ اور اس کے متعین شدہ کمرے میں جاکر بستر کھول دے، بلکہ بستر کھلا ہوا پاجائے۔

اتنے بڑے انتظام میں کچھ کوتاہی ہوجائے، کچھ کسی کے حق میں کمی رہ جائے، تو وہ قابل درگزر ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ مجموعی اعتبار سے اس کا کردار کیسا رہا؟ اگر ہر شخص اپنے ارادے اور خواہش کے پیمانے پر حج کمیٹی کے عمل کو پرکھنے لگے، تو حج کمیٹی جیسا ایک محدود

ادارہ تو کیا بڑی بڑی حکومتیں فیل ہوجائیں گی۔

جس مسلمان پر حج فرض ہے، اس پر حج کے انتظامات بھی فرض ہیں، مسلمانوں کا کوئی ادارہ اگر اس کے انتظامات کا کفیل ہوجاتا ہے تو عازمین حج کو اس کا شکرگزار ہونا چاہئے، اور اگر کسی خاص شخص کو کوئی تکلیف پہونچ جائے، تو درگزر کردے، کیونکہ انتظام بڑا ہے، اور اس کے بہت سے شعبے ایسے ہیں جو حج کمیٹی کے اختیار میں نہیں ہیں، ان کے لئے اسے بہت سے اداروں اور دفتروں سے مدد لینی پڑتی ہے، کسی ایک جگہ اگر گاڑی اٹک گئی، تو ہر طرف کاموں کا چکہ جام ہوجاتا ہے۔

مثلاً اس سال بعض وجوہ سے جن کی تفصیل بیان کرنی ضروری نہیں، سعودی قونصل نے ویزا لگانے میں دیر بھی کی اور بے احتیاطی بھی، اس میں حج کمیٹی مجبور ہوگئی۔ اس نے وقت پر سارے انتظامات کردیئے، مگر ویزا ہی ملنے میں تاخیر ہوئی، تو کیا وہ قابل درگزر نہیں۔

دوسرا ادارہ جس کی حجاج کرام کو بہت شکایت ہوتی ہے، وہ معلمین کا ادارہ ہے، جسے آج کی اصطلاح میں ''مکتب'' کہا جاتا ہے، انھیں زیادہ ان کے نام سے نہیں مکتب نمبر کے ساتھ جانا جاتا ہے۔

معلمین کی شکایت پرانی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کا سفرنامہ پڑھئے، اور معلمین کی تصویر دیکھئے۔ لیکن اس دور میں حجاج کرام کی خدمت چونکہ متعدد اداروں میں تقسیم ہوگئی ہے، اور اس کا ایک محدود حصہ معلمین کو ملا ہے، اس لئے اب یہ ادارہ زیادہ محل شکایت نہیں رہ گیا ہے۔ مجھے تفصیل سے معلوم نہیں کہ معلم کی خدمات کیا کیا ہیں؟ اتنا جانتا ہوں کہ بسوں کا انتظام معلم سے متعلق ہے، جدہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ، پھر مشاعر حج میں بسوں سے لے جانا اور لے آنا اور خیموں کا انتظام کرنا معلم کی ذمہ داری ہے، اور وہ یہ ذمہ داری پوری کرتے ہیں، ہاں وقت کے تعین اور اس کی تعمیل میں کچھ ادھر ادھر ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ حاجیوں کے اس ہجوم اور بسوں کی بھیڑ بھاڑ میں وقت کی پابندی مشکل ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معلمین سے کوتاہی نہیں ہوتی، بعضے امور ضرور رُونما ہوجاتے ہیں جنھیں بجز معلم کی غلطی کے کچھ نہیں کہا جاسکتا، مثلاً پچھلے سال کے حج میں منیٰ سے جب عرفات کو روانگی ہورہی تھی تو ایک معلم کے کارندوں نے رات کو ۱۲/ بجے کے بعد سے ہنگامہ شروع کیا کہ عرفات چلو، عرفات چلو، لوگ دوڑ دوڑ کر جانے لگے، بعض لوگوں نے بلکہ زیادہ تر حجاج نے سوچا کہ فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا جائے، فجر کی نماز کے بعد جب خیموں کے گیٹ کی جانب چلے تو معلوم ہوا کہ گیٹ بند ہے، گیٹ کیپر سے بہت خوشامد کی گئی، مگر اس نے نہیں کھولا، خیال ہوا کہ آفس میں کوئی ذمہ دار ہوگا، اس سے بات کی جائے، مگر آفس خالی تھا، گیٹ پر ایک بھیڑ تھی، مگر نہ بس آرہی تھی، نہ گیٹ کھل رہا تھا، یہاں تک کہ سروں پر تیز دھوپ آگئی، مگر بہرا گونگا گیٹ کیپر بے حس تھا۔ دھوپ میں کھڑے کھڑے دس بج گئے، معلم کی بس نہ آتی نہ آئے، مگر گیٹ تو کھلے کہ لوگ پرائیویٹ سواریوں سے، یا ہمت والے پیدل ہی نکل جائیں، مگر ساڑھے دس بجے تک گیٹ نہیں کھلا، ساڑھے دس بجے جب عرفات جانے کا وقت تنگ ہوگیا اور حجاج نے شور مچایا، تو اس نے یہ کہہ کر گیٹ کھولا کہ اب بس نہیں آئے گی۔ میں اور میرا بیٹا محمد عادل سلّمہٗ دونوں پیدل چل دئے، ایک کیلومیٹر چلنے کے بعد ایک پرائیویٹ گاڑی ملی، اس نے پچیس پچیس ریال مانگے، ہم عجلت میں اس پر بیٹھ گئے، اس نے عرفات میں پہونچایا۔ مگر قدرے تاخیر ہوچکی تھی، اس نے جہاں اتارا، وہاں کیا کریں، اپنے دوست مفتی عبدالرحمٰن سلّمہٗ کو فون کیا، وہ بھاگے ہوئے آئے اور اپنے خیمے میں لے گئے۔

یہ جو بحران پیش آیا، یہ یقیناً معلم کی بدانتظامی تھی، اور مزید یہ کہ وہ ایسے بے حس اور سر پھرے کارندوں کو متعین کردیتے ہیں جو کوئی رعایت کرنا، یا عقل سے کام لینا جانتے ہی نہیں۔

اس سال ۱۲/ ذی الحجہ کو جب منیٰ سے مکہ مکرمہ کو روانگی تھی، ہمارے خیمے میں اعلان ہوا کہ بس مغرب بعد آئے گی، لوگ منتظر رہے، مگر بس نہیں آئی، آس پاس کے خیموں کے

پاس بس آتی رہی اور لوگ روانہ ہوتے رہے، مگر ہمارے خیمے کے سامنے حجاج کی بھیڑ لگی رہی، مگر بس نہیں آئی۔ عشاء کا وقت ہوگیا، بہت سے لوگ پیدل اور کئی لوگ پرائیویٹ سواریوں سے نکل گئے۔ ہمارا قافلہ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، ہمارے علاوہ اعظم گڈھ سے پانچ حاجی صاحبان اور تھے، جو معمر اور بزرگ تھے، خیمہ میں عشاء کی نماز ادا کی، اور پیدل نکل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور جاکر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی، اور ایک نیک دل سعودی نے اپنی گاڑی پر بیٹھا لیا، ہجوم کی وجہ سے قدرے دیر تو ہوئی مگر نہایت آرام سے اپنی قیامگاہ پر پہونچ گئے، یہاں بھی معلم کی بدانتظامی تھی۔

اس کے علاوہ ایک بدانتظامی اور ہوتی ہے کہ منیٰ میں خیموں میں جتنی گنجائش ہوتی ہے، اس سے ڈیڑھ گنے آدمی بھر دئے جاتے ہیں، اس سے بعض اوقات بڑی پیچیدگی ہوتی ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے خیموں میں جگہ بچا کر بڑی بڑی رقمیں دوسرے لوگوں سے وصول کرتے ہیں۔ **والعلم عند اللّٰہ**

یہ شکایتیں تو بے شک بجا ہیں، تاہم ان کی وجہ سے حجاج کو بہت سی سہولتیں بھی ہوتی ہیں، منیٰ اور عرفات میں خیمہ لگانے کی ذمہ داری ان کی ہوتی ہے، لیجانا اور لے آنا ان کے فرائض میں ہے، کسی کسی وقت کھانے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔

تیسرا ادارہ حکومت ہند کا ہے، ہم حاجیوں کی خدمت کے باب میں حکومت ہند کی ستائش کریں گے، حکومت حاجیوں کی خدمت بہت فراخدلی سے کرتی ہے، ہوائی جہاز کے رعایتی کرایہ سے لے کر حاجیوں کے دوا علاج اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے مستقل محکمہ قائم کر رکھا ہے، ’’انڈین حج مشن‘‘ کے تحت سیکڑوں کارکن اور ڈاکٹر مصروف خدمت ہوتے ہیں، دوائیں مفت مہیا کی جاتی ہیں، حکومت کی ان رعایتوں کی وجہ سے اہل ہند کا حج دوسرے ممالک کے مقابلے میں کافی ارزاں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جس سے چاہے اپنے بندوں کی سہولت کا سامان کردے۔

حجاج کی خدمت کے لئے چوتھا ادارہ سعودی حکومت کا ہے، اس حکومت نے

حاجیوں کی سہولت کے جو انتظامات کئے، وہ بس اللہ کی خاص مہربانی ہے، ایسا انتظام ہے کہ شاید اس سے زیادہ سوچا نہ جاسکے، یہ حکومت اپنی پوری توانائی حج وعمرے کے عازمین کی سہولت اور آسائش کے لئے صرف کرتی ہے، ایک مستقل وزارت اس خدمت کے لئے ہے، جو سال بھر اسی موضوع پر کام کرتی رہتی ہے۔

پانچواں ادارہ فلائٹوں کا ہے۔ حج کے لئے دو طرح کی فلائٹوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایرانڈیا اور سعودی ایرویز۔ سعودی ایرویز کی شکایتیں تو کم سننے میں آتی ہیں، پچھلے سال کچھ شکایات تھیں، مگر ایرانڈیا نے تو پچھلے سال اور اس سال ستم کی حد توڑ دی۔ ایر انڈیا سے حاجیوں کو بہت پریشانی ہوئی، پچھلے سال سامانوں کی پریشانی بہت رہی، اس سال فلائٹیں اتنی لیٹ تھیں کہ حاجیوں کا سارا نظام بگڑا رہا، اس پر حج کمیٹی اور حکومت ہند کو خاص توجہ دینی چاہئے۔

اب حاجی صاحبان کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں، اور اس مضمون کے اصل مخاطب وہی ہیں، کیونکہ دوسرے ادارے جو حجاج کی خدمت کے لئے وجود میں آئے ہیں، ان کے معاملات، ان کے مشکلات اور ان کے مسائل ہماری پہونچ سے ماوراء ہیں۔ ان کی اصلاح، ان کی درستگی اور ان کے مسائل کا حل اربابِ سیاست اور اصحابِ حل وعقد کرسکتے ہیں، ہم تو ان کی خدمات پر ممنونیت کا اظہار کرسکتے ہیں اور جو کچھ ان کی کوتاہیاں معلوم ہوتی ہیں ان کو صبر وضبط سے انگیز کرلیں گے، اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی کریں گے، اگرچہ جس نظریہ کا چلن ہے، وہ ہماری اس روش کو شاید پسند نہ کرے، مگر مجبوری ہے، ہم بھی اپنی خو کیوں بدلیں؟

عازمین حج کا سفر کسی سیر سپاٹے، تفریح ودل لگی یا تجارت وکسب معاش کیلئے نہیں ہوتا، وہ اللہ کی عبادت کے لئے نکلتے ہیں، یہ عبادت ایسی ہے جو اپنے گھر، اپنے وطن میں رہ کر کسی سے ادا نہیں ہوسکتی۔ یہ سفر محض عبادت کا، محض نیکی کا، محض اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے، اللہ نے استطاعت دی ہے، وسائل مہیا ہیں، تو ان پر فرض ہے کہ یہ سفر کریں۔ یہ اسلام کی

بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، اس کا انتظام ہر شخص کو خود کرنا ہے، اور اس کا جو قدم بھی اس سفر میں اٹھے گا وہ نیکی اور عبادت ہوگا، حاجی جب گھر سے نکلتا ہے، اور جب تک واپس ہوتا ہے، یہ سارا وقفہ مسلسل عبادت اور طاعت میں گزرتا ہے۔

حج اور سفر حج کے فضائل بہت ہیں، جن کا تذکرہ احادیث کے ذخیروں میں بکثرت کیا گیا، یہاں ہم ایک جامع حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں، جس سے حج اور سفر حج کی فضیلت نہایت عمدگی کے ساتھ واضح ہوتی ہے، یہ حدیث سیّدنا عبداللہ بن امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور اسے صاحب ترغیب وترہیب نے طبرانی کی المعجم الکبیر اور بزار کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں منیٰ کی مسجد (خیف) میں حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اتنے میں دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک انصاری اور ایک قبیلہ بنی ثقیف کا، انھوں نے سلام کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ کے حضور کچھ پوچھنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں خود بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ اور اگر چاہو، تو میں نہ کہوں تم خود ہی بتاؤ! ان دونوں نے عرض کی حضرت! آپ ہی ارشاد فرمائیں، پھر ثقفی نے انصاری سے کہا، آپ کہئے، انھوں نے درخواست کی، اے اللہ کے رسول! بتائیں، آپ نے فرمایا کہ تمہارا سوال یہ ہے کہ تم جو اپنے گھر سے بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہو، اس میں تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھو گے اس کا ثواب کیا ہے؟ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو گے، اس میں تمہیں کیا ملے گا؟ اور وقوفِ عرفہ میں کیا حاصل ہوگا؟ اور جمرات کی رمی میں کیا ملے گا؟ اور قربانی کرو گے، تو اس کا اجر کیا ہوگا؟ اور طوافِ افاضہ کی کیا شان ہے؟

انھوں نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، انھیں سوالات کے لئے میں حاضر خدمت ہوا ہوں۔ فرمایا:

(۱) جب تم بیت اللہ الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے ہو، تو تمہاری اونٹنی نے جو بھی

قدم زمین پر رکھا یا زمین سے اٹھایا، ہر ایک پر اللہ نے تمہارے لئے ایک نیکی لکھی، اور ایک خطا معاف فرمائی۔

(۲) اور طواف کے لئے جو دو رکعت تم نے پڑھی، تو یہ ایسا ہے، جیسے تم نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے دو غلام آزاد کئے۔

(۳) اور تم نے صفا و مروہ کے درمیان جو سعی کی، وہ ایسا ہے جیسے تم نے ستر غلام آزاد کئے۔

(۴) اور وقوف عرفہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور فرشتوں کو مخاطب کر کے فخر سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے، میرے حضور میں پراگندہ بال دور دراز اور گہرے راستوں سے چل کر آئے ہیں، اور جنت کی آس لگائے ہوئے ہیں، تو (اے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کی تعداد کے برابر یا بارش کے قطروں کے مانند، یا سمندر کی جھاگ کے مثل بھی ہوں گے تب بھی ان کی مغفرت کردوں گا۔ میرے بندو! تم بخشے بخشائے یہاں سے جاؤ، تمہاری بھی بخشش ہے، اور جن کی تم سفارش کرو گے ان کی بھی بخشش ہے۔

(۵) اور تمہاری رمی کا اجر یہ ہے کہ ہر کنکری جسے تم نے پھینکا ہے، اس سے ایک ایک مہلک گناہ کبیرہ کی معافی ہے۔

(۶) اور جو قربانی تم نے کی ہے، وہ تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے۔

(۷) اور جو تم نے سر منڈوایا، تو سنو! ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، اور ایک خطا کی معافی ہے۔

(۸) اور اس کے بعد جو تم نے طواف (زیارت) کیا، تو اس طرح تم نے طواف کیا کہ تمہارے ذمے کوئی گناہ نہیں۔ ایک فرشتہ آتا ہے، اور تمہارے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھتا ہے، اور کہتا ہے، اب پھر سے از سر نو عمل شروع کرو، پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۷)

حج کی فضیلت رسول اکرم ﷺ نے نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کردی، یہ بیان محتاج تشریح نہیں ہے، البتہ یہ معلوم کرلینا چاہئے کہ جس حج کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کی کیا شان ہونی چاہئے۔

حج کیسا ہو؟ قرآن کریم کا ارشاد:

حج کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ (سورۃ البقرۃ:۱۹۷) حج کے چند متعین مہینے ہیں، تو جس کسی نے ان مہینوں میں حج کا التزام کیا، تو اس میں نہ رفث ہے، نہ فسق ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا ہے) رفث کے معنی بیوی سے صحبت کرنے کے ہیں، اسی حکم میں بیوی سے شہوت کی باتیں بھی ہیں، حالت احرام میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ فسوق کے معنی نافرمانی اور معصیت کے ہیں، حج کا التزام کرلینے کے بعد اور بالخصوص حرم میں حاضر ہونے کے بعد، معصیت اور حق تعالیٰ کی نافرمانی شدید تر ہوجاتی ہے، اور اس سے حج خراب ہوجاتا ہے۔ جدال کے معنی لڑنے جھگڑنے کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے کہ حج میں جدال یہ ہے کہ گالی گلوج کرے، برا بھلا کہے، کسی سے ایسی بحث وتکرار کرے کہ اس کو غصہ آجائے۔

حاجی ان تینوں چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرے گا، تو اس کا حج، حج کہلائے گا، ورنہ سفر کی مشقت، مال کا صرفہ ہی ہاتھ آئے گا، اور حج مجروح ہوکر رہے گا، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

من قضیٰ نسکه وسلم المسلمون من لسانه ویده غفر له ماتقدم من ذنبه۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید) جس نے ارکان حج ادا کئے، اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں۔

اس شان کا حج، حج مبرور کہلاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع من ذنوبهٖ کیومٍ ولدته

امہ (بخاری ومسلم)

جس نے حج کیا، اور رفث اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا، وہ اس طرح گناہوں سے پاک صاف ہوکر لوٹا، جیسے اس دن تھا، جس دن وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة، رواه الطبرانی

حج مبرور کا تو بدلہ جنت سے کم نہیں ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۲)

حج مبرور کہلانے کا مستحق وہی حج ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ حضرات صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، کہ حج مبرور ہونا کس طور سے ہوگا، تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

إطعام الطعام وطيب الكلام۔ کھانا کھلانا، اور پاکیزہ بات بولنا۔

امام احمد اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے:

إطعام الطعام وإفشاء السلام۔ کھانا کھلانا، اور سلام کثرت سے کرنا۔

(الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۲)

قرآن مجید کی آیت کریمہ اور حضور اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے حج مبرور کی شرح ہوجاتی ہے۔

سفر حج کی اہمیت:

ایک طرف حج کی اس فضیلت کو نظر میں رکھئے، پھر یہ غور کیجئے کہ سفر ایک مشکل عمل ہے، آدمی اپنے گھر میں ہوتا ہے تو ایک لگے بندھے معمول پر اس کی زندگی گزرتی ہے، اور وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے، وقت پر کھانا پینا، وقت پر سونا جاگنا، متعین کام کو وقت پر بجالانا، لیکن سفر میں سب معمولات درہم برہم ہوجاتے ہیں، تاہم اگر سفر اپنے چند رفقاء کے ہمراہ ہو، اور انھیں کے ساتھ سارا نظام سفر ہو، تو پھر کچھ آسانی ہوجاتی ہے، لیکن اگر سفر ایسا ہو کہ مختلف احوال اور مختلف مزاج کے لوگوں سے اختلاط ہو، جیسا کہ حج کے سفر میں ہوتا ہے، جس کے نہ

پروگرام اپنے اختیار میں، نہ ہمسفروں کا کچھ اندازہ کہ کس کس طرح کے لوگ ہوں گے، پھر سب کا ایک جگہ اکٹھا ہونا، پھر ان کے ساتھ بشری حاجات وضروریات بلکہ رجحانات اور خواہشوں کا لگا رہنا، اس سے سفر کی دشواری اور بڑھ جاتی ہے، اس سفر میں آدمی جدال اور فسوق سے بچ نکلے، ایک بڑا مجاہدہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سفرِ حج کو جہاد قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عزیز نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا، میں ایک بزدل آدمی ہوں اور کمزور بھی ہوں، (پس جہاد کیسے کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

هلم إلىٰ جهاد لاشوكة فيه ۔الحج۔ رواہ الطبرانی الکبیر والاوسط ورواتہ ثقات

تم ایسا جہاد کرو جس میں (دوسرے ہتھیار تو کیا) کانٹا بھی نہیں ہے، یعنی حج کرو۔

امام نسائی کی روایت میں ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جهاد الكبير والضعيف والمرأة الحج والعمرة ۔

بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد حج وعمرہ ہے۔ (الترغيب والترهيب، ج:۲، ص:۱۷)

پس جب حج وعمرہ جہاد ہے تو اس میں دشواریوں اور پریشانیوں کا ہونا لازم ہے، کوئی سفرِ حج یا سفرِ عمرہ مشقت اور الجھن سے خالی ہو، شاید ایسا نہ ملے۔ جتنے لوگوں نے سفرِ حج کی رودادیں لکھی ہیں، کم وبیش ان میں مشقتوں کا تذکرہ ہے، آج کے دور میں تو وسائل وذرائع اس قدر سہل اور تیز رفتار دستیاب ہیں کہ جس سفرِ حج میں پہلے سالوں، پھر مہینوں صرف ہوتے تھے، اب آدمی چاہے تو دور دراز سے آکر ہفتوں اور دنوں میں حج کی تکمیل کر کے واپس جا سکتا ہے۔

لیکن اس سہولت کے بعد بھی دشواریاں، پریشانیاں اور ناگواریاں اتنی پیش آتی ہیں کہ ناتجربہ کار آدمی بوکھلا کر رہ جاتا ہے، یہیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے

فسوق اور جدال پر جو بندش لگائی ہے، اس کی جیسے پہلے ضرورت تھی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے، وسائل وذرائع تو ضرور بدل گئے، ان میں وسعت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، مگر انسان ابھی وہی ہے اور انسانی طبائع بھی وہی ہیں بلکہ ان میں کچھ گراوٹ ہی آئی ہے، اس لئے جیسے اور دینی مسائل ومعاملات میں یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے، سفر حج کے سلسلے میں بھی تذکیر اور نصیحت کی ضرورت ہے۔

استحضارِ نیت:

سفر حج وعمرہ کے فضائل مختصراً آپ نے پڑھ لئے، سفر کے آغاز سے اس کے ختم ہونے تک حاجی صاحب اس بات کو مستحضر رکھیں کہ ان کا یہ سفر محض اللہ کی عبادت کے لئے ہے، اور اس کے واسطے سے یہ سفر خود عبادت ہے، اس راہ میں جو بھی تکلیف ہوگی، مشکل پڑے گی، ان سب کی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہوگی، اور جو کچھ تکلیف ہورہی ہے، اللہ کی راہ میں ہورہی ہے، اور اللہ کے لئے ہورہی ہے، اور مزید یہ خیال رہے کہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ اجر وثواب میں اضافہ ہو، اس تصور سے تکلیف کا جھیل لینا آسان ہوگا، بلکہ تکلیف، تکلیف معلوم ہی نہ ہوگی، حاجی کو جب نیت مستحضر نہیں ہوتی، تو وہ پریشان ہوتا ہے، اور گھر جیسی راحت چاہتا ہے، اور نہیں ملتی تو شکایتوں میں مبتلا ہوتا ہے، اچھے خاصے سفر عبادت کو گناہ سے بدل لیتا ہے، مشقت اس شکایت اور غصہ سے تو ختم نہیں ہوگی، البتہ ثواب ختم ہوجاتا ہے، اور غیبت، شکایت، فضول تبصروں اور تنقیدوں کا گناہ سر پڑتا ہے، اور سفر بجائے نفع کے خسارے کا سودا ہوجاتا ہے۔

اس استحضار کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ حج میں آنے والے حضرات محض چند دنیاوی رسوم پورا کرنے کو حج کا خلاصہ سمجھتے ہیں۔

حجر اسود کا بوسہ:

مثلاً بہت سے حاجیوں کی کوشش ہوتی ہے، کہ خواہ کوئی صورت ہو، حجر اسود کا بوسہ لینا ضروری ہے، اس بوسہ کے شوق میں بلکہ جنونِ شوق میں آدمی نہ اپنی پرواہ کرتا ہے، نہ

دوسروں کی، اور نہ خود بیت اللہ کی حرمت وعظمت کی! دھکم دھکا کر کے حجر اسود کا بوسہ لے لینے کو حج کی فتح عظیم سمجھتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے، اگر حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے تو وطن کیا منہ لے کر جائیں گے، لوگ کہیں کہ یہ کیا حج کیا؟ بعض ملک کے لوگ شاید حجر اسود کے بوسے کو حج کا رکن اعظم سمجھتے ہیں، ان کے مرد، ان کی عورتیں، ان کے بچے سب اس کے بوسے کے لئے جان کی بازی لگائے رہتے ہیں، بعض اوقات چیخم دھاڑ کی نوبت آجاتی ہے، یہ خاکسار ایک بار طواف کے ہجوم میں سر جھکائے اپنے کو سمیٹے محو طواف تھا کہ اچانک بڑے زور سے چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ بے اختیار نگاہ اوپر اٹھ گئی، تو دیکھا ایک لڑکی لوگوں کے سروں پر اچھلتی اور پھسلتی جارہی ہے، اس کو کسی نے زور سے اچھال دیا تھا۔ میں نے إنا للہ پڑھا اور آگے بڑھ گیا، اللہ جانے اس کا کیا حشر ہوا؟

حالانکہ حجر اسود کا بوسہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لئے جان جوکھم میں ڈالی جائے، بے تکلف میسر آجائے تو سبحان اللہ! ورنہ دور سے ہاتھوں کی ہتھیلی اس کی طرف متوجہ کر کے اسے چوم لیجئے، یہ استلام بوسے کا بدل ہے، اور یہی رسول اکرم ﷺ کی تعلیم ہے، اپنے کو بے موقع ایذا میں ڈالنا، اور دوسروں کو ایذا دینا دونوں حرام ہے، ہجوم میں حجر اسود کو بوسہ دینے کی کوشش میں دونوں غلطیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، ایک مستحب کے حصول کے لئے یہ بات خلاف عقل بھی ہے اور خلاف شرع بھی، بالخصوص جبکہ اس کا بدل بھی موجود ہے، اور وہ ہے دور سے ہاتھ اٹھا کر استلام! اس سے بھی وہی اجر حاصل ہوگا جو بوسہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اگر حاجی کو یہ استحضار ہوتا کہ مجھے اللہ کی عبادت کرنی اور اسے راضی کرنا ہے تو وہ ہرگز اس دھکا پیل میں نہ پڑتا، اصل تبرک تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے، ان متبرک اشیاء کی برکت بھی جو ظاہر ہوئی ہے، اور جس کے لئے آدمی بے قرار رہتا ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کے بتانے ہی سے ہے۔ لہٰذا سب برکتوں کی اصل آپ کی تعلیم ہے، اپنے نفس کے تقاضوں کو دبا کر، لوگوں کے طعن سے صرف نظر کر کے، کام وہی کرنا چاہئے جس کی تعلیم ہمیں رسول اکرم ﷺ سے ملی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے عبدالرحمٰن بن حارث سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا:

يا أبا حفص ! إنك رجل قوى ، فلاتزاحم على الركن فانك توذى الضعيف ، ولكن إذا وجدت خلوة فاستلمه والا فكبر وامض۔

اے ابوحفص! تم طاقتور آدمی ہو، اس لئے حجر اسود پر بھیڑ نہ لگانا، کہ کمزور آدمی کو تم سے تکلیف پہونچ جائے، ہاں جب خالی ملے تو استلام کرلینا ورنہ اللہ اکبر کہنا اور گزر جانا۔
(الافصاح علیٰ مسائل الایضاح، ص:۲۰۶)

طواف میں بے اعتدالیاں:

عبادت کی نیت کے مستحضر نہ رہنے کی وجہ سے آدمی طواف میں بھی بہت بے اعتدالی کرتا ہے، طواف نام ہے ادب سے سر جھکا کر اللہ کی طرف متوجہ ہوکر خشوع خضوع سے بیت اللہ کے ارد گرد چکر لگانے کا، عبادت سکون واطمینان کو چاہتی ہے بلکہ حدیث میں طواف کو نماز کہا گیا ہے، البتہ اس میں بات کرنے کی اجازت ہے، اور بات بھی صرف خیر کی۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الطواف حول البيت صلوٰة إلا أنكم تتكلمون فيه ، فمن تكلم فيه فلا يتكلم إلا بخير (الترغيب والترهيب،: ۲، ص: ۹۲)

بیت اللہ کا طواف نماز ہے، مگر یہ کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو، تو جو کوئی طواف میں بات کرے، تو بجز خیر کے اور کوئی بات نہ کرے۔

بات کرنے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بات کرنا بہتر ہے، مجبوری میں بات کرلے، ورنہ خاموشی سے، اللہ کی طرف متوجہ رہے، اور اس سے مناجات کرتا رہے۔

طواف میں شور وغل:

طواف میں ایک بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ گروپ بنا کر طواف کرتے

ہیں، اور ایک آدمی زور زور سے چلا کر دعائیں پڑھتا ہے، اور گروپ کے لوگ باآواز بلند انھیں دہراتے ہیں، اس سے دوسرے طواف کرنے والوں کو بیحد خلل ہوتا ہے، پھر جب وہ سب مل کر ساتھ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو لوگوں کو دھکا بھی خوب مارتے ہیں، کیونکہ کبھی گروپ کے آدمی آگے بڑھ جاتے، اور کوئی شخص قدرے پیچھے رہ جائے تو وہ تیزی سے دوڑ کر گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے، اور بے تکلف دھکے مارتا چلا جاتا ہے، ان گروپوں نے تو طواف کی عبادت کو تباہ کر رکھا ہے، اتنا شور وغل کرتے ہیں کہ نہ ان کی عبادت محفوظ رہتی، نہ دوسروں کی۔

طواف کے آداب:

امام نووی علیہ الرحمہ نے طواف کے آداب میں لکھا ہے:

> ”طواف کے دوران خشوع وخضوع اور حضورِ قلب رہنا چاہئے، اپنے ظاہر وباطن ہر لحاظ سے ادب کی رعایت رکھے، اپنی رفتار، اپنی نگاہ اور اپنی ہیئت ہر ایک کو ادب کا پابند بنائے رکھے، کیونکہ طواف نماز ہے، اس لئے مناسب ہے کہ نماز کے آداب کا خیال رکھے، اور قلب میں اس ذات عالی کا استحضار رکھے، جس کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔
>
> اور واجب ہے کہ اپنی نگاہ کو ناجائز محل پر جانے سے محفوظ رکھے، کسی عورت یا امرد لڑکے کو دیکھنے سے پرہیز کرے، کیونکہ خوبصورت امرد پر نظر ڈالنا بہر حال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی شرعی ضرورت ہو۔ (کتاب الایضاح: ۲۴۲/۲۴۳)

عورتوں کا طواف:

حج اور اس کے تمام اعمال عبادت ہیں، طواف ایک عظیم عبادت ہے لیکن یہ حیثیت جب نگاہ سے اوجھل ہوتی ہے، تو آدمی اسے ایک رسم بنا کر جیسے بھی ہو اسے کرنا کافی سمجھتا ہے۔ طواف مرد کے لئے بھی عبادت ہے، اور عورتوں کے لئے بھی، مگر رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مردوں سے جدا احتیاط سے طواف کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ دورانِ طواف مردوں سے ان کا اختلاط نہ ہو، چنانچہ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے

پیچھے سے طواف کریں۔ ہمارے زمانے میں بفضلہٖ تعالیٰ لوگ بڑی تعداد میں حج وعمرے کے لئے پہونچتے ہیں، اس لئے مطاف میں مردوں اور عورتوں کی علیٰحدگی کی گنجائش کم ہوتی ہے، لیکن یہ تو بہر حال جائز نہیں ہے، کہ مرد وعورت باہم ٹکراتے رہیں۔

مردوں اور عورتوں کا ایسا اختلاط کہ آپس میں بدنوں کا تصادم ہو، ہر جگہ برا ہے، اور خاص طور سے عبادت کی جگہ تو بہت ہی برا ہے، لیکن عجیب مصیبت ہے کہ حرم پاک سے مقدس عبادت کی جگہ اور کون سی ہوگی؟ مگر عورتوں کا حال یہ ہے کہ برقعہ اور پردہ پھینک کر مردوں کے ہجوم میں گھستی ہیں، اور مرد تو کچھ احتیاط کر لیتے ہیں، عورتیں تو بے محابا دھکا دیتی ہیں، بعض ممالک کی عورتیں تو مردوں کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں۔ ہندوستان کی عورتوں میں کچھ کچھ لحاظ نظر آتا ہے، مگر دوسروں کی ریس میں یہ بھی آگے بڑھتی ہیں، ایک بڑی دیدہ دلیری یہ ہوتی ہے کہ جو عورتیں ہندوستان میں بغیر برقعہ اور نقاب کے کبھی نہیں دیکھی جاتیں، وہ حج کے سفر میں پردہ سے بالکل آزاد ہو جاتی ہیں، حالت احرام میں تو یہ مجبوری ہے کہ چہرہ سے کپڑا متصل نہیں ہونا چاہئے، اس کا حل اب سے پہلے لوگوں نے یہ نکالا تھا کہ ایک ہیٹ نما ٹوپی ملا کرتی تھی، اسے سر پر جما کر برقعہ اوڑھ لیتی تھیں، برقعہ کا پردہ چہرے سے دور لٹکتا رہتا تھا۔ پردہ بھی ہوتا تھا، اور کوئی جنایت بھی نہ ہوتی تھی، مگر اب تکلف بے جا سمجھ کر اتنا سا پردہ بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ عورتیں بے حجاب مردوں کے درمیان، مردوں کی طرح پھرتی رہتی ہیں، احرام کی حالت میں چہرے کا کھلا رہنا خیر کسی درجہ میں ایک مجبوری ہو سکتی ہے، لیکن جب احرام نہیں ہے، تب کیا مجبوری ہے، چہرہ کھول کر بازار میں، حرم میں، طواف میں دوڑتی پھرتی ہیں، صرف دوڑتی نہیں، چیختی چلاتی رہتی ہیں۔ پہلے زیادہ تر بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں حج کے لئے جایا کرتی تھیں، اور عورتوں کی تعداد سفر کی مشقتوں اور مال کی اور وسائل کی فراوانی نہ ہونے کی وجہ سے کم ہوتی تھی، اب سفر حج میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، مال اور وسائل کی فراوانی بھی بہت ہے، اس لئے ہر مرد کے ساتھ ایک بلکہ کئی کئی عورتیں ہوتی ہیں، اگر کوئی مرد اکیلا ہوتا ہے، تو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اکیلے ہیں؟ کیا آپ کی بیوی کا

حق نہیں تھا؟ حتیٰ کہ یہ نوبت آ گئی ہے کہ مرد پر حج فرض ہو چکا ہے، اور عورت کو لے جانے کا انتظام نہیں ہے، تو اس وقت تک حج کے لئے نہیں جائیں گے جب تک عورت کا انتظام نہ ہو جائے، ایک عورت جس پر حج فرض نہیں ہے، اس کا حج کرانے کے لئے کتنے لوگ گنہگار ہوتے ہیں، نوجوان عورتوں کی بہتات میں فساد قلب ونظر سے بچنا کتنا مشکل ہے محتاج بیان نہیں، مگر وہی بات ہے کہ عبادت کے خیال پر دوسری دنیاداری کی باتوں کا خیال غالب آ گیا ہے، اس لئے جو کچھ کیا جا رہا ہے اس پر عبادت اور رضائے الٰہی کے آثار کم اور دنیاداری کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں، طواف کعبہ سے لے کر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ تک عورتوں کے ہجوم اور ان کی ناروا نقل وحرکت کی وجہ سے عبادت کا ماحول، میلہ اور تماشہ کا ماحول بن جاتا ہے۔

نعوذ باللہ من شرور الفتن۔

اگر مرد اس پر کچھ قابو رکھیں، احرام کے علاوہ دوسرے اوقات میں عورتوں کو پردہ میں رکھیں، انھیں پابند کریں کہ وہ عبادت کے لئے آئی ہیں، عبادت کے آداب اختیار کریں تو معاملہ کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں عورتوں کی نماز کے لئے الگ الگ جگہیں متعین ہیں، مسجد نبوی میں تو خیر مردوں کے درمیان عورتوں کے آنے کی گنجائش نہیں ہوتی، مگر مسجد حرام میں طواف کے واسطے سے مردوں کے درمیان عورتیں خوب آتی ہیں، اور نماز باجماعت میں بھی مردوں کے درمیان بے تکلف گھسی رہتی ہیں، حالانکہ جماعت کی نماز میں مردوں کے برابر کھڑے ہونے سے دائیں، بائیں اور ٹھیک پیچھے کے مرد کی نماز برباد ہو جاتی ہے، مگر کسے پرواہ ہے، کتنے لوگ ہیں، جو اپنے پہلو میں عورتوں کو کھڑا کر لیتے ہیں، یہ جہالت بھی ہے، عبادت کی بے وقعتی بھی ہے، مسئلہ کی اہمیت سے بے پروائی بھی ہے، کاش مرد اس پر دھیان دیتے، اور کاش حرم کی تقریروں اور مواعظ میں اس مسئلہ کو بیان کیا جاتا۔ ائمہ حرم جہاں یہ کہتے ہیں **سووا صفوفکم واعتدلوا** (صفیں سیدھی کر لیں اور برابر کھڑے ہوں) اس طرح وہ یہ بھی کہہ دیا کریں کہ عورتیں پیچھے کھڑی ہوں، مردوں کی صف میں نہ کھڑی ہوں، مگر اس مسئلہ پر بالکل سناٹا ہے۔

حرم محترم ہو یا مسجد نبوی! یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی نماز مسجد کے مقابلے میں گھر کے اندر افضل ہے، فرائض تو وہ گھر کے اندر ادا کرلیا کریں، ہاں دن یا رات کے کسی حصے میں مسجد میں جائیں، نوافل پڑھیں، تلاوت کریں، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، اور مردوں سے الگ رہیں۔

طواف کا معاملہ یہ ہے کہ عمرہ کا طواف فرض ہے، اور حج میں طواف زیارت فرض ہے، آخر میں طواف وداع واجب ہے، یہ طواف تو بہر صورت کرنے ہیں، ان کے علاوہ ہر طواف نفل ہے، نفل کے لئے وقت، گنجائش، ناروا اختلاط سے اجتناب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ عورتیں نفلی طواف بہت زیادہ نہ کریں، جس وقت ہجوم قدرے کم ہو، تو پردے کی رعایت کے ساتھ آہستہ آہستہ حتی الامکان مردوں سے بچ بچ کر طواف کریں، مگر چہرے پر نقاب ضرور ہو، بارہا دیکھا گیا ہے کہ بعض سعودی عورتیں سر سے پاؤں تک برقعے میں ملبوس، پاؤں میں موزے، ہاتھ میں دستانے سمیت طواف کررہی ہیں، نہ وہ خود دھکا دے رہی ہیں، نہ مردوں سے ٹکرارہی ہیں، اور نہ انھیں ٹکر لگ رہی ہے، اس اہتمام سے طواف ہوگا، تو یہ عبادت کی شان ہے؟

یہ بات اوروں تک شاید نہ پہونچے، لیکن اپنے ہندوستانی حاجیوں سے ضرور کہتا ہوں کہ وہ ان آداب کا خیال رکھیں، اور عورتوں کو بھی پابند بنائیں، آدمی سفر کی اتنی مشقت جھیلے اور عبادت کے لئے جھیلے، اور ایسی عبادت کے لئے، جو اگر قابل قبول ہوجائے تو آدمی ایسا ہوجائے جیسے ابھی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے، اور اس کے باوجود، اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور عبادات میں دنیاداری کو شامل کردے تو بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

منیٰ، عرفات، مزدلفہ:

حج کے مہینے تو شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تیرہ روز ہیں، مگر حج کی ادائیگی کے اصل دن پانچ ہیں، اور حج کے ادا کرنے کے مقامات چار ہیں۔ مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ۔ ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوتے ہیں، منیٰ میں ظہر سے فجر تک قیام

ہوتا ہے، پھر صبح کو عرفات جاتے ہیں، وقوف عرفات ہی اصل حج ہے، اس کا وقت زوال شمس کے بعد ہے، غروب آفتاب کے بعد وہاں سے نکل کر مزدلفہ آتے ہیں، مزدلفہ میں رات گزار کر طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک وقوف مزدلفہ ہوتا ہے، پھر وہاں سے سویرے چل کر منیٰ آتے ہیں، یہاں ایک جمرہ کی رمی ہے، پھر قربانی ہے، پھر سر منڈانا ہے، اس کے بعد طواف زیارت۔ ایک جمرہ کی رمی تو آج ہی متعین ہے، قربانی، سر منڈوانے اور طوافِ زیارت میں ۱۲؍ ذی الحجہ تک گنجائش ہے، ۱۱؍ اور ۱۲؍ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی ہے، بس ۱۲؍ کی شام تک حج کے تمام اعمال پورے ہوئے، کوئی مزید ثواب حاصل کرنا چاہے، تو ۱۳؍ کو بھی زوال کے بعد رمی کر لے۔

یہ پانچ دن تو حج کے لئے لازم ہیں، چھٹا دن اختیاری ہے۔ آپ غور کریں، اگر یہ پانچ دن آدمی اس طرح گزار دے کہ ظاہر اور باطن سے محض اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور حوائج ضروریہ کے علاوہ تمام اوقات کو ذکر و عبادت میں لگا دے تو کیا مشکل ہے؟ مگر ہوتا یہ ہے کہ لوگ فضول باتوں میں، گھومنے پھرنے میں، ارباب انتظام کی شکایتوں میں، کھانے پینے کی دقتوں کے بیان میں بہت سا وقت کھو دیتے ہیں، منیٰ میں ۸؍ کو حج کا کوئی مستقل عمل نہیں ہے، اس کو یونہی لایعنی مشغلوں میں کاٹ دیتے ہیں، منیٰ سے عرفات جانا، اتنی بڑی تعداد کا وہاں منتقل ہونا، ایک بڑا کام ہے، مگر بہر حال سارا مجمع وہاں پہونچ جاتا ہے۔ وہاں یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ ناواقفیت یا لاپروائی سے عرفات کے حدود کے باہر ہی پڑ جاتے ہیں، پھر اللہ جانے وہ حدود عرفات میں کب داخل ہوتے ہیں؟ اور داخل بھی ہوتے یا وہیں رہ جاتے ہیں، اور جو لوگ معلموں کے خیموں میں ہوتے ہیں، وہ تو عرفات ہی میں ہیں، لیکن وہ جو وقوف کا وقت ہے، اور وہی اصل حج ہے، اور وہی کائنات کا سب سے بیش قیمت وقت ہے، اتفاق کہئے یا انتظام کی خامی کہئے دوپہر کو عرفات میں کھانا تقسیم ہوتا ہے، اور حاجیوں کا اچھا خاصا وقت اس میں کھپ جاتا ہے، پھر آدمی پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو نیند ستانے لگتی ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے عرض کرتا ہوں کہ صبح کو کچھ کھا پی لیں، دوپہر کا کھانا حذف کر کے دلجمعی سے

ذکر وتلاوت اور دعا میں لگیں، بعض خیموں میں کچھ لوگوں کو تقریر کا جوش اٹھتا ہے، لاؤڈ اسپیکر لگا کر بعض اوقات لمبی لمبی تقریریں ہونے لگتی ہیں، حالانکہ اگر تذکیر مقصود ہے تو مختصر بات کے بعد سب کو کام پر لگا دینا چاہئے، اتنے سے وقت میں بھی کچھ لوگ سو لیتے ہیں، ادھر ادھر ٹہل لیتے ہیں، حالانکہ کرنے کے کام اور بھی ہیں۔

مغرب کے بعد جو مزدلفہ کو واپسی ہوتی ہے، تو پیدل چلنے والوں کی ایک خاصی تعداد مزدلفہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈال دیتی ہے، اور سڑک کو اس طرح جام کر دیتے ہیں کہ ان کے بعد والوں کیلئے مزدلفہ میں داخل ہونا ممکن نہیں رہتا، اگر حکومت اس کا انتظام کرنا چاہے تو اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے ہوتا ہے، مگر دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ صبح صادق سے پہلے ہی فجر کی نماز ادا کر کے اپنی دانست میں وقوف مزدلفہ کر کے منیٰ کو روانہ ہو جاتے ہیں، عبادت کے سلسلے میں اتنی لاپرواہی کہ مسئلہ نہ پوچھتے ہیں اور نہ بتانے پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ عام اکثریت کا حال نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنے لوگ صبح صادق سے پہلے فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے، اور جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہ حیرت بھی ہوتی ہے، اور افسوس بھی!

منیٰ پہونچنے کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہوتی ہے، اب تو رمی کا معاملہ بہت سہل ہو گیا ہے، حکومت نے اس موضوع پر خاص توجہ کی ہے، اور جگہ میں بہت وسعت کر دی ہے، مگر ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے واپس لوٹ رہے تھے، تو ایک حاجی اور ان کی حجن صاحبہ بڑے اطمینان سے پہلے جمرہ کی رمی کر رہے تھے، بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ جمرہ بالکل خالی ہے ہم نے بہت آسانی سے رمی کر لی۔

اس کے بعد قربانی کا مرحلہ ہے، اب لوگوں کو احرام سے آزاد ہونے کی جلدی ہوتی ہے، بقول حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلندشہری علیہ الرحمہ داڑھی منڈانے کی جلدی ہوتی ہے، کتنے مناسک حج میں ترتیب کا لحاظ کئے بغیر احرام اتار دیتے ہیں، احرام

اتارنے کے لئے افضل عمل سر منڈوانا ہے، بال بڑے ہوں تو کتروا دینے سے بھی احرام اتر جاتا ہے، عموماً لوگ سر منڈواتے ہیں، مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ بال چھوٹے ہونے کے بعد بھی منڈوانے کے بجائے کتروانے پر اکتفا کرتے ہیں، اس سے احرام سے وہ آزاد نہیں ہوتے، مگر لاپرواہی کرتے ہیں، حالانکہ بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جس کے لئے سفر کی اتنی مشقت برداشت کی ہے، اتنا مال خرچ کیا ہے، اس کے لئے وہی کام کریں، جو اسے پسند ہے، آج کے روز سر منڈوا دینا ہی اللہ کو پسند ہے، رسول اللہ ﷺ دعا کر رہے تھے **رحم الله المحلقين**، اللہ سر منڈوانے والوں پر رحمت نازل فرمائیں، کسی نے کہا **والمقصرين**، اور بال کتروانے والے پر بھی، آپ نے اسے نہیں کہا، بلکہ **رحم الله المحلقين**، اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ میں آپ نے فرمایا **والمقصرين**، اور بال کتروانے والے پر بھی رحمت ہو۔ تو جب ان کو یہی پسند ہے، تو اس میں کیوں کوتاہی کی جائے، اور داڑھی منڈانا تو مطلقاً منع ہے، اسے تو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہئے، مگر کتنے ہیں جو سر منڈوائیں یا نہ منڈوائیں، داڑھی صاف کر دیتے ہیں، یہ ہے عبادت کو الٹ دینا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائیں۔

منیٰ میں ۱۱؍اور ۱۲؍ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، اور زوال شمس کے بعد اس کا وقت ہے، معلمین نے اپنی بلڈنگوں میں اعلان لگا رکھا ہے کہ ان دنوں میں چوبیس گھنٹے میں کسی وقت بھی کنکری مار سکتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، اس سے سہولت پسندوں کو موقع مل گیا، وہ زوال سے پہلے ہی جا کر کنکری مار آتے ہیں، جبکہ وہ بالکل معتبر نہیں، عبادات میں احتیاط چاہئے۔

واپسی:

آخری رمی کے بعد حج کے تمام ارکان ومناسک مکمل ہوگئے، اب حجاج مکہ مکرمہ واپس آجاتے ہیں، باہر کے حجاج طواف وداع کر کے کچھ وطن لوٹتے ہیں اور کچھ مدینہ منورہ بھیجے جاتے ہیں، واپسی میں حجاج کے ساتھ ایک چیز ایسی لازمی ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر حاجی

کا گویا تصور ہی نہیں ہوتا، وہ ہے سامانوں کی خریداری! مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں تمام دنیا کی مصنوعات وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں، حجاج بالخصوص عورتوں کی آنکھ خیرہ ہو جاتی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت چیزیں، چمک دمک والی! جب تک جیب اجازت دیتی ہے، لوگ خریداری کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ مقروض بھی ہو جاتے ہیں، ہوائی جہاز میں ایک محدود وزن کی اجازت ہوتی ہے، اس سے زیادہ پر اچھا خاصا محصول لگتا ہے، جب یہ سامان حاجی باندھ لیتا ہے، تو اس کی سانس پھولنے لگتی ہے، کیونکہ مقررہ وزن سے سامان بڑھ گیا ہے، اب رقم ختم ہو گئی ہے، محصول کیسے ادا ہوگا، اور اگر رقم ہوتی تو فلاں فلاں چیز رہ گئی ہے، اسے نہ خرید لیتے، اب پریشان ہیں، دعا کرتے ہیں، دعا کراتے ہیں۔ بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ایک بار مدینہ طیبہ سے واپسی تھی، حجاج الگ بس پر بیٹھے، سامان دوسری گاڑی پر لاد دیا گیا، سب کے سامان زیادہ تھے، ایر پورٹ پر بس رکی، اب حجاج کی سانس اٹک رہی ہے، خدا کرے سامان تولا ہی نہ جائے، ہاں ایسا ہی ہوتا ہے، سعودی فلائٹ والے اللہ کریم کہہ کر سب لے لیتے ہیں، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تولنے لگ جائیں، ان کا موڈ ہے، پھر بغیر محصول کے ہرگز نہ جانے دیں گے، حاجیوں میں یہی کھچڑی پک رہی ہے، ایک دوسرے سے دعا کرا رہے ہیں، دیر کے بعد دیکھا گیا کہ سامان وزن کی جگہ سے آگے بڑھ رہا ہے، اب تول نہ ہوگی، حاجیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور ایک دوسرے کو اس طرح مبارکباد دینے لگے جیسے اسی وقت حج ہوا ہو۔

اس سال ایک حاجی صاحب کو دیکھا کہ ہونٹ خشک ہیں، چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں، ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہیں، کسی کو پہچان نہیں رہے ہیں، بات کیا ہے؟ سامان زیادہ ہے اور تولنے والا قبول نہیں کر رہا ہے، بہت خوشامد کے بعد اس نے قبول کر لیا، تب اطمینان ہوا۔

جو سامان یہ لوگ خریدتے ہیں، وہ اپنے ملک میں بھی ملتا ہے، مکہ مکرمہ کا ایک تحفہ

ہے، آب زمزم، اور مدینہ شریف کا ایک تحفہ ہے، کھجوریں۔ ان کے لئے بکثرت فضولیات ہوتے ہیں، ان فضولیات میں لوگ از حد پریشان ہوتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ سامانوں کی خریداری غلط ہے، لیکن فلائٹ کا اصول اور اپنی اوقات تو دیکھنی چاہئے، پھر سفر حج سے ایک عبادت اور تقدس کا جو تاثر ہوتا ہے، سامانوں کی کثرت سے وہ تاثر مجروح ہوجاتا ہے۔

حج کے اخراجات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے عمرہ کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إن لک من الاجر علیٰ قدر نصبک و نفقتک۔

تمہیں تمہاری تکان اور اخراجات کے بقدر اجر ملے گا (**رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرطھا**)

یعنی حج وعمرہ میں ظاہر ہے کہ بدن کو تکان بہت ہوتی ہے، بسا اوقات آدمی کا جسم چور چور ہوجاتا ہے، اسی طرح اس میں مالی اخراجات بھی بہت ہوتے ہیں، ان دونوں چیزوں سے آدمی گھبراتا ہے، آپ نے اس گھبراہٹ کو خوشی سے بدل دیا کہ جس قدر تکان ہوگی اور جتنا مال خرچ ہوگا، عبادت کا ثواب بڑھتا جائے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

النفقة فی الحج کالنفقة فی سبیل اللہ الدرھم بسبعمأئةٍ، رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۸۰) حج میں اخراجات کا ثواب، فی سبیل اللہ جہاد میں اخراجات کے برابر ہے، یعنی ایک درہم کا سات سو درہم۔

بعض اوقات حجاج کو خرچ کی زیادتی کی شکایت ہوتی ہے، یا حج کے دوران منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مکہ مکرمہ کی آمد ورفت میں چونکہ ازدحام بہت ہوتا ہے، ازدحام کی وجہ سے سڑکوں پر گاڑیاں دوڑتی اور چلتی نہیں، بلکہ رینگتی ہیں، کبھی کبھی دس منٹ کا راستہ طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، بارہا ایسا ہوا کہ عرفات سے مزدلفہ آنے میں پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے

لگ جاتے ہیں، اس بھیڑ میں معلم کی گاڑیاں بھی جہاں پھنس گئیں، پھنسی رہتی ہیں، سڑکیں بہت ہیں، کشادہ بھی بہت ہیں، مگر ہجوم اتنا زیادہ ہوتا ہے، اور محدود وقت میں سب کو ان چار جگہوں میں آنا جانا رہتا ہے، اس لئے جو صورتحال پیش آتی ہے وہ ناگزیر ہے، اس میں ظاہر ہے کہ گاڑیوں کا کرایہ بھی بہت بڑھ جاتا ہے، حجاج چیں بجبیں ہوتے ہیں، بعض کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ لوگ حاجیوں کو لوٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان کو بھی مجبوریاں ہوتی ہیں، پھر آپ جو کچھ خرچ کر دیں گے، اسی حساب سے ثواب بڑھ جائے گا، تو ناروا گھبراہٹ ظاہر کر کے، بیجا تبصرہ کر کے اپنا ثواب کیوں کھوتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے اپنے متوسلین کو ہدایت کر رکھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مول بھاؤ نہ کریں، ہمارے ذمے حق ہے کہ ہم اللہ ورسول کے ان پڑوسیوں کی مدد کریں، انھیں اگر ہم صدقہ نہیں دے سکتے، تو خرید وفروخت اور گاڑیوں کے کرائے میں تو وسعت سے کام لیں، ان کی مدد ہوگی اور ہمیں ثواب حاصل ہوگا۔

کبھی کبھی معلمین اور حج کمیٹی پر گرجتے برستے لوگ کہہ جاتے ہیں کہ اتنا اتنا پیسہ دیا ہے، یہ مناسب نہیں ہے، آپ نے پیسہ دیا ہے، آپ پر واجب تھا کہ دیتے، ان چند پیسوں میں دنیا وآخرت کی کتنی بڑی دولت حاصل ہوگئی، کہ آپ اللہ رب العزت کے دربارِ خاص میں پہونچ گئے، اگر تکلیف ہو رہی ہے، تو اس پر بھی اجر بڑھ رہا ہے، تو آپ کا تو نفع ہی نفع ہے، پھر ان طعنوں اور کوسنوں سے آپ نے کون سا ثواب کمایا؟

کبھی کبھی نیچے درجے کے بعض خدمت گار، مثلاً بوجھ ڈھونے والے مزدور، جو واقعی بہت محنت کرتے ہیں، حاجیوں کے بڑے بڑے وزنی سامان ادھر سے ادھر منتقل کرتے ہیں، کبھی وہ کچھ عطیے کے منتظر ہوتے ہیں، وہ مزدوری نہیں مانگتے، کیونکہ انھیں اجرت تو ان کے ذمہ داروں کی طرف سے ملتی ہے، حاجیوں کو راحت پہونچائی ہے تو بطور خوشی کے کچھ انعام، عطیہ، بخشش چاہتے ہیں، بعض لوگ انھیں سختی سے جھڑک دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ انھیں ہلکے سے ہلکا بھی انعام دیدیتے ہیں تو وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں، اور کام میں مزید

چستی پیدا ہوتی ہے، اور حاجی نے کچھ خوش ہو کر دے دیا، تو اسے ثواب ہوتا ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ حج مبرور ہونے کا ایک سبب کھانا کھلانا بھی ہے، حج میں اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ رفقاء ہوں یا خدام انھیں کھانا کھلاتے رہیں، خواہ کھانا دے کر، خواہ رقم دے کر، اس سے حج مبرور ہوتا ہے، اور یہ بھی کہ حج وعمرہ میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ آدمی کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حج وعمرہ تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح ختم کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

(ترمذی شریف، حدیث: ۸۱۰)

صبر وتحمل اور میانہ روی:

حاجی اگر سفر شروع کرنے سے پہلے بطور خاص تین باتوں کا اہتمام کرلے، تو سفر کی مشقت آسان ہوجائے گی، اور ایک صاف ستھرا سفر ہوگا۔

اول یہ کہ اس سفر کا عبادت ہونا، اور عبادت کا ذریعہ خوب اچھی طرح مستحضر کرلے، اور ہر ہر جگہ اس استحضار کی تجدید کرتا رہے، اور ابتداء ہی سے دل میں یہ بات بٹھالے کہ جتنی بھی ناگواریاں، دشواریاں، اور تکلیفیں پیش آئیں گی، وہ سب گناہوں کو مٹاتی اور ثواب کو بڑھاتی رہیں گی، بھوک ہو، پیاس ہو، پروگرام کی بے ترتیبی ہو، تقدیم وتاخیر ہو، بدن کی تکان ہو، بے خوابی کا خمار ہو، کسی نے ناگوار بات کہہ دی ہو، غرض جو بات بھی ہو، وہ محض تکلیف نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کریں گے، آخرت کا درجہ بلند کریں گے، یہ سب ناگواریاں عبادت میں شامل ہوں گی، یہ عبادت اختیاری نہیں غیر اختیاری ہوگی، اور اس کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

دوسرے یہ کہ گھر سے نکلنے کے وقت غصہ اور بے صبری کو اپنے پاس سے رخصت کردے، غصہ اور بے صبری ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ ایک چلا جائے گا تو دوسرا بھی رخصت ہوجائے گا۔ طے کرلے کہ خواہ کتنی ہی خلاف طبیعت اور خلاف مزاج بات ہوگی غصہ نہیں کرنا ہے، سفر ہے اور وہ بھی بہت ہجوم کا، اس میں اپنے مزاج کے خلاف ہونا ناگزیر

ہے، بس غصہ کی آگ سے اپنے آپ کو بچائے، جدال، جس کی حق تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے، اس کی بنیاد بھی غصہ ہی ہے، اس کو حاجی اپنے سے جدا ہی رکھے، یہ نہ ہوگا تو صبر خود بخود ہوگا، صبر کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں جو کام کرنا ہے، اس میں لگے رہیں گے، ناگواریوں کے ساتھ الجھنا پھر حکایت وشکایت کا دفتر کھولنا، کسی کو برا بھلا کہنا، یہ سب بے صبری ہے، چند دن کا سفر ہے، چند دن کی تکلیف سہہ لینا کیا مشکل ہے، لوگ اپنی بلڈنگ کی، اپنے معلم کی، حج کمیٹی کی، حج خدام کی بہت شکایتیں کرتے پھرتے ہیں، یہ بے صبری ہے، جو اللہ کو پسند نہیں ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ کیسی مقدس جگہ اللہ نے پہونچا دیا ہے، بہت بڑے احسان کا تصور ہوتا ہے، تو چھوٹی چھوٹی ناگواریاں فنا ہو جاتی ہیں۔

صبر وتحمل یہ دو بنیادی اوصاف ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی مدد بھی ان پر آتی ہے، اور مشکلیں بھی آسان ہو جاتی ہیں، قرآن پاک اور حدیث میں صبر کے بہت فضائل ومحامد بیان کئے گئے ہیں: إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ اور غصہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ ، (آل عمران: ۱۳۴) اہل تقویٰ کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں۔

تیسری چیز جسے حاجی کو اہتمام کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ جلد بازی کسی مرحلہ میں نہ کرے، عبادت میں جلد بازی کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، نماز شروع ہو چکی ہو، تو دوڑ کر اس میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے، حج کے سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام چاہئے کہ جلد بازی نہ ہو، یہ طریقہ اللہ کو پسند نہیں ہے، اس کے برخلاف اطمینان ووقار حق تعالیٰ کو پسند ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا اقيمت الصلوٰة فلا تاتوها وانتم تسعون واتوها وانتم تمشون

وعليكم السكينة فماأدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا۔

جب نماز کی جماعت کھڑی ہوچکی، تو تم دوڑ کر اس میں مت شامل ہو، بلکہ سکون کے ساتھ چل کر شامل ہو، پھر جو مل جائے پڑھ لو، اور جو فوت ہوجائے اس کو بعد میں پورا کرلو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے کوچ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے ایک زوردار آواز سنی، کوئی صاحب اونٹ کو للکار کر تیز چلانا چاہ رہے تھے، اور اونٹ بلبلا رہا تھا، آپ نے اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور فرمایا:

أيهاالناس عليكم بالسكينة فان البر ليس بالايضاع۔

(بخاری عن ابن عباس)

اے لوگو! اطمینان اختیار کرو، دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

اگر ان تینوں باتوں کا اہتمام کیا گیا، تو سفر کی شکایتیں معدوم ہوجائیں گی۔ اس کے ساتھ چوتھی اہم چیز ہر ہر مرحلہ کی دعائیں ہیں۔ جہاں کہیں دشواری محسوس ہو حق تعالیٰ کے حضور خلوص دل سے دعائیں کی جائیں۔ مذکورہ بالا امور حق وعبادت ہیں اور اللہ کو پسند ہیں، ان پر کاربند ہوتے ہوئے جب دعا کی جائے گی، تو ان شاء اللہ دم نقد قبول ہوگی۔

والله والموفق وهو المعين والمجيب

* * *

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) **تسہیل الجلالین** ’’شرح اردو جلالین شریف‘‘ (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) **حدیث دوستاں**

دینی و اصلاحی اور علمی و ادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) **حدیث درد دل**

مجلّہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریئے صفحات:592 قیمت:300

(۴) **کھوئے ہوؤں کی جستجو**

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۵) **حیاتِ مصلح الامت**

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات:528 قیمت:150

(۶) **مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۷) **بطوافِ کعبہ رفتم** ---(سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۸) **تہجد گزار بندے** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت و فضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت 300

(۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات: 180 قیمت: 70

(۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اورمجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۲) مودودی صاحب اپنے افکارونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب **الاستاذ المودودی** کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۳) حکایتِ ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 400، قیمت: 250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپے

(۱۹) دینداری کے دودشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پرایک فکرانگیزتحریر! قیمت ۱۵/روپے

(۲۱) اہل حق اوراہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین	قیمت ۴۵/روپئے
(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح	قیمت ۳۵/روپئے
(۲۵) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان	قیمت ۲۵/روپئے
(۲۶) تصوف ایک تعارف!	قیمت ۸۰/روپئے
(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت	قیمت ۴۰/روپئے
(۲۸) تکبر اور اس کا انجام	قیمت ۳۰/روپئے
(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب	قیمت ۶۰/روپئے
(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح	قیمت ۳۰/روپئے
(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار	قیمت ۴۰/روپئے
(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم	قیمت ۱۰۰۰/روپئے
(۳۳) نمونے کے انسان	قیمت ۲۵۰/روپئے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786